

# سندھی زبان ادب کی تاریخ

تحقیق و تصنیف

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

مترجم

شذیرہ سکندری

سندھی ادبی بورڈ



# سندھی زبان و ادب کی تاریخ

تحقیق و تصنیف  
ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

مترجم  
شذرہ سکندری



سندھی ادبی بورڈ  
جام شورو  
2009ء

All rights Reserved with the Board

اشاعت اول

سال 2009ء

تعداد ایک ہزار

قیمت: تین سو روپے

[Price Rs. 300-00]

رابطہ خریداری

سندھی ادبی بورڈ کتاب گھر

تلک چاڑھی، حیدر آباد سندھ

فون: 022-2633679 فیکس: 022-2771602

Email Address: [sindhiab@yahoo.com](mailto:sindhiab@yahoo.com)

Website: [www.sindhiabadaiboard.org](http://www.sindhiabadaiboard.org)

---

یہ کتاب سندھی ادبی بورڈ جام شورو کی طرف سے سیکریٹری پروفیسر سید زوار حسین شاہ نقوی نے شائع کی اور سندھیکا اکیڈمی کراچی میں طبع ہوئی۔

## عرض ناشر

زبان کسی سماجی گروہ کے باہمی رابطے کا واحد ذریعہ، اجتماعی سوچ اور منفرد قومی شناخت ہوتی ہے، یہ اجتماعی سوچ حاصل ہونے میں بنی نوع انسان نے ارتقا کے کئی مراحل طے کئے ہیں۔ ایک ہی علاقے میں بسنے والے مختلف سماجی گروہوں کی معاشی پچھل اور سرگرمی کے نتیجے میں انسانی آوازوں کے ایک مربوط سلسلے کی تشکیل آدم ذات کی پہلی کامیابی ہے، یہ انسانی سماجی ارتقا کا دوسرا مرحلہ ہے اور تیسرے مرحلے میں ان انسانی آوازوں کے تصویری نشانات (Pictographic symbols) کا وجود میں آنا اور یوں تصویری رسم الخط (Pictographic script) سے تصویری رسم الخط (Ideographic script) تک کا سفر دنیا کے ہر خطے میں مختلف منتشر سماجی گروہوں نے واحد سماجی شناخت مستقل معاشی مفاد اور ایک رنگ رنگ ثقافت حاصل کرنے تک اور قبائل سے قوم بننے تک، طے کیا ہے۔ اس طرح سے وادی سندھ میں سندھی زبان نے ارتقا کے کئی مراحل طے کئے ہیں۔

سندھو تہذیب (Indus Civilization) نے ۳۵۰۰-۳۰۰۰ ق۔م تک ارتقا کے یہ مراحل طے کر چکی تھی اور ایک مربوط معاشرتی نظام زندگی اختیار کر چکی تھی اور یہ منظم سماج وادی سندھ سے نکل کر جنوب گجرات اور راجستھان اور شمال میں گنگا جمن کی وادیوں تک پھیل چکا۔ یہ ایک بڑی تہذیب تھی، مصری اور رومی تہذیب سے بھی بہت بڑی اور ایک وسیع و عریض خطے میں پھیلی ہوئی تہذیب، جس کا ثبوت سندھی زبان کی لسانی جغرافیائی سرحدوں سے واضح ہے۔

سندھو تہذیب اپنے ۵۰۰ سالہ عروج کے دور میں اپنی ہم عصر تہذیبوں سے بھی روابط رکھتی تھی، سمیری تہذیب سے یہ روابط جنوبی عراق کے شہر 'اور' (حضرت ابراہیمؑ کا آبائی وطن) سے



ملنے والی ۳۰ سندھو مہروں (Indus seals) سے ثابت ہیں۔ سندھو تہذیب کے یہ روابط اقتصادی و کاروباری تھے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سندھو تہذیب نے سمیری تہذیب پر اثر چھوڑا اور لیا ہوگا جب کہ سندھو تہذیب کی اس قدیم رسم الخط اور زبان پڑھے اور سمجھنے میں ابھی کچھ تحقیق کے مراحل اور وقت درکار ہے۔

ادب کسی سماج کے عمومی معاشرتی رویوں کا اظہار ہے، جس قدر کوئی سماج ترقی یافتہ ہوگا اس کے ثقافتی اظہار کے طریقے بھی اتنے ہی طاقتور اور اثر پذیر ہونگے۔ سندھی سماج کی طرح سندھی شعر بھی اپنے قدامت کا ایک تاریخی پس منظر رکھتا ہے، ہندوؤں کے ویدوں میں دریائے سندھ کی تعریف والے اشلوک کو اس ہی پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔

سندھی زبان کے عالمی شہرت یافتہ ممتاز محقق جناب ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کی یہ کتاب ”سندھی زبان و ادب کی تاریخ“ ان کی نصف صدی کی، کی ہوئی محنت شاقہ کا حاصل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سندھی زبان کی قدامت، اس کی لسانی روابط، سندھی زبان کے پھیلاؤ سے لیکر بعد از آمد اسلام، سندھی ادب کے معلوم اور موجود ذخیرے میں سے قدیم سندھی شعر سے لیکر سندھی نثر تک کا ذکر اور نایاب قلمی مخطوطات کے حوالہ جات سے یہ ثابت کیا ہے کہ سندھی زبان دنیا کی قدیم زبانوں میں سے ایک زبان ہے، جو اُس قدیم دور اور اس جدید دور کے علمی تقاضے حل کرتی ہے اور اس زبان کے لسانی تعلقات برصغیر اور دنیا کی تمام تہذیبوں سے ثابت ہیں۔ اس کتاب کا سندھی ترجمہ محترمہ شذرہ سکندری نے کیا ہے جو کہ خود ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، انہوں نے مترجم کی حیثیت میں اس کتاب میں حوالہ و حاشیہ آرائی میں اضافہ کر کے ایک عظیم علمی کام کیا۔ کہ زیب و زینت میں اضافہ کیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے ہندی اور اردو زبان کے ادب سے تعلق رکھنے والے حلقوں میں اس کتاب کی پذیرائی یقینی ہے۔ سندھی ادبی بورڈ کے لئے اس کتاب کا چھپنا باعث فخر ہے۔

پروفیسر سید زوار حسین شاہ نقوی

سیکرٹری

سندھی ادبی بورڈ، جام شورو

۲۰ ذوالقعد ۱۴۲۹ھ

۱۹ جولائی ۲۰۰۹ء

## پیش لفظ

سندھی اور اردو کے روابط بہت قدیم ہیں دونوں زبانوں نے جہاں ایک دوسرے کے براہ راست اثرات قبول کئے وہاں دونوں زبانوں کے ادب کی بہترین تخلیقات کے تراجم بھی ہوئے۔ سندھی ادب کے اردو تراجم کا آغاز قیام پاکستان سے قبل ہو چکا تھا اور بہت سی شعری و نثری تخلیقات اردو میں منتقل ہو چکی تھیں، جن سے ایک طرف بہت سے سندھی الفاظ اردو زبان میں داخل ہوئے تو دوسری طرف قاری کو سندھی ادب سے واقفیت بھی ہوئی نیز اس عمل کے ذریعے دو مختلف زبانیں بولنے والے افراد کے درمیان جہاں قربت بڑھی وہاں ایک دوسرے کے سماج اور سماجی اقدار کو گہرائی و گیرائی میں جا کر سمجھنے اور سماجی و علمی تاریخ سے آگہی حاصل کرنے کی ضرورت بھی بڑھی۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس تمام سلسلے میں جس قدر کسی زبان کا ادب معاون ہو سکتا ہے محتاج تعارف نہیں، اس لئے ہر دو زبانوں کی منتخب اور مفید کتابیں ایک دوسرے کی زبان میں ترجمہ ہونا شروع ہوئیں، خاص طور پر سندھی کتابوں کا اردو میں ترجمہ بڑی تعداد میں ہوا، جس میں کئی اصناف شامل ہیں افسانہ، شاعری، ناول، مذہب، تعلیم اور تاریخ کی بہت سی کتابیں اردو میں ترجمہ کی گئیں، خاص طور پر تاریخ کے حوالے سے نہایت عمدہ کام ہوا، سندھ میں اسلامی دور کی قدیم تاریخ سچ نامہ المعروف ”فتح نامہ“، تاریخ معصومی اور تحفۃ الکرام کا ترجمہ سندھ کی تاریخ کو سمجھنے کے لئے اردو اہل زبان کے لئے گراں قدر تحفہ ہے۔

سندھ کی تاریخ کے ساتھ ساتھ سندھی زبان و ادب کی تاریخ کا عہد بعد جائزہ لینے اور اس کے ابتدائی خدو خال سے لے کر ترقی یافتہ صورت اختیار کرنے تک کی تاریخ کے مطالعے کے لئے کسی مستند کتاب کی ضرورت بہر حال آج بھی موجود ہے کیونکہ اردو میں اگرچہ سندھی زبان و ادب کی تاریخ پر کافی مواد موجود ہے مگر کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں سندھی زبان و ادب کی عہد بعد مربوط و مکمل تاریخ بیان کی گئی ہو۔ اس ضرورت کے پیش نظر ضروری ہے کہ سندھی زبان و ادب کی تاریخ اردو میں قلم بند کی جائے، زیر نظر ترجمہ اسی ضرورت کو پورا کرنے کی ایک سعی ہے۔

سندھی زبان کی تاریخ کے سلسلے میں مسٹر بھیرول، مرزا قلیچ بیگ، آخوند عبدالرحیم وفا اور حکیم فتح محمد سیوہانی نے کافی کچھ لکھا ہے جو اپنی جگہ یقیناً اہمیت کا حامل ہے لیکن قدیم دور سے

لے کر سندھی زبان کی سلسلہ وار تاریخ مرتب کرنے میں سب سے اہم کردار محترم جناب ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ صاحب نے ادا کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سندھی زبان کی عہد بعد تاریخ کو علمی تحقیق کی روشنی میں دلائل اور حوالہ جات کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کی بدولت سندھی زبان و ادب کے کئی گمنام گوشے روشن ہوئے ہیں اور بہت سے نئے پہلو اجاگر ہو کر سامنے آئے ہیں۔ اس موضوع پر آپ کی مشہور کتاب ”سنڈی ہولی ۽ ادب جی تاریخ“ میں زبان کی تاریخ کے ساتھ ساتھ سندھ کی قدیم سیاسی اور سماجی تاریخ بھی موجود ہے، یعنی یہ کتاب اپنے موضوع کے حوالے سے ایک اہم دستاویز ہے۔ ”سنڈی ہولی ۽ ادب جی تاریخ“ کی اسی جامعیت کی بناء پر اس کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے تاکہ اردو خواں طبقہ سندھی زبان و ادب کی عہد بعد مربوط و مکمل تاریخ کا مطالعہ کر سکے اور ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کی بدولت سندھی زبان و ادب کی تاریخ کے جو گمشدہ گوشے سامنے آئے ہیں ان سے واقفیت حاصل کر سکے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس کتاب میں چھ سو سال قبل مسیح سے مغل دور کے خاتمہ، کلہوڑوں، ٹالپوروں اور انگریزوں کے ابتدائی دور ۱۸۶۰ء تک سندھی زبان و ادب کی جامع اور مربوط و مسلسل تاریخ بیان کی ہے، آپ نے سندھی زبان کی تاریخ کا انگریزوں کے دور کے ابتدائی چند سالوں تک کا ذکر کیا ہے اور اسے آگے نہیں بڑھایا اور اس کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ انگریز دور سے قبل کا مواد نایاب تھا جسے تلاش کرنا اور پھر یکجا کرنا آسان نہیں تھا جبکہ انگریز دور کا ریکارڈ موجود ہے جسے آسانی سے پیش کیا جاسکتا ہے، اسی لئے آپ نے انگریز دور سے قبل کے مواد کو نہایت محنت سے تلاش کیا اور تحقیق کے بعد اسے پیش کیا۔

”سنڈی ہولی ۽ ادب جی تاریخ“ کا ترجمہ کرتے وقت میں نے اس کتاب کی

اشاعت چہارم کو بنیاد بنایا ہے اور خاص طور پر جن امور کو پیش نظر رکھا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱- متن میں دیئے گئے اکثر سندھی اشعار کو اردو رسم الخط میں لکھا گیا ہے تاکہ اردو خواں حضرات ان اشعار کو صحیح طرح سے پڑھ سکیں۔

۲- بعض مقامات پر اصل متن میں کوئی مصرعہ لکھا ہوا ہے، اسے حاشیہ میں اصل ماخذ کی مدد سے مکمل کیا گیا ہے۔

۳- مختلف ذاتوں اور قوموں یا ان کی ذیلی شاخوں اور قبائل کے ناموں کا حاشیہ میں تعارف لکھا گیا ہے۔

۴- متن میں درج کسی شعر کا اگر دوسرا رسم الخط دستیاب ہوا تو اسے بھی حاشیہ میں لکھ دیا گیا ہے۔

۵- متن میں بعض سندھی اصطلاحات بھی استعمال ہوئی ہیں جن کی حاشیہ میں وضاحت کر دی گئی ہے۔

- ۶- متن میں درج کسی شعر یا تاریخی کتبہ کے دوسرے رسم الخط یا اس کے بعض الفاظ کے متعلق کسی دوسری کتاب میں اختلاف پایا گیا تو اس کا بھی حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔
- ۷- متن میں درج کسی واقعہ کی تاریخ اگر کسی دوسری کتاب میں مختلف لکھی ہوئی نظر آئی تو اس کا بھی حاشیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔
- ۸- متن میں درج سندھی 'راگ' یا 'سروں' کا حاشیہ میں مختصر تعارف لکھا گیا ہے۔
- ۹- بہت سارے سندھی الفاظ اور جملے اردو رسم الخط میں لکھ کر ان کے اصل تلفظ کو ظاہر کیا گیا ہے۔
- ۱۰- متن میں درج اگر کوئی شعر ایسا ہے جس کے کسی لفظ کے معنی و مطلب کے حوالے سے کسی لکھنے والے نے اختلاف کیا ہے تو حاشیہ میں اس کا بھی ذکر کر دیا ہے اور اس کی غلطی کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔
- ۱۱- متن میں مذکور کسی کتاب کا اگر دوسرا نام دستیاب ہوا تو حاشیہ میں اس کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔
- ۱۲- متن میں مذکور بعض کتابوں کو بعض مصنفین نے غلط طور پر دوسرے لوگوں کی طرف منسوب کر دیا ہے، حاشیہ میں ان کی اس غلطی کی نشاندہی کی گئی ہے۔
- ۱۳- دوران ترجمہ بعض مقامات پر میں نے اپنی طرف سے حواشی بھی دیئے ہیں، اس کے علاوہ ان حواشی کی "کتابیات" بھی، جن کی جداگانہ فہرست کتاب کے آخر میں درج کر دی گئی ہے۔
- ڈاکٹر صاحب کی یہ گراں قدر تصنیف جس بہترین اسلوب کی متقاضی تھی ممکن ہے مجھے ترجمہ کے دوران اس میں کما حقہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی ہو لیکن میں اتنا ضرور کہوں گی کہ یہ ایک طالب علم کی طالب علمانہ کوشش ہے لہذا امید ہے کہ اہل علم حضرات اسے اسی نظر سے دیکھیں گے۔

شذرہ سکندری

۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

17 فروری 2006ء

اورنگی ٹاؤن، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## مقدمہ (اشاعتِ اول)

”سندھی زبان کی مختصر تاریخ“ کے عنوان سے پہلی مرتبہ ایک مضمون ”سندھی ادبی کانفرنس“ (لاڑکانہ، ۲۲-۲۳ اکتوبر ۱۹۵۰ء) میں پڑھا گیا؛ جس کا متن (حواشی کے بغیر) بعد میں ”تحفہ لاڑکانہ“ میں شائع ہوا۔ اسی متن کی قدرے اصلاح اور آخر میں سومرہ دور کے متعلق کچھ نئے مواد کا اضافہ کر کے تفصیلی حواشی اور حوالہ جات کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ کے رسالہ ”مہراں“ کو اشاعت کیلئے دیا گیا جو اس رسالے کی جلد نمبر ۱، ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد کچھ دوستوں نے اصرار کیا کہ ”سندھی زبان کی تاریخ“ پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے اور اس مضمون سے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے اس کے متعلق ایک مستقل کتاب لکھی جائے؛ مگر چونکہ یہ مسئلہ گہری علمی تحقیق کا محتاج ہے اور اس کے متعلق بہت سوچ بچار کی ضرورت ہے، جس کے لئے متعدد مصروفیات کے باعث مکمل وقت اور فراغت میسر نہیں، اس لئے فی الحال سندھی زبان کے تاریخی مطالعے کو سہ دور کے اختتام تک پہنچایا گیا ہے، اور اگر زندگی نے وفا کی تو باقی ابواب مکمل کر کے اس مطالعے کو موجودہ دور تک پورا کیا جائے گا۔

سندھی زبان کے متعلق تاریخی تحقیق آج تک کسی تسلی بخش منزل تک نہیں پہنچی۔ اس تحقیق کے کم از کم دو پہلو ہیں: پہلا ”سندھی زبان کے تاریخی ارتقاء کا جائزہ“ اور دوسرا، زبان کی اندرونی ساخت اور ترتیب (صرف ونحو، صوتیات، لغت اور محاورات) کا مطالعہ۔ اس اولین پہلو کی تحقیق اور جستجو اب تک بالکل ابتدائی مرحلے میں ہے، بلکہ اس پہلو پر علمی تحقیق حقیقی معنی میں شروع ہی نہیں ہوئی ہے۔ البتہ کچھ یورپی دانشوروں نے سندھی زبان کی بنیاد کے متعلق کچھ نظریات پیش کئے ہیں جنہیں اس وقت تک سندھی علماء اپنی کتابوں میں بطور سند پیش کرتے رہے ہیں۔ بھیرول کی ”سنڈی بولی“ جی تاریخ“ (سندھی زبان کی تاریخ) اس عنوان پر پہلی کتاب ہے، جس میں ان نظریات کو سندھی ترجمے کی صورت میں دہرایا گیا ہے۔ شمس العلماء ڈاکٹر داؤد پوتہ، مولوی دین محمد وفا کی اور دیگر حضرات نے سندھی زبان کی تاریخ پر مضامین لکھے ہیں، ان میں انہی پہلے

والے نظریات کا اظہار کیا گیا۔ دوسرے پہلو، یعنی زبان کی اندرونی ساخت اور ترتیب کے متعلق البتہ کافی کچھ لکھا گیا ہے۔ یورپی دانشوروں میں سے ’واتھن‘ (Wathen) ’اسٹیک‘ (Stack) ’ایسٹوک‘ (Estvick) ’لیچ‘ (Leech) ’برٹن‘ (Burton) ’ٹرمپ‘ (Trumpp) ’گولڈسمڈ‘ (Goldsmid) ’گریئرسن‘ (Grierson) اور دیگر نے اپنے مضامین اور تصانیف میں سندھی زبان کی ترتیب اور صرف و نحو کے متعلق مفید معلومات مہیا کی ہیں۔ سندھی ادیبوں میں سے بطور خاص آخوند عبدالرحیم دانا، مرزا قلیچ بیگ، بھیرول اور حکیم فتح محمد سیوہانی نے سندھی صرف و نحو اور لغت کے متعلق اپنے مضامین اور کتابوں کے ذریعے قابل قدر مواد مہیا کیا ہے۔

سندھی زبان کی تاریخ کے سلسلے میں اگرچہ چند فاضل علماء نے قدیم دور میں زبان کی ابتداء کے متعلق قدرے کچھ لکھا ہے اور اپنی آراء پیش کی ہیں، مگر اس کے بعد آخری ادوار کی سلسلہ وار تاریخ کے متعلق کوئی خاص تحقیق نہیں کی ہے۔ اس کتاب میں قدیم دور سے لے کر سندھی زبان کی سلسلہ وار تاریخ مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور سردست اس سلسلہ کو علمی تحقیق کی روشنی میں دلائل اور حوالہ جات کے ساتھ ’سمہ دور‘ کے آخر تک پہنچایا گیا ہے۔

باب اول میں قبل از ۵۰۰ عیسوی دور کی تاریخی علامات و آثار اور ہند، آریائی زبانوں کے متعلق کی گئی تحقیق کی بنیاد پر ایک نیا تحقیقی نظریہ ظاہر کیا گیا ہے: یعنی کہ ”سندھی زبان بنیادی طور پر براہ راست سنسکرت سے نہیں نکلی، بلکہ سنسکرت سے پہلے والے دور کی وادی سندھ کی قدیم زبان ہے۔“ سنسکرت، پراکرت، اپ بھرنش اور وراچڈ اپ بھرنش کے متعلق نئی تحقیق قدیم مصنفین کے درج ذیل عام نظریے کو رد کرتی ہے کہ: ”سندھی وراچڈ اپ بھرنش سے نکلی ہے، وراچڈ اپ بھرنش پراکرت سے اور پراکرت سنسکرت سے نکلی ہے۔“

دوسرے باب میں، رائے اور برہمن خاندان اور عرب حکومت کے دور (۵۰۰-۱۰۵۰ء) کا تاریخی دلائل کی روشنی میں تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور یہ نتیجہ قائم کیا گیا ہے کہ: ”یہ سندھی زبان کی تشکیل کا بنیادی دور تھا جس میں موجودہ سندھی زبان کی نمو ہوئی۔“

تیسرے باب میں سومرہ دور کے متعلق تاریخی آثار اور سندھ کی مشہور مقامی روایات کی بناء پر یہ نتیجہ قائم کیا گیا ہے کہ ”یہ سندھی زبان کا تعمیری دور تھا“ اس سلسلہ میں اس دور کے بارے میں، سندھ کی تاریخی اور روایتی سرمائے کا از سر نو جائزہ لیا گیا ہے، اور اس سے قبل رسالہ ’مہراں‘ میں شائع شدہ کئی روایات کو بھی درست کیا گیا ہے۔ اس طرح نئی ترتیب سے اس دور کے متعلق کافی نیا مواد پیش کیا گیا ہے، جو اس ’رومانی دور‘ میں سندھی زبان کی تعمیر اور ترقی پر نئی روشنی ڈالتا ہے۔

چوتھے باب میں، سمہ دور کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ درحقیقت سمہ دور تاریخی لحاظ سے



قریبی دور ہے اور اس کے متعلق کافی تاریخی مواد موجود ہے۔ مگر آج تک اس دور کے لسانی ادبی سرمائے کا صحیح اندازہ نہیں لگایا گیا ہے۔ اس وقت تک فقط سہ دور کے آخری شاعر قاضی قادن کے اشعار اور بعض ایک دو مشکوک اشعار، علماء اور ادیبوں کے پیش نظر رہے ہیں۔ ہم نے اپنی موجودہ تحقیق کی بنیاد پر پہلے، سہ دور کی زبان اور ادب کے روایتی ذخیرے اور اس کے بعد تاریخی سرمائے کو سلسلہ وار پیش کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ اس دور کی زبان کے مطالعے کیلئے جو روایتی اور تاریخی مواد موجود ہے، وہ مکمل تحقیق کے ساتھ پڑھنے والوں کے سامنے آ سکے۔ اس کیلئے ہم نے اس دور کی زبان کے نمونوں اور نشانات - جو کہ 'مُکُوں'، 'کہاوتوں'، 'مصرعوں' یا اشعار کی صورت میں موجود ہیں - یا انہیں ظاہر کرنے والے دانا، درویشوں اور شعراء کے سلسلے اور سوانح پر تحقیقی بحث کی ہے تاکہ سہ دور کی زبان کے تمام معلوم نشان اور آثار تاریخی روشنی میں پوری طرح ظاہر ہوں اور آنے والا محقق ان آثار کے تاریخی وجود اور اہمیت سے مطمئن ہو کر پوری توجہ ان کی ہیئت و ترتیب کو سمجھنے کی طرف مرکوز کر سکے۔

درحقیقت زبان کی تاریخ، ملکی، سیاسی و سماجی تاریخ اور زبان کے علم و ادب کی تاریخ سے الگ ایک مضمون ہے، مگر ملکی سیاسی و سماجی پس منظر اور زبان کے ادبی سرمائے کو سمجھنے بغیر، زبان کے نمو و ارتقاء کی تاریخ لکھنا مشکل ہے۔ جیسا کہ سندھ کی قدیم سیاسی و سماجی تاریخ اور سندھی ادب کی اوائل تاریخ - خصوصاً قدیم دور سے لے کر سہ دور تک - ابھی تک پوری تحقیق کے ساتھ نہیں لکھی گئی ہے اس لئے ان اوائل ادوار میں سندھی زبان کی تاریخی حیثیت کو سمجھنے کیلئے ملکی تاریخی پس منظر اور سندھی زبان کے ابتدائی آثار پر بھی از سر نو تحقیق کر کے، زبان کے نمو اور ارتقاء کے بارے میں نئے نظریات قائم کئے گئے ہیں۔

اس کتاب میں جن چار تاریخی ادوار پر بحث کی گئی ہے وہ سندھ کی تاریخ اور زبان کے قدیم دور ہیں، جن کا تحقیقی جائزہ لے کر ان کے متعلق علمی نظریات قائم کرنا اور صحیح نتائج اخذ کرنا ایک مشکل مسئلہ تھا، جسے کسی حد تک حل کر لیا گیا ہے اور سندھی زبان کے تاریخی مطالعے کے متعلق آئندہ محققین کے لئے راہ ہموار کی گئی ہے۔ سہ دور کے بعد مغل دور سے موجود دور تک کافی تاریخی اور ادبی سرمایہ موجود ہے، جس کی روشنی میں سندھی زبان کے ان آخری ادوار کی تاریخ قدرے آسانی سے مرتب کی جاسکتی ہے۔

ہر کام ایک مقرر وقت پر مکمل ہوتا ہے، مگر یہ کتاب اس قدر جلد مکمل نہ ہو سکتی، اگر محترم ممتاز مرزا وقتاً فوقتاً اسے لکھ کر پورا کرنے کی تاکید نہ کرتے۔ انہوں نے نہایت سلیقے سے ان ابواب کے مسودہ کو لکھ کر صاف کیا اور پروف پڑھنے اور کتاب کی عمدہ طباعت و اشاعت کا ذمہ

لیا۔ محترم شیخ محمد اسماعیل نے بوقتِ طباعت ابواب و عنوانات کی عمدہ ترتیب قائم کرنے اور آخری پروف پڑھنے میں بہت مدد کی؛ اور پالیونیورسٹی پریس کے مینجر اور کارکنوں نے اس کتاب کے عیق اور مشکل حواشی کو صحیح طرح زیورِ طبع سے آراستہ کرنے میں بہت مدد کی۔ محترم ع۔ق۔ شیخ اور علی اکبر نے سرورق کی تصویر تیار کی۔ کتاب کے بلاک محترم اعجاز محمد صدیقی مینجر سندھ یونیورسٹی پریس کی نظرداری میں طبع ہوئے۔ بندہ تمام مذکورہ بالا اصحاب کا شکر گزار ہے۔

خادم العلم

نبی بخش

سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد سندھ

۱۶ نومبر ۱۹۶۲ء

## مقدمہ

### (اشاعت دوم)

اس کتاب کا پہلا خاکہ اٹھارہ سال پہلے سن ۱۹۶۲ء میں ”سنڈی بولی“ جی مختصر تاریخ“ کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس میں، سندھی زبان کی تاریخ پر، قدیم دور سے لے کر سہ دور کے اختتام (۱۵۲۰ء) تک دستیاب شدہ مواد کو کل چار ابواب میں مرتب کیا گیا تھا۔

اس پہلی اشاعت کو کافی عرصہ گزر گیا اور اس دوران اس موضوع پر غور کرتے ہوئے مزید معلومات دستیاب ہوئیں جن کی بنیاد پر نہ صرف پہلے مطبوعہ مواد کی اصلاح کی گئی اور اس میں اضافہ کیا گیا بلکہ نئے مواد کے پیش نظر نئے ابواب و عنوانات مرتب کئے گئے۔ مثلاً باب سوئم ”سندھی زبان کی انفرادیت اور بین الاقوامی حیثیت کا مسئلہ ہونا“ ایک نیا اضافی باب ہے۔ اس کے علاوہ پہلی اشاعت کے تیسرے باب (سومروں کا دور) اور چوتھے باب (سموں کا دور) میں نئے مواد اور نئے عنوانات کا اضافہ کیا گیا ہے، یہاں تک کہ موجودہ طباعت میں یہ دونوں باب کافی حد تک از سر نو ترتیب دئے گئے ہیں اور ان میں کچھ نئے نتائج ظاہر کئے گئے ہیں۔ باب ششم خاص طور پر موجودہ اشاعت کیلئے لکھا گیا ہے، اور اس میں ”ارغون، ترخان، مغلیہ دور“ میں سندھی زبان و ادب کی تاریخ اور ارتقائی رجحانات اور خاص خصوصیات کو روشن کیا گیا ہے۔ پہلی اشاعت میں سلسلہ بیان ۱۵۲۰ء تک تھا، مگر اس میں چھٹے باب کے اضافے سے وہ ۱۶۹۰ء تک پہنچایا گیا ہے: یعنی مدت کے لحاظ سے مزید ۱۷۰ سالہ تاریخ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مغلیہ سلطنت اگرچہ اٹھارویں صدی تک قائم رہی، مگر اورنگزیب کی وفات سے بھی سترہ برس پہلے ۱۶۹۰ء کو سندھی زبان اور ادب کی تاریخ میں ایک دور کی انتہا اور دوسرے کی ابتداء کا سال قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے اس جلد میں تاریخی سلسلے کو بھی تقریباً سترہویں صدی کے آخر تک پہنچایا گیا ہے اگر زندگی نے وفا کی تو دوسری جلد میں آئندہ آنے والے تاریخی دور کے بارے میں مزید خیالات پیش کئے جائیں گے۔

۱۹۶۲ء میں اشاعت اول کے مقدمے میں بتایا گیا تھا کہ: ”ملک کے سیاسی و سماجی پس منظر اور زبان کے ادبی سرمائے کو سمجھنے بغیر زبان کی ترقی و ارتقاء کی تاریخ لکھنا مشکل ہے“ ہم نے کوشش کر کے ہر دور کے سیاسی و سماجی ماحول کا زبان کے تاریخی ارتقاء کے لحاظ سے جائزہ لیا ہے، اور خاص طور پر ہر دور کے ادبی ذخیرے کو اجاگر کر کے اس پر زبان کی ترتیب کے لحاظ سے

غور و فکر کیا ہے۔ باوجود اس کے اس علمی تحقیق کے لئے مزید محنت کی ضرورت ہے، جس کے لئے امید ہے کہ اس کتاب کی آئندہ اشاعت کو بہتر بنانے کے لئے کوشش کی جائے گی۔ اس اشاعت میں ادب کے تحریری یا روایتی ذخیرے کو زیادہ زیر بحث لایا گیا ہے اور اسی لحاظ سے کتاب کا عنوان بھی ”سندھی زبان اور ادب کی مختصر تاریخ“ تجویز کیا گیا ہے۔

ابتداء میں محترم ممتاز مرزا اور اس کے بعد شیخ محمد اسماعیل نے اس کتاب کی پریس کاپی تیار کرنے اور پروف پڑھنے میں مدد کی اور برادر مراد علی خان نے کتاب کا صحت نامہ تیار کیا میں ان کا مشکور ہوں۔ سندھ پریس کے مالک احمد نبی بخش شیخ نے اس کتاب کی طباعت کی ذمہ داری قبول کی۔

خادم العلم

نبی بخش

حیدر آباد، سندھ

۱۸/شوال ۱۴۰۰ھ

۳۰ اگست ۱۹۸۰ء

## مقدمہ

### (اشاعت سوم)

دس سال میں اس کتاب کی تیسری اشاعت کے لئے راہ ہموار ہوئی ہے۔ اس عرصے میں تحقیق کا سلسلہ جاری رہا اور بہت سا نیا مواد دستیاب ہوا جس کی روشنی میں دوسری اشاعت کے چھ ابواب میں ضروری ترامیم اور اضافے کئے گئے ہیں۔ اس اشاعت میں، خاص طور پر دو نئے ابواب، ساتویں اور آٹھویں کا اضافہ کیا گیا ہے، جن کے ذریعے سندھی زبان اور ادب کی تاریخ کو انگریزوں کے ابتدائی سالوں تک پہنچایا گیا ہے۔ انگریز دور کا ریکارڈ موجود ہے اور اسے آسانی سے پیش کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اسے قومی نقطہ نظر کی تحقیق و تنقید سے پیش کیا جائے۔ البتہ انگریزوں کے دور سے پہلے کا مواد نایاب تھا جسے جمع کر کے پیش کرنا اس قدر آسان نہیں تھا۔ اس لیے باوجود راقم کی مسلسل جستجو کے، ۱۹۵۰ء میں لاڑکانہ ادبی کانفرنس میں سندھی زبان کی تاریخ پر پڑھے گئے مضمون کے آغاز سے لے کر ۱۹۹۰ء میں اس اشاعت تک، تقریباً چالیس برس گزر گئے، کافی محنت و جستجو سے مختلف مقامات و مآخذات سے مواد حاصل کر کے، سندھی زبان اور ادب کی تاریخ کو ”ادوار“ میں تقسیم کر کے تمام تفصیل اور ضروری وضاحت کے ساتھ مکمل کیا گیا ہے۔ اس اشاعت میں شامل آخری دو ابواب نہایت اہم ہیں کہ ان میں صرف نیا اور نایاب مواد پہلی مرتبہ شائع ہو رہا ہے بلکہ ان میں ایک تو سندھی زبان و ادب کے بعض گم نام گوشوں کو روشن کیا گیا ہے، اور دوسرا سندھی زبان میں تعلیم و تصنیف کے دو اہم سلسلوں کے متعلق لکھی گئی کتابوں کے حوالہ جات دستاویزی ثبوت کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ آٹھویں باب میں جن گیارہ عنوانات پر بنیادی معلومات مہیا کی گئی ہیں انہیں مزید تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت باقی ہے اور اگر زندگی نے وفا کی تو چوتھی اشاعت میں اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔

اس اشاعت کی تیاری و قلم میں عزیزم ڈاکٹر محمد یعقوب مغل، ڈائریکٹر پاکستان انسٹیٹیوٹ سینٹر، سندھ یونیورسٹی کی ترغیب کا بہت دخل ہے۔ ان کی محبت بھری تاکید ہی کا نتیجہ ہے کہ یہ کتاب شائع ہو رہی ہے۔

میری قلمی کاوشوں میں ابتداء سے میرے ساتھی اور رفیق محمد اسماعیل شیخ نے حسب دستور اس کتاب کے مسودہ کو پریس کے لئے تیار کرنے اور آخری طور کیوز شدہ مواد کو دیکھنے کا ذمہ لیا۔ کتاب کی پروف ریڈنگ محمد بخش لاشاری صاحب نے بہت توجہ سے کی۔ سندھ یونیورسٹی پریس کے میجر محترم فیض محمد میمن نے باوجود پرانی اور خستہ ٹائپ کے اس کتاب کو بہتر اور نئے انداز میں چھپوایا۔

خادم العلم

نبی بخش

حیدر آباد، سندھ

۱۳ صفر ۱۴۱۱ھ

۳ ستمبر ۱۹۹۰ء



## مقدمہ

### (اشاعتِ چہارم)

اب اس کتاب ”سندھی زبان اور ادب کی تاریخ“ کی چوتھی اشاعت کے لئے راہ ہموار ہوئی ہے۔ اس عرصے میں ادب کی تحقیق کا سلسلہ جاری و ساری رہا۔ آٹھویں باب میں جن گیارہ عنوانات پر بنیادی معلومات مہیا کی گئی تھیں انہیں مزید تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت باقی ہے لیکن زیادہ مصروفیت کی وجہ سے ان کی تکمیل میں نہیں کرسکا۔ زندگی نے وفا کی تو پانچویں اشاعت میں اس کی تکمیل کی جائے گی۔

اس سے پہلے تیسری اشاعت کی علمی و ادبی خدمت پاکستان اسٹڈی سینٹر کے حوالے کی گئی تھی اور اب یہ چوتھی اشاعت بھی اسی ادارے کے حوالے کر رہا ہوں۔ پاکستان اسٹڈی سینٹر سندھ یونیورسٹی میں سن ۱۹۷۴ء میں قائم ہوا جس دور میں، میں سندھ یونیورسٹی کا وائس چانسلر تھا۔ یہ سینٹر تعلیمی ترقی کے لئے کوشاں ہے اور کافی عرصے سے اپنی علمی، ادبی اور تحقیقی روایات قائم کرتا ہوا آرہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایم اے (پاکستان اسٹڈیز) ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی دی جاتی ہیں۔ یہ مرکز اب تک اٹھارہ کتابیں اور سالانہ تحقیقی رسالہ ”گراس روٹس“ کی انیس جلدیں شائع کرچکا ہے۔

اس چوتھی اشاعت کی تیاری و تکمیل میں محترمہ چاند بی بی سلطانہ، ڈائریکٹر پاکستان اسٹڈی سینٹر کی ذاتی دلچسپی و کوشش کا بڑا دخل ہے کہ یہ کتاب شائع ہو رہی ہے۔

میری قلمی کاوشوں میں ابتداء سے میرے ساتھیوں محمد اسماعیل شیخ، محترم مرحوم محمد بخش لاشاری اور ڈاکٹر عابد لغاری کی کاوشیں ناقابل فراموش ہیں جنہوں نے ہر مرحلے پر ساتھ دیا۔

خادم العلم

نبی بخش

حیدرآباد، سندھ

۱۷ فروری ۱۹۹۹ء

# فہرستِ عنوانات

3	باب اول: قدیم دور: سندھ کی زبان یا زبانیں (۶۰۰ سال قبل مسیح تا ۵۰۰ سال بعد مسیح)
3	(الف) ۶۰۰ سال قبل مسیح
3	سندھ کی اوائل کی زبان اور موجودہ سندھی زبان
4	”موئن جو دڑو“ کی زبان
5	دراوڑی زبانیں اور سندھی زبان
6	سندھی کے سنسکرت سے نکلنے کے نظریے میں شک
6	سندھی لغت کا اپنا خالص ذخیرہ کہاں سے آیا
7	سندھی زبان کی دراوڑی بنیاد کے لیے ثرٹ کے دلائل اور ان پر تنقید
12	سندھی میں منڈا اور دراوڑی زبانوں کے الفاظ
13	سنسکرت اور سندھی زبان
15	(ب) ۶۰۰ سال قبل مسیح سے ۵۰۰ سال بعد مسیح
15	سندھ کی زبان اور پالی پراکرت
17	دیگر حکمران قوموں کی زبانوں کا اثر
18	زبانوں کا زمانی خاکہ
19	سنسکرت، پراکرت اور اپ بھرنش
21	اپ بھرنش اور سندھی کا تعلق
23	اپ بھرنش کی لغوی اور تاریخی حیثیت
24	نتائج
26	باب دوم: سندھی زبان کی تشکیل کا ابتدائی دور (۵۰۰-۹۵۰ء)
26	(الف) رائے اور برہمن خاندان کے دور حکومت میں زبان کی ترتیب اور صورت
29	(ب) جنت قبائل کی زبان اور سوڈھوں، ٹھاکروں کی ڈھانکی زبان

## باب سوم: سندھی زبان کی انفرادیت اور بین الاقوامی

## حیثیت کا مسلم ہونا

(۹۵۰-۱۰۵۰ء)

## باب چہارم: سندھی زبان کی تعمیر و توسیع اور

## زبانی ادبی روایت کی ترقی کا دور

(سومرا دور حکومت ۱۰۵۰-۱۳۵۰ء)

- 105 (ب) سومروں کی علاؤ الدین کے لشکر کے ساتھ جنگ  
 107 (ج) گچھ میں مہو اور مناہن کی داغہم چاؤڑہ کے ساتھ جنگ  
 109 (د) جام ہالہ اور ہمیر سومرہ کی لڑائی  
 109 سومروں کی سخاوت کے بارے میں بھانڈوں اور گوتیوں کی شکایت  
 113 سید بدر الدین رضوی کا پڑھا ہوا شعر  
 113 نتائج

باب پنجم: معیاری - سندھی زبان کی توسیع اور اس میں اعلیٰ معیاری شاعری 115

کی ابتداء کا دور (سمہ عہد حکومت ۱۲۵۰ - ۱۵۲۰ء)

- 115 معیاری سندھی زبان کی ترقی کے اسباب  
 117 سندھی زبان کی سرحدوں کا وسیع ہونا  
 117 علاقہ کچھ میں سندھی زبان کے کچھی محاورہ (بول چال) کی تشکیل  
 118 لس بیلہ میں بیلہ کی زبان کی تشکیل  
 119 بلوچستان کی طرف سندھی کا سفر اور سندھی و بلوچی کا ایک دوسرے پر اثر  
 123 سندھی اور سرائیکی کا باہمی تعلق  
 127 تعلیمی اور سرکاری زبان  
 131 سمہ دور میں سندھی زبان کے روایتی ادب کا ذخیرہ  
 132 سرفروشی کے متعلق معے  
 134 سخاوت کے متعلق معے  
 136 عشق و محبت کی داستانوں کے متعلق معے  
 138 ماموئیوں کے اشعار  
 142 ابتدائی سمہ دور کی زبان اور شاعری کا تاریخی ذخیرہ  
 142 سندھیوں کا ایک جنگی رجز یا نعرہ  
 143 جام تماچی کے لیے دعا یا پیشین گوئی کے اشعار  
 144 شیخ حماد کا شعر  
 145 درویش نوح ہوتھیاہی کی دعا  
 147 خوجوں کے پیروں کے گمنان

- 148 پیر صدر الدین کی طرف منسوب گنان  
 152 پیر حسن کبیر الدین  
 154 آخری سہ دور کی زبان میں شاعری کا مستند مواد  
 154 پیر مراد شیرازی کا منظوم دعائیہ جملہ  
 155 شیخ عبد الجلیل چوہڑ شاہ کی محفلِ سماع میں پڑھا گیا سندھی شعر  
 157 شیخ عبد الجلیل چوہڑ کا کہا ہوا سندھی شعر  
 158 شیخ چوہڑ کی محفلِ سماع میں دوہے کے طور پر پڑھا گیا سندھی شعر  
 158 شیخ چوہڑ کی وفات کے بعد سماع میں پڑھا گیا شعر  
 160 سہ دور کے بالکل آخر کا شعر  
 160 سید حیدر سنائی کا شعر  
 160 مخدوم احمد بھٹی کے روبرو محفلِ سماع میں پڑھا گیا شعر  
 162 اسحاق آہنگر کا شعر  
 164 شاعر پراڑ کا شعر  
 165 ایک شعر جس کے معنی کے متعلق مریدوں نے سوال کیا  
 165 قوال کا سماع میں پڑھا گیا شعر  
 166 قاضی قادن کے اشعار اور زبان  
 182 نتائج

باب ششم: سندھی اور فارسی کے بڑھتے ہوئے تعلق، سندھی اصطلاحات اور نثری جملوں کی وضاحت، سندھی کے ادبی و ثقافتی دائرے کی وسعت، روایتی ادب اور سندھی شاعری کے تحریری ذخیرہ میں اضافہ کا دور (ارغون، ترخان اور ابتدائی مغلیہ دور حکومت)

185 (۱۵۲۰-۱۵۹۰ء)

186 فارسی اور سندھی کا بڑھتا ہوا تعلق

186 (الف) سہ دور کے تاریخی اور ادبی مواد کا فارسی نثر اور نظم میں قلمبند ہونا

- 187 (ب) سندھی الفاظ و اصطلاحات کا فارسی عبارات میں استعمال
- 191 (ج) سندھی اشعار کا فارسی میں ترجمہ ہونا
- 194 (د) فارسی اور سندھی کی مشترکہ عبارات پر مشتمل کتابیں تصنیف ہونا
- 195 سندھی الفاظ، اصطلاحات اور جملوں کے معنی و مقصد کو سمجھنے کی طرف توجہ
- 195 (الف) طلاق کے لیے استعمال ہونے والے سندھی الفاظ و اصطلاحات
- 199 (ب) سندھی میں قسم کھانے کی صورت میں طلاق کا فیصلہ
- 202 (ج) سگائی کے وقت کہے گئے جملے
- 203 (د) وہ الفاظ جن کے کہنے والے کو مسلمان تسلیم کیا جاسکے
- 205 ملتان اور اس سے بھی اوپر پنجاب تک سندھی زبان کے ثقافتی دائرہ کا وسیع ہونا
- 208 سیکھ گروؤں کے کلام میں سندھی الفاظ اور فقرے
- 209 گرو نانک کی کافی
- 212 گرو ارجن کے سلوک
- سندھی زبان اور ادبی ثقافت کا علاقہ کچھ سے نیچے جنوب کی طرف کا ٹھیاواڑ
- 216 اور گجرات تک وسیع ہونا
- 219 مہر راج، عرف فقیر پُران ناتھ کے سندھی سلوک
- 221 سندھی زبان کے کچھ لہجے کے مطابق اشعار کا اصل رسم الخط
- 225 راجستھانی علاقوں تک سندھی زبان و ثقافت کا اثر و نفوذ
- 226 دادو دیال کا سندھی کلام
- 230 زبان کے روایتی ادب کے ذخیرہ میں اضافہ
- 230 دولہہ دریا خان اور ہموں راٹھوڑ
- 231 ساقی عورت اور میٹھوار
- 232 بوہنا اور جراڑ
- 233 بڈامانی پنرو
- 233 سندھی شاعری کے مستند تحریری ذخیرہ میں اضافہ
- 234 راجو ستیہ دل
- 234 مخدوم نوح
- 236 میاں سید علی ثانی شیرازی کا شعر



- 238 مخدوم میاں ونہیو چانہیو  
238 مخدوم قاضی عثمان دریلائی  
239 شاہ خیر الدین اور ان کے ہمعصر درویش کے اشعار  
240 مخدوم عثمان اگھم کوٹی  
240 میاں شاہ کریم کے ایک ہمعصر درویش کا شعر  
241 میاں شاہ کریم کے ایک اور ہمعصر کا شعر  
241 شاہ کریم کے زبانی بیان شدہ اشعار اور ان کی زبان  
سندھ سے باہر کی سندھی، سندھی - سرائیکی اور دیگر پڑوسی زبانوں کی آمیزش  
254 کی شاعری کا ایک اہم ذخیرہ  
257 (الف) قاضی قادن کے دور کے سندھی اشعار  
257 (ب) وسطی سندھ کے شاعر 'خلو' کا ایک عمدہ سندھی شعر  
258 (ج) سندھ کے شمالی خطہ کے شعراء کے اشعار  
259 (د) سندھی سرائیکی اور پنجابی ہندی کی آمیزش والے اشعار  
260 شیخ فرید خور کے اشعار  
260 شیخ فرید کے علاوہ دوسروں کے اشعار  
262 (ه) دادو دیال کے اشعار  
(و) مشرق اور جنوب - مشرقی سندھ اور قریبی راجستانی علاقوں کی زبانوں کی  
آمیزش والے اشعار  
265 (ز) بالائی سندھ اور متصل راجستانی علاقوں کی زبانوں کی آمیزش والے اشعار  
267 نتائج

باب ہفتم: مادری زبان سندھی کے ذریعے تعلیم دینے اور سندھی

میں درسی، علمی اور معلوماتی مواد کے منظوم ہونے کا

269 ابتدائی دور (مغلیہ دور حکومت ۱۵۹۰ - ۱۶۸۰ء)

271 مادری زبان کے ذریعے ابتدائی تعلیم دینے کا نظریہ

272 تعلیمی مقصد کے لیے سندھی میں درسی اور علمی کتابچوں کا تحریر ہونا

280 سندھی میں ایک بڑے علمی ادبی ذخیرہ کا تحریری صورت میں دستیاب ہونا

- 293 زبان کی ترتیب اور قدامت  
 296 اسم، فاعل وغیرہ  
 298 ضمیر، جری اور اضافی صورتیں، ظرف وغیرہ  
 300 ضمیر استفہام  
 301 اضافی تراکیب اور اواخر  
 302 نتائج

باب ہشتم: سندھی کے ذریعے تعلیمی تحریک کی کامیابی، سندھی میں  
 معیاری درسی و علمی کتب کی تصنیف، سندھی صرف و نحو  
 اور لغات کے مطالعہ اور سندھی نثر کے آغاز اور  
 اعلیٰ سندھی شاعری کے عروج کا دور (آخری  
 مغل، عباسی کلہوڑوں اور تالپوروں کا دور حکومت

304 ۱۶۸۰-۱۸۶۰ء)

۱- مادری زبان کے ذریعے تعلیمی تحریک کی بنیادوں کا

- 305 مستحکم ہونا اور اس کی کامیابی  
 305 (الف) معیاری درسی کتاب 'ابوالحسن جی سندھی'  
 310 (ب) شاہ لطف اللہ قادری کا رسالہ  
 311 (ج) 'سندھی' کے خاص نام کی مزید درسی کتابوں کا شائع ہونا  
 311 مخدوم ضیاء الدین کی سندھی  
 312 مطلوب المؤمنین سندھی  
 313 مخدوم محمد ابراہیم کی سندھی  
 313 عبدالرحیم کی سندھی  
 314 اساس الفرائض سندھی  
 314 احمد کی سندھی

- 315 عالم جمعہ گرائیوں کی سندھی
- 315 عبد الحمید کی سندھی
- 315 دائرہ والوں کی سندھی
- 316 سید ہارون کی سندھی
- 317 (د) آسان سندھی میں کتابیں لکھنے کے نظریہ کا عام ہونا
- 321 -۲ ”سندھی درسی نصاب“ کی بنیاد مضبوط ہونا
- 323 -۳ مختلف موضوعات پر کثیر تعداد میں سندھی کتب کا تالیف ہونا
- 325 تفسیر
- 327 حدیث
- 327 فقہ
- 329 دین اسلام
- 332 ایمان، اعتقاد، ریت اور رسم کے بارے میں وضاحت
- 334 سوانح اور تاریخ
- 340 تصوف، اخلاقیات
- 342 سماجی اصلاح
- 343 طب
- 343 تعویذات
- 344 -۴ کتابوں کے تراجم کا سلسلہ شروع ہونا
- 344 (الف) سندھی تحریری مواد کا عربی و فارسی میں ترجمہ ہونا
- 344 (ب) عربی و فارسی کتابوں کے سندھی میں تراجم ہونا
- 347 -۵ تجرباتی تحقیقی نتائج کو سندھی میں شائع کرنا
- 355 -۶ سندھی نثر میں عبارات اور کتابیں تحریر ہونے کا آغاز
- 359 -۷ سندھی الفاظ اور صرف و نحو (گرامر) کا زیر مطالعہ آنا
- 360 (الف) زبان کی ابتدائی تربیت کے لیے دو-دایا اور سہ-دایا
- 361 (ب) سندھی کے ذریعے فارسی اور سندھی گرامر کا مطالعہ

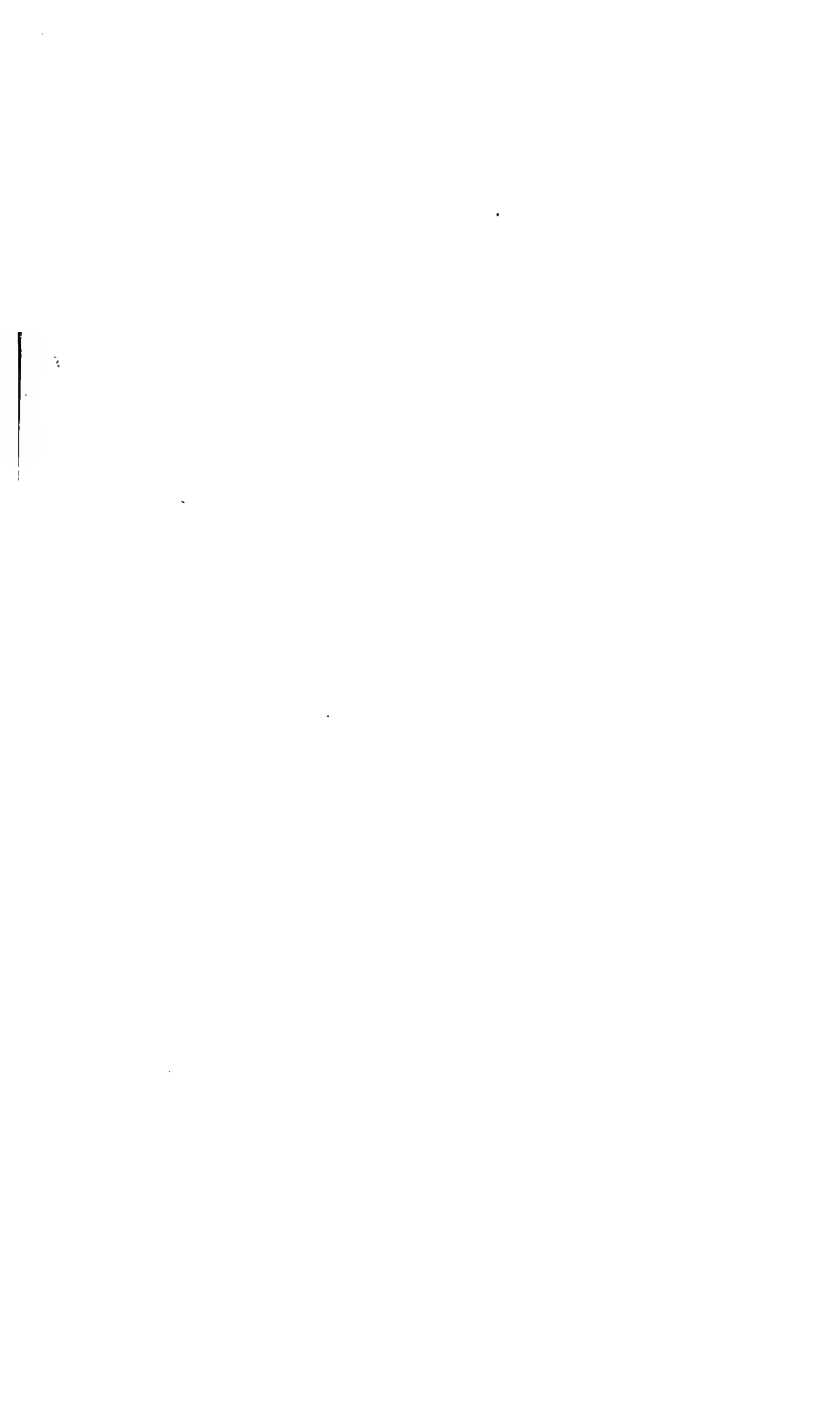
- ۸- سندھی ”الف - ب“ کا ایک ہی صورت میں لکھا جانا  
 363 اور سندھی رسم الخط کا زیادہ صحیح صورت میں رائج ہونا
- ۹- سندھی لغات کے بارے میں تحقیقی مواد کا شائع ہونا  
 369
- ۱۰- سندھ کے روایتی ادبی ذخیرہ میں تفصیلی اور تخلیقی اضافہ  
 377
- ۱۱- سندھی اساسی شاعری کی بنیادوں کا استوار ہونا  
 382
- 384 شاہ لطف اللہ قادری اگھم کوٹی
- 385 میاں شاہ عنایت رضوی نصرپوری
- 385 شاہ عبداللطیف بھٹائی
- 386 عبدالوہاب سچید نو عرف سچل
- 387 فقیر محمد صدیق سومرو عرف صوفی صادق شاہ
- 388 قنبر علی شاہ بھاڈاکی
- 389 خلیفہ نبی بخش صاحب
- 390 غلام محمد خازنکی
- 391 خواجہ محمد زمان لواروی
- 391 فقیر عبدالرحیم گر ہوڑی
- 394 بھائی چمڑائے شکارپوری
- 398 نتائج



سندھی زبان و ادب کی تاریخ

متن





## باب اول

### قدیم دور: سندھ کی زبان یا زبانیں (۶۰۰ سال قبل مسیح سے ۵۰۰ سال بعد مسیح)

تاریخی اعتبار سے سندھی زبان کی ابتداء اور ارتقاء کو بطور سہولت چار اہم ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: [۱] قدیم دور، جس میں کوئی نہ کوئی ”سندھ کی زبان“ یا ”سندھ کی زبانیں“ رائج تھیں لیکن موجودہ ”سندھی زبان“ کے خاکے کا ابھی کوئی نام و نشان ہی نہ تھا [۲] بنیادی دور، جس میں موجودہ سندھی زبان کے خاکہ کی تشکیل ہوئی [۳] تعمیری دور، جس میں سندھی زبان نے ترقی کر کے اپنی لغوی اور ادبی منزل متعین کی اور [۴] علمی دور جس میں علماء، شعراء، مؤرخین، مصنفین اور محققین کے کارناموں اور کوششوں سے سندھی زبان کا سرمایہ ہر اعتبار سے پھلا پھولا۔ اس باب میں ”قدیم دور“ پر کچھ روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

#### (الف) ۶۰۰ سال قبل مسیح:

سندھ کی اوائل کی زبان اور موجودہ سندھی زبان: قدیم دور تقریباً چوتھی صدی عیسوی اور اس سے قبل کا زمانہ ہے جس کو ”سندھ کی زبان یا زبانوں کا دور“ کہا جاسکتا ہے۔ اُس وقت سندھ کی زبان یا زبانیں ضرور تھیں مگر ”سندھی زبان“ جس کی ہمیں علمی معلومات ہے، وہ ابھی ناپید تھی۔ اس عرصہ میں سندھ کی بولی یا بولیوں پر سامی، دراوڑی اور آریائی زبانوں کا اثر ہوا۔

”موئن جو دڑو“ کے آثار قدیمہ سے دستیاب مواد اور معلومات کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ ”سندھ کی قدیم زبان“ شاید سامی زبانوں کے گروہ میں سے تھی جس پر دراوڑی اور پھر آریائی زبانوں کا اثر پڑا۔ ان آریائی زبانوں میں سے، اس قدیم زمانہ میں ”سندھ کی زبان“ پر زیادہ اثر ایرانی اور داردی زبانوں کا پڑا، اور اس کے بعد پالی پراکرت کے ذریعے سنسکرت کا۔ ہماری تحقیق

کے مطابق یہ صحیح نہیں ہے کہ سندھی زبان براہ راست ”سنسکرت“ سے نکلی ہے۔ اس غلط فہمی کی چند وجوہات ہیں، اول تو لسانیات کے یورپی عالم اپنی ابتدائی اور اجنبی تربیت کے سبب اس خیال کے زیر اثر رہے کہ ہندوستان کی تمام زبانیں سنسکرت سے نکلی ہیں ان کا یہ گمان ہندوستانی زبانوں کے متعلق ان کی تحقیق پر اثر انداز ہوا۔ اور انہوں نے ہر زبان میں سنسکرت کے عکس کو دیکھنے کی کوشش کی اور سندھی زبان میں موجود سنسکرت سے نکلے ہوئے الفاظ کی بناء پر انہوں نے سندھی کو بھی سنسکرت سے نکلی ہوئی زبان قرار دیا۔ سندھی صرف ونحو کی منفرد اور مشکل ترکیب - جو اس زبان کو سنسکرت یا اس کی پوتیوں اور نواسیوں سب سے ممتاز کرتی ہے اور سندھی زبان کو ایک الگ اصلیت اور مستقل حیثیت دیتی ہے - اور زبان کی دیگر انفرادی خصوصیات کو بھی ان یورپی محققین نے مستثنیات کا نام دے کر مٹال دیا۔ اس کے علاوہ ان محققین نے جو دلائل سندھی کے سنسکرت سے نسلی نسبت کے متعلق دئے ہیں ان میں سے اکثر محض قیاسی ہیں اور اس بارے میں جو علمی دلائل ہیں وہ بھی تنقید کے محتاج اور مزید تحقیق طلب ہیں۔ سندھی کے سنسکرتی نسل سے ہونے کے نظریے کا دوسرا سبب ہندو مصنفین کی تحریریں ہیں جن کی اکثریت نے اس خیال کی بہت تائید کی؛ حالانکہ ان تحریروں کی حیثیت تبلیغی کہی جاسکتی ہے علمی اور حقیقی نہیں۔ سندھی زبان کو سنسکرتی نسل سے شمار کرنے کا تیسرا سبب یہ عام غلط فہمی ہے کہ سندھی زبان یا تو سنسکرت سے نکلی ہے یا عربی ہے؛ حالانکہ عربی زبان تو باہر سے آئی تھی اس لیے سندھی زبان یقیناً سنسکرت سے ہی نکلی ہوگی؛ اور اکثر مسلمانوں کو تو یہ حسن ظن بھی ہے کہ سندھی زبان عربی سے نکلی ہے۔

”مونن جو درڈ“ کی زبان: سرزمین سندھ کو سب سے پہلے جن لوگوں نے آکر آباد کیا وہ مغربی ممالک کے لوگ تھے اور انہوں نے دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر اپنی بستیاں قائم کیں۔ ان کے تمدن کی انتہائی ترقی نے ”مونن جو درڈ“ کی تہذیب کی صورت اختیار کی۔ مونن جو درڈ کے قدیمی آثار کے انکشافات سے یہ قطعی ثبوت ملتا ہے کہ سندھ کا یہ قدیم تمدن مغربی دریائی تمدن یعنی دجلہ اور فرات دریاؤں کے سمیری اور بابلی تمدن کا جمعر ہے۔ سر جان مارشل کی تحقیق کے مطابق سندھ، سمیر اور بابل کی تہذیبوں کے مابین کافی حد تک یکسانیت تھی؛ خصوصاً سندھ اور عراق کے درمیان گہری آمد و رفت تھی، جو سمندر یا سیستان اور ایران سے خشکی کے ذریعے جاری تھی۔<sup>(۱)</sup> اس کے علاوہ سندھ کا یہ قدیم تمدن ایک طرح سے غیر آریائی تمدن ہے۔<sup>(۲)</sup> اس وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ قدیم سندھی تمدن کی زبان بھی کوئی غیر آریائی یا

(۱) سر جان مارشل، محکمہ آثار قدیمہ ہندوستان رپورٹ، ۱۹۲۷-۱۹۳۶ء

(۲) ”غیر آریائی تمدن“ (A Non-Aryan Civilization) دیکھئے شاہ رچو کی کتاب ”انڈس ویلی پٹری“ مطبوعہ پرنسٹن یونیورسٹی، پرنسٹن امریکہ، ۱۹۴۱ء

سامی صفت<sup>(۱)</sup> زبان ہی تھی، جو سندھ کی اولین زبانوں میں سے تھی۔ اس زبان کے مسخ شدہ نشانات ”موئن جو دڑو“ سے ملنے والی مہروں پر موجود ہیں۔ بعض مصنفین کے خیال میں ”سٹ“ (من-وزن) ”کنجھو“ (کانسی) اور ”ہنجھ“ (ہنس) بابلی زبان کے الفاظ ہیں، اگر یہ صحیح ہے تو پھر غالباً یہ الفاظ سندھی میں اس اوائلی دور میں ہی داخل ہوئے۔ جدید تحقیق کے مطابق قدیم عراق کے سمیری تمدن کے قدیم نوشتوں میں لفظ ”ادا“ بمعنی باپ ملتا ہے اور یہی لفظ صرف سندھی زبان ہی میں آج تک بھائی کے معنی میں رائج ہے۔ اُس دور کی اس ’سامی صفت‘ سندھ کی زبان کے تعلق کا امکان ایک طرف دراوڑی زبانوں سے، دوسری طرف ایرانی زبانوں سے اور تیسری طرف ’ملتان سے کشمیر‘ کی ”وادی سندھ کی زبانوں“ سے ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی شمال مغربی پہاڑی گھاٹیوں میں سے بھی وہاں کی داری اقوام کا کشمیر سے ملتان تک کے باشندوں کے ساتھ، اصل۔ آریائی قربت نیز مسلسل ہجرت اور آمد و رفت کی وجہ سے تعلق برقرار رہا جس کی وجہ سے اس تمام شمالی مغربی خطہ پر داری زبانوں کا بھی اثر پڑا۔ اس لئے کشمیری، ملتان اور سندھی زبانوں کا رنگ ڈھنگ دیگر ہندی۔ آریائی زبانوں سے مختلف ہوا اور ان تینوں زبانوں میں ایک بنیادی تعلق پیدا ہوا۔

### دراوڑی زبانیں اور سندھی زبان:

آریاؤں کی آمد سے قبل دراوڑی زبانیں اس برصغیر کے اکثر حصے میں رائج تھیں۔ سندھ سے متصل بلوچستان کے علاقہ میں براہوی زبان، دراوڑی زبانوں کے قبیلے سے تعلق رکھتی ہے اسی مناسبت سے بعض کا گمان ہے کہ شاید موئن جو دڑو کی زبان بھی دراوڑی قبیل کی ہو۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ موئن جو دڑو کی زبان شاید سامی گروہ سے تھی اور ممکن ہے کہ اس دور کی پڑوسی دراوڑی زبانوں سے اس کا تعلق ہو۔ دراوڑی اصلیت والے الفاظ جس طرح دیگر موجودہ عوامی زبانوں میں ملتے ہیں اسی طرح سندھی میں بھی موجود ہیں۔ جارج شرٹ نے سندھی زبان کی بنیاد کے بارے میں ۱۸۷۸ء میں ایک مضمون لکھا جس میں سندھی کے مستقل لغوی ذخیرے اور دیگر جداگانہ نحوی خصوصیات سے متاثر ہو کر اس نے سندھی کے سنسکرت سے نکلنے کے نظریہ سے انکار کیا اور اس کے بجائے ”سندھی کی دراوڑی بنیاد“ کے نظریہ کی تائید کی۔ اس کا یہ مضمون ’سندھی میں دراوڑی جز کی علامات‘ کے عنوان سے ”انڈین اینٹیکری“ میں شائع ہوا۔<sup>(۲)</sup> جس میں اس نے یہ نیا نظریہ پیش کیا۔ ذیل میں ہم اس کے نظریے اور دلائل کا اختصار سے تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) سریانی، عبرانی اور حبشی عربی کو طر لغات کی اصطلاح میں ”سامی زبانیں“ کہا گیا ہے۔ ”سامی صفت“ یعنی ان زبانوں جیسی۔  
(2) Shirt George: "Traces of a Dravidian Elements in Sindh" The Indian Antiquary voll-II, 1878 (Issue of December 1878)

سندھی کے سنسکرت سے نکلنے کے نظریے میں شک: سندھی زبان کی کچھ مستقل خصوصیات کے پیش نظر جارج شرٹ نے سندھی کے سنسکرت سے نکلنے کے نظریے کو شک کی نگاہ سے دیکھا اور گویا دبی زبان میں اس بات کا اعتراف کیا کہ سندھی زبان کی بنیاد خالص سنسکرت نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ: یہ بالکل سچ ہے کہ سندھی سنسکرت زبان کی بیٹی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ سنسکرت کا خالص خون سندھی میں نہیں ہے اس کے گرامر کے اہم حصوں کی بنیاد سنسکرت ہے، مگر ایک اہم اور خاص خصوصیت یعنی ضمیری اواخر کا استعمال، سندھی کو ایرانی زبانوں سے ملاتا ہے حالانکہ اس استعمال میں ان (ایرانی زبانوں) سے یہ (سندھی) بہت آگے ہے۔“ (ص ۲۹۳)

سندھی لغت کا اپنا خالص ذخیرہ کہاں سے آیا: عربی اور فارسی الفاظ کے علاوہ سندھی میں کئی الفاظ ایسے بھی ہیں جن کا سنسکرت سے کوئی تعلق نہیں (مثلاً ’اسان‘ یا ’اسین‘ کے لفظ سنسکرت میں ہیں ہی نہیں) جارج شرٹ سوال اٹھاتا ہے کہ لغت کا یہ ذاتی ذخیرہ کہاں سے آیا؟ اس کے خیال کے مطابق یہ الفاظ یقینی طور پر اس زبان کے ہیں جو سنسکرت سے پہلے تھی۔ اس نظریے کے مطابق یہ الفاظ کسی دراوڑی زبان کے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ: ”جب (سندھی سے) تمام سنسکرت، عربی و فارسی الفاظ خارج کئے جاتے ہیں تو بھی ایک بڑا ذخیرہ ایسے الفاظ کا باقی رہتا ہے جنہیں مسٹر بیمس (Beames) اپنے تقابلی گرامر (Comparative Grammar) میں ”دیس“ کہتا ہے۔“ (سندھی میں) درحقیقت یہ ذخیرہ اتنا زیادہ ہے کہ فقط ایسے الفاظ کو استعمال کرتے ہوئے پورا مکالمہ مرتب کیا جاسکتا ہے۔ یہ الفاظ کہاں سے آئے؟ میرے خیال میں بلاشبہ و شبہ یہ الفاظ اسی زبان کی باقیات ہیں جو آریاؤں کی آمد سے پہلے سندھ میں بولی جاتی تھی: آریاؤں نے غالباً ان دراوڑی نسل کے کچھ قبائل کو۔ جو موجودہ بروہیوں کے آباء و اجداد تھے۔ پہاڑوں کی طرف ہانک دیا۔ اور سندھ کے باقی باشندوں کو بچ ذات کے طبقہ میں ملا دیا۔ اگر سندھی لغت میں اتنے سارے سنسکرت سے پہلے کے دیسی الفاظ ملتے ہیں تو یہ اہم اور دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سندھی گرامر میں بھی ایسے اثرات کی علامات موجود ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ ایسی علامات موجود ہیں“ (ص ۲۹۳) جارج شرٹ نے یہ مسئلہ اٹھایا ہے کہ آریاؤں نے پہلے سندھ میں دراوڑی قبائل آباد تھے جن میں سے کچھ کو، جو بروہیوں کے آباء و اجداد تھے، آریاؤں نے مغرب میں کوہستان کی طرف ہانک دیا تھا اور باقی جو سندھ میں بچ گئے انہیں ”کم ذات طبقہ“ میں شامل کر دیا۔ یہ محض شرٹ کا اپنا خیال ہے، جس کے لئے کوئی بھی تاریخی ثبوت موجود نہیں: البتہ اس تصور کو پیش کرنے سے وہ اپنے نظریات کی تائید کرنا چاہتا ہے کہ سندھی زبان کے الفاظ کا اپنا خالص ذخیرہ

خواہ اس کے گرامر کے کچھ آثار دراوڑی نسل کی کسی زبان سے تعلق رکھتے ہیں: اس سے نتیجہ کے طور پر اس نظر سے کوئی تعلق ملتی ہے کہ سندھی زبان کی اصل بنیاد کوئی دراوڑی زبان ہے۔ سندھی زبان کی دراوڑی بنیاد کے لئے شرٹ کے دلائل: اپنے اس نظریہ کی تائید میں جارج شرٹ نے چھ اہم دلائل دیئے ہیں جو قدرے توضیح و تجزیہ کے ساتھ ذیل میں دیئے جاتے ہیں:

۱- الفاظ کے آخری حرف پر حرکت کا اصول سندھی اور دراوڑی زبانوں میں ایک ہی ہے۔ شرٹ کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ: ہر سندھی لفظ کی آخر (یعنی انتہا)، حرکت یا نون غنہ سے ہے۔ ”بش کالڈویل“ بھی اپنی تصنیف ”دراوڑی زبانوں کی تقابلی گرامر“ میں کہتا ہے کہ تیلگو بولی کے ہر لفظ کا آخری حرف لازمی طور پر حرف صحیح متحرک ہوتا ہے؛ اگر بنیادی طور پر وہ حرف صحیح متحرک نہیں ہوتا تو پھر اس پر پیش دیا جاتا ہے، اگرچہ اس کا تلفظ نہیں کیا جاتا۔ یہی قاعدہ سنسکرت سے نکلے ہوئے الفاظ پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ موجودہ ’کیرنی‘ زبان میں بھی یہ قاعدہ رائج ہے۔ تامل زبان میں الفاظ کے آخری ’حرف صحیح‘ پر پیش دیا جاتا ہے، جو قدیم ’کیرنی‘ زبان کے قاعدہ کے مطابق ہے۔ بقول ’کالڈویل‘ ان دراوڑی زبانوں میں یہ آخری حرکت نہایت ہلکی ہوتی ہے، جیسا کہ سندھی زبان میں ہے: جس کے معنی یہ ہیں کہ سندھی اور دراوڑی زبانوں میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ سندھی پر آریائی، ایرانی اور سامی زبانوں کے اثر کے باوجود یہ اصول برقرار ہے!

اس دلیل پر تنقید: اول تو خود ’کالڈویل‘ کے بقول تیلگو، تامل یا کیرنی زبانوں میں الفاظ کے آخری حرف پر چھوٹا سا خفیف پیش ہوتا ہے جو لکھا تو جاتا ہے لیکن بولا نہیں جاتا۔ اس کے برعکس سندھی میں نہ صرف اسماء کے آخر میں زیر، زبر، پیش یا ’الف‘، ’واو‘ اور ’ی‘ آتے ہیں، بلکہ یہ حرکات مختلف حالات (فاعلی، مفعولی، اضافی اور جری) میں تبدیل ہوتی ہیں۔ یعنی سندھی میں ’اعراب‘ کا وسیع نظام موجود ہے، جو یقینی طور پر عربی اثر کا نتیجہ ہے۔ مگر اس مشترک خصوصیت کی بنا پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سندھی زبان عربی سے نکلی ہے۔ شرٹ کی دلیل کی بنیاد پر سندھی زبان کا دراوڑی زبانوں کے بجائے عربی سے نکلنا زیادہ مناسب ہوگا۔

۲- سندھی کے بعض مجہول افعال کی ترتیب میں ’ب‘ کا تلفظ موجود ہے جو دراوڑی زبانوں کا ”پو“ (Po) ہے جس کے معنی ہے ’جانا‘۔

شرٹ کی اس دلیل کا اختصار اس طرح ہے:

سندھی میں بعض غیر جانبدار (Neuter) افعال ہیں جو فعل مجہول کا کام دیتے ہیں حالانکہ وہ مجہول افعال کی طرح نہیں بنتے، سندھی میں فعل مجہول بالکل اسی طرح بنتا ہے جس طرح سنسکرت میں، سوائے اس کے کہ سنسکرت میں فعل مجہول کی نشانی 'ی' سندھی میں 'ج' میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ (جیسا کہ مارجن، کائنجن، گھنجن وغیرہ) مگر درج ذیل سندھی افعال اس قاعدہ سے مستثنیٰ (Exception) ہیں: ڈاپن، چپن (= لگن، پلیت ٹین)، ڈاپن، پریپن (= پلنہ پون)، ملن (= چاپن، ڈوپن، ماپن) ۽ کپن (ص ۲۹۳) ان میں مصدر کی 'ن' سے پہلے 'ج' کے بجائے 'پ' حرف صحیح کے طور پر موجود ہے۔

میرے خیال میں اس 'پ' کا تعلق دراوڑی 'پو' (Po) بمعنی 'جانا' سے ہے، جو ان بولیوں میں فعل مجہول بنانے کے کام آتا ہے۔ یہ 'پو' سنسکرت کی 'ی' اور فارسی کے 'شدن' کے معنی میں ہے۔ 'شدن' بھی قدیم فارسی میں 'جانا' کے معنی میں تھا، جیسا کہ فارسی کی قدیم بہن 'بلوچی' میں (شتن = جانا) ہے۔ ہندوستانی میں تو فعل 'جانا' (= وچن) کے لاحتہ کے ساتھ ہی بنتے ہیں۔ (ص ۲۹۴)

اس دلیل پر تنقید: اس دلیل کے آخر میں دی گئی مثالیں خود ثابت کرتی ہیں کہ 'وچن' (جانا) کے لاحتہ سے مجہول فعل کی ترتیب دراوڑی زبانوں تک محدود نہیں بلکہ یہ خصوصیت ایرانی، ہندوستانی اور دیگر زبانوں میں بھی موجود ہے۔ نیز یہ بات بھی غور طلب ہے کہ کیا ان سندھی افعال میں 'پ' کا تلفظ 'وچن' (جانا) کا قائم مقام ہے، کیونکہ 'وچن' (جانا) کا لاحتہ لگانے کے باوجود ان افعال کے اکثر صیغوں میں 'پ' باقی رہتا ہے مثلاً 'ڈاپن' (ڈھاپن = سیر ہونا) 'ڈاپی وچن' (سیر ہو جانا) کے معنی میں ہے اور اس طرح 'ڈاپن' (دھاپن = گائے یا بھینس وغیرہ کی وہ حالت جس میں پچھڑا دودھ پی جاتا ہے) 'ڈاپی وچن'، 'چاپن' (پیدا ہونا) = 'چاپی وچن' (پیدا ہو جانا) 'ڈوپن' (دھلنا) = 'ڈوپی وچن' (دھل جانا) 'کپن' (ختم ہونا) = 'کپی وچن' (ختم ہو جانا)۔ اگر 'پ' 'وچن' کا قائم مقام ہوتی تو 'وچن' کا لاحتہ لگانے سے 'پ' یا تو حذف ہو جاتا یا تبدیل ہو جاتا۔

۳۔ سندھی میں دو حرف صحیح ایک ساتھ نہیں آتے اور یہ خصوصیت دراوڑی زبانوں میں بھی ہے:

سندھی الفاظ میں ایک جیسا حرف صحیح تشدید کی صورت میں آسکتا ہے یا پھر جب دو حرف صحیح ایک ساتھ آئیں گے تو ایک یقیناً ہلکا (Liquid) ہوگا، ان دونوں صورتوں کے علاوہ سندھی میں کسی بھی لفظ میں حرف صحیح (بغیر حرکت کے) ایک ساتھ نہیں آئیں گے۔ یہ خصوصیت دراوڑی زبانوں میں بالکل نمایاں ہے۔ (ص ۲۹۴)

اس دلیل پر تنقید: یہ صرف دراوڑی زبانوں کی ہی خصوصیت نہیں۔ کیونکہ شرٹ خود اعتراف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: ”البتہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ خصوصیت صرف دراوڑی زبانوں تک محدود نہیں، حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خصوصیت غیر سنسکرتی ہے۔“ (۲۹۴)

۴۔ سندھی کے لفظ ’کھی‘ (کھے) اور ’آن‘ سنسکرت کے بجائے دراوڑی زبانوں سے نکلے ہیں۔ سندھی کی ’کھی‘ (کھے) سنسکرت ’کرِت‘ کے بجائے دراوڑی ’کو‘ سے تعلق رکھتی ہے۔ دو لفظوں ’آن‘ اور ’کان‘ سے ہو سکتا ہے کہ ’آن‘ سنسکرت سے نکلا ہو۔ ’آن‘ یا ’انان‘ براہوی زبان میں موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آریاؤں کے آنے سے پہلے دراوڑی زبانوں میں ’آن‘ یا ’انان‘ کے الفاظ موجود تھے۔ آریاؤں نے ان سے پہلے کوئی لاحقہ (Affix) موجود دیکھا جو ان کی ’آت‘ کی ’ت‘ بدل کر ’آن‘ کا ’ن‘ بن گیا۔ (ص ۲۹۴)

اس دلیل پر تنقید: اس دلیل کا پس منظر اس دور کے مغربی دانشوروں کا یہ عام خیال ہے کہ سندھی اور دیگر ہند۔ آریائی زبانیں سنسکرت سے بنیں، اور اس وجہ سے ان زبانوں کا ہر لفظ کسی نہ کسی سنسکرت لفظ کا عکس ہے۔ ایسے ہی خیال کی وجہ سے شرٹ نے بھی کھینچ کھانچ کر سندھی ’آن‘ کو سنسکرت ’آت‘ سے تبدیل ہونے کا جواز پیش کیا ہے، حالانکہ دوسری طرف شرٹ یہ بتانا چاہتا ہے کہ ’آن‘ سندھ میں پہلے ہی سے موجود تھی، مگر وہ دراوڑی زبانوں کی تھی، کیونکہ اب تک وہ براہوی زبان میں موجود ہے۔ اسے غالباً یہ معلوم نہیں تھا کہ سندھی کے کئی الفاظ براہوی میں رائج ہو چکے ہیں۔

۵۔ سندھی میں بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو اصل میں دراوڑی ہیں: شرٹ کہتا ہے کہ: میرے خیال میں (اگر تحقیق کی جائے تو) درج ذیل سندھی الفاظ میں سے ’کئی‘ کی اصل نسل یقیناً دراوڑی ثابت ہوگی۔

سندھی	اردو	دراوڑی <sup>(۱)</sup>
پرائی	حاصل کرنا/سیکھنا	پیڑ
نِرڑ	پیشانی	نہڑ
سلن	شنا	شول
وائی	بول، کلمہ، بات	وای (=وات)
کراڑو	بوڑھا	کیڑو

(۱) شرٹ نے یہ الفاظ انگریزی رسم الخط میں لکھے ہیں۔ ہم نے کوشش کر کے وہی تلفظ سندھی رسم الخط میں پیش کیا ہے۔



سوڑھو	تنگ	شَرک
کوڑو	کڑوا	کارو
پڑ (چند جو)	چاند کا ہالہ	پیرایہ
کڈن	کودنا	کودی
منید	آغاز	مند
کوٹن	کھودنا	کوت
اوڈن	اوڑھنا، پہننا	اَد
منجی	پلنگڑی، کھٹیا	مانری
کرندی	کروندا	کارندی
تڑی	منتشر ہونا	تاڑی
تڑن	منتشر ہونا، کھلنا	تیزا ہو
کت	چارپائی	کت
اوڑاھہ (۱)	دوزخ/آگ کا الاؤ	آڑ

اس دلیل پر تنقید: ہو سکتا ہے کہ ان میں 'کئی' الفاظ اصل میں دراوڑی ہوں۔ اس طرح عربی اور فارسی بلکہ انگریزی کے بھی 'کئی' الفاظ سندھی میں رائج ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ یہ زبانیں سندھی کی بنیاد ہیں۔ اوپر دئے گئے لفظ 'کت' کی مثال سے (جو کہ سندھی، ہندی بلکہ انگریزی میں رائج ہے) یہ کیوں نہ کہا جائے کہ مندرجہ بالا الفاظ میں سے کئی اصل میں 'آریائی' یا 'ہند آریائی' الفاظ ہیں، جو بعد میں دراوڑی زبانوں (تامل وغیرہ) میں رائج ہوئے۔

۶۔ بعض الفاظ سنسکرت میں نہ ہی ایرانی یا سامی زبانوں میں ہیں لیکن سندھی اور براہوی دونوں میں یکساں موجود ہیں۔ شرٹ کے خیال میں درج ذیل اور دیگر الفاظ سندھی اور براہوی میں موجود ہیں، مگر وہ سنسکرت اور نہ ہی ایرانی یا سامی زبانوں میں موجود ہیں۔

سندھی	اردو	براہوی
منجھند	دوپہر	منجن
ککڑا	بٹو لے	ککڑا

ڪوڀري (مٿي جي)	ڪهوڙي	ڪوڀري
رنبي	ڪهرلي	رنبي
پني (جنگهه جي)	پنڌل	پني
جهڙ	بادل	جر (ڪوهيرو)
ڪڙي	اڙي	ڪري
لڪ	دڙه	لڪ
ٺونٺ	ڪهني	ٺوت
ارمان	افسوس	ارمان
ٿوم	لهسن	ٿوم
تنوار	آواز، ٻولي، گنگناڻا	توار
ڪاري (ڪاربنڊڙ)	ٻاڙڻي والا، خراب ڪرڻي والا	ڪاري
ڪپڙ	پيلوڪا درخت	ڪبر
گوٺري	ڪپڙي کي ٽهلي	گوٺري
پولڙو	بندر، لنگور	ٻولو
ڍڳي	ڳائڻ	ڍڳي
اوجھري	اوجھ، اوجھڙي	اوجھري
گنگو	گونگا	گنگي

اس دليل پر تنقيد؛ براھوئي سنڌھ کي ھمسايہ زبان ھے اور صديون سے ھر سال موسم سرما ميں بروھي-بلوچ قبائل سنڌھ ميں مزدوري ڪيلے آتے ھيں جس وجہ سے سنڌھي ڪے سيڪڙون الفاظ براھوئي زبان ميں رائج ھوگئے ھيں۔ ٻي وجہ ھے ڪہ ڪئي ايڪ جيسے الفاظ سنڌھي يا براھوئي ميں موجود ھيں۔ ليڪن شرٽ اس قسم ڪے دلائل ڪو رد ڪرڻ ڪيلے ڪھتا ھے ڪہ: ”انگريزي اور وياشي دونوں ھمسايہ زبانيں ھيں ليڪن دونوں کي لغت ميں اتنے مشترڪ الفاظ نھيں ھيں جتنے ڪہ براھوئي اور سنڌھي ميں۔ دوسرا يہ ڪہ صديون سے بروھيون اور سنڌھيون ميں ميل جول نھيں رھا ھے، ڪيونڪہ بروھي-بلوچ خانہ بدوش اور تيز ڦو ھيں، سنڌھي صلح پسند اور بردبار (حليم طبع، خاموش طبع)، تاجر اور زراعت پيشہ ھيں۔“ شرٽ ڪے يہ دونوں دلائل ڪمزور ھيں۔ غالباً اسے بروھي-بلوچ قبائل اور سنڌھيون ڪے

صدیوں تک ایک دوسرے کے ساتھ میل جول کا علم ہی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ بالا الفاظ میں 'نوم'، 'لہن' لفظ عربی اور 'امان' اور 'گوگو' (گنگ) فارسی ہیں۔ یعنی کہ براہوی اور سندھی میں جو مشترک الفاظ ہیں وہ شرٹ کے کہنے کے برعکس ایرانی اور سامی زبانوں میں بھی موجود ہیں۔

آخر میں شرٹ نتیجہ کے طور پر کہتا ہے کہ: بالفرض سندھی کی اوپر بیان کی گئی نحوی خصوصیات دراصل "دراوڑی" ہیں اور پیش کئے گئے الفاظ کا سلسلہ بھی اسی سرچشمہ سے تعلق رکھتا ہے اس کے باوجود بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سندھی کو یہ سرمایہ براہوی سے ملا، کیونکہ یہ نحوی اور لغوی خصوصیات براہوی میں ہیں ہی نہیں..... یہ تمام سرمایہ اہل سندھ کو مقامی طور پر ورثہ میں ملا ہے، جو کہ میرے خیال میں اس طرف رہنمائی کرتا ہے کہ آریاؤں کے آنے سے پہلے سندھ کی وادی دراوڑی نسل کے لوگوں کا گھر تھی۔ (ص ۲۹۵)

مندرجہ بالا تنقید کے باوجود اس امکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قدیم دور میں منڈا اور دراوڑی زبانیں یا موجودہ دور کی پڑوسی براہوی زبان کے بعض الفاظ سندھی میں رائج ہو چکے ہیں۔ سندھی میں منڈا اور دراوڑی زبانوں کے الفاظ: بنیادی طور پر سندھی زبان کا خیر سندھ کے اپنے مقامی لسانی ماحول کا پیدا کردہ ہے اسے دراوڑی زبان یا زبانوں سے نکلا ہوا یا مستعار سمجھنا صحیح نہیں ہوگا۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دیگر عوامی زبانوں کی طرح سندھی میں بھی قدیم منڈا<sup>(۱)</sup> اور دراوڑی زبانوں کے بعض الفاظ بطور یادگار باقی ہیں، مگر ایسے الفاظ کی صحیح شناخت کرنا آسان نہیں ہے۔ بعض مصنفین نے موجودہ دراوڑی زبانوں (کیلری، تامل، تیلگو، ملایالم، تولو، کونا، ٹوڈا، گڈیا، یارجی، کوئی وغیرہ) میں رائج الفاظ کو آنکھیں بند کر کے 'دراوڑی' سمجھا ہے، حالانکہ ان میں کئی الفاظ سنسکرت، پراگرتوں اور عربی فارسی سے لئے گئے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ فلاں لفظ 'دراوڑی' ہے کیونکہ وہ کسی دراوڑی زبان میں رائج ہے۔ اس سلسلہ میں تحقیق کی تکمیل تک یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ درج ذیل قسم کے بعض الفاظ جو کہ سندھی، پنجابی، اردو یا دیگر زبانوں میں رائج ہیں وہ شاید بنیادی طور پر 'منڈا' یا 'دراوڑی' ہوں۔<sup>(۲)</sup>

(۱) دراوڑوں سے پہلے اس برصغیر کے بعض حصوں میں منڈا قبائل آباد تھے۔ بیل، کول، سنتھال، سادوا، ہو، کوردا، جاٹک، کورو وغیرہ منڈا گروہ کے قبائل ہیں۔

(۲) انگریزی میں شائع شدہ تحقیقی کتابوں، گرامر اور لغات کے علاوہ اس سلسلے میں آسانی کیلئے درج ذیل اقسام کی اشاعتوں میں بھی موجود دراوڑی اور دیگر عوامی زبانوں میں مشترک طور پر رائج الفاظ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ۱۔ جے۔ وی۔ دو دیگر کا مضمون "کنڑی زبان میں رائج ہندوستانی الفاظ اور محاورے" (سہ ماہی رسالہ "نوائے ادب" انجمن اسلام اردو ریسرچ انشٹیٹیوٹ، بمبئی اشاعت اپریل اور اشاعت جولائی ۱۹۶۶ء) ۲۔ عین الحق فرید کوئی "اردو زبان کی قدیم تاریخ" مطبوعہ

منڈا گروہ کے الفاظ: پاٹی (پانی) کچھ (کپاس) کوڑی (= ویہ یعنی کڑی)،  
مُنیدی (سر)، چنگھ (ٹانگ)، جھنب (بالوں کی لٹ)، لیجن (شادی کے وقت کپڑے  
دینا) لڈ (لید)، مٹگری (لکڑی کا موٹا ڈنڈا) مہانڈو (نقش، چہرہ، صورت، شکل، حلیہ)  
وغیرہ۔

دراوڑی گروہ کے الفاظ: الاچی (الاجی)، کوتمیر (کوتمیر = ہراوضیا)، کابار یا  
کاباڑو (ناریل کے ریشہ کا رس) دراوڑی الفاظ تسلیم کئے گئے ہیں اس قسم کے دیگر الفاظ درج  
ذیل کہے جاسکتے ہیں:

#### دراوڑی زبانوں میں رائج صورت

#### لفظ کی سندھی صورت

کُٹی	کُڈی، کُڈو (گھروندا، جھونپڑا)
تنتو، دند	ڈنڈ (جرمانہ، تاوان)
سَنکَم	سَنگ (محصول)
چَنگَم	چُونگَم (محصول)
ابڑ، ایتڑو	ابڑ، اپل (جنگلی، وحشی)
نیر	نیر (پانی)
کڑی	کڑھی (سالن)
کڑک، کٹکی	کڑکی (کھڑکی)
مودیرا	مندری (انگوٹھی)
گنڈ	گنڈ (خوشبو، مہک)
ورل	ورلو، وِری (بہت کم، گاہے گاہے)

#### سنسکرت اور سندھی زبان:

اس قدیم دور کے علمی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت آریائی قبائل اول اول  
ہندوستان میں داخل ہوئے اس وقت ہمارے موجودہ سندھ کا زیریں جنوبی حصہ (لاڑ اور تھر)  
شاید سمندر کے نیچے تھا؛ اور دریائے سندھ کا دو آبہ (ڈیلٹا) بھی اوپر کی طرف درمیان میں  
تھا۔ اس لئے غالباً ادائی آریاؤں کی جو نوآبادیات قائم ہوئیں وہ موجودہ سندھ کے خطہ میں  
نہیں بلکہ سندھو ندی کے بالائی حصے میں پنجاب والے کنارے کے آس پاس تھیں۔ اس کے  
بعد وہ آریائی قومیں مشرق کی طرف بڑھیں۔ گنگا، جمن، دو آبہ میں ان کے مستقل قیام کے

دور میں ہی سنسکرت زبان آہستہ آہستہ بجتے ہوئے مکمل ہوئی جبکہ ملتان سے کشمیر تک کے علاقے کی اپنی وہی اصلی زبانیں رہیں، بعد میں اس علاقہ میں مسلسل نقل مکانی کی وجہ سے (ایرانی آریاؤں کی ہندوستان کی طرف ہجرت ایک اہم واقعہ تھا جس کی وجہ سے) یہاں کی زبانوں پر قدیم ایرانی زبان کا بھی اثر ہوا۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ اس قدیم دور میں، جس وقت لنگا، جمنادوآہ کے گرد سنسکرت اپنی ابتدائی اور آخری منزلیں طے کر رہی تھی، اور وہاں کی پراکرت زبانیں اس کے زیر اثر پھل پھول رہی تھیں، اس وقت 'کشمیر تا سندھ' کے خطہ کی لسانی نوعیت جداگانہ تھی۔ یہ خطہ شروع میں 'ہند-ایرانی' اور بعد میں 'ہند-آریائی' اور 'داردی' زبانوں کے زیر اثر رہا۔

سنسکرت اپنے کلاسیکی قالب میں بند ہو چکی تھی اور اس کے زیر اثر عوام کی زبانیں اپنا اوائلی پراکرتی دور ختم کرنے والی تھیں۔ سندھ میں اس کلاسیکی سنسکرت خواہ اوائلی پراکرت کے اثر کی پہنچ تھی اور نہ ہی گنجائش؛ کیونکہ اس وقت سندھ کے 'مؤن' جو دڑو کے دریائی تمدن کی 'سامی-صفت' زبان سندھ میں رائج تھی۔ اس کے بعد سندھ پر تقریباً ۶۰۰ سال قبل مسیح تک جو اثر پڑتا رہا وہ کشمیر-ملتان کے خطہ سے داردی زبانوں اور سنسکرت کا تھا اسی لیے بنیادی طور پر سندھی زبان داردی زبانوں کے قریب تر رہی۔<sup>(۱)</sup>

داردی زبانوں میں دو حرف علت کے دلیان میں آنے والی 'ت' تبدیل نہیں ہوتی؛ یہ 'داردی' خصوصیت اب تک "وادی سندھ کی قدیم زبانوں" [سندھی، لہندا، پنجابی (لہندا کے زیر اثر) اور کوہستانی] میں موجود ہے۔ ان زبانوں میں 'پتو'، 'لاٹو'، 'کتیا'، 'سیتا' وغیرہ مروج ہیں، حالانکہ دیگر ہند-آریائی زبانوں میں یہ الفاظ پیلا، لایا اور سیا بن چکے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

سندھ سے کشمیر تک "وادی سندھ کی زبانوں" میں 'اسین'، 'اسان'، 'اسی' وغیرہ مشترک الفاظ "اسمی" سے نکلے ہیں، سنسکرت لفظ 'ویپکم' (جس کے ساتھ انگریزی لفظ we بھی منسلک ہے) سے نہیں نکلے۔ یہ لفظ 'اسمی'، سنسکرت سے پہلے یا سنسکرت کے زمانے کی پراکرت کا ہے، جسے اگر 'اولین-پراکرت' (Proto-Prakrit) کہا جائے تو مناسب ہوگا۔ بہر حال ایسے الفاظ وادی سندھ کی زبانوں کے مشترک مگر سنسکرت سے ایک الگ سرچشمہ کا پتہ دیتے ہیں۔

(1) Sindhi, on the Contrary, Claims a much more clear relationship to the Dardic languages (which influenced it from northern side) being protected from the east by the desert of western Rajasthan. (Grierson: Linguistic survey of India vol. viii P:1)

(2) Grierson: Linguistic survey of India vol. i P:14

## (ب) ۶۰۰ سال قبل مسیح سے ۵۰۰ سال بعد مسیح

سندھ کی زبان اور پالی پراکرت : ابتدائی قدیم دور کے بعد ہم پچھلے قدیم دور (۶۰۰ سال ق م سے ۵۰۰ سال بعد مسیح) پر آتے ہیں۔ یہ 'ہند' کی پراکرت زبانوں کا دوسرا دور ہے۔ 'سندھ کی زبان' پر جس پراکرت کے اثر کا امکان نظر آتا ہے وہ 'پالی' تھی جس کا مؤثر دور ہندوستان میں تقریباً ۶۰۰ سال ق م سے شروع ہوتا ہے۔ تقریباً اسی زمانے کے بعد ہی سندھ پر باہر سے ہندوستان کے مذہبی نیز سیاسی اثرات کا آغاز ہوتا ہے؛ اس کے بعد بدھ دھرم کا پرچار خواہ جین (چندر گپت) اور بدھ حاکموں (اشوک اور کنشک) کا سیاسی اقتدار، مختلف اوقات میں تھوڑے یا زیادہ عرصہ کیلئے قائم ہوا؛ اس لئے پالی اور دیگر "دوسرے دور والی" پراکرت زبانوں کا اثر سندھ کی زبان پر ممکن نظر آتا ہے۔ مگر پراکرت زبانوں خصوصاً پالی زبان کا اثر کس قدر سندھ کی زبان پر پڑا ہوگا، اس کیلئے تاریخ کی طرف دیکھنا چاہئے۔

پالی زبان کا عروج تقریباً ۶۰۰ برس قبل مسیح اور مہاتما بدھ کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس زمانہ خواہ اس کے بہت بعد، اشوک کی حکمرانی (تقریباً ۲۵۰ سال ق م) سمیت سندھ میں بدھ دھرم کے پرچار کا تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ اشوک کے مذہبی پرچار کی کوئی بھی تحریر سندھ میں موجود نہیں ہے۔ سندھ کے سب سے زیادہ قریب اشوک کی تحریریں شاید شہباز گڑھی اور مانسہرہ والی ہیں، جو پالی زبان کے مقامی محاورے (Dialect) میں کندہ ہیں۔ اسی کندہ محاورے سے سمجھ میں آتا ہے کہ اشوک کے ایام میں خود پالی پراکرت شمال مشرقی ہندوستان کے مقامی محاوروں کے قالب میں بند ہو چکی تھی۔

سندھ میں بدھ دھرم کا مؤثر پرچار اس سے چار سو برس بعد دوسری صدی عیسوی میں کوشان گھرانے کے دور میں شروع ہوا۔ عیسوی سنہ ۵۰ کے لگ بھگ کوشان شاہ کنشک کے ایام میں، اشوک کے خالص بدھ متی 'ہنائین' پر مہاین پنتھ غالب آیا، جس کے مطابق ظاہری کریم کرم اور پاٹھ پوجاؤں نے زور پکڑا۔ مہاتما بدھ کے لباس خواہ اس کے آستانوں، ڈیروں پر پوجا کیلئے ستون اور دقل (Stupa) منار اور مندر بنے۔ وہ ستون اور دقل (Stupa) مہاین پنتھ کے نمایاں نشان تھے۔ سندھ میں بدھ لکھن (بدھوں کی پوجا پاٹھ کی پہاڑی) میررکن کا منارہ، ڈیپرگھاٹکھرو کا منارہ، کاہوکا ٹیلہ اور موئن جو دڑو کے بدھ مندر اسی مہاین پنتھ کے پنتھ ثبوت ہیں۔ سندھ کے مہاین پنتھ کا پرچار ممکن ہے کہ کنشک کے دور میں شروع ہوا ہو؛ مگر غالب گمان یہ ہے کہ اس پنتھ نے سندھ میں کنشک کی تیسری پشت کے

حاکم ”واسدیو“ کے ایام میں تقریباً دوسری صدی کے لگ بھگ زور پکڑا<sup>(۱)</sup> ”واسدیو“ کے جو سکے ”مونن جو دڑو“ کے بالائی سطح والے ’بدھ کھنڈرات‘ سے ملے ہیں ان کے مطابق سندھ میں کوشانی سیاسی اقتدار (جس پر ہی مذہبی پرچار کا زیادہ دار و مدار رہا) کا زمانہ دوسری صدی عیسوی قرار دیا جاسکتا ہے۔

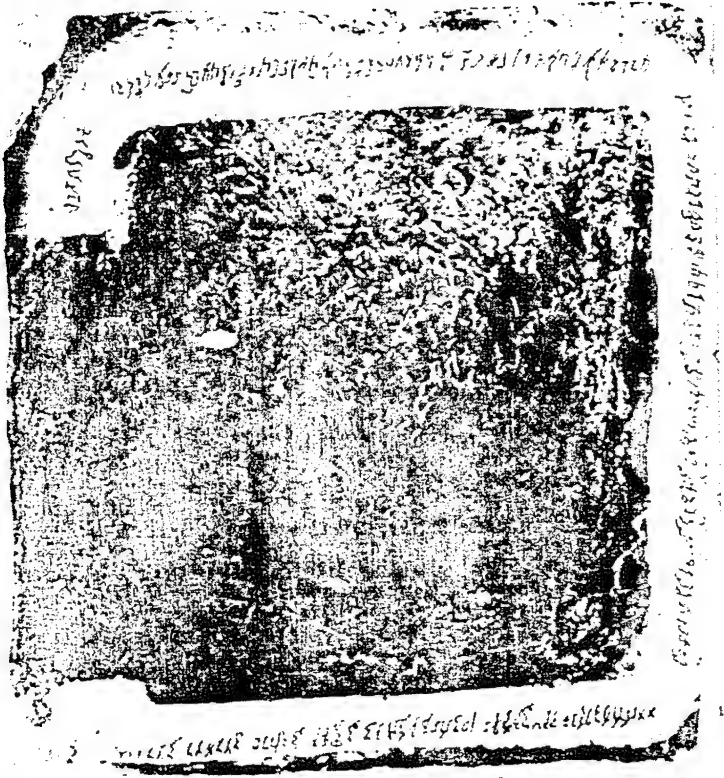
اگر مہاین پنٹھ کا پرچار پالی پراکرت میں تسلیم کیا جائے تو پھر کہا جاسکتا ہے کہ پالی پراکرت کا اثر سندھ کی زبان پر تقریباً دوسری صدی عیسوی سے شروع ہوا۔ مگر سوال یہ ہے کہ جس پالی محاورے میں وہ پرچار ہوا اس کی لسانی کیفیت کیا تھی؟ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ اشوک کی، شہباز گڑھی اور مانسہرہ کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۵۰ سال ق م کے لگ بھگ پالی پراکرت مقامی محاوروں کے قالب میں بدل چکی تھی۔ اس کے تین چار سو سال بعد پالی کے ان محاوروں میں اور زیادہ تبدیلی آئی ہوگی۔ گویا، جب پالی زبان خود اپنے آخری پراکرتی دور سے گذر رہی تھی اور اس کے محاورے (Dialects) علاقائی زبانوں کے ساتھ خلط ملط ہو کر اپنی اصلیت کھو رہے تھے، اس دور کے کسی ”مخلوط پالی محاورے“ میں مہاین پنٹھ کا پرچار سندھ میں ہوا۔ اس کا ثبوت، کنشک کے دور کی ایک پالی عبارت سے ملتا ہے، جو ایک تانبہ کی نقابی پر کندہ ہے۔ وہ نقابی سندھ کی قدیم قریبی حدود کے اندر یعنی بہاول پور سے سولہ میل جنوب - مغرب کی جانب بدھ کے قدیمی مندر ”سئی وہار“ کے کھنڈرات سے دستیاب ہوئی تھی۔<sup>(۲)</sup>

اس عبارت کا بنیادی مقصد غالباً یہ ہے کہ ”دن وہار“ مندر کی ایک پجارن ”بال نندی“ اور اس کی ماں ”بال جیہ“ نے مہارائے کنشک کی حکمرانی کے گیارہویں سال کے ”دائیس“ مہینہ کی ۲۰ تاریخ کو ”سئی وہار“ مندر میں بھکشو گمانی ”ناگدت“ کو بھینٹ دی۔

خاص غور طلب بات یہ ہے کہ وہ عبارت خالص پالی میں نہیں بلکہ اس کے ”بختی محاورہ“ (Bacterian Pali) میں لکھی ہوئی ہے، دو دانشوروں ’سربیلی‘ اور ’پروفیسر ڈاؤسن‘ کی رائے کے مطابق اس کتبہ میں مقدونی مہینہ ڈائیس (Daesius or Daisios) کا نام واضح معلوم ہوتا ہے جو غالباً بختی یونانیوں کے ذریعہ رائج ہوا۔ ڈاکٹر ہارنلی نے اس کتبہ کی زبان کو مغربی پالی

(۱) واسدیو کی حکمرانی کا عرصہ مبہم ہے: کچھ لوگوں نے اس کا دور حکومت پہلی صدی عیسوی بتایا ہے جبکہ کچھ لوگوں نے تقریباً ڈیڑھ سو سال کے بعد کا۔

(۲) کتبہ کی یہ نقابی جی۔ پیٹ (G-Yeast) کو فروزا، ۱۸۶۹ء میں ملی، جو بعد میں میجر سٹبس (Stubbs) نے حاصل کر کے سربیلی (Sir E.C. Bailey) کی طرف کلکتہ بھیج دی، جہاں پر سنہ ۱۸۷۰ء میں ”ایشیا نیک سوسائٹی آف بنگال“ کے جنرل میں اس پر دو مضمون شائع ہوئے۔ اصل نقابی ۳۰ مربع انچ ہے، جس کا چھوٹا ٹکس ایشیا نیک سوسائٹی آف بنگال کے جنرل (جلد ۳۹ پلیٹ نمبر ۲) میں شائع ہوا۔



”بختی پالی“ محاورے میں لکھا گیا کنشک دور کا ایک کتبہ جو کہ

”سئی و ہار بہاؤ پور سے ملا ہے۔“

(محکمہ آثار قدیمہ کے تعاون سے)



ب ۲۷۲۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ 1st line

۱۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷

۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷

۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ 2nd line

۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷

۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷

۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ 3rd line

۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷

۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷

۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ ۲۷۷۷ 4th line

”سُئی و ہار“ کے کتبے پر لکھی گئی ”بختی پالی“ کے صاف رسم الخط  
میں لکھے گئے الفاظ کی تختی

Original File

१. कालिका प्रसन्नमान १.  
२. कालिका प्रसन्नमान १.  
३. कालिका प्रसन्नमान १.  
४. कालिका प्रसन्नमान १.  
५. कालिका प्रसन्नमान १.  
६. कालिका प्रसन्नमान १.  
७. कालिका प्रसन्नमान १.  
८. कालिका प्रसन्नमान १.  
९. कालिका प्रसन्नमान १.  
१०. कालिका प्रसन्नमान १.

1. The first of these is the fact that the  
 2. of the system is not a simple matter  
 3. of the system is not a simple matter  
 4. of the system is not a simple matter  
 5. of the system is not a simple matter  
 6. of the system is not a simple matter  
 7. of the system is not a simple matter  
 8. of the system is not a simple matter  
 9. of the system is not a simple matter  
 10. of the system is not a simple matter

...the ... of the ...  
...the ... of the ...  
...the ... of the ...  
...the ... of the ...  
...the ... of the ...

[illegible]

...the ... of ...

**1000000000**

१) १९४७-४८ का आर्थिक वर्ष के लिए  
 २) १९४८-४९ का आर्थिक वर्ष के लिए  
 ३) १९४९-५० का आर्थिक वर्ष के लिए  
 ४) १९५०-५१ का आर्थिक वर्ष के लिए  
 ५) १९५१-५२ का आर्थिक वर्ष के लिए  
 ६) १९५२-५३ का आर्थिक वर्ष के लिए  
 ७) १९५३-५४ का आर्थिक वर्ष के लिए  
 ८) १९५४-५५ का आर्थिक वर्ष के लिए  
 ९) १९५५-५६ का आर्थिक वर्ष के लिए  
 १०) १९५६-५७ का आर्थिक वर्ष के लिए

The first of these is the fact that the  
 second of these is the fact that the  
 third of these is the fact that the  
 fourth of these is the fact that the  
 fifth of these is the fact that the  
 sixth of these is the fact that the  
 seventh of these is the fact that the  
 eighth of these is the fact that the  
 ninth of these is the fact that the  
 tenth of these is the fact that the

After the birth of the  
first child, the wife of the  
man who was killed in the  
bombing, was arrested and  
sent to the hospital.

...the ...  
...the ...  
...the ...  
...the ...  
...the ...

The present of the  
Machete Club, a group  
of young men, who  
were known to be  
connected with the  
club, and who were  
known to be connected  
with the club, and  
who were known to be  
connected with the club.

4. The first of these is the fact that the  
the first of these is the fact that the

Example 4.

१) महाभारत - राजसूय - १  
२) महाभारत - राजसूय - २  
३) महाभारत - राजसूय - ३  
४) महाभारत - राजसूय - ४  
५) महाभारत - राजसूय - ५  
६) महाभारत - राजसूय - ६  
७) महाभारत - राजसूय - ७  
८) महाभारत - राजसूय - ८  
९) महाभारत - राजसूय - ९  
१०) महाभारत - राजसूय - १०

[illegible]

...the ...  
...the ...  
...the ...  
...the ...  
...the ...

*[Faint, illegible handwritten notes]*

22

[3] ”سُنی وہار“ سے یائے گئے ”بختِ یالی“ کتبے کی تین الگ الگ

تلفظ والی تحریر اور اس کا انگریزی ترجمہ



بتایا ہے۔ بہاول پور گزٹینئر میں سابقہ تحقیق کی بناء پر اسے سختی پالی کا کتبہ تسلیم کیا گیا ہے۔<sup>(۱)</sup> بہر حال حدودِ سندھ میں آخری پراکرتی دور کا یہی کتبہ دستیاب ہوا ہے جو پالی کے کسی مقامی محاورہ میں کندہ ہے۔ سنسکرت کا کوئی کتبہ یا کوئی بھی قدیم تحریر سندھ کے کسی بھی حصہ سے اب تک دستیاب نہیں ہوئی۔ اسی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ سنسکرت کا اثر، جو اسی پالی محاورہ کے ذریعے سندھی زبان پر پڑا ہوگا وہ اکثر ذیل الفاظ کی صورت میں پڑا ہوگا۔ کیونکہ پالی کا مخلوط پراکرتی محاورہ صرف ونحو کے لحاظ سے بذات خود سنسکرت سے بہت زیادہ ہٹ چکا تھا البتہ سنسکرت سے مشتق (Derived) الفاظ جس بھی صورت میں سندھ کی زبان میں جذب ہوئے وہ سرزمین سندھ میں اسی صورت میں باقی رہے، اور آج تک باقی ہیں۔ غالباً پالی محاورہ کے ذریعے سنسکرت کے کافی الفاظ سندھ کی زبان میں داخل ہوئے۔ سندھ میں بدھ دھرم کا ’مہاین پنتھ‘ رائج ہوا، اور جیسا کہ مہاین پنتھ سندھ میں پہلی صدی عیسوی سے گیارہویں صدی تک<sup>(۲)</sup> جاری رہا، اس لئے سمجھ میں آتا ہے کہ اس عرصہ میں ہی ’سندھ کی زبان‘ کو بدھوں کی پوتر زبان پالی کے ذریعے سنسکرت سے نکلے ہوئے الفاظ کا بڑا ذخیرہ ملا۔

### دیگر حکمران قوموں کی زبانوں کا اثر:

پالی پراکرت کا اثر ’سندھ کی زبان‘ پر خاص طرح سے دھری پرچار کے ذریعے ہوا۔ سیاسی اقتدار کے ذریعے حکمرانوں کی زبان کا رعایا کی زبان پر بہت کچھ اثر پڑتا ہے۔ لیکن کوشان گھرانے کا سیاسی اقتدار سندھ پر کوئی زیادہ عرصہ نہیں رہا۔ اس دور کی سیاسی تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ پالی کے علاوہ ایرانی، یونانی، ترکی اور داردی بولنے والی قوموں کا سندھ پر سیاسی اثر رہا۔ ذیل میں ان زبانوں کا زمانہ وار خاکہ دیا جاتا ہے۔

(۱) پہلے پروفیسر ڈاؤسن (Dowson) اور سرینلی (Sir E.C. Bailey) نے اس عبارت کو ۱۸۷۰ء میں پڑھا اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا پروفیسر ڈاؤسن کا ترجمہ اور کتبہ کے بارے میں تفصیل ”جرنل آف دی رائل ایشیائی سوسائٹی“ (جلد: N-S 6 سنہ ۱۸۷۰ء ص ۳۹۶-۵۰۲) میں شائع ہوئی اور سرینلی کا ترجمہ ”جرنل آف ایشیائی سوسائٹی آف بنگلہ“ (جلد: ۳۹، ۱۸۷۰ء، ص ۶۵-۷۰) میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ڈاکٹر ہارنٹے (A.F Rudolf Harnle) نے یہ کتبہ پڑھا جو پہلی سے شائع ہونے والے ”انٹرنیشنلکری“ (Indian Antiquary، ماہ نومبر ۱۸۸۱ء، ص ۳۳۲-۳۳۱) میں پروفیسر ڈاؤسن اور سرینلی کے رسم الخط سمیت شائع ہوا۔ ڈاکٹر ہارنٹے نے مہینہ کا نام ”Daisika“ پڑھا ہے، جسے مقدونی مہینہ ”Dasion“ (مئی-جون) سمجھتا چاہئے۔ ڈاکٹر ہارنٹے کی رائے میں کتبہ میں دیے گئے مہینہ کا نام ”مغربی پالی محاورہ“ کے زیر اثر اصل مقدونی مہینہ کے نام سے تبدیل ہوا ہے۔ بہاول پور گزٹینئر میں اس کتبہ کو ”سختی پالی کا کتبہ“ تسلیم کیا گیا ہے۔ (دیکھئے بہاول پور ریاست کا گزٹینئر، ریاستہائے پنجاب کے گزٹینئر سلسلے کی جلد ۶-الف لاہور ۱۹۰۸ء، ص ۳۸۳)

(۲) بدھ کی صورت والی اینٹ۔

## زبانوں کا زمانی خاکہ

قدیم ایرانی زبان کا اثر

۲۵۰-۵۱۵ ق م فتح دارا

۵- صدی ق م

۴- صدی ق م

۳۲۵-۳۲۶ ق م، فتح سکندر

۳- صدی ق م

۲- صدی ق م

۱۹۵-۱۵۰ ق م، بلخ کے یونانی حاکموں کی فتح

۱۵۰-۱۲۰ ق م، ساکا اور ستھین قوم کے حملے

۱- صدی ق م

۳۰-۵۰ مسیحی، کوشان شاہ کنشک

۱۰۲/۱۶۰-۲۰۰ م، پارتھین کے حملے

۲- صدی م

ساسانی تسلط

۳- صدی م

۴- صدی م، ہیاطلہ

۴۷۰-۳۸۰ م، سفید ہن

۵- صدی م

۳۱۵-۳۱۶ م، خسرو نوشیرواں

۶- صدی م، رائے خاندان

۷- صدی م، برہمن خاندان

یونانی زبان کا اثر:

ترکی اور داردی زبانوں کا اثر:

پالی پراکرت کا اثر:

ترکی اور داردی کا اثر:

پچھلی ایرانی زبان کا اثر:

ترکی اور ایرانی کا اثر:

ملکی زبانیں:

اب سوال یہ ہے کہ اس تمام قدیم دور کے تاریخی اور لسانی ماحول کا ”سندھ کی زبان“ پر

کیا اور کتنا اثر رہا؟

سندھ کے قدیم تمدن کی زبان شاید سامی-صفت تھی۔ اس پر جو ابتدائی اثرات مرتب

ہوئے ہوں گے وہ خاص طور پر منڈا، دراوڑی اور ایرانی زبانوں کے اور بعد میں داردی زبانوں

کے ہوں گے۔ سندھ کی زبان یا زبانوں پر سنسکرت کا اثر دیر سے پالی محاورہ کے ذریعے ہوا، مگر اس عرصہ میں مغربی اور شمالی زبانوں - مثلاً ایرانی، یونانی، ترکی اور داروی - کا بھی اثر پڑا۔ ان اثرات کے علاوہ ”سندھ کی زبان یا زبانوں“ سے پیدا شدہ ’سندھی زبان‘ کی ذاتی اصلیت یا تاریخی حقیقت، سنسکرت اور اس کی پراکرت زبانوں سے بالکل منفرد تھی؛ اسی وجہ سے ’سندھی زبان‘ نے دیگر پراکرت زبانوں کے مقابلے میں ایک نرالی نوعیت اختیار کی۔ دیگر پراکرت زبانیں، جو اپنے دوسرے ارتقائی دور سے گذر کر زیادہ بگڑیں، ان زبانوں کو قدیم نحویوں نے ”اپ بھرنش“ کہا۔ یعنی معیار سے گری ہوئی۔ ان نحویوں کی پرکھ کا معیار تھا ’سنسکرت کے ساتھ قربت اور مناسبت‘؛ مگر سندھی زبان جو اپنی اصلی آراستگی اور ترتیب میں نرالی تھی، اور جس پر ہندوستانی پراکرتوں کے مقابلے میں مغربی اور شمالی زبانوں کا اثر زیادہ ہوا تھا، وہ اس معیاری پرکھ کی رو سے تو بہت زیادہ بگڑی ہوئی تھی۔ اسی لئے بقول بعض محققین، جس زبان کو ان نحویوں نے ”وراچڈ اپ بھرنش“ یعنی ’بہت زیادہ بگڑی ہوئی‘ کہا، وہ ’سندھ کی زبان‘ تھی۔ حقیقت میں ”وراچڈ اپ بھرنش“ کا نام سندھ سے بہت اوپر شمالی خطہ کی کسی زبان پر آسکتا ہے، سندھی زبان پر نہیں؛ کیونکہ ”وراچڈ اپ بھرنش“ کی اصطلاح میں بھی ’سنسکرت سے مناسبت‘ ملحوظ ہے۔ سندھی زبان کا تو معیار ہی انوکھا تھا۔ اسی لئے پراکرت گرامر بنانے والے ’مارکنڈیہ‘ کا یہ قول کہ: ”وراچڈ سے بھی سندھ کی زبان زیادہ تبدیل شدہ ہے“، زیادہ وزن دار اور قابل غور ہے۔ اس قول کی تائید میں ایک اہم ثبوت موجود ہے۔ مثلاً: ”وراچڈ اپ بھرنش“ میں ’س‘ کا تلفظ تبدیل کر کے ”ش“ کرتے تھے، مگر سندھی زبان میں ”ش“ کا تلفظ تبدیل کر کے ”س“ کرتے تھے۔ سندھ کے لوگوں کی یہ انوکھی لسانی خصوصیت بعد میں بھی کافی عرصہ تک باقی رہی جیسا کہ ”شاعر ابو عطا سندھی“ کی آنے والی مثالوں سے ظاہر ہوگا۔

### سنسکرت، پراکرت اور اپ بھرنش:

’سندھی زبان‘ کی تاریخی حیثیت کو سمجھنے کے لئے سنسکرت، پراکرت اور اپ بھرنش کے باہمی رابطہ کو بھی صحیح معنی میں سمجھنا ضروری ہے: کیونکہ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ سندھی اپ بھرنش سے نکلی ہے، اپ بھرنش پراکرت سے اور پراکرت سنسکرت سے۔ اس سلسلے میں درج ذیل نتائج، جو ان زبانوں کے قدیم معتبر علاقائی ہندو، بدھ اور جین علماء اور کچھ غیر علاقائی علماء کے نظریات کے مطابق ہیں، انہیں پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

۱- کچھ قدیم ہندو علماء کے خیال میں اپ بھرنش زبان پراکرت سے نکلی اور پراکرت سنسکرت

سے۔ ہیم چندر، مارکنڈیہ، دھنیک اور دوسروں کی تحریر سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ ان دانشوروں نے اس برہمن کی کچھ ادبی زبانوں کو پراکرت کہا ہے اور ان کی بنیاد (پراکرت، پراکرت = جزو، بنیاد) سنسکرت کو تسلیم کیا ہے۔ مگر دیگر قدیم ہندو، بدھ اور جین علماء کی رائے اس کے برعکس ہے، نیز موجودہ علمی تحقیق نے اس نظریے کو ہمیشہ کے لئے رد کر دیا ہے۔ اول تو ہندو علماء میں سے ورتشی اور دیگر نحویوں اور ادیبوں نے اپ بھرنش کو پراکرت سے نکلا ہوا تسلیم کرنا تو دور کی بات ہے، اسے پراکرت گروہ کی زبان ہی تسلیم نہیں کیا۔ ان کے بقول سنسکرت، پراکرت اور اپ بھرنش تینوں مختلف قسم کی زبانیں ہیں ”ذندن“ (ذندون) بھی ان علماء میں سے ہے جو کہتا ہے کہ قدیم ادبی کتابیں چار الگ زبانوں۔ سنسکرت، پراکرت، اپ بھرنش اور مشر (مشرکہ زبانوں)۔ میں لکھی ہوئی ہیں۔ وہ بعض ادبی کتابوں میں استعمال شدہ ابھیرن کی زبان کو اپ بھرنش کے گروہ میں شمار کرتا ہے۔ یہ علماء، ”شاستروں“ یا ”رسائل“ میں استعمال شدہ جو بھی زبان سنسکرت سے انوکھی ہے، اسے اپ بھرنش شمار کرتے ہیں۔ ”واگ بھٹ“، خواہ ”رؤگر“ دونوں اپ بھرنش کی دو قسمیں تسلیم کرتے ہیں، جن میں سے فقط ایک کی بنیاد پراکرت بتاتے ہیں، لیکن دوسری کو ”دیس بھاشا“ یا عوامی زبان تسلیم کرتے ہیں۔

۲۔ دوسرا یہ کہ ہندو علماء کے علاوہ بدھ مذہب والوں کی روایات کے مطابق بھی سنسکرت، پراکرت اور اپ بھرنش الگ زبانیں ہیں۔ مثلاً شمالی ہندوستان کے بدھوں کی تحریری روایات کے مطابق مہاتما بدھ کی موت کے ایک سو سولہ سال بعد چار ”ستھویز“ ہوئے جو چار الگ الگ ذاتوں میں سے تھے اور چار الگ الگ زبانیں۔ سنسکرت، پراکرت، اپ بھرنش اور پٹنچاچی۔ بولتے تھے۔

۳۔ تیسرا یہ کہ ”جین مت والوں“ کے نظریات کے مطابق بھی پراکرت، سنسکرت سے نہیں نکلی ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ارد ماگدھی (جسے قدیم ملکی نحو یوں نے ”آرش“ یا ”آرشم“ کہا ہے) جس میں مہاتما مہابیر سوامی نے دھرم تبلیغ کی، وہ تمام پراکرت زبانوں میں نہایت بنیادی اور اہم ہے۔ جین علماء کی رائے میں ”ارد ماگدھا“ سب سے قدیم بلکہ تمام زبانوں کی اصل ہے۔ ”نامسدھ“ عالم ”رؤرتھ“ کی ”کاویا لکار“ کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ ”ارد ماگدھی“ ہی سے علاقائی فرق اور نحوی تبدیلی کے بعد سنسکرت اور دیگر زبانیں نمودار ہوئیں۔ دیگر نحو یوں کی تحریر سے بھی اسی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ خود ”ہیچندر“ کہتا ہے کہ ”جین سوتروں کی زبان ”آرش“ کے بارے میں دیے ہوئے اس کے تمام قاعدے مستثنات (Exceptions) کے محتاج ہیں۔ ”بڑوگرم“ نے بھی ”آرش“ کو اپنی گرامر سے مستثنیٰ کیا، کیونکہ اس کے خیال کے

مطابق وه بذات خود ايك جداگانہ زبان هے اور سنسڪرت اس كا سرچشمه نهیں۔  
۴۔ چوتھا يه كه موجوده علمي تحقيق نے بهي اس نظريے كو هميشه كيلئے رد كر ديا هے، كه ”پراكرت“ يا ”پراكرت زبانیں“ سنسڪرت سے نكلي هیں۔ پراكرت كے مطالعه اور تحقيق ميں ”پشيل“ (R. Pischel) اور ”سينارٹ“ (Senart) كا اعلى مقام تسليم شده هے۔ پشيل كى رائے ميں تمام پراكرتوں كا سرچشمه قديم عام مقبول محاورے (Popular Dialects) هیں اور دوسرا يه كه هندوستان كى تمام جديد زبانیں سنسڪرت سے نكلي هوئى نهیں هیں۔<sup>(۱)</sup>

### اپ بھرنش اور سنڌي كا تعلق:

سنڌي زبان كى تاريخي اور خصوصي حيثيت كو سمجهنے كے لئے ”اپ بھرنش“ اور سنڌي كے تعلق كے نظريے كو صحيح طور پر سمجھنا بهي ضروري هے۔ اس سلسلے ميں اول يه جاننا ضروري هے كه ”اپ بھرنش“ كسى ايك خاص زبان كا مخصوص نام نهیں بلڪه اسي سلسلے كى بھاشاؤں كے مجموعہ كا نام هے۔ يعنى كوئى بهي ايسى بھاشا يا زبان، جو سنسڪرت كے صحيح معيار سے هٽي هوئى هو۔ اس لحاظ سے ”اپ بھرنش“ برعظيم پاڪ و هندكى عام مقبول زبانوں كا نام هے۔<sup>(۲)</sup>

همچند ر اور ماركنڌيه، جو كه پراكرت كے نحو يوں ميں خاص درجہ ركھتے هیں، ان دونوں نے ”اپ بھرنش“ كے متعلق لکھا هے۔ همچند ر (۱۰۸۸-۱۱۷۷ء) قديم نحوى هے اور اس نے اپنے گرامر ”سندھ همچند ر“ ميں اپ بھرنش كو ايك مجمل نام كے طور پر استعمال كيا هے۔ اپ بھرنش كے متعلق اس كے قواعد سے ظاھر هوتا هے كه كئى عام مقبول زبانیں اس ميں شامل هیں۔ اس كے قاعده نمبر ۴ كے مطابق اپ بھرنش ميں كے، ك، ت، ث، پ، ق كا تلفظ اكثراً تبديل هو كر گ، گھ، د، ذ، ب، پپ هو جاتا هے۔ اس قاعدے كى بنياد پر سنڌي كو اپ بھرنش گروه كى زبان ثابت كرنا مشكل هے۔ ماركنڌيه ايك نامعلوم مصنف كے حوالے سے پوري كى پوري ستائيس زبانوں كو ”اپ بھرنش“ گروه ميں شمار ڪرتا هے۔ ماركنڌيه نے ”اپ بھرنش“ كى تين قسمیں بتائى هیں: ايك ”ناگر“ جو سب سے اهم هے، دوسرى ”وراڇ“ جو ناگر سے نكلي اور اس نے ”سندھو

(۱) تصديق كے لئے ديکھئے، پشيل كا ”پراكرت بوليوں كا تقابلي گرامر“، جزمين سے انگریزى ترجمہ، دہلى، ۱۹۵۷ء، ص ۶-۷

I agree with Senart that all the Prakrits go back to popular dialects as their source and their all essential elements originally developed from the living speeches (P.7) This Sanskrit was not the basis & the Prakrit. The fact that all the new Indian languages do not go back to Sanskrit today needs no more proof (P.6) [R. Pischel: comparative Grammar of the Prakrit languages; translated from German by Subhadra Jha` Motilal Banarasi Dass Publishers, Delhi 1957, P P 6-7]

(۲) تصديق كيلئے ديکھئے، پشيل كا ”پراكرت بوليوں كا تقابلي گرامر“، انگریزى ترجمہ، دہلى، ۱۹۵۷ء، ص ۱۲



-دیش“ میں جنم لیا ”سندھو- دیشی یو وراچڈ و بھرنشیہ“؛ تیسری ’اپناگر‘ جو ’ناگر‘ اور ’وراچڈ‘ کے سنگم سے نکلی۔ مارکنڈیہ کے اس بیان سے گریزن اور دیگر نے یہ سمجھا ہے کہ ”وراچڈ“ سندھ میں پھلی پھولی، اور موجودہ سندھی ”وراچڈ“ سے نکلی اور وراچڈ ’اپ بھرنش‘ سے۔ حالانکہ مارکنڈیہ اور دیگر قدیم لکھنے والوں نے جہاں کہیں ”سندھو“ یا ”سندھو-سو دیر“ کے نام لئے ہیں، تو وہاں اس سے مراد موجودہ ”سندھ“ نہیں بلکہ ملتان اور جنوب مغربی پنجاب کا خطہ مراد ہے۔<sup>(۱)</sup>

اسی لئے یہ محض ایک قیاسی نتیجہ ہے کہ موجودہ سندھ کی سندھی زبان ”وراچڈ“ سے نکلی ہے، کیونکہ اس قسم کے نتیجے کیلئے کوئی بھی بنیادی علمی دلیل نہیں ہو سکتی۔ خود مارکنڈیہ کی دی ہوئی دلیل غور طلب ہے: کیونکہ وہ خود ”وراچڈ“ کی ایک لغوی خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ اس میں ”ج“ اور ”چ“ کے تلفظ کے مقابل ”ی“ کا تلفظ پیدا ہوا۔ سندھی میں حرف ’ج‘ کے مقابل ’ی‘ کے تلفظ پیدا ہونے کا گمان ہو سکتا ہے (اگر ہم ’ج‘ کے آگے خواہ پیچھے ’ی‘ ملا کر ”جی“ یا ”جیہ“ کو ”چ“ کے برابر سمجھیں) لیکن ”ج“ سے پہلے یا بعد میں ”ی“ کے تلفظ پیدا ہونے کا سندھی میں کوئی بھی ثبوت موجود نہیں۔ مارکنڈیہ نے ایک اور خصوصیت یہ بتائی ہے کہ ”ش“ اور ”س“ کا تلفظ تبدیل ہو کر ایک نیا تلفظ بنتا ہے۔ مگر یہی خصوصیت اس نے ’اردا گدھی‘ کے لئے بھی بیان کی ہے۔ ایک اور نحوی ”پرتھوی دھر“ نے یہی خصوصیت ”سکار“ زبان کی بھی بتائی ہے؛ جس کا مطلب ہے کہ یہ خصوصیت ”وراچڈ“ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ہم آگے چل کر شاعر ”ابو عطاء“ کی مثال میں ”س“ اور ”ش“ کے تلفظ کے بدلنے کی خصوصیت کا ذکر کریں گے، لیکن جیسا کہ یہ لغوی خصوصیت سندھی زبان کیلئے مخصوص نہیں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی موجود ہے اس لئے اس سے، سندھی کے، وراچڈ سے نکلنے کی مضبوط دلیل نہیں مل سکتی۔

آخر میں خاص غور طلب بات یہ ہے کہ مارکنڈیہ کو پندر نے اپنی کتاب ”پرا کر تیز و سو“ سندھ سے سینکڑوں میل دور مشرقی ہندوستان (اوڈیسہ) میں لکھی، اس وجہ سے مغربی ہندوستان کی زبانوں کے بارے میں اس کی رائے کو اتنی اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ دوسرا یہ کہ مارکنڈیہ کوئی زیادہ قدیم علم نحو کا ماہر نہیں۔ اس نے اپنی کتاب راجہ ”مگند دیو“ کے دور حکمرانی میں لکھی۔ جس کا عرصہ حکمرانی بعض محققین نے ۱۶۲۴ء لکھا ہے مگر بعض دوسرے محققین کی رائے کے مطابق مارکنڈیہ بہر صورت ۱۵ویں صدی عیسوی کے ابتدائی پچیس سالوں کے بعد گزرا ہے، یعنی ۱۴۲۵ء کے بعد، جو کہ سندھ میں سمر حکمرانوں کا آخری دور تھا، یعنی وہ دور جس میں ہمیں سندھی زبان کی شاعری

(۱) محقق بیرونی نے وضاحت سے سمجھایا ہے کہ قدیم ”سو دیر“ کا علاقہ یہی ملتان کا علاقہ تھا (”سویر ہو المولتان“ کتاب

”ابیات“ کی مکمل صورت میں ملتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ مارکنڈیہ کے دور سے بھی پہلے سمہ حکمرانوں کے ابتدائی ایام کے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں، موجودہ سندھی زبان اپنی مکمل صورت میں نظر آتی ہے۔<sup>(۱)</sup> بلکہ اس سے بھی بہت پہلے سومروں کے آخری دور کی زبان کے خد و خال بھی ”معتوں“ (گچاھہ)<sup>(۲)</sup> کی صورت میں واضح نظر آتے ہیں<sup>(۳)</sup> اگر موجودہ سندھی زبان ’وراچڈ‘ سے نکلی ہوگی تو وہ سومروں کے ابتدائی دور میں یا اس سے بھی پہلے نکلی ہوگی۔ ہمچندر سومروں کے ابتدائی دور کا باہر علم نحو ہے، لیکن اس نے صرف اپ بھرنش کا ذکر کیا ہے وراچڈ کا نام بھی نہیں لیا۔

### ’اپ بھرنش‘ کی لغوی اور تاریخی حیثیت:

’اپ بھرنش‘ کی صحیح لسانی اور تاریخی حیثیت کو پھر بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ٹھیل کا بیان کردہ تحقیقی نظریہ نہایت ہی اہم ہے: یعنی کہ ”اپ بھرنش“ ان بھاشاؤں کا مجموعی نام ہے، جو کہ سنسکرت کے صحیح لغوی معیار سے ہٹی ہوئی تھیں۔ اصولاً یہ عام مقبول عوامی زبانیں تھیں، جو براہ راست سنسکرت سے نہیں نکلی تھیں، اس لئے صرف ونحو اور لغت کے اعتبار سے سنسکرت کے قواعد کا ان پر اطلاق نہیں ہو سکتا تھا، وہ ایسی ”پراکرتیں“ تھیں جن کا سرچشمہ سنسکرت سے پہلے کی کوئی عوامی زبان یا زبانیں تھیں، جن کو ”اولین - پراکرت“ (Proto-Prakrit) یا ”ویدی بھاشا“ (Vedic Language) کے گروہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ لسانی تحقیق نے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ ”اپ بھرنش“ گروہ کی بولیوں اور ”ویدی بھاشا“ میں کافی حد تک یکسانیت ہے<sup>(۴)</sup> اس حقیقت کے اعتبار سے البتہ ”سندھی“ کو ”اپ بھرنش“ گروہ کی زبان شمار کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ سندھ کی اپنی مقامی اپ بھرنش تھی۔ ہم اس سے پہلے دیگر مستقل دلائل کی بنیاد پر بھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سندھی کا تاریخی رشتہ سنسکرت سے پہلے کی کسی عام مقبول ’اولین - پراکرت‘ سے ملتا ہے۔ اس سلسلے میں، موجودہ دور کا ایک سندھی محقق جن نتائج پر پہنچا ہے وہ قابل

(۱) دیکھئے باب پنجم

(۲) گچاھہ، سنسکرت کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی ہیں لفظ چبا جانا، غیر واضح تلفظ، لفظ چبا ہوا جملہ، دہرے اندازے یا دہرے تخمینے والی بات، اشارہ، رمز، نشانی، معتمہ، مجید، پھیلی وغیرہ اور سندھی ادبی اصطلاح میں گچاھہ، کہتے ہیں: کہانی میں موقع کی مناسبت سے دوہا کہنے کو، یعنی قصے کے دوران مناسب موقع شہر کہنا، گفتگو کے درمیان (لفظی) اشارے دینا۔ واضح رہے کہ اس کتاب میں ’معتمہ‘ یا ’متمے‘ وغیرہ ایسی معنی اور مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔

دیکھئے: ۱- سندھی - اردو لغت، ص: ۷۶۰

۲- جامع سندھی لغات، جلد ۵، ص: ۲۳۸۴ (مترجم)

(۳) دیکھئے باب چہارم

(۴) تصدیق کیلئے دیکھئے اس سے پہلے دیا گیا ٹھیل کا ”پراکرت بولیوں کا گرامر“ (ص ۳۲)

"Apabhran'sa shows affinities with the Vedic Language not in a small measure"

(۱) غور ہیں:

- ۱- ”دراچڈ“ اسی ”ناگر“ کا ایک نمونہ تھی، جو (ناگر) راجستھان اور گجرات سمیت وسط-مغرب ہندوستان کی بین علاقائی زبان تھی۔
- ۲- یہ ”دراچڈ“ اس وقت جو لوگ بولتے تھے، وہ یا تو مغربی پنجاب کی وسط- وادی سندھ (جس کو مارکنڈیہ سے پہلے کے مصنفین نے ”سندھو-دیش“ کے نام سے پکارا ہے) کے تھے یا جنوبی پنجاب اور شمالی سندھ کے درمیانی علاقے کے رہنے والے تھے۔
- ۳- زیریں وادی سندھ میں سندھ کی ”سندھی پراکرت“، جو کہ اپنے ارتقائی دور سے گذر کر ”مقامی سندھی اپ بھرنش“ کی صورت اختیار کر چکی تھی، وہ اسی دور میں (جب دراچڈ سندھ سے اوپر کے کسی علاقے میں بولی جاتی تھی) اپنے سندھ ملک کی اہم زبان تھی۔
- ۴- اس ”مقامی سندھی اپ بھرنش“ کا ”ناگر“ کے ساتھ صرف اتنا رشتہ تھا، کہ وہ دونوں ایک ہی بنیاد سے نکلی تھیں۔

۵- ”موجودہ سندھی زبان“ غالباً اسی ’مقامی سندھی اپ بھرنش‘ سے نکلی۔

اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس کی روشنی میں، موجودہ وقت میں جاری اس نظریہ کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ ہوتی ہے، جس کے مطابق کہا جاتا ہے کہ ”دراچڈ“ زیریں وادی سندھ کی زبان تھی اور موجودہ صورت والی سندھی زبان بھی ”دراچڈ“ سے نکلی ہے۔ ڈاکٹر سنی کمار مکر جی کی رائے میں سندھی کی اصل اور بنیاد غالباً سندھی کا اپنا ہی موروثی لسانی سر بایہ ہے؛ اور وہ ان الفاظ اور نحوی بناؤں سے الگ ہے، جسے شمال یا مغرب سے سندھ میں آئی ہوئی یا آباد شدہ اقوام گزشتہ صدیوں میں اپنے ساتھ لائیں۔ (جیرامداس)

## نتائج:

مندرجہ بالا تجزیہ اور تحقیق، دلائل اور مثالوں کی بناء پر ہم درج ذیل نتائج پر پہنچے ہیں:

- ۱- سندھ کی قبل از تاریخ قدیم تہذیب کی زبان کے آثار ”موئن جو دڑو“ کے کھنڈرات سے ملی ہوئی مہروں میں محفوظ ہیں۔ اس قبل از تاریخ قدیم زبان کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکی

(۱) ہم ۱۹۵۰ء میں ”سویں سندھی ادبی کانفرنس (لاہور)“ کے موقع پر سندھی زبان کی اصل اور بنیاد پر غور کرتے ہوئے مذکورہ بالا نتائج پر پہنچے۔ سنہ ۱۹۵۷ء میں شری جیرامداس دلاترام نے ”آل انڈیا اورینٹل کانفرنس“ (دہلی) کے ”سندھی سیکشن“ میں سندھی کی اصل نسل کے متعلق اپنا صدارتی خطبہ پڑھا، جس میں وہ صاحب مارکنڈیا اور دیگر کے بیانات کی چھان بین کرتے ہوئے ان نتائج پر پہنچا

[Jairamdas Daulatram: "the Ancestry of Sindhi", Bharatiya Vidya, Vol. xvii, P.41.....59, (the Address), P. 58-59] (Conclusions)]

ہے؛ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی ”سامی صفت“ زبان ہو جو کہ عراق کی قدیم ”سیری تہذیب“ کی زبان کی ہم عصر تھی۔ مقامی طور پر، اس کی دراوڑی سلسلہ سے بھی نسبت ہو سکتی ہے۔

۲۔ موجودہ سندھی زبان براہ راست سنسکرت سے نہیں نکلی، بلکہ سنسکرت سے پہلے کی مقامی پراکرت یا پراکرتوں سے نکلی ہے۔ وہ ’ہند-آریائی‘ زبان ہے، لہذا (سرائیکی، بہاولپوری، ملتان، ڈیرہ، ہندکو)، کشمیری اور شمالی سندھ وادی کی داروئی زبانیں اس کی بہنیں ہیں۔ بود و باش کے لحاظ سے یہ تمام کی تمام وادی سندھ کی قدیم ”ہند-آریائی“ زبانیں ہیں؛ لیکن ترتیب اور تاریخی ارتقاء کے لحاظ سے وہ اس برعظیم کی دیگر ”ہند آریائی“ زبانوں سے نرالی ہیں؛ کیونکہ ان کی بناوٹ اور نحو میں منڈا اور دراوڑی زبانوں کے علاوہ ہند-ایرانی اور مغرب سے داخل ہونے والی دیگر زبانوں کے اثر کا بھی عمل دخل شامل رہا ہے۔

۳۔ سندھی اس ”وراچڈاپ بھرنش“ سے نہیں نکلی، جس کا گذشتہ قدیم نحو یوں نے ذکر کیا ہے۔ سندھی کا خمیر سندھ کی سرزمین ہی میں تیار ہوا: اس کی اصل اور بنیاد اس کا اپنا موروثی سرمایہ ہی ہے، جس کی تاریخ سنسکرت سے پہلے والی ”پروٹو-پراکرت“ یا ”اولین-پراکرت“ تک پہنچتی ہے۔

## باب دوم

# سندھی زبان کی تشکیل کا ابتدائی دور

(۵۰۰-۹۵۰ء)

’سندھی زبان‘ کی تشکیل کا ابتدائی دور رائے خاندان، برہمن خاندان اور عرب حکومت کا دور ہے جسے لگ بھگ ۵ویں صدی عیسوی سے گیارہویں صدی عیسوی کے آخر تک سمجھنا چاہئے۔ اس دور میں موجودہ ’سندھی زبان‘ کی تشکیل ہوئی۔ اس عرصہ سے پہلے کے دور کو ہم ’’سندھ کی زبان یا زبانوں‘‘ کا دور کہیں گے، کیونکہ ہمارے پاس کوئی بھی یقینی دلیل موجود نہیں کہ رائے خاندان کی حکومت سے پہلے، یعنی پانچویں صدی عیسوی سے قبل، موجودہ سندھی زبان کا خاکہ موجود تھا۔

(الف) رائے اور برہمن خاندان کے دور میں زبان کی ترتیب اور صورت:

عرب - اسلامی حکومت اور اس سے پہلے کے تین چار سو برس، مقامی زبانوں کے میلاد سے ایک مشترک اور زیادہ عام فہم ’سندھی زبان‘ کے ابھرنے کا پیش خیمہ تھے۔ اسی دور میں بدھ دھرم والوں کا مہایان پنٹھ سندھ کے تمام عوام میں پھیلا ہوا تھا اور لوگوں کے اس مذہبی ملاپ کے ذریعے معاشرتی اور لسانی ملاپ کے لئے بھی میدان تیار ہوا۔ سندھ کے رائے خاندان کی حکومت غالباً چوتھی صدی سے شروع ہوئی اور ساتویں صدی کے ابتداء تک قائم رہی اور ان تین سو سالوں میں ان کی حکومت کے ذریعے سندھ میں سیاسی مرکزیت کا ایک خاکہ پیدا ہوا۔ رائے خاندان سندھ کے سمہ خاندان سے تھا۔ ’رائے چنگل‘، ’رائے سکھوڈ‘ یا ’رائے ساہڑ‘ اور رائے ’کسکین‘ اس خاندان کے نامور حکمران تھے۔ ایران کے ساتھ سیاسی، سماجی تعلقات کے باعث اس خاندان کے سرداروں میں ’جام‘ (جام > جم) کے لقب کا رواج ہوا۔<sup>(۱)</sup> اس دور میں اور اس

(۱) اس تاریخی سلسلہ پر ہم نے سندھی موسیقی کے متعلق اپنی تصنیفات میں قدرے روشنی ڈالی ہے دیکھیے ’’سندھی موسیقی جی

تاریخ‘‘ اور انگریزی میں شائع شدہ "Development of music in Sind" Hyderabad Sind, 1973

سے پہلے 'بدھ دھرم' ہی حکمرانوں اور عوام کا دھرم تھا؛ اسی مذہبی اور سیاسی یکسانیت نے سندھ کی زبانوں اور محاوروں کو مرکزیت دینے کیلئے راہ ہموار کی۔

فتح اسلام سے پہلے کی 'سندھی زبان' کے کچھ الفاظ اور فقرے کتاب "فتح نامہ" میں ملتے ہیں جو اس طرح ہیں:

۱- اول تو کچھ خاص اسم ہیں مثلاً کچھ قبائل کے نام۔ لاکھا، ٹھاکر، جت، سمہ، کاکہ، چنہ، سہتہ، انگھم، لوہانہ، بھائیہ وغیرہ جو آج بھی وہی ہیں۔ لوگوں کے ناموں میں سے خاص سندھی نام۔ سیہاراس (سیہڑو یا ساہڑ)، چندر (چاند)، ڈاہر (آواز اٹھانے والا)، موکھ (موکیو) بسایہ (وسایو)، وکیہ (وکیو)، کاکہ (کاکو) وغیرہ، جن میں سے ساہڑ، چنڈ، وسایو، وکیو اور کاکو آج بھی موجود ہیں۔ ندیوں اور نہروں کے ناموں میں سے مہران، جلوالی (جراوی) ساکرہ، موج اور ارل کے نام؛ اس کے علاوہ کنبہ، دندہ اور بیت یعنی کنب = بڑا تالاب، بھنور، ینڈ (ڈھنڈھ = جھیل) اور پیت (جزیرہ) کے الفاظ ہیں۔ اراضی اور شہروں کے ناموں میں سے کچھ یہ ہیں: بلھار (ولھار)، ساوندی (ساوڑی) ،ودھاتیہ، جھم، کرہل اور دہتایت۔ اضافی تراکیب اس طرح آئی ہوئی ہیں: دندہ وکر بہار (وکر بہار کی جھیل)، کاکا راج (کاکوں کا راج)، کھار مٹی (کھارے کی مٹی)، ند مٹی (ندی کی مٹی)، بدرکھو (بدھ-رکھو یعنی بدھ کے بُت کی رکھوالی کرنے والا)۔ ان اضافی تراکیب کی نوعیت ظاہر کرتی ہے کہ شاید اس دور میں حروفِ اضافت جداگانہ استعمال نہیں ہوتے تھے۔ آج بھی اس قدیم ترتیب کی مثالیں سندھی میں موجود ہیں مثلاً: جھنگ پلو (جنگل کا پلا)، جند جھرکی (کنجشک آسیا پہاڑی چڑیا)، پت۔تتر (بیابان کا تتر، ٹیر)، رس۔ول (رس والی تیل، رسوت)، تر۔پاہیہو (بیابانی فاختہ) وغیرہ

۲- "فتح نامہ" میں سندھ کی زبان کا حرف ایک جملہ دیا ہوا ہے: ڈاہر نے اپنے لشکر کو اطمینان دلانے کیلئے آواز دی کہ "نسی من، نسی من" یعنی "من ایں جام" (= میں یہاں ہوں) علامہ مرحوم ڈاکٹر داؤد پوتہ کا گمان ہے کہ شاید یہ اصل میں سنسکرت کا جملہ "اسی اتر" ہو؛ مگر، غالب گمان ہے کہ ڈاہر نے اپنے لشکر کو خطاب بھی ان کی عام زبان ہی میں کیا ہوگا اور اس حالت میں یہ جملہ "ہتی مون، ہتی مون" (میں یہاں ہوں میں یہاں ہوں) کے معنی میں ہو سکتا ہے۔ اگر اس طرح ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تک

(۱) نسی من (نسی = لہی = ہتی = ہتی؛ من = مون) = ہتی مون (یہاں ہوں میں)

سندھی زبان کی ترتیب اکثر مفرد الفاظ پر قائم تھی؛ حروف خواہ ازمنہ کے مطابق 'افعال' ابھی تک جملہ کے ربط اور ترتیب کا لازم و ملزوم جزو نہیں بنے تھے۔

۳- ہماری موجودہ زبان کے الفاظ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں الفاظ 'حروف صحیح' سے بنے ہوئے تھے اور طویل حروف علت (ا، و، ی) بالکل ہی کم تھے۔ طویل حروف علت کے علاوہ الفاظ مثلاً بہ، نہ، مکھ (چہرہ)، نتھ، ککڑ (مرغ)، مکڑ، گدڑ (گیدڑ)، - شاید اسی تاریخی اصلیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ الفاظ کی ایسی بناوٹ و ساخت کے ماضی کے مطالعہ سے گمان ہوتا ہے کہ عربی کے اثر سے پہلے سندھی الفاظ اکثر و بیشتر حروف صحیح کے مرکبات تھے۔

۴- اسی طرح موجودہ سندھی زبان اور اس کے محاوروں کا مطالعہ، زبان کے ماضی کی تاریخ کے بارے میں قدرے رہنمائی کرتا ہے؛ ملک کے دیگر حصوں یعنی لاڑ، تھر، شمال، کھارو، کوہستان اور کاجھو کے لہجوں میں جو فرق ہے، وہ مشہور و معلوم ہے؛ لیکن اس کے علاوہ قبائلی زبانوں میں تو اور بھی زیادہ فرق ہے۔ مثلاً جتوں (جت بلوچ قبیلہ)، چیمیروں، ساسیوں، چوہانوں وغیرہ کی زبان میں نہ صرف لہجہ اور تلفظ بلکہ لغت اور محاورے کا بھی بڑا فرق ہے۔ جس صورت میں آج بھی اتنا فرق موجود ہے تو ماضی بعید میں یہ فرق اور بھی زیادہ ہی رہا ہوگا۔ لاکھا، سمہ، سہتہ، چنہ اور جت قبائل کے مابین بہت پہلے نہ صرف رسم و رواج کا بلکہ زبان کا بھی فرق رہا ہوگا؛ کیونکہ سندھ کے ان قبائل کے افراد الگ الگ علاقوں میں آباد تھے۔ سندھی نسب-نامہ کی ایک قدیم کہات ہے کہ: "سندھ سموں، کاجھے چنوں، بھائی جیسلمیر" (۱) محمد بن قاسم نے سندھ میں ان قبائل کی اکثریت و تسلط بالکل اسی کہات کے مطابق دیکھا۔ اس دور میں ان قبائل میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا رسم و رواج اور جداگانہ زبان ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں کیا جاسکتا۔

اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ فتح اسلام سے پہلے ملک کے مختلف حصوں میں مختلف اقوام و قبائل کی اپنی اپنی زبانیں تھیں۔ اس کی تائید مشہور عربی عالم ابن ندیم کی تقریباً ایک ہزار سال قبل کی ہوئی تحقیق سے بھی ہوتی ہے، جسے آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ اس کی تصدیق 'جت' قبائل کی زبان اور قدرے 'ٹھا کروں' (سوڈھوں) کی 'ڈھانگی' زبان سے بھی ہوتی ہے۔ جن پر ذیل میں روشنی ڈالی جاتی ہے۔

(۱) یعنی سندھ میں سمہ، کاجھے میں چنہ اور جیسلمیر میں بھائیہ راج ہے۔ (مترجم)

## (ب) جت قبائل کی زبان اور سوڈھوں ٹھاکروں کی ڈھانگی زبان:

آٹھویں صدی عیسوی کی ابتداء میں مسلمانوں کی آمد کے وقت (۱۱ء) سندھ میں جو قبائل آباد تھے (سہتہ، سمہ، لاکھہ، کاکہ، چنہ، لوہانے، جت، ٹھاکر وغیرہ) ان میں سے آج باقی تمام قبائل کی زبان ’خالص سندھی‘ ہے؛ البتہ جت اور ٹھاکروں کی زبانوں میں اپنی اپنی خصوصیت ہے جو شاید قدیم تاریخی دور کی یادگار ہے اور جس سے ’سندھی زبان‘ کے قدیم خاکہ کے بارے میں کچھ نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

ڈھانگی زبان: سوڈھوں، ٹھاکروں کی زبان ڈھانگی ہے جس پر ننگر پارکر کی طرف گجراتی زبان کا اثر اور اس کے کنارے والی آبادی (مٹھی، ڈیلو تحصیل کا جنوبی حصہ) پر بھی زبان کا اثر اور پچھامچھرو تحصیل کے مشرق میں ’کنٹھے‘ کی طرف راجستھانی-مارواڑی کا اثر ہے۔ مگر درمیانی ’اُونھر‘ کے حصہ کی ڈھانگی زیادہ صاف اور معیاری ہے، جس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیادی مرکزیت وہی سندھی والی ہے مثلاً: ’کی تو کرین‘ [چا تو کرین (کیا کر رہے ہو)] کیئن تو جائین [کیڈانھن ڈو وجین (کہاں جا رہے ہو)] حرف اضافت کے لئے اگر چہ ’ری‘ اور ’رؤ‘ (جی، جو) آج کل زیادہ استعمال ہو رہا ہے، اس کے باوجود بھی بعض جملوں میں سندھی کے ’جی‘ اور ’جو‘ استعمال ہوتے ہیں مثلاً ”تاہ جی“ [تھی (تمہاری)] ’ای کھیر تاہ جو آھے‘ [ہی کت توہان جو آھی (یہ کھیت تمہارا ہے)] ماضی میں ’ت‘ جو سندھی میں داردی زبانوں کے اثر کی پرانی یادگار ہے (رتو=سرخ ہوا؛ التو، سلتو= چپو= کہا؛ دتو= درتو= لیا؛ پانتو= پیانیو= سمجھا وغیرہ) وہ ڈھانگی زبان میں ”ہٹن“ (ہوجانا یا ہونا) کے صیغوں میں موجود ہے مثلاً

ہون آیو ہتو=آء آیو ہوس (میں آیا تھا)

تون آیو ہتو=تون آیو ہٹین (تو آیا تھا)

او آیو ہتو=ہو آیو ہو (وہ آیا تھا)

اسین آیا ہتا=اسین آیا ہٹاسون (ہم آئے تھے)

او آیا ہتا=ہو آیا ہٹا (وہ آئے تھے)

ایپی آیا ہتا=اوہین آیا ہٹا (آپ آئے تھے)

’ڈھانگی‘ میں جمع مکمل اور مستقبل کا صیغہ ”آن“ کے اضافہ سے ہوتا ہے جیسا کہ ’اسین



جاسان، اسین وینداسون (ہم جائیں گے) اسی طرح 'جت' قوم کی زبان میں "اسی اچان تا" اسین اینداسون (ہم آئیں گے) ہے۔ شاید یہ ترتیب قدیمی ہے جو آج کل سندھی میں تبدیل ہو چکی ہے۔

جت قبائل کی زبان: جت قبائل کی زبان میں "قدیم سندھی" کے خاکہ کے مزید آثار موجود ہیں۔ دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں جب ساکا (Scythians) قبائل نے جنوب مشرق ایرانی حصہ (سیستان) پر قبضہ کیا تو اس وقت جت-بلوچ قبائل نے وہاں سے مکران، موجودہ بلوچستان اور سندھ کی طرف ہجرت کی، 'ساکا' بھی سیستان فتح کرنے کے بعد مکران، بلوچستان اور سندھ فتح کر کے جنوب کی جانب کاٹھیاواڑ-گجرات کی طرف بڑھے۔ ساکا قبائل کے ان حملوں کی وجہ سے ہجرت کرنے والے جت-بلوچ قبائل نے پہاڑوں اور میدانوں، صحراؤں کو آباد کیا۔ یہ بلوچوں کی سب سے بڑی ہجرت تھی جس میں بعض قبائل (برہوی-بلوچوں) نے سندھ اور بلوچستان کے پہاڑوں کو آباد کیا اور وہاں کی زبان اختیار کی؛ تو دیگر قبائل (جت-بلوچوں) نے بڑھ کر سندھ اور سب کے بیابانوں کو اپنا وطن بنایا اور آئندہ تین صدیوں کے عرصہ میں وہ مقامی باشندوں سے گھل مل کر ایک ہو گئے اور انہوں نے مقامی زبانوں کو اختیار کر لیا۔ شمال میں سب اور ناڑی کے میدانوں میں اور نیچے لاڑ کی طرف، جاتی، کچھ، بنو (پنوں) اور دیگر بیابانی علاقوں میں سندھی جت بلوچوں کی آبادی اسی قدیم ہجرت کی یادگار ہے۔<sup>(۱)</sup> مقامی بودو باش کے لحاظ سے بعد میں کچھ جت قبائل نے مقامی 'سرائیکی زبان' اختیار کی اور دوسروں نے مقامی سندھی زبان۔ جن قبائل نے 'مقامی سندھی زبان' کو اپنایا ان میں سے آج کل 'میر جت' قبائل وہ زبان بولتے ہیں جس میں قدیم سندھی زبان کے زیادہ آثار موجود ہیں، حالانکہ 'علاقہ گچھ' کے 'رادھا جت' قبائل بھی اسی قدیم زبان کے کچھ الفاظ اور جملے استعمال کرتے ہیں مگر ان کی زبان بہت حد تک 'خالص سندھی' میں بدل چکی ہے۔ اس لئے جت قبائل کی زبان سے ہماری مراد 'میر جت قبائل کی زبان' ہے جس کے آثار علاقہ گچھ اور لاڑ کے 'رادھا جت قبائل' کی زبان میں بھی موجود ہیں۔ سندھ میں 'میر جت قبائل' کا اصلی علاقہ سی-ناڑی ہے، جہاں پر 'شورن' مھل، 'ناڑی' اور 'جیکب آباد' اضلاع میں ان کی بہت زیادہ آبادی موجود ہے۔ اس کے علاوہ سندھ میں یہ قبائل خاص طور پر خیرپور، حیدرآباد اور ٹھٹھہ اضلاع میں آباد ہیں۔ ان قبائل میں راجپوتی،<sup>(۲)</sup>

(۱) ہم اوپر کہہ آئے ہیں کہ جت بلوچ قبائل کی یہ سب سے قدیم ہجرت تھی، اس کے بعد ایران کی طرف سے بلوچوں کی مزید ہجرتیں اسلامی دور کے بعد ہوئیں، جن میں سے سب سے بڑی ہجرتیں دو تھیں: ایک گیارہویں-بارہویں صدی عیسوی اور دوسری پندرہویں-سولہویں صدی عیسوی کے ادوار میں۔

(۲) 'راوچنی' یا 'راوچی' ایک بڑا قبیلہ ہے جس میں دیگر چھوٹے چھوٹے ذیلی قبائل شامل ہیں جن میں سے سردار قبیلہ 'جوگلائی' ہے۔

مندوستانی، بیاسانی، لاکھانی، براہمانی، کرمتی، مندانی، سٹانی، بیامانی، کنڈانی، تہجوانی، سیٹانانی، گنڈکانی اور بلندانی شامل ہیں۔ یہ لوگ اکثر 'جت قبائل کی قدیم زبان' بولتے ہیں۔ لاڑ اور گچھ کے 'رادھا جت' قبائل میں رادھا، شہد، عامر، لاکھانی، مٹھانی، آریانی، وزیرانی، مندانی، جینڈانی، ربانی، بھنبھوانی، ڈاٹوانی، فقیرانی وغیرہ قبائل شامل ہیں؛ ان کی زبان میں بھی 'قدیم زبان' کے بعض الفاظ اور جملے رائج ہیں۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے بھٹائی صاحب نے ان کی زبان کو 'جت قوم کی زبان' کہا ہے۔ زبانی روایات کے مطابق شاہ صاحب نے ایک موقع پر جت قبائل کے بارے میں درج ذیل شعر کہا جس میں آپ نے ان کی زبان کے الفاظ استعمال کئے، شاہ صاحب کا شعر یوں ہے:

علو علو کن، 'واچن' جی وائی  
 هل سٹی ہونڈی جو، سوڑھیاس ژي مائی  
 جیکا بولی جتژین سمجھین نہ سائی  
 'ہزون' گھٹی ڈاھی، پرہوت وئی 'ہوٹی' وئا

[چلے چلے کہتے رہے، چلنے کی بات ان کا شور مٹ کر میں ششدر رہ گئی  
 جتوں کی زبان میں سمجھ نہیں سکی میں بہت عقلمند تھی لیکن وہ میرا محبوب اُس طرف لے  
 گئے]۔

شعر کی اس روایت میں پانچ الفاظ 'جتوں کی زبان' کے ہیں: واچن = علو (چلنا)،  
 ہونڈی = ہنن (ان کا)، سمجھین = سمجھیں (میں سمجھی)، ہزون = عیاس  
 (میں تھی) ہوڈانہن (اس طرف)۔  
 رسالے کے ایک اور شعر میں ہے:

ہنجھر ہٹا ہیر، ویا نہوڑی نندہ م  
 [ابھی یہاں ہی تھے، سوتے میں برباد کر کے چلے گئے]

ہنجھر یعنی ہینٹر (یعنی ابھی، اس وقت) جس کے لئے 'جت زبان' میں دوسرا  
 لفظ 'ھیلاں' ہے۔

ترتیب کے لحاظ سے 'جت زبان' اور 'موجودہ سندھی زبان' میں کوئی فرق نہیں البتہ جت  
 زبان میں کچھ ایسی خصوصیات باقی ہیں جو غالباً 'قدیم سندھی زبان' کے آثار و علامات کی یادگار  
 ہیں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل خصوصیات غور طلب ہیں:

## (الف) اسم:

جت زبان<sup>(۱)</sup> میں کافی الفاظ موجودہ سندھی لغات سے مختلف اور انوکھے ہیں جیسا کہ گپھن (گھر)، جر (پوتی=اوڑھنی)، پیل (ننبد=نند)، گھیت (ننبدو بار = چھوٹا بچہ)، ناٹھی (سوڑ = رضائی، لحاف)، مڑی (ماء=ماں)، اڑ (ڈاچی=اوٹنی) وغیرہ وغیرہ۔ مگر ان میں کئی اسم ایسے ہیں جن میں 'ز' یا 'ڈ' کا تلفظ موجود ہے، جو سندھی زبان میں اکثر 'ھ' سے بدل چکا ہے آج کل 'ز' یا 'ڈ' کے تلفظ والے الفاظ جو سندھی میں رائج ہیں وہ اکثر عربی اور فارسی سے لئے گئے ہیں۔

جت زبان	سندھی	اردو
۱۔ ساز، ماس	ماٹھو	آدمی، انسان
۲۔ سپز	مینھن	بیمیں
۳۔ پیز	ویھن	بیٹھنا
۴۔ ڈز	ڈھم	دس
۵۔ اوٹیز	اوٹھم	انیس
۶۔ ویز	ویھم	بیس
۷۔ ورز	ورھم	برس، سال
۸۔ گیزون، گیتون	گپھون	گندم
۹۔ سزو	سھو	خرگوش
۱۰۔ آڈسی	آڈسی	آدمی، انسان
۱۱۔ سزرو	سھرو (ع، صھر)	سُسر، خسر

مندرجہ بالا الفاظ میں سے ۱ سے ۹ تک ہند آریائی زبانوں کے الفاظ ہیں جن کے 'س' کو 'ز' کے تلفظ میں ادا کیا گیا ہے، ۱۰ اور ۱۱ اصل میں عربی لفظ ہیں جن کے 'ڈ' اور 'ھ' کو 'ز' یا 'ڈ' کے تلفظ میں ادا کیا گیا ہے۔ ان بیرونی الفاظ کے علاوہ بھی جت قوم کی زبان میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن میں 'ز' یا 'ڈ' کا تلفظ موجود ہے جیسا کہ: کڈی (کٹی=کہاں)، چڈاٹ (ننڈی)

(۱) جت قوم کی زبان میں کئی مختلف گاؤں اور ذیلی قبائل کی لغت میں فرق ہے مثلاً ان میں سے کچھ لوگ کھاڑو اور کچھ لوگ ٹاڑو (=کیا) بولتے ہیں اسی طرح گیزون اور گیتون (گندم)، ہیٹی اور ویسین (یہاں پر) ما اور مانھین (میں نے) ہو اور اسی (وہ) ہنجر اور ہیلان (انجی، اس وقت)، ناٹھی اور گادی (سوڑ، بمعنی لحاف)۔

اُٹ = چھوٹی اونٹنی، رذاٹ (ٹان = برتن)، زھٹو (وھاٹو = تکیہ)، گڈٹ (اگھٹ) = پونچھنا، ہزون (آء ہٹس = میں تھا) وغیرہ۔

### (ب) ضمیر:

ضمائر کی صورت اس طرح ہے: آچو یا آچون (آء یا آئون = میں)، اسی (اسین = ہم) اتون (تون = تم)، اتین (اوہین = آپ)، ہو یا اسی (ہو = وہ) اور ہی (اُھی = وہ جمع)۔ ان میں سے آخری تین ضمائر بالکل انہی صورتوں میں موجودہ سندھی میں اب تک رائج ہیں۔

### (ج) حروف استفہام:

کھاڑو یا شازو (چا = کیا)، کالیی (چو = کیوں)، کڈی (کٹی = کہاں)، کیٹی یا کیٹی (کیڈانھن = کدھر)، کیلان (کڈھن = کب)، کوہین (کیڈانھن = کدھر)، کاہو (کھڑو = کون سا)۔ ان میں سے آخری حرف ”کاہو“ اب تک سندھی زبان کے ”کوہستانی“ محاورہ میں رائج ہے۔ جت زبان کا ”کیٹی“ اور ڈھانگی کا ”کین“ ہم معنی لفظ ہیں اور دونوں ایک ہی لغت کے نشان پر گواہ ہیں۔

### (د) ظرف:

مثلاً ہیٹی (ھیڈانھن = ادھر، اس طرف) ہرٹی (ہوڈانھن = اُدھر، اُس طرف) تائین (مٹان = اوپر، اوپر سے)، ہڑائین (ہینان = نیچے سے) گڈرا (پویان = پیچھے سے)۔ ان میں سے ابتدائی چار لفظ قدیم ”مقامی سندھی“ کے ہیں، جبکہ آخری لفظ بلوچی زبان (گڈایا گڑا) کا ہے جس کی اصل صورت مقامی محاورہ کے زیر اثر تبدیل ہو چکی ہے۔

### (ه) اضافی صورتیں:

مانھون (منھنجو = میرا)، سانھون (اسانجو = ہمارا)، توھون (تنھنجو = تیرا)، واھون (ھنن جو = ان کا)، ہی جو (ھن جو = اس کا)، ھج جو یا ھونڈی جو (ھنن جو = ان کا)، پانھون (پنھنجو = اپنا)۔ سندھی میں پہلی تین صورتیں موجود ہیں مگر ان کے معنی بدل چکے ہیں (مانھون = میری طرف سے؛ اسان ھون = ہماری طرف سے؛ توھون = تیری طرف سے)

## (و) حروف جر:

زي (تي، جہ = پر، میں)، ک (کی = کو)، گان (کان = سے)، سُون  
(ڈی = کی طرف)، ت (تی = پر)، جیسے کہ:

ماک = مجھے ساک = ہمیں  
توک = تجھے واک = آپ کو، تمہیں  
ھوک = اُسے تیجان = انہیں

سندھی کے کوہستانی محاورہ (لہجہ) میں 'ماک' اور 'توک' اب تک "مان ک"  
اور 'تو ک' (مانکھ اور توکھ، یعنی مجھے، تجھے) کی صورت میں رائج ہیں۔

## (ز) اعداد شماری:

کڑو (ایک)، بہہ (دو)، ترئی (ترے = تین) چار (چار)، پنچ (پانچ)، چہ  
(چھ)، ست (سات)، اٹ (آٹھ)، نو (نو)، ڈز (دس)

## (ح) فعل اور زمان:

اکثر افعال کے لئے ہو، ہو موجودہ سندھی کے الفاظ ہیں جیسا کہ اچن (آنا)، کَرن  
(کرنا) وغیرہ؛ کچھ افعال میں تلفظ کی معمولی تبدیلی ہے، جیسا کہ وچن (واو کی زیر کے ساتھ)،  
اس کے علاوہ کئی ایسے انوکھے الفاظ بھی ہیں جو قدیم لغت کی یادگار ہیں: مثلاً لُھرن  
(لاہن = اتارنا)، پاژن (کٹن = اٹھانا)، گُذن (اگھن = پونچھنا)، کڑھن (پیٹن = پینا)،  
میٹھن (چڈن = چھوڑنا)، وھن (وچن = جانا) وغیرہ۔ ان میں سے وھن 'سندھی  
میں بھی "وچن = جانا" موجود ہے "وھیو سات سندوہ" (اپنا قافلہ چلا گیا)، اچن = آنا  
سے امر، حال، مستقبل اور ماضی کی صورتیں درج ذیل طور پر بنیں گی:

امر:

آریو = آئے (آئیے، صیغہ واحد)؛ اچیس = اچو (آئیے، صیغہ جمع)؛  
اچی = اچی (آئے)؛ اچین = اچن (آئیں)  
مضارع اور مستقبل:

اچون اچین تو = آئے اچان تو/ایندس میں آتا ہوں/آؤں گا  
ا تون اچین تو = تون اچین تو/ایندین تو آتا ہے/آئے گا

ہو اچی تو = ہو اچی تو/ایندو وہ آتا ہے/آئے گا  
اسی اچان تا = اسین اچون تا/اینداسون ہم آتے ہیں/آئیں گے  
ائین اچیس تا = اوہین اچو تا/ایندو تم آتے ہو/آؤ گے  
ہی اچیٹ تا = اہی اچن تا/ایندا وہ آتے ہیں/آئین گے  
ماضی:

اچو آئوسان = آء آیس (میں آیا) اسی آواسان = اسین آياسون (ہم آئے)  
آتون آئون = تون آئین (تو آیا)، آئین آواس = اوہین آیا (تم آئے)،  
ہو آئو = ہو آو (وہ آیا)، ہی آوا = اہی آیا (وہ آئے) سندھی کے کوہستانی لہجہ میں  
ابھی تک 'ہو آئو' اور 'ہی آوا' رائج ہیں۔ جت قوم کی زبان میں "ماضی مطلق" کے صیغہ 'ی'  
کے اضافہ کے بغیر ہیں: یعنی 'آئو' (نہ کہ 'آیو')، گالہائو (گالہایو = بولا، بات کی)، پو  
(بینو = کھڑا ہوا)، کو (کیو = کیا) وغیرہ

ہی کم مین کو = ہی کم مون کیو [یہ کام میں نے کیا]  
ہو کم بین کو = ہی کم تو کیو [یہ کام تو نے کیا]  
ہی کم ہون کو = ہی کم هن کیو [یہ کام اس نے کیا]  
ہی کم اسی کو = ہی کم اسان کیو [یہ کام ہم نے کیا]  
ہی کم آئین کو = ہی کم اوہان کیو [یہ کام آپ نے کیا]  
ہی کم ہجین/وچین کو = ہی کم هنن کیو [یہ کام انہوں نے کیا]  
غالباً قدیم سندھی میں بھی ماضی کی یہی صورت تھی اور اب تک سندھی میں ماضی کیلئے اسی  
ترتیب والے الفاظ موجود ہیں۔ بھائی صاحب کے رسالے میں 'آئو' کا لفظ موجود ہے:

”پاٹی پتھل ہر اگیون نہ آئو“ (سر: ڈھر)<sup>(۱)</sup>

(۱) پورا شعر یوں ہے:

سُکی دُور دُیون تئو، کنتی دُنو کاو

پاٹی پتھل ہر اگیون نہ آئو

ماٹھن مٹائو، کئی کئی پیٹھن

[اور یا شک ہو کر کہیں کہیں سے پہنچ لگا، اس کے کناروں سے پانی اتر گیا، ٹھیل (دریائے سندھ کی شاخ 'رین' سے  
تحصیل بدین کے گاؤں 'جون' سے جنوب میں ٹٹنے والی چھوٹی) نہر میں پہلے والا پانی دوبارہ نہیں آیا، لوگوں کے ہجوم  
(آبادی) بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں]۔

دیکھیے: شاہ جوسالو، مطبوعہ شاہ عبداللطیف بھٹ شاہ ثقافتی مرکز ۱۹۷۳ء/۱۳۹۴ھ، ص: ۳۸۲ (مترجم)

’ہو‘ (=تھا) کا لفظ عام رائج ہے، اگرچہ شمالی سندھ کے لہجہ میں ’ہٹو‘ اور ’ہیو‘ استعمال ہوتے ہیں۔ لاڑی (جنوبی سندھ کے) لہجہ میں دیہاتی عام زبان میں ’مو‘ = مٹو (=مرا)، ’سو‘ (سٹو، ہڈو=سنا) اور ’چو‘ (چیو=کہا) کے تلفظ رائج ہیں۔

جت-بلوچوں کی قبائلی زبان کے مندرجہ بالا مختصر جائزے<sup>(۱)</sup> سے درج ذیل نتائج نکلتے ہیں جن کی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ: ”جت قوم (جاٹوں) کی زبان“ ایک قدیم مقامی سندھی زبان کی یادگار ہے، جسے کچھ جت-بلوچ قبائل نے صدیوں قبل سندھ کے کسی حصے میں مستقل طور پر آباد ہو کر اختیار کیا؛ ان کی وہ زبان ’قدیم سندھی زبان‘ کا ایک خاص محاورہ (Dialect) تھی۔ اسی وجہ سے اس کے مطالعہ سے ”قدیم سندھی زبان“ کے بارے میں درج ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

۱- قدیم سندھی زبان میں ’ڈ‘ اور ’ز‘ کے صوتیات بہت زیادہ تھے، جو وقت گزرنے کے ساتھ ’ھ‘ اور ’س‘ سے بدل گئے ’موجودہ سندھی‘ میں ’ز‘ اور ’ڈ‘ والے مقامی الفاظ بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر رہ گئے ہیں۔

۲- ’جت قوم کی زبان‘ میں ’تا‘ (=تا، تھا) وہ (=وجہ، ڈال) وغیرہ کے استعمال سے گمان ہوتا ہے کہ ’قدیم سندھی‘ میں ’ھ‘ سے مرکب تلفظ (ASPIRATES)<sup>(۲)</sup> کم تھے جو بعد میں ظاہر ہوئے۔

۳- ’ک‘ (کی = کو) ’ت‘ (تی = پر، اوپر) وغیرہ حروف کی صورت والے الفاظ خواہ ماضی کی (بغیر ی اور ء) ’کو‘، ’پو‘ وغیرہ صورت کے صیغوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ’قدیم سندھی‘ میں بہت سارے الفاظ صحیح حروف اور چھوٹی حرکات (ذریعہ، زبر، پیش) سے مرکب تھے اور ان میں ’ا‘، ’و‘، ’ی‘ کے اضافی تلفظ کا استعمال نسبتاً کم تھا۔

۴- کٹو (ہکٹو، ایک) کٹپی (ہکٹپی، ایک مؤنث) وغیرہ الفاظ کی ترتیب ظاہر کرتی ہے کہ سندھی تلفظات میں ’ھ‘ کا ضمی اضافہ نسبتاً آخری دور میں ہوا۔ موجودہ دور کے مطالعے سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سندھی الفاظ میں ’ن‘، ’ھ‘، ’ء‘ اور ’ی‘ کا اضافہ گزشتہ تقریباً ایک سو سال سے زیادہ رائج ہوا ہے۔

(۱) موقع ملا تو ’منصّل‘ جائزہ ایک جداگانہ کتاب کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔

(۲) آواز کو سانس کے ساتھ ادا کرنا جس سے ’و‘ کی آواز نکلے۔ (Feroz Sons English to English and

Urdu Dictionary, P:53) (مترجم)

## (ج) عرب دورِ حکومت میں زبان کی تشکیل و ترقی:

عرب دورِ حکومت میں ”سندھ کی زبان یا زبانوں“ پر جو اثرات مرتب ہوئے وہ یہ تھے:  
۱- زبان میں مزید مرکزیت پیدا ہوئی:

اس دور میں سندھ کے مختلف حصوں اور قبائل کی زبان میں مزید مرکزیت پیدا ہوئی جس کی وجہ سے ایک جامع ”سندھی زبان“ کی تشکیل ہوئی اور وہ ایک عام ملکی زبان قرار پائی اور اس کی بنیاد مضبوط ہوئی۔ اس مرکزیت کے اہم اسباب یہ تھے:

(۱) پورا سندھ ایک پختہ نظام حکومت کے تحت آگیا، جو اڑھائی سو برس تک قائم رہا، ملک میں قافلوں کی آمد و رفت اور تجارت، قضا اور عدالت، خراج اور زراعت کے یکساں سرشتے نے سماجی اور اقتصادی زندگی میں یک جہتی پیدا کر دی۔

(۲) ملک کے لوگوں نے دین اسلام قبول کیا اور اسلامی عقائد نے عملی زندگی میں یکسانیت پیدا کر دی، جس کی وجہ سے سماجی خواہ سیاسی مرکزیت مزید مضبوط ہوئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبائلی تفریقیں کم ہوئیں اور اسلامی شریعت نے قبائلی رسم و رواج کو ہموار کیا۔

(۳) اس دور میں نئے شہروں اور آبادیوں کا سلسلہ بڑھا اور منصورہ کا نیا مرکزی شہر تعمیر ہوا۔ تجارت کے لئے بری اور بحری راستے کھلے اور تجارتی ترقی اور قافلوں کی آمد و رفت سے ملک کے مختلف حصے باہم مربوط ہوئے۔ ملک کے مختلف حصوں میں رہنے والے لوگوں کے درمیان مزید میل جول پیدا ہوا اور ان کے میل جول اور تعلق نے ملک کی مختلف زبانوں اور لہجوں میں لہجائی ربط پیدا کیا جو ایک عام مشترک ”سندھی زبان“ کی نمو کیلئے مفید ثابت ہوا۔  
۲- زبان کی نفسیاتی کیفیت تبدیل ہوئی:

محمد بن قاسم نے سندھ کے مختلف شہروں میں عربوں کی آبادیاں قائم کیں (۱) اور اہل سندھ کے، عرب ملازموں، کاریگروں اور علماء کے ساتھ گہرے معاشرتی تعلقات استوار ہوئے اور عربوں نے سندھ کو اپنا وطن بنالیا۔ محمد بن قاسم کے بعد عرب باشندے واپس جانا چاہتے تھے مگر انہیں خلیفہ سلیمان کا فرمان پہنچا کہ ”یہاں ہی (یعنی سندھ میں) رہ کر کھیتی باڑی کرو، مل چلاؤ اور سکھی رہو“ (۲) اس حکم کے بعد عرب باشندوں نے سندھ کو اپنا وطن سمجھ لیا اور سندھی کاشت کاروں اور آباگاروں کے پڑوسی بن کر خود سندھی بن گئے۔ ان کی دائمی سکونت کہ وجہ سے عربوں

(۱) دیکھیں: ”فتح نامہ سندھ“

(۲) تاریخ طبری مطبوعہ لیڈن (Lieden) جلد ۲، ص ۱۲۷۵



اور سندھیوں کے درمیان شادیوں اور رشتہ داریوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ سندھیوں کی شرافت و مروت سے بڑے بڑے عرب خاندان متاثر ہوئے اور ان کے ساتھ رشتہ داریاں قائم کیں۔ معتبر حوالوں کے مطابق حضرت علیؑ کے فرزند محمد، امام زین العابدینؑ اور امام زید بن الحسین کی مائیں سندھی تھیں (۱)۔ علی اصغر بن زین العابدین علی بن الحسین کی والدہ بھی سندھی تھی (۲) بنو امیہ کے مشہور جرنیل مہلب کے دو بہادر بیٹوں مُفَضَّل اور عبد الملک کی والدہ سندھی تھی اور اس کا نام مائی 'بھلی' تھا (۳) بنو امیہ کے آخری کمانڈر انچیف یزید بن عمر بن ہبیرۃ الفراری کی والدہ، جو کہ اپنے زمانے کی نہایت حسین عورت تھی وہ بھی سندھی تھی (۴)

اسی سندھی رشتہ کی وجہ سے اس دور کے شاعر 'ابو عطا سندھی' نے اس کے ظالمانہ قتل پر ایک دردناک مرثیہ کہا جو دیس بدیس مشہور ہوا اور عربی شاعری میں مرثیہ گوئی کی بہترین مثال قرار پایا، اور عربی ادب کی کئی کتابوں میں بطور نمونہ نقل ہوا۔ (۵)

عربوں اور سندھیوں کی رشتہ داریوں کے متعلق دیگر حوالہ جات بھی موجود ہیں مگر مندرجہ بالا مثالیں بالکل ابتدائی اور اہم ہیں۔ عرب اور سندھیوں کی آپس میں رشتہ داری نے اہل سندھ کی سماجی زندگی پر بڑا اثر ڈالا۔

دوسرا بڑا سبب، جس نے لوگوں کی انفرادی خواہ اجتماعی زندگی میں بڑی نفسیاتی تبدیلی پیدا کی وہ تھا اسلام کا دلوں پر اثر۔ خدائے عز و جل کا خوف، کفر و ایمان میں فرق، دنیا اور آخرت کا تصور، جنت و جہنم (عذاب اور ثواب) کی فکر، حق کی خاطر جان دینے اور شہادت کی دل پذیری وغیرہ جیسے اسلامی عقائد نے لوگوں کی سوچ اور ارادوں میں نئی کیفیت پیدا کی جس کی وجہ سے شخصی اور اجتماعی نفسیات کا رخ تبدیل ہوا۔ اسی طرح اسلامی اعمال۔ شریعت اسلام کی پابندی، نماز، روزہ، صدقات اور خیرات جیسے شعار۔ نے زندگی کے عملی طرز اور طریقے کو تبدیل کر دیا اور لوگوں کے عادات و اطوار، اخلاق و اعمال کو ایک نئی منج عطا کی اور عوام کی شخصی اور اجتماعی نفسیات میں تبدیلی پیدا کر دی۔

(۱) کتاب المعارف (ابن قتیہ)، ص ۱۱۰

(۲) عمدۃ الطالب، ص ۳۰۴

(۳) دیوان فرزدق، مطبوعہ بیروت، ص ۷۷ اور مطبوعہ مصر، ص ۱۶

(۴) کتاب المعارف (ابن قتیہ)، ص ۲۰۸

(۵) المعارف، ص ۲۰۸، الطبری، ص ۳/۷۰، البخاری، ص ۲۸۴، الامالی، ص ۱/۲۷۱، البغدادی، ص ۲/۳۱، الخازن، ص ۳/۱۶۷، الجمہار، ص ۲/۵۲-۱۵۱،

الامانی، ص ۱۶/۸۱، الوفا، ص ۳/۹۱-۲۹۰، المرتضیٰ، ص ۱/۱۶۱، المقطعات، ص ۱۰۲، البخاری، ص ۳/۲۱۲، الاقتصاب، ص ۲۹۲، الاضداد،

ص ۶۷، ادب الکاتب، ص ۲۳، وشرح، ص ۱۲۳، مرآۃ البیان، ص ۲۷۸/۱، لسان العرب (عبد) (اتم)

اس اجتماعی نفسیات کا زبان کی نفسیات پر بھی اثر پڑا۔ جب لوگوں کے خیالات، احساسات اور جذبات کی نوعیت بدلنے لگی تو ان کے نفسِ کلام کی ہیئت کا بدلنا بھی لازمی تھا۔ اسلام، ایمان، شریعت، دین، توحید، فرض، سنت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خیرات اور دیگر متعدد الفاظ روزہ مرہ کی زبان میں رائج ہوئے: عملی زندگی میں ان تصورات (Concepts) کا اثر، غور و فکر کی کیفیت (Thought Process) اور عمل کی نوعیت (Behaviour) بلکہ اس سے بھی زیادہ نفسِ کلام کی ہیئت اور زبان کی ترتیب پر پڑا جس کی وجہ سے سندھی زبان کی نفسیات میں بڑی تبدیلی آئی۔

۳- زبان کی لغات میں اضافہ ہوا:

اس دور میں سندھی زبان کے سرمایہ لغت میں اضافہ ہوا۔ زراعت اور پیشہ وروں، کام کے متعلق اصطلاحات اور کام کے آلات کو عربی زبان کے الفاظ اور نام ملے۔ زراعت میں ”ہاری“ اور ”مجیری“ کے بنیادی نام عربی لغت کے زیر اثر سندھی زبان کا حصہ بنے۔ ہاری کا لفظ اگر ”ہر“ (ہل) سے اسم فاعل ہے تو بھی عربی کے زیر اثر، اور اگر یہ ”حارث“ لفظ سے نکلا ہوا ہے تو بھی عربی کے ہی زیر اثر۔ ”ھرو“ (رہٹ) یا ”ایٹ“ (چرخہ) کے لئے عربی نام ”ناعورہ“ سے سندھی میں ”نار“ کا نام رائج ہوا اور نار چڑھانے والے کو اس ابتدائی دور میں اسم فاعل کی ترکیب کے مطابق ”ناری“ کہا گیا، جس کا نشان آج تک ”ہاری ناری“ کی اصطلاح میں موجود ہے۔ ”مجیری“ کا لفظ عربی فعل ”اجار-بیجر“ سے نکلا ہے اور اس کے معنی ہیں محافظ یا سنبھالنے والا۔ عراق کی آباد زمین کی طرح سندھ کی زمین کی پیمائش ہوئی اور ”جرب“ کا قدیم عربی لفظ مروج ہوا۔ عرب دور میں، خلیفہ مقتسم باللہ کے ایام حکومت میں سندھ کے گورنر موسیٰ بن عمران نے زرعی ترقی کیلئے موجودہ سکھر بیراج کی طرح ایک بیراج یا بند بنوایا جس کا نام ”سکر المید“ رکھا گیا تھا یعنی ”مید“ یا ”مجھیروں“ کا بند۔ عربی میں ”سکر“ کے معنی ہیں بند: ممکن ہے کہ سکھر شہر کا نام اسی قدیم بند کے نام کی یادگار ہو (۱)۔

دریا اور نہروں کے کناروں پر آمد و رفت کے لئے گودیاں تعمیر ہوئیں، جن سے سندھی میں لفظ ”مٹھو“ (عربی لفظ فرضہ = کچال) عام مستعمل ہوا۔ اسی طرح اناج کے پیمانے کا نام ”کاسو“

(۱) مؤرخ بلاذری نے اپنی کتاب ”فتوح البلدان“ میں ”فتح سندھ“ کے باب میں ”سکر المید“ کا ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے فتوح البلدان: دُخویہ کا مرتب کردہ، مطبوعہ یورپ (برلن)، ۱۸۸۶ء، ص ۴۳۰) بلاذری کے بیان کی بنیاد پر کافی دُوق سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ مجھیروں کا بند موجودہ ”اروڑ-روہڑی“ سکھر کے علاقہ میں بنوایا گیا تھا، کیونکہ اس موقع پر موسیٰ کی چھاؤنی اروڑ کے نزدیک تھی۔

کسی عربی پیانہ 'کاسہ' (برتن) کی یادگار ہے؛ چوتھائی کا لفظ عربی کے لفظ 'ربح' کا ترجمہ ہے اور 'خرار' کا لفظ عربی کے ذریعے آئے ہوئے فارسی پیانہ کا نام ہے۔ لوہاروں کے پیشے میں 'مترکو' (ع۔ مطرقتہ) اور 'سندان' (ع۔ سندان) کے لفظ عربی اثر کی یادگار ہیں۔ جہاز رانی میں 'مکری' (عربی۔ مخر = کشتی کا پانی کی سطح کو چیرنا > مخری = کشتی) ملاح، میربحر، زورق (کشتی کی ایک قسم) دنجہ = چتوار (فارسی سے عربی کے ذریعے) سکان = دنبالہ (ع۔ سکان) وغیرہ الفاظ رائج ہوئے:

تصابوں کے پیشے میں 'کاسائی' (ع۔ قصاب)، 'کاتی' = چھری (ع۔ قاطع)، حلوان (بکری کا چھوٹا بچہ)، ذبح، حلال، حرام اور تکبیر؛ اسی طرح پیٹھ تجارت میں دکان کا لفظ (فارسی سے عربی کے ذریعے)، ساہی (ترازو)، دلال، منیب، بیانو (ع۔ بیعانہ، پیشگی رقم Advance)، کاپاڑو (ع۔ قبلہ = بیچ نامہ، دستاویز)، کھڑیو یا کھرچین (ع۔ مخرج = باردان، وہ دہرا تھیلا جو ٹٹو کی پیٹھ پر اسباب لادنے کے لئے ڈالتے ہیں)، بقر یا باقری (ع۔ بقال = سبزی فروش)، بجاج (ع۔ بزاز = کپڑے کی پھیری والا)، حلوو (ع۔ حلوه)، قرض، قنوم (لہسن)، بصر (پیاز) (۱) وغیرہ

عربوں اور سندھیوں کے گہرے سماجی رشتے کی وجہ سے عام لوگوں کے ناموں کی نوعیت میں بھی تبدیلی آئی۔ دشمنوں پر رعب ڈالنے کے لئے عرب اپنے افراد اور قبائل کے نام کڑوے پتوں اور خطرناک جانوروں کے ناموں پر رکھتے تھے۔ مثلاً آدمی کا نام حظلہ (۲) (= ٹوٹھ یعنی اندرائن)۔ قبیلہ کا نام بنو اسد (= شیر کے بچے) وغیرہ۔ یہی اثر سندھی ناموں پر بھی پڑا: سندھی نہیں لوگوں کے نام (مثلاً ٹوٹھ (اندرائن)، کوڑو (کڑوا)، اک (آک)، نم (شیم کا درخت)، شیشندو (چھوٹا شیر)، سگھو (طاقت ور، قوی)، سپر (تومند، موٹا تانہ)، دھنگانو (ہٹا کنا، شہہ زور)، لوسہ مروڑ (لوہا مروڑنے والا وغیرہ) اور ذاتوں کے نام (ناہر = بھیڑیا، گھیاڑ (بھیڑیا)، شیشندو (شیر کے بچے)، واسینگ (کالا ناگ) وغیرہ عربی نچ پر مگر خالص سندھی زبان میں رائج ہوئے۔ روزمرہ کے لباس میں بھی تبدیلی آئی اور کپڑوں کے عربی نام سندھی زبان کا جز بنے: مثلاً

(۱) قرآن شریف میں ارشاد ہے: "وَصَلُّوا" سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۶۱ (مترجم)

(۲) نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کئی ایک صحابیوں کے نام حظلہ ہیں۔ ابن حبان ہستی نے "تاریخ الصحابہ" میں نبی پاک ﷺ سے روایت کرنے والے حظلہ نامی تین صحابہ کا ذکر کیا ہے: حظلہ بن الریح بن صلی، یہ نبی پاک ﷺ کے کاتب بھی تھے۔ دوسرے حظلہ بن حنیفہ بن حذیم اور تیسرے حظلہ بن نمیر بن عمرو انصاری۔ اس کے علاوہ حظلہ بن ابی عامر بھی صحابی ہیں (ان کا باپ "المنافق" کے لقب سے مشہور دشمن رسول تھا) جو جب احد میں ابوسفیان پر حملہ کرتے ہوئے اسود بن شداد یا شداد بن الاسود کے ہاتھوں شہید ہوئے، جسے بعد میں غسل دینے کے لئے فرشتے آسمان پر لے گئے اور غیل الملائکہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اسی نچ پر سندھی میں "نومہ" (= اندرائن) نام عام ہے اور اندرائن کو عربی میں حظلہ کہتے ہیں۔ (مترجم)

رٹسو (رداء = دوپٹہ)، پوتی = اوڑھنی (نوط = کمر بند یا پٹلہ)، گج (قو) (۱)، گندی (غطاء) (۲) اور صدی؛ گھریلو زندگی میں لفظ ابو، (۳) امان (والدہ)، دلو (مٹکا، گھڑا)، دہکی (چنگیری، روٹی رکھنے کی ٹوکری)، تباک (تباکھ = طبق-طبق، مٹی کا بڑا تھاں) وغیرہ عربی لغت ہی سے سندھی زبان کا حصہ بنے۔

عربوں اور سندھیوں کے سماجی اور معاشرتی تعلق کا اثر شہروں سے باہر دیہاتی رہن سہن خصوصاً مویشیوں کی پرورش، اونٹوں اور گھوڑوں کے پالنے اور رکھنے کے پیشے پر بھی پڑا۔ مویشی رکھنے اور پالنے والوں نے جانوروں کی پہچان کے لئے عربوں کی قدیم رسم سے متاثر ہو کر اپنے جانوروں کو داغ اور چرے دیے۔ مویشیوں کی پہچان کے لئے ”داغوں“ کا سلسلہ جس قدر عرب اور سندھی قبائل میں عام مروج اور مکمل نظر آتا ہے، دنیا کی دوسری کسی بھی قوم میں اس قدر نہیں ملتا۔ سندھ میں عربی گھوڑوں اور اونٹوں کی نسلیں پالی جانے لگیں، یمن کے ”مہرۃ بن حیدان“ قبیلہ کے اونٹوں کی نسل میں سے سندھ میں ’مہری‘ اونٹوں کی نسل آئی اور عمدہ اور تیز رفتار اونٹوں پر نام ہی ’مہری‘ پڑ گیا۔ گھوڑوں میں سے ’ابلق‘ کمیت‘ کی نسلیں غالباً عراقی گھوڑوں کی عربی نسلوں سے ہوئیں اور سواری کے گھوڑے کا نام ’عمیراق‘ (= عراق) پڑ گیا

”کڈھن ہرن پیدادا پت تی، کڈھن آئیندن عیراق“ (کبیر شاہ)

[ کبھی پاپادہ بیابان میں چلتے رہتے ہیں، کبھی انہیں عیراق (گھوڑا) لے کر آئے گا ]۔

جس طرح عربی زبان میں اونٹ اور گھوڑے کی اقسام، رنگوں، چال، امراض اور علاج کے الگ الگ نام تھے اسی طرح سندھی زبان میں بھی الگ الگ نام رکھے گئے۔ اونٹ کے، پیدائش سے چھ برس تک کی عمر کے نام: پیدا ہوا تو گونرو یا مزرات (ما+زاد)، دو سال کا ہوا تو بہان (دُٹھانُو)، تین سال کا ہوا تو تھان (تھانُو)؛ چار پانچ سال کا ہوا تو چت (چھٹ)، چھ سال کا ہوا تو دوک (دوک)، سات سال کا چوگ (چوگو)؛ آٹھ سال کا چچو (چھکو) اور نو سال کا ہوا تو ’نیش‘ (نیش یعنی نو سال کا جوان اونٹ جو بالکل عربی لفظ ’بارغ‘ کا ہم معنی ہے)، اس کے بعد نو سے بارہ سال تک کے اونٹ کو ’نیش‘ اور بارہویں سال کے بعد ’رموش‘ کہا جانے لگا۔ اسی طرح بلحاظ عمر گھوڑے کے نام: ’وچھیر‘، ’نرل‘، ’دوک‘، ’چوسال‘، ’پانچار پو‘ وغیرہ؛

(۱) عربی میں تو کہتے ہیں کہے ریشم کو۔ دود القز۔ ریشم کا کیڑا، قزاز ریشم کا تاجر۔ سندھی میں گج کہتے ہیں عورتوں کے کشیدہ کیے ہوئے کرتے کو۔ (مترجم)

(۲) عربی میں غطاء کے معنی ہیں ’پردہ‘ سندھی میں گندی کہتے ہیں رنگین کپڑوں کے ٹکڑوں سے بنی ہوئی گدڑی، اوڑھنی، دوپٹہ کو۔ (مترجم)

(۳) یہ لفظ ’الف‘ پر زبر اور ’ب‘ پر پیش اور زبر کے درمیانی تلفظ کے ساتھ ہے، بمعنی ’باپ‘، والد۔ (مترجم)

رنگ کے اعتبار سے گھوڑے کے نام:  
 ’نکیت‘، ’جالون‘، ’نیرو‘، ’بور‘، ’مٹکی‘، ’چینو‘، ’نُتر‘، ’بگلو‘، ’ابلق‘، ’سُجاف‘،  
 ’سُرخو‘، ’مکڑو‘، ’سُمند‘، ’بُچ کلیان‘، ’کبوتریو‘، اور ’دیناری‘ وغیرہ۔

گھوڑے کی زین وغیرہ ساز و سامان میں سے ’رکیب‘ اور اونٹ کے ساز و سامان میں سے ’نط‘ (= نفع یعنی چمڑے کا بالا پوش) اور ’گاشو‘ (غشاء = پوش) عربی زبان سے آئے۔ اسی طرح مویشیوں، گھوڑوں اور اونٹوں کے بارے میں الفاظ و اصطلاحات کا ذخیرہ عربی زبان کے اسی سرمائے کے زیر اثر خواہ سُج اور نمونے پر پھلا پھولا اور وسیع ہوا۔

پاؤں کے نشانات ڈھونڈھنا، پختہ دیکھنا، جنگلی غذا تلاش کرنا، چھوٹے کنویں اور گھاٹ بنوانا، مویشیوں کو موسمِ برسات میں اگی ہوئی گھاس چرانا، اونٹوں کو بٹوانا، ایسی بیٹھکوں پر رات کو آگ جلانا، دھونی رما کر بیٹھنا اور غیر آباد زمینوں کو آباد کرنا، یہ تمام کے تمام سندھ کی بڑی (دیہاتی یا جنگلی) زندگی کے وہ واضح پہلو ہیں، جن پر عرب کی بدوی لغت کا گہرا اثر موجود ہے۔ عرب رات کو اونٹوں کی بیٹھکوں کے وقت آگ روشن کرتے تھے تاکہ اسے مسافر دور ہی سے دیکھ کر وہاں آسکیں۔ آگ کا جلانا اور دھونی رمانا مہمان نوازی اور مردانگی کا شیعہ تھا۔ سندھی اصطلاحیں:

”ہوتو ہارن“ یا ”فلاہی کانہ ہاری“ جیسی اصطلاحات اس بدویانہ زندگی کی یادگار ہیں:  
 [”ہوتو ہارن“ یعنی ہمت دکھانا، کچھ کر کے دکھانا اور فلاہی کانہ ہاری یعنی فلاں شخص نے ہمت نہیں دکھائی، مرد بن کر نہیں رہا]۔

تو مرون ماری مڑس کی تون یینو آہین۔ بی ایمان  
 انہی جہی کان مٹو پلو ہون، تو کانثر ہاری کان!  
 (دین محمد لغاری)

(تھو مرون مارے مڑس کہے، تون بیٹھو آہیں بے ایمان  
 انہی جے کھان مٹو بھلو ہون، تو کانثر باری کان) (۱)

[یعنی جوان آدمی کو خنزیر مار رہا ہے اور بے ایمان! تو کھڑا ہوا دیکھ رہا ہے، تیرے اس طرح کے زندہ رہنے سے مر جانا بہتر تھا، اے نکما! تو نے کچھ بھی ہمت نہیں دکھائی!]  
 اسی طرح ”کیما سکون“ (جیہا کھونڈو = منزل انداز ہونا) اسی بدوی تمدن کی گواہی دے رہا ہے:

”عشق آئی جت کیما کوڑی، دین کفر جا تہجا توڑی“

[جہاں آکر عشق منزل انداز ہوتا ہے وہاں کفر اور اسلام کی تفریق ختم ہو جاتی ہے]  
عرب شاعروں نے اپنے محبوب کے ویران نشانات (جنگل میں گھروں کے نشانات) کو  
گایا ہے۔ مثلاً امرؤ القیس کہتا ہے:

قفا نبك من ذكرى حبيب و منزل  
[بٹھریئے تاکہ محبوب کے ویران نشانات کی یاد میں آنسو بہائیں]  
شاہ صاحب کہتے ہیں کہ:

کاروڑیان کٹی، ویڑھی جھپ ویا  
سین منہنجا سید چٹی، ہاٹی ہت ہٹا  
بسی پد ان جا، لڑی لڑک پیا  
ڈیہی ڈور ویا، ڈیان ڈوراپا کن کئی.

[کھاروڑی (گاؤں) سے اٹھا کر ویڑھی جھپ (گاؤں کی طرف) چلے گئے۔ میرے  
ساجن (گاؤ والے) ابھی تو یہاں ہی تھے ان کے ویران نشانات دیکھ کر آنسو نکل آئے ہم وطن،  
دور چلے گئے، گلہ شکوہ کس سے کروں]۔

بدوی عرب شاعروں نے اپنے محبوب کی نزاکت کو اونٹ اور اونٹیوں کے عمدہ اوصاف  
(مثلاً لمبی گردن) کے ساتھ مشابہت دی ہے؛ سندھی شاعر بھی کہتا ہے:

نبی سر جون نام - کئیون، سی ننگ پریون کن نات  
ہکڑی لوڈ لوہائین کئی، پی بی جا سونھن سمات  
جوہون جیسلیر جون، اتھی کل کنوات.  
(سانون)

[’نبی سر’ کی نامور، حیا دار عشوہ گری کرتی ہیں لوہائیوں (ایک قبیلہ) کو ایک تو ناز غرے  
ہیں اور دوسری سمات قوم والی سُو بھا، جیسلیر کی تمام عورتیں جوان اونٹیوں (کی مانند) ہیں]۔  
(۴) سندھی الف-ب کی ترتیب، رسم الخط اور صرف-نحو پر اثر پڑا:

عربی نظام تعلیم کے ذریعے الف-ب کے حروف صحیح میں اضافہ ہوا، اور عربی الف-ب  
کے گیارہ حروف (ث، ح، خ، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق) سندھی الف-ب میں داخل

ہوئے۔

عربی زبان کے زیر اثر طویل حروف علت (الف، واو، ی) کا زیادہ استعمال ہوا۔ اسی لئے ایسے سندھی الفاظ جو اس وقت زیادہ تر حروف صحیح کا مجموعہ ہوتے تھے، ان کے تلفظ میں الف، واو، ی کے سبک تلفظات نے آسانی اور سلاست پیدا کی، مثلاً سندھی لفظ ”پت“ (بھت) کو عربوں نے ”مھطہ“ یا ”مھطا“ کر کے لکھا۔

عربوں اور سندھیوں کے مسلسل میل جول اور عرب عالموں کی سندھی دانی اور علمی تصنیفات کے اضافے سے تلفظات کی صحت اور رسم الخط پر توجہ ہوئی۔ سندھ ہی میں اکثر سنسکرت زبان کی کتابوں کے تراجم ہوئے۔ منصورہ شہر میں جو قابل عالم اور ادیب موجود تھے اور جو سندھی کے ساتھ ساتھ ہندی زبانوں کے بھی ماہر تھے انہوں نے یقینی طور پر ترجمہ کے وقت الفاظ کی صحت اور صحیح تلفظ پر توجہ دی ہوگی۔ اس علمی ماحول میں سندھی زبان کے الفاظ کو صحیح رسم الخط کے مطابق لکھا گیا جس کی وجہ سے آج بھی سندھی الفاظ کے ذریعے اصلی پراکرت الفاظ کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ سندھی زبان پہلی مرتبہ عربی رسم الخط میں لکھی جانے لگی اور عربی زبان کی زیر، زبر، پیش، جزم اور مد کی نشانیوں نے الفاظ کے صحیح تلفظ قائم کرنے میں بڑی مدد دی۔

سندھ کی زبان یا زبانوں میں اس زمانے میں ’ز‘ اور ’س‘ کے تلفظ کی کثرت تھی، جت قوم کی زبان کے تجربے سے ’ز‘ کی کثرت ظاہر ہے۔ اس لئے اہل سندھ عربی زبان کے الفاظ میں ’ج‘ اور ’ش‘ کے تلفظ کو تبدیل کر کے ’ز‘ اور ’س‘ کی آواز بولنے لگے۔ مشہور ادیب جاحظ نے اپنی تصنیف ”کتاب البیان والتبيين“ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے؛ وہ لکھتا ہے کہ: سندھ کا باشندہ لامحالہ ’ج‘ کا تلفظ ’ز‘ کرتا ہے، خواہ وہ عرب کے فصیح و بلیغ قبائل ’بنو قیس‘ اور ’بنو ہوازن‘ میں پچاس سال ہی عرصہ بسر کر چکا ہو (۱)۔

جاحظ نے اپنی دوسری تصنیف ”کتاب الحیوان“ میں سندھ کی ایک بوڑھی عورت (جس کی مادری زبان سندھی تھی) کا اپنی سواری اور بار برداری کے اونٹ کے بارے میں ادا کیا ہوا ایک فقرہ نقل کیا ہے جس میں وہ عورت ”جمل“ (اونٹ) کو ”زل“ کہہ کر پکار رہی تھی۔ (۲)

(۱) کتاب البیان والتبيين، جلد ۱، ص ۶۶

(۲) لقد رکت عجوزة سنديّة ظهر بعير فلما اقبل به البعير وادبر و طمر فمخضها مرة مخض السقاء و جعلها مرة كانها ترهز فقاتت بلسانها و هي سنديّة عجمية: ”اخزى الله هذا الزمل“ (کتاب الحیوان، جلد ۳، ص ۹)

ابوعطاء سندھی (۱) عربی کا مشہور اور مانا ہوا شاعر ہے، جس نے تقریباً ۳۲ھ میں وفات پائی۔ وہ بچپن ہی سے عرب قبیلہ 'بنو اسد' میں رہا، مگر اس کے باوجود اس کی زبان میں سندھی تلفظات کی خصوصیت باقی تھی جس کی وجہ سے وہ 'ج' کو 'ز' اور 'ش' کو 'س' تلفظ کرتا تھا۔ جس پر اس کے دوسرے ہم عصر شعراء اور ادیب نکتہ چینی بھی کرتے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ اور اہم واقعہ رونما ہوا، جو عربی ادب کی کتابوں میں یوں مشہور ہے:

ابو الحسن مدائنی کی تحقیق کے مطابق یہ بات یوں مشہور ہے کہ 'معلیٰ بن ہبیرہ' اور حماد الراویہ جو کہ دونوں شاعر، راوی اور ادیب تھے، ان کے درمیان ایک طرح کی ادبی رقابت بھی تھی؛ اس لئے معلیٰ نے سوچا کہ وہ کسی طرح ایک ایک سطر پر حماد کو ابوعطاء سندھی سے نکرادے تاکہ ابوعطاء اپنی جھوگوئی سے حماد کو ذلیل و خوار کر دے۔

اسی منصوبے کے تحت معلیٰ نے ایک مرتبہ حماد سے کہا کہ: "اگر تو نے ابوعطاء سے کسی بھی طرح 'زج' (بھالہ)، 'جرادہ' (مکڑ) اور 'مسجد بنی شیطان' کے الفاظ کہلوائے تو میں اپنا خنجر ساز و سامان سمیت تجھے دے دوں گا۔" حماد نے یہ بات قبول کر لی اور اسی منصوبے کے تحت ایک محفل منعقد کی گئی، اس محفل کی روداد بیان کرتے ہوئے حماد بیان کرتا ہے کہ: ابوعطاء سندھی آیا اور آکر بیٹھا اور خوش خیر عافیت کے طور پر کہنے لگا کہ: مرہبا مرہبا ہیا کم اللہ (یعنی مرحبا مرحبا حیا کم اللہ)۔ میں نے بھی اس سے خوش خیر عافیت پوچھی اور اُسے رات کا کھانا پیش کیا، جس پر اس نے کہا کہ: لا حاجة لی بہ (= لا حاجة لی بہ) یعنی مجھے اس کی حاجت نہیں۔ اس کے بعد اس نے نبذ طلب کی جو اسے دی گئی، نبذ پینے کے بعد جب وہ خمار میں آیا تو میں نے اسے کہا کہ اے ابوعطاء! کسی شخص نے مجھے کچھ اشعار پہیلیوں اور معتوں کے طور پر بھیجے ہیں، جن کے

(۱) ابوعطاء سندھی کا نام اُن بن یار تھا، باپ بیٹے دونوں سندھ سے بنو اسد کے ذریعہ غلاموں کے زمرہ میں کوفہ پہنچے، ابوعطاء کو ادب اور شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا چنانچہ اس نے اس میں کمال پیدا کیا۔ اس کے جدید آقا عترتہ بن ساک نے اسے آزاد کر دیا لیکن بعد میں جب ابوعطاء کو امراء کے درباروں سے انعامات و اکرامات ملنے لگے اور اس کا شہرہ چہرہ چمکنے لگا تو اس کے آقا نے اس سے آزادی کی قیمت چار ہزار وصول کر لی۔ جب وہ رقم دے کر یا قاعدہ آزاد ہوا تو اس نے عترتہ بن ساک کی دل کھول کر بھجی۔ ابوعطاء چونکہ سندھی الاصل تھا اس لئے بعض حروف کا تلفظ صحیح نہیں کرتا تھا، اس کے لب و لہجہ سے اصل سندھیت کی بو باس ظاہر ہو رہی جاتی تھی۔ وہ حرف "ز" کو "ج" کی جگہ استعمال کرتا، اسی طرح "ش" کی جگہ "س"۔ اس وجہ سے اس نے ایک غلام خریدنا جسے مختلی (منہ بولا بیٹا) بنا کر اس کا نام 'عطاء' رکھا اور خود 'ابوعطاء' کی کنیت اختیار کی۔ تاریخ میں کنیت ہی سے مشہور ہوا، شعر خود کہتا لیکن لوگوں کو وہ شعر 'عطاء' ہی پڑھ کر سنا۔ شعر پڑھ کر سنانے والوں کو اس زمانہ میں "راوی" کہا جاتا تھا۔ "اُن بن یار ابوعطاء" کا یہ راوی بنو امیہ اور بنو عباس کی جنگ میں کام آگیا۔ حاصل مطالعہ تاریخ سندھ از سید ابوظفر ندوی، ص: ۳۰۳ (مترجم)



جواب میں نہیں دے سکا، حالانکہ کل سے اب تک کوشش بھی کرتا رہا ہوں، آپ اس سلسلے میں میری مدد کریں گے! ابو عطاء نے کہا کہ: ”شعر سناؤ!“ میں نے اسے شعر سنایا

ابن لی ان سملت ابا عطاء

[اے ابو عطاء! مجھے سمجھائیے اگر میں پوچھوں]

یقیناً کیف علمک بالمعانی

[کہ یقینی طور پر تجھے فنِ معانی میں کتنی مہارت ہے]

ابو عطاء نے کہا کہ:

خبیر عالم فاستال تزدنی (تجدنی)

[میں جاننے والا ماہر ہوں، پوچھ تجھے معلوم ہو جائے گا]

بہا تبا (طبا) و آیات المثنائی

[کہ میں اس فن میں یگانہ روزگار ہوں]

جس پر میں نے اس سے پوچھا کہ:

فما اسم حذیدۃ فی رأس رمح

[اس لوہے کے ٹکڑے کا کیا نام ہے جو نیزے کی چوٹی میں]

دوین الکعب لیست بالستان

[ٹخنے کے قریب ہے مگر وہ نیزہ بھی نہیں]

ابو عطاء نے کہا کہ:

هو الزز (الزج) الذی ان بات دیفا (ضیفاً)

[وہ زز (صحیح تلفظ ’زج‘ یعنی بھالہ) ہے جو اگر]

لصدرک لم تزل لک اولتان (عولتان)

[رات کے وقت تیری چھاتی کا مہمان بنے تو تجھے ہمیشہ کیلئے دکھ دے ڈالے گا]

جس پر میں نے اسے کہا کہ خدا تجھے نیکی عطا کرے شاید تیرا مقصد ’زج‘ ہے۔

میں نے پھر پوچھا:

فما صفراء تدعی ام عوف

[وہ پیلے رنگ کی کونسی چیز ہے جسے ام عوف کہا جاتا ہے]

کان رجلیتہا منجلان؟

[جس کے پاؤں درانتی کی طرح ہیں؟]

اس نے جواب دیا کہ:

اردت زراۃ (جراۃ) و ازن زنا (اظن ظنا)

[تیری مراد 'زراۃ' (صحیح لفظ جراۃ یعنی مکڑ) ہے]

بانک ما اردت سوی لسانی

[مگر مجھے شک ہے کہ تیرا ارادہ میری زبان کی خامی نکالنے کے سوا اور کچھ نہیں]

میں نے اس سے کہا کہ: ”اللہ پاک تیرے لئے آسانیاں پیدا کرے اور تجھے بڑی زندگی

دے!“

اس کے بعد میں نے اس سے پوچھا کہ:

اتعرف مسجداً لبنی تمیم

[کیا آپ کو بنی تمیم کی اس مسجد کا علم ہے]

فویق المیل دون بنی ابان؟

[جو ایک میل سے کچھ زیادہ بنی ابان کے محلے کے پرلی طرف ہے]

اس پر ابو عطاء نے کہا کہ:

بنو سیطان (شیطان) دون بنی ابان

[وہ بنو سیطان (صحیح لفظ بنو شیطان) کی مسجد ہے جو بنو ابان کے محلے سے اتنی ہی دور ہے]

کقرب ابیک من ابد المدان (عبد المدان)

[جتنا تیرے باپ کا رشتہ ابد المدان (صحیح لفظ عبد المدان) قبیلہ سے دور ہے]

حماد کہتا ہے:

”میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور میں سمجھ گیا کہ وہ ناراض ہو گیا

ہے۔ جس پر میں ڈر گیا اور اس سے کہا کہ اے ابو عطاء! اس وقت مجھے معاف کر دے اور میرا

بچاؤ کر، البتہ جو کچھ مجھے ملا ہے اس میں سے آدھا حصہ آپ کا ہوا، اس پر اس نے کہا کہ پوری

بات سناؤ، میں نے اسے پوری بات بتادی، کہنے لگا کہ: تجھ پر کوئی حرف نہیں، جو کچھ تجھے ملا ہے وہ تیرا ہے، مجھے اس کی ضرورت نہیں، یہ کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا اور معلیٰ کو برا بھلا کہتے ہوئے روانہ ہو گیا“ (۱)

ابو عطاء سندھی کا دور ۱۳۲ھ کے لگ بھگ ختم ہوتا ہے: اس لحاظ سے یہ حکایت ثابت کرتی ہے کہ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں سندھ کی زبان کے محاوروں میں ’ز‘ اور ’ج‘ ’س‘ اور ’ش‘ کے تلفظات میں کوئی فرق نہیں تھا۔ دوسرا یہ کہ سندھ میں عرب حکومت کے اس ابتدائی دور میں ابھی اہل سندھ خالص عربی حروف-’ج‘، ’ض‘، ’ط‘ اور ’ع‘ وغیرہ- سے بھی مانوس نہیں ہوئے تھے اور ان حروف کے تلفظات اہل سندھ کی زبان پر پورے طرح چڑھے نہیں تھے۔ تیسرا اس حکایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے نیم پختہ تلفظات پر کس طرح تنقید ہوتی رہی۔ اس علمی تنقید خواہ اہل سندھ اور عربوں کے درمیان عام تعلقات کا ہی نتیجہ ہوا کہ سندھی الفاظ کے تلفظ میں ’ج‘، ’ز‘، ’س‘ اور ’ش‘ کے جداگانہ اور مستقل تلفظات کا اضافہ ہوا۔ آج کل سندھ کے قدیم باشندے- یعنی لاکھا، سمہ، سہتہ، چنہ وغیرہ- جو دیہاتوں میں رہتے ہیں؛ ان میں سے ان پڑھ بھی یہ تلفظات بالکل صحیح اور صاف ادا کرتے ہیں؛

صرف سندھ کے ہندو لوہانہ جو سماجی طور پر عرب مسلمانوں سے الگ رہے، ان میں البتہ اب تک ان تلفظات کی خامی موجود ہے۔

چوتھا یہ کہ سندھی الفاظ اور جملوں کی ترتیب پر عربی زبان کی اعراب کا اثر ہوا۔ اعراب جملے میں بناوٹ اور ایستادگی کے لحاظ سے لفظ کے آخر حرف والی اس حرکت (زیر، زبر، پیش) کا نام ہے جو جدا جدا حالتوں کے تحت تبدیل ہوتی ہو۔ ہندوستان کی موجودہ زبانوں میں سے سندھی زبان ہی ہے جس میں اعراب کا سلسلہ مکمل طور پر موجود ہے۔ سندھی کے مذکر اسم اپنی اصل صورت میں اکثر پیش کے ساتھ ہوتے ہیں اور مؤنث اسم زیادہ تر زیر یا زبر کے ساتھ (علاوہ بعض جزوی مستثنات Exceptions کے- مثلاً مَس، گَس وغیرہ)- حالتِ فاعلی (اور فعلی لازمی) میں البتہ اسماء کی اعراب وہی اصل حرکت رہے گی (مثلاً گھر کشادو آھے)؛ مگر اضافی اور جری حالتوں میں آخری حرف کا پیش تبدیل ہو کر زیر بن جاتا ہے (جیسا کہ: حالتِ اضافی میں ’گھر‘ جو دھنی اور حالتِ جری

(۱) اس حکایت کیلئے دیکھیے اصلی ماخذ ”الاعانی“ ۸۰/۱۶، ”الشرائع“ ۲۸۳، ”الخرزنجہ“ ۱۷۰/۲، ”المعجم“ ۳۵۶/۳، ”الونیات“ ۵۸۵-۸۶/۲ (دیسین ۳۹-۳۸)، ”بدائع البدائہ“ ص: ۱۹-۲۰

میں ’گھر‘ میں، ’گھر‘ کھے، ’گھر‘ ڈٹھن، لیکن اگر حرف جر حذف کر دیا جائے تو آخری حرف پر زیر دی جائے گی مثلاً فلاہی جی کہہ دے (فلاں کے گھر جا) جو دراصل فلاہی جی کہہ دے (فلاں کے گھر میں جاؤ، کے مساوی ہے) جن مرد حضرات کے ناموں کے آخر میں ’و‘ ہے وہ حالتِ ندا میں تبدیل ہو کر الف بن جائے گا، اور حالتِ اضافی اور حالتِ جری میں ’ی‘ بن جائے گا: مثلاً ’اللہ ڈنو‘ حالتِ ندا میں ’اے اللہ ڈنا‘ بن جائے گا اور یہی نام حالتِ اضافی اور جری میں ’اللہ ڈنے جو چاچو‘، ’اللہ ڈنے کھے چیم‘۔ مگر عربی کی طرح سندھی میں بھی عورتوں کے نام ’’ہنی‘‘ ہیں، (یعنی ان کی اعراب تبدیل نہیں ہوتی) مثلاً ’بانو کا بیٹا‘، ’بانو سے کہا‘، ’بانو نے کہا‘ وغیرہ۔

مثلاً ہم کہتے ہیں ’احمد آیا‘ (احمد آیا) اور ’احمد چو‘ (احمد نے کہا): ان دونوں صورتوں میں حالتِ فاعلی ہے مگر پہلا فعل لازمی ہے اور دوسرا فعل متعدی۔ سندھی اعراب کے قاعدے کی رو سے متعدی فعل کے فاعل کی اعراب زیر ہوگی۔ یعنی پیش تبدیل ہو کر زیر بن جائے گا اور ’و‘ تبدیل ہو کر ’ی‘ بن جائے گا۔ مثلاً اللہ ڈنو آیا (اللہ ڈنو آیا) اور اللہ ڈنی چو (اللہ ڈنے نے کہا)۔ سندھی میں بالکل عربی کی طرح تمام کے تمام ضمائر بنی ہیں یعنی ان میں اعراب کی تبدیلی نہیں ہوتی، ’ہو‘، ’تو‘ وغیرہ تمام ضمائر ہر حالت میں اپنی اصل صورت میں رہیں گے۔ مقصد یہ کہ سندھی زبان کا یہ فن اعراب عربی زبان کے گہرے اثر کا نتیجہ ہے۔

## (۵) گرامر کے اجزاء اور حصوں پر عربی کا اثر ہوا:

(الف) اسم:

عربی سے دنوں اور مہینوں کے نام اور دیگر کئی اسم سندھی زبان کا حصہ بنے۔ مثلاً بصر (پیاز)، جبل (پہاڑ)، تھوم (لہسن)، دکی (طباق یا چنگیری)، دلو (مٹکا)، رسو (رسہ) وغیرہ کئی اسم روز مرہ کی زبان میں داخل ہوئے؛ ’ناڑ‘ (ع۔ ناعورہ۔ ناڑ کے معنی ہیں رہٹ، پانی کا چرخہ)، مجیری (زمین کا مالک، زمیندار)، جریب (۱)، کاسو (۲)، وغیرہ الفاظ کھیتی باڑی کے پیشے میں داخل ہوئے؛ ’سندان‘ (۳) اور ’نتر کو‘ (عربی میں ’المطرین‘) پیشہ اہنکاری کے نام بنے؛ ’گھر بڑ‘ (۴)، ’گھر چین‘،

(۱) ایک بیگھا یا بیس بسوا زمین کو جریب کہتے ہیں۔ (مترجم)

(۲) عربی میں ’الکاس‘ کے معنی ہیں پیالہ، ساغر، بھرا ہوا ہو خواہ خالی، قرآن میں ارشاد ہے ’وکسا دھاقا‘ یعنی پھٹکے ہوئے پیالے ہوں گے۔ (مترجم)

(۳) عربی میں ’السندان‘ کے معنی ہیں ’آہری‘ یا ’نہائی‘ جس پر لوہا لوہا کوٹتا ہے۔ (مترجم)

(۴) ’گھر بڑ‘ اور ’گھر چین‘ کے معنی ہیں ’خارجی‘ یعنی وہ دہرا تھیلا جو اسباب لادنے کیلئے ڈنڈوں کی پیٹھ پر ڈالتے ہیں۔ (مترجم)

ساہمی وغیرہ الفاظ تاجروں کے ذریعے رائج ہوئے؛ اور زورق (۱) (= کشتی کی قسم) سڑھہ (شرائع) (۲)، سکھان (سکان) (۳) وغیرہ نام ملاحوں اور ناخداؤں کے استعمال میں آئے۔

ان عربی الاصل اسماء کے علاوہ خود سنسکرت یا پراکرت سے جو اسم سندھ میں رائج ہوئے ان میں سے بھی کچھ پر عربی کی لغوی تبدیلی کا اثر ہوا اور اسی اثر کے بدولت ان کے اصلی تلفظات حروف کی تبدیلی کی وجہ سے بدل گئے مثلاً وہ خالص سندھی الفاظ یا وہ پراکرت یا سنسکرت کے الفاظ جو سندھی میں رائج تھے اور جن کے آخر میں 'یہ'، 'ہ' تھی ان کی وہ اواخر 'ج' میں تبدیل ہو گئیں؛ اس تبدیلی کی وجہ سے 'سوریہ'، 'آشجریہ'، 'کاریہ' کے الفاظ تبدیل ہو کر سورج، اچرج (۴) اور کارنج بن گئے۔ وینو (وینڑوں) (۵) کا لفظ جو اسی اصلی صورت میں یا 'وند' کی صورت میں رائج تھا اور جسے غالباً ایرانی ملاحوں نے 'وند' کر کے ادا کیا، وہ عربی کی اسی لغوی تبدیلی کے زیر اثر بدل کر 'ونج' بن گیا اور آج تک اسی تبدیل شدہ صورت 'ونجھ' میں رائج ہے۔ (☆)

(ب) ضمیر:

ضمیر 'هو' (وہ) اور 'آء' (میں) عربی الاصل ہیں۔ لفظ 'آء' خاص طور پر سندھ کے

(۱) عربی میں زورق کے معنی چھوٹی کشتی کے ہیں۔ (مترجم)

(۲) سڑھہ بادبان کو کہتے ہیں۔ عربی میں اثر ارج کے معنی ہیں ہر نصب کی ہوئی اور اٹھائی ہوئی چیز مثلاً کشتی کا بادبان، مکان کی تانت، اونٹ کی گردن جس کی جگہ 'اثریہ' اور 'شرع' ہے دیکھئے المنجد ص ۵۲۲۔ (مترجم)

(۳) عربی میں لسان من السفینہ کے معنی ہیں چوار اس کی جگہ 'سکانات' ہے دیکھئے المنجد ص ۴۸۲۔ (مترجم)

☆ عربی لغت کے قانون کی رو سے یہ تبدیلی مشہور اور مسلم ہے: علم لغت کے مشہور عرب محقق "موسى الجوالقي" کی مشہور کتاب "کتاب العرب من الکلام النحوی علی حروف العجم" (طبع لہرگ ۱۸۶۷ء) اور دیگر معتبر تصنیفات میں اس تبدیلی کی مثالیں موجود ہیں، ان میں سے درج ذیل مثالیں بطور خاص ہند اور سندھ کی زبانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

اصل صورت

عربی اثر کے تحت

تبدیل شدہ صورت

ايرج

دھنج

بورج

سیابہ

انبج

ھلبلج

آریہ نسل کے والد

ایریہ

بمبئی سے نیچے جنوب کی طرف ہند کا نام

دھنہ

عربی اصول کے مطابق 'بیریہ' کی جگہ 'بیرہ' = بیڑہ یا بیڑی؛

بوراریہ

'بیریہ' یعنی کشتی والا یا ملاح، ناخدا، کشتی بان

سیابہ

ایک قدیم بلوچی قبیلے کے نام 'سیاہ پا' یا 'سیاہ پاڈ' کا تبدیل شدہ تلفظ - 'سیاہ' < 'سیاہ'

انبہ

ہندو میں لفظ 'انب' (آتم) کا اُس وقت مروج تلفظ

انبہ

جارجوں، کھارکوں یا ہریڑ (ھڑ) آج کل 'ھلبلج'، شمالی سندھ میں تازہ کھجور کو کہتے ہیں

ھلبلج

(۴) بمبئی تعجب۔ (مترجم)

(۵) کشتی کا دہال، چوار۔ (مترجم)

زیریں علاقے میں رائج ہے، اور جیسا کہ اس علاقے میں دیہیل اور منصورہ مرکزی شہروں کی وجہ سے سندھی پر عربی کا اثر ہوا تو وہاں پر عربی لفظ 'انا' کا سندھی تلفظ 'آں' (<آں > آئون) ہمیشہ کیلئے استعمال میں آگیا۔ سندھ کے شمالی حصے میں قدیم دور سے ہی فارسی کا اثر زیادہ رہا اس وجہ سے لفظ 'من' سے 'ماں' مروج ہو گیا۔

فعل کے دہرے متصل ضمیری اواخر جس مکمل صورت میں سندھی میں رائج ہیں اس طرح دوسری کسی بھی ہند-آریائی زبان میں نہیں ملتے۔ یہ "دہرے متصل" اواخر غالباً براہ راست عربی سے یا عربی سے فارسی کے ذریعے سندھی میں رائج ہوئے۔ واضح رہے کہ تنہا "متصل ضمیری اواخر" سنسکرت میں ملتے ہیں، جن کی مثال سندھی میں اس طرح ہوگی 'جیم' (میں نے کہا) 'مارپوسو' (ہم نے مارا) مگر سندھی میں اس ترکیب کے آخر میں ایک اور "دہرا آخر" بھی رائج ہے جیسے کہ 'مٹھس' یا 'چپومانس' (میں نے اسے کہا)، 'مارپوسوس' (ہم نے اسے مارا)۔ دہرے ضمیری اواخر کا یہ نظام عربی کی خاص خصوصیت ہے: جیسا کہ مصدر "ضرب" سے 'ضربٹ' (میں نے مارا) اور 'ضربٹے' (میں نے اسے مارا)۔

### (ج) فعل:

اصل عربی الفاظ سے سندھی میں 'افعال' بنے جیسا کہ 'دفتائن' (وفنانا)، 'نظرون' (نظر لگانا)، 'نیت کرنا'، 'مرہن' (دینا، عطا کرنا)، 'ضربن' (مارنا)، 'طلبن' (طلب کرنا)، 'ترکبن' (لکھے ہوئے وغیرہ کو مٹانا، صاف کرنا) وغیرہ

### (د) اسم فاعل اور مفعول:

عربی کے زیر اثر 'فاعل' اور 'مفعول' کے وزن پر سندھی میں 'اسم فاعل' اور 'اسم مفعول' کی تراکیب مروج ہوئیں۔ آج کل ان اوزان پر سندھی میں صدہا الفاظ استعمال ہوتے ہیں، جن میں سے اکثر و بیشتر 'علم و ادب' کے بالکل آخری دور میں فارسی کے زیر اثر ہی سندھی میں داخل ہوئے ہیں، لیکن سندھی میں فاعل اور مفعول کی تراکیب کے پرانے آثار نسبتاً ان الفاظ میں ملتے ہیں جو سطحی نظر سے عربی کے محسوس ہی نہیں ہوتے مثلاً 'ہاری'، 'ماری'، 'کاری' (= کار والا/کام والا)، 'چاری'، 'ماچھی'، 'مانجھی' وغیرہ کے خالص سندھی الفاظ عربی اسم فاعل کی ترکیب کے زیر اثر بنے ہیں اور 'باقی'، 'جاری'، 'لائق'، 'جاہل'، 'سائل'، 'شامل' وغیرہ قسم کے خالص عربی اسم فاعل قدیم دور سے

سندھی میں رائج ہو چکے ہیں۔ عربی وزن 'مفعول' کی ترکیب میں سے آخری 'ل' کی خصوصیت سندھی میں اسم مفعول کا لازم و ملزوم جز بن چکی ہے (۱)۔

(ھ) حرف جر:

'لاء' (= عربی 'ل') اور 'واسطے'۔ یہ دونوں حرف دراصل عربی ہیں مگر سندھی میں عام طرح استعمال ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ 'طرف' = 'ڈانھن' (یعنی طرف کو، جانب کو) 'نی' (= میں، 'نی' ماہ 'نی' سیکڑا وغیرہ) اور 'ب' = 'سے'، (ساتھ، 'باللہ'، 'بالآخر' وغیرہ) بھی رائج ہیں۔

(و) حرف استفہام:

'کیئن' (کیسا، کیسے) = عربی میں 'کی' جو کہ 'کیف' کا ہلکا تلفظ ہے (۲)۔

(ز) حرف ندا:

'یا' اور 'شال' (= انشاء اللہ)۔ تینوں حرف ندا عربی الاصل ہیں۔ اس کے علاوہ خوف کے وقت 'سانپ-سانپ' یا 'چور-چور' کا لفظ بھی عربی کی ندائی ترتیب "تحدیر" کا نتیجہ ہے۔

(۶) زبان کے علم و ادب کی بنیاد رکھی گئی:

سندھ میں عرب حکومت کے دور میں اسلامی سلطنت کا علاقہ، علم و ادب اور سائنس میں پوری دنیا میں ممتاز تھا۔ جہاں جہاں اسلام پہنچا وہاں علمی ترقی ہوئی سندھ میں بھی فتح اسلام کے بعد نئے علمی دور کا آغاز ہوا۔ سندھ میں عرب حکومت کے ابتدائی سو سالہ دور ہی میں سندھ کی علمی درسگاہوں سے عربی، سندھی اور ہندی زبانوں کے ماہرین پیدا ہوئے۔ عباسی دور حکومت میں - خصوصاً مامون کے دور میں - جو علمی اور فنی کتابیں سنسکرت سے ترجمہ ہوئیں وہ زیادہ تر سندھ کے گورنروں کی معرفت اور سندھ کی درسگاہوں سے فارغ التحصیل علماء کی مدد سے ہوئیں۔ ایک عرب عالم کا بیان ہے کہ اس نے علاقہ طبرستان کے کسی کتب خانہ میں ایک 'ہندی' کتاب کا عربی میں ترجمہ دیکھا، جس میں بتایا گیا تھا کہ یہ ترجمہ 'سساوندی' کے امیر کے زیر سرپرستی ہوا ہے (۳)۔

(۱) مثلاً ہڈل (سنا ہوا) ڈنل (دیکھا ہوا) ورتن (لایا ہوا) ڈنل (دیا ہوا) پچل (لونا ہوا/ بھاگا ہوا) کاذل (کھایا ہوا) کاراہل (کھلایا ہوا) آندل (لایا ہوا) آہل (آیا ہوا) وغیرہ۔ (مترجم)

(۲) "مفتی الملبیب کے مصنف نے وضاحت کی ہے کہ 'کی' درحقیقت 'کیف' کے ہلکے تلفظ والا لفظ ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ:

کی تجنحون الی سلم، و ما نثرت

تتلاکم ولظنی الہیجام تظطرم

(۳) سرمدت اصل حوالہ دستیاب نہیں، مگر محض حافظہ کی بنیاد پر مطلب لکھ دیا گیا ہے۔

’نساوَندي‘ سنڌه کا شهر ’ساوَرِي‘ (تحصيل نواب شاه ميں) تھا، جس کے والي ’سمه‘ تھے۔ خاص اہلِ سنڌه ميں سے کئی محدث، مصنف، مؤرخ اور شاعر پيدا ہوئے۔ ابو عطاء سنڌي عربي کے بلند پایہ شاعر اور ابو معشر سنڌي، تاريخ کے مشهور راوي، انہي اوائلي شخصيات ميں سے تھے۔ دار الخلافہ سنڌه منصورہ کے قاضي ’احمد بن محمد‘ نے عراق اور فارس ميں شہرت حاصل کی۔ ’انساب سمعاني‘، ’معجم البلدان‘ اور ديگر عربي کتب ميں کئی سنڌي محدثين خصوصاً علمائے ديبيل کے نام ملتے ہيں۔ سنڌي مصنفين ميں سے ’فرح السندي‘، ’ابو الفرج السندي‘ اور ’خلاد السندي‘ (جو کہ کوفہ ميں کپڑے کی پھيري والا تھا) کے نام قابلِ ذکر ہيں۔ (۱)

ايک طرف سنڌي اہل علم نے عربي علوم ميں شہرت حاصل کی تو دوسري طرف عربي اہل علم نے سنڌه ميں سنڌي اور ہندي زبانوں کے مطالعے ميں بازي جيت لی۔ سنڌه ميں منصورہ علمي مرکز تھا جہاں ۱۱ھ اور سنڌي سال ۱۰۹ (۷۳۵ء) ميں ’برہمکپت‘ کی کتاب ’مُسَبَّد کا ديک‘ (’کھنڈ کھا ديک‘) کا عربي ميں ’’الارکنڈ‘‘ (۲) کے نام سے ترجمہ کیا گیا۔ سنہ ۲۸۸ھ ميں منصورہ شہر ميں ابو محمد الحسين نامي ايک عالم تھا جس نے وہاں ايک معتبر شخص سے سنا کہ کشمير کے ايک راجہ۔ جس کا نام مھر وک بن رايق اور لقب ’رائے‘ تھا جو ہندوستان کے نام نہاد راجاؤں ميں سے تھا۔ اس نے سنہ ۲۷۰ھ ميں حاکم سنڌه عبداللہ ہباري کو لکھا کہ اسلامي احکامات کا علاقائی ہندي زبان ميں ترجمہ کروا کر بھیج دیں۔ عبداللہ نے منصورہ کے ايک عالم کو طلب کیا جو دراصل عراقی خاندان سے تھا اور شاعر بھی تھا نیز ہندوستان کی اہم زبانوں بلکہ محاوروں کا بھی ماہر تھا۔ اس عالم نے راجہ کی ضرورت کے مطابق اسلامي احکامات کو بصورتِ قصيدہ علاقائی زبان ميں لظم کیا اور وہ قصيدہ راجہ کو بھیج ديا گیا جو راجہ کو بہت ہی پسند آیا، بعد ميں اس راجہ نے امير عبداللہ سے اسی مصنف کو مانگ ليا۔ بالآخر وہ عالم راجہ کے دربار ميں پہنچا اور تين سال کے بعد وہاں سے واپس آيا (اور اس نے آکر بتايا کہ راجہ قلب و زبان سے اسلام قبول کر چکا ہے مگر سياسي مصلحت کی بناء پر عام اعلان نہيں کر رہا (اور يہ بھی بتايا کہ) وہاں کے راجہ نے اسے ملکی زبان ميں قرآن شريف کا ترجمہ کرنے کا بھی کہا جو اس نے پورا کر ديا (اس عالم نے راجہ کی طرف سے ملنے والے انعام و اکرام کے متعلق بتايا کہ) مختلف تين اوقات ميں راجہ نے اسے چہ سو من سونا انعام کے طور پر ديا (۳)۔

(۱) ديکنے ’’فہارس النجاشي والطوسي‘‘

(۲) ديکنے ’’الميروني‘‘ کی کتاب ’’غرة الزبجات‘‘ پر رالم کا انگريزي ميں مقدمہ، ص ۲۲-۲۰، مطبوعہ ۱۹۷۳ء

(۳) ’’عاجب الہند‘‘ تقييف بزرگ بن شيراز، مطبوعہ لائينن، ص ۲-۳ واضح رہے کہ اس زمانے ميں ’’من‘‘ ايک چھوٹا پيانہ ہوتا تھا۔



ان حقائق سے ظاہر ہے کہ سر زمین سندھ میں نہ صرف عربی کے مطالعہ کے لئے درسگاہیں قائم تھیں مگر سندھی بلکہ 'ہند' کی زبانوں کے مطالعے کیلئے بھی مناسب انتظام تھا۔ سندھ میں سندھی اور عربی دونوں زبانوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی کیونکہ عربوں اور سندھیوں کے مشترکہ رہن سہن کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کی زبان سمجھتے اور بولتے تھے۔ تمام عرب سیاحوں کا بیان ہے کہ سندھ میں سندھی اور عربی زبانیں رائج تھیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب حکومت نے سندھی زبان کو بڑی اہمیت دی اور اس کی ترویج و ترقی کے لئے باقاعدہ انتظام کیا۔

سندھ میں سندھی کے ساتھ ساتھ عربی کے عام فہم ہونے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اہل سندھ نے بغداد خواہ اسلامی سلطنت کے دیگر علاقوں کے ساتھ اپنے تعلقات قائم کئے اور وہاں کی علمی، ادبی و فنی ترقی سے براہ راست بہرہ ور ہوئے؛ دوسرا یہ کہ سندھ اور بغداد کے درمیان تمدنی تعلقات وسیع ہوئے۔ سندھ کے عرب گورنر، جو کہ مرکزی حکومت کی طرف سے آتے تھے، وہ خود علم و ادب کے شائق تھے۔ ابتداء میں تو ان کے ساتھ ہنرمند، کاریگر، منتظم اور فوجی افسر ہی آئے مگر بعد میں مرکزی عرب ممالک سے بڑے عالم، سیاح اور سیاسی لیڈر بھی سندھ میں آتے رہے۔ شاید ابو جعفر منصور (۱) کے ایام میں امام ابراہیم - جسے بعد میں شہید کر دیا گیا - سندھ میں آیا اور اس نے تاریخ سندھ پر تحقیق کی۔ ہماری رائے کے مطابق 'فتح نامہ' (۲) کا ایک باب جو کہ محمد بن قاسم کے دریا کو پار کرنے کے متعلق ہے، وہ امام ابراہیم کی تحقیق کا نتیجہ ہے (۳)۔

(۱) عرصہ حکومت ۱۵۸۲-۱۳۶ھ (مترجم)

(۲) 'فتح نامہ' سندھ المعروف پنج نامہ یہ یہ عظیم پاک و ہند کے تاریخی سلسلے کی سب سے پرانی کتاب ہے جس میں سندھ کی قبل از اسلام حکومتوں کے مختصر حالات اور سنہ ۱۵ سے ۹۶ھ تک ہندوستان کی شمال مغربی سرحدوں پر اسلامی افواج کے ابتدائی بری و بحری حملوں اور آخر میں مکران اور سندھ کی اسلامی فتوحات کا مفصل اور مستند ذکر ہے۔ یہ کتاب اصل میں عربی زبان میں تھی سنہ ۱۳۶ھ میں 'اروز' (بمکر) کے ایک بڑے عالم فاضل مولانا اسماعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی بن یعقوب بن طائی بن محمد بن موسیٰ بن شیبان بن عثمان ثقفی کے ہاں سے علی بن حامد بن ابی بکر کوئی کو ہاتھ آئی، جو قاضی اسماعیل کے آباء و اجداد کے پاس عربی میں تحریر شدہ تھی۔ علی بن کوئی نے اسے عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ اغلب یہی ہے کہ یہ عربی کتاب ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف کے پاس 'المدائنی' التوکل ۱۳۵ھ التوکل ۲۲۳/۲۲۵ھ کی تصنیف ہے یا اس کی وفات کے بعد کسی اور مصنف یا مصنفین کی تصنیف ہے۔ علی کوئی اسے 'عرب عالموں کی تصنیف قرار دیتا ہے۔ اس فارسی ترجمہ کا سب سے قدیم نسخہ ۱۰۶۱ھ کا تحریر کردہ ہے جو پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ 'لیفٹیننٹ ٹی۔ پوسٹنس (T - Postans) نے ۱۸۳۵ء اور ۱۸۴۱ء میں "جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال" میں اس کا مختصر ترجمہ شائع کیا۔ اس کا انگریزی میں مکمل ترجمہ مرزا فتح بیگ نے کیا جو کراچی کے کسٹمر پریس سے ۱۹۰۰ء میں طبع ہو کر شائع ہوا۔ اس کا پہلا سندھی ترجمہ جناب مخدوم امیر احمد مرحوم نے کیا جس کی نگرانی جناب ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ صاحب نے کی اور ۱۹۵۷ء میں سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے شائع ہوا، اس کا اردو ترجمہ بلوچ صاحب ہی کی نگرانی میں جناب اختر رضوی صاحب نے کیا جسے سندھی ادبی بورڈ نے اپریل ۱۹۶۳ء میں شائع کیا۔ مختص مطالعہ مقدمہ از راج ڈاکٹر بلوچ صاحب، ص ۱-۷۲ (مترجم)

(۳) دیکھئے 'فتح نامہ' سندھ، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد، ۱۹۵۴ء، ص ۲۱۵، ۲۸۰، ۳۸۱۔

اس کے علاوہ سندھ سے کپڑے کے تاجر (بزاز) فیل بان، صراف، موسیقار اور باورچی بغداد، بصرہ، کوفہ اور دیگر مرکزی شہروں میں پہنچے۔ سندھ کا کپڑا خاص طور پر عورتوں کی اوڑھنیاں/چادریں اور رنگین دوپٹے بغداد اور دوسرے شہروں میں مقبول تھے، یہاں تک کہ سندھی لفظ 'پوتی' عربی تلفظ 'فوط' (۱) کی صورت میں اس دور کی عام مروج عربی زبان کا جز بن گیا۔ البتہ لغت کے قدیم عالم ابن درید نے یہ وضاحت کی کہ اصل میں یہ لفظ عربی نہیں۔ مگر بعد میں ساتویں صدی ہجری کے درمیانی عرصے کے مشہور لغوی محقق حسن صفانی - (وفات ۱۵۰ھ)، جو کہ سندھ میں رہا تھا اور سندھی زبان سے واقف تھا - نے بالآخر تحقیقی طور پر بتایا کہ 'فوط' دراصل سندھی لفظ (پوتی) ہے، اور اس کے اصل سندھی تلفظ میں پیش کی آواز (اؤ=پو) نہیں ہے بلکہ درمیانہ تلفظ (او=پو) ہے (۲)۔

سندھ کے باورچیوں ہی نے شاید بغداد میں سندھی پلاؤ کی دو قسمیں 'لیویہ' (لیمانی) (۳) اور 'ہلبیہ' (سندھ کے مہلبی گورنروں کی طرف منسوب) جسے 'مہلبہ' (مھٹ) بھی کہتے تھے (۴)، رائج کئے (۳)۔

سندھ کے کفش دوزوں کے بنے ہوئے کھسے اور سلیپر بغداد کی شوقین بیگمات بہت پسند کرتی تھیں (۴)۔ سندھ کے ان کاریگر کفش دوزوں نے اپنی عربی دانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سلیپروں پر دلچسپ عربی اشعار کشیدہ کیے۔ ایک سندھی سلیپر پر یہ اشعار لکھے ہوئے تھے:

فقلت طامن فوقها وارضاً

جعلت خدی له ارضا

صبرا علی الحب وان مضی

فقال 'لا' قلت بلی سیدی

[میں نے اپنے گال کو اس کیلئے فرش بنایا اور اس سے کہا کہ اس پر قدم رکھ اور خوش رہ

(۱) 'الفوط' کے معنی ہیں 'ٹہنی' جس کو خدام، چڑاسی، اردلی وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی جمع 'فوط' ہے، اور عوام کے نزدیک دبی رومال کو بھی کہتے ہیں جس سے ہاتھ پونچھے جائیں۔ دیکھئے المنجد، ص ۶۷۷۔ (مترجم)

(۲) کتاب الفصح (سنہ تصنیف ۶۲۳ھ) تصنیف محمد ابن الکاتب البغدادی، مطبوعہ موصل، سنہ ۱۳۵۳ھ (۱۹۳۳ء)، ص ۳۱، ۱۹، ۱۵، ۳۲

(۳) نیویا لیمن ڈائٹے والا۔ (مترجم)

(۴) یہ اردو میں لفظ 'بھات' کا مخفف ہے۔ (مترجم)

(۵) کتاب الترتیب و التدریج و رسائل الجاحظ (طبع ساسی)، ص ۱۳۳-۱۳۵

(۶) کتاب الترتیب و التدریج و رسائل الجاحظ (طبع ساسی)، ص ۱۳۳-۱۳۵

اس نے کہا ”نہیں“ میں نے اسے کہا ”ہاں ہاں جناب“ محبت کے گزدرے ہوئے ایام کو بھادوا (۱) سندھ اور مرکز کے درمیان ان آزادانہ اور باہمی تعلقات کے علاوہ سندھ کے عرب گورنروں نے بھی ادبی ذوق کو ہمیز دی، ان کی معرفت کچھ عرب شعراء (مثلاً مطیع بن ایاس اور الصمتہ بن عبداللہ القشیری) سندھ میں آئے۔ سندھی النسل شعراء (مثلاً ابو عطاء سندھی، عیاض سندھی اور ابو الصلیح سندھی) اپنی اعلیٰ عربی شاعری کی وجہ سے اسلامی ممالک میں مشہور ہوئے۔ چونکہ سندھ میں عربی کے ساتھ ساتھ سندھی زبان کو بھی ترقی دی گئی تھی اس وجہ سے سندھ میں سندھی زبان کے بھی شاعر پیدا ہوئے اور ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ شعراء باہر بھی گئے ہوں۔ سندھ میں ان شعراء کے کارناموں کے متعلق کوئی احوال نہیں ملتا البتہ ایک حوالہ کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ غالباً سندھی زبان کا ایک شاعر جس نے سندھی زبان میں بغداد کے برکی وزراء کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا اور وہ سندھ کے عرب گورنر کی معرفت و معاونت سے بغداد پہنچا، جس کا ذکر عربی کے ایک قدیم عالم نے اپنی تصنیف میں کیا ہے۔ امام حافظ ابو حاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۴ھ نے اپنی کتاب ”روضۃ العقلاء و نزہۃ الفضلاء“ میں لکھا ہے کہ: ”میں نے ابراہیم سے سنا کہ اسے ابن ابی القعقاع نے کہا کہ مجھ سے ابو ہذیل نے بیان کیا کہ میں یحییٰ بن خالد برکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ہندی شخص اپنے ترجمان کے ساتھ محفل میں آیا؛ اس ترجمان نے یحییٰ سے کہا کہ یہ شخص شاعر ہے اور اس نے آپ کا قصیدہ لکھا ہے۔ یحییٰ نے کہا کہ ہاں سنا ہے! جس پر اس شخص نے کہا:

ارہ اصرہ ککرا - کی ککرہ مندرہ

یحییٰ نے مترجم سے پوچھا کہ کیا کہتا ہے؟ مترجم نے کہا کہ یہ کہہ رہا ہے کہ:

اذا المکارم فی آفاقنا ذکرت

فانما بلک فیہا یضرب المثل

[جب بھی ہمارے ہاں اچھائیوں اور نیکیوں کا ذکر ہوتا ہے تو ان میں آپ کی مثال دی

جاتی ہے]

جس پر یحییٰ نے اسے ایک ہزار دینار بطور انعام دینے کا حکم دیا (۲)

مذکورہ بالا روایت میں اس شاعر کو ہندی شخص (رجل ہندی) کہا گیا ہے، تاہم اس سے

(۱) کتاب الطر وف واطر فاء، از ابو الطیب الوشاء، ص ۱۳۸  
(۲) ”روضۃ العقلاء و نزہۃ الفضلاء“، مطبع کردستان اعلیہ، مصر ۱۳۲۸ھ، ص ۲۱۵ اور مطبع مصطفیٰ البابا لیس، مصر، ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۵ء، ص ۲۱۳

مراد 'سندھی' ہی ہے کیونکہ اس قدیم عرب دور میں 'سندھی' کو 'ہندی' بھی کہا جاتا تھا یہ اس لئے کہ سندھ اور ہند ایک ہی ملک کے دو علاقے تھے؛ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن میں بعض مصنفین نے جب بھی 'ہندی' لکھا تو اس سے ان کی مراد (دودلیلوں کی بنیاد پر) 'سندھی' ثابت ہوتی ہے۔ خوش قسمتی سے اس بات کا ذکر "مجل التوارخ والقصص" کے مصنف نے بھی کیا ہے، جس میں اس نے اس شخص کو واضح طور پر "سرزمین سندھ کا شاعر" بتایا ہے؛ البتہ اس مصنف کے بقول اس شاعر نے یہ شعر بھی کے بیٹے فضل کی تعریف میں کہا، یہ مصنف کہتا ہے کہ: سرزمین سندھ کا ایک شخص اس (فضل) کے حضور حاضر ہوا اور اپنی زبان میں ایک شعر پڑھ کر سنایا جو یہ تھا:

ارہ برہ کنکرہ کراکری مندرہ

فضل نے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ ترجمان نے اسے جواب دیا کہ یہ کہہ رہا ہے:

اذا المکارم فی آفاقنا ذکر

فاننما بک فیہا یضرب المثل

جس پر فضل نے خوش ہو کر اسے ایک ہزار دینار، ایک قیمتی جوڑا کپڑوں کا، اونٹ اور دیگر تحائف دیے اور ترجمان کو بھی پانچ سو دینار عطا کیے اور کہا کہ: ہم نے اس زبان میں (یعنی اس زبان کا) ایسا دوسرا نہیں دیکھا (۱)۔

بعد میں بارہویں صدی کے ایک اور سیاح ابن نورالدین کی نے اپنی کتاب "نزمۃ الجلیس" میں یہ شعر حضرت بلال کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت بلالؓ نے یہ حبشی زبان کا شعر نبی پاک ﷺ کی تعریف میں کہا ہے (۲)۔ ابن نورالدین ۱۱۳۳ھ کے لگ بھگ ہندوستان کے سفر پر آیا تھا اور وہ بالکل آخری دور کا مصنف ہے، اس وجہ سے قدیم عربی مصنفین کے مقابلے میں اس کی رائے کو اہمیت نہیں دی جاسکتی۔

افسوس کہ اس تاریخی شعر کے الفاظ کی موجودہ صورت ایسی ہے کہ اس سے اس کی اصل

(۱) مجل التوارخ والقصص، مطبوعہ ایران، ص ۳۳۳

(۲) ابن نورالدین کی: "نزمۃ الجلیس" جلد اول، ص ۳۵۹۔ ابن نورالدین کی یہ رائے غالباً اس سطحی خیال پر ہے کہ یہ الفاظ حضرت بلال کی مرقد کی دیوار پر لکھے ہوئے ہیں، اس لئے یہ شعر انہی کا کہا ہوا ہوگا، حالانکہ حضرت بلال کا مقبرہ (دشن میں) قدرے پچھلے عہد کا بنا ہوا ہے جس پر یہ عبارت بعد میں لکھی گئی۔

عبارت اور مطلب صحیح طرح معلوم نہیں ہو سکتے۔ (۱) یہ شعر برکی امراء کی تعریف میں کہا گیا۔ چونکہ ۱۸۷۷ء میں ہارون الرشید نے جعفر بن یحییٰ برکی کو قتل کروادیا اور برکی خاندان کا خاتمہ کر دیا، جس سے ظاہر ہے کہ یہ شعر ۱۸۷۷ء سے پہلے پڑھا اور قلمبند کیا گیا ہوگا۔ اتنی قدیم تحریر کی اصل صورت مٹ جانے کا امکان ہے۔ کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ جس نے یہ شعر قلمبند کیا اس نے اس شعر کا صحیح تلفظ کس قدر لکھا؟ وہ معلوم نہیں، اس کے بعد مذکورہ بالا دونوں مصنفین نے جس رسم الخط میں یہ شعر اپنی کتاب کے اصل نسخوں میں درج کیا وہ بھی معلوم نہیں؛ ہمارے پاس اس شعر کا یہی رسم الخط موجود ہے جو کہ کتابت و طباعت کی غلطیوں کے بعد بچ گیا ہے؛ اس لئے بالفرض وہ اداسی الفاظ ہماری سمجھ میں آنے والے ہوتے تو بھی آج تبدیل شدہ صورت میں ہم انہیں نہیں سمجھ سکتے۔

اس کے باوجود بھی یہ قدیم حوالہ سندھی زبان کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ یہ سندھی زبان کا عربی رسم الخط میں اولین تحریری نمونہ ہے۔ دوسرا یہ کہ اس حوالہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ ۱۸۷۷ء تک، یعنی سندھ میں عرب دور حکومت کی ابتداء (۹۳ھ) سے تقریباً ایک سو برس کے اندر سندھی زبان میں اس قدر ادبی صلاحیت پیدا ہو چکی تھی کہ اس میں ایسی بہترین شاعری ہو سکتی تھی، جس میں مرکزی سلطنت کے وزیر کی تعریف میں قصیدہ منظوم ہوا، تیسرا یہ کہ یہ حوالہ اس وقت کے سندھی ادبی ذوق کا بھی گواہ ہے؛ اگر یہ شاعر سندھ کے کسی گورنر کی مدد اور معاونت سے بغداد پہنچا، تو اس سے عرب گورنروں کی سندھی ادب کے ساتھ دلچسپی کا بھی ثبوت ہم پہنچتا ہے؛ شاعر کو جو انعام ملا وہ برمکیوں کی مثالی سخاوت کے علاوہ ان کی طرف سے سندھی زبان کی قدردانی کی بھی گواہی دیتا ہے؛ نیز یہ حوالہ اس دور کے عرب علماء و ادباء کی سندھی زبان کے ساتھ علمی دلچسپی کو ثابت کرتا ہے، جو انہوں نے اس شعر کو سندھی زبان کے اصل الفاظ میں قلمبند کر کے محفوظ کرنے کی کوشش کی۔

نتیجہ: رائے خاندان، برہمن خاندان اور عرب - اسلامی دور حکومت میں سندھ کی مسلسل سیاسی وحدت کی وجہ سے ”سندھ کی زبانوں“ میں مزید مرکزیت پیدا ہوئی اور ایک عام فہم زبان کی نمو ہوئی۔ عرب دور حکومت میں زبان کی نفسیاتی کیفیت تبدیل ہوئی، زبان کے تمدنی سرمائے میں اضافہ ہوا اور زبان کی ترتیب، رسم الخط اور صرف و نحو پر اثر پڑا۔ سندھی زبان عربی رسم الخط میں لکھی جانے لگی اور یہ رسم الخط مزید عام رائج ہونے لگا، اگرچہ اس دور میں دوسرے مقامی رسم الخط بھی رائج رہے۔

(۱) ڈاکٹر عبدالجبار جو نجو نے اس شعر کے متعلق لکھا ہے کہ: ”میری تحقیق کے مطابق شاعر کا نام ’مندھرہ تھا، یا وہ ذات کا ’مندھرہ تھا۔ اس نے خود ثنائی میں کچھ سطر لکھی ہوں گی یا کسی ’مندھرہ‘ حاکم یا رئیس کی تعریف میں یہ شعر اس کے پاس پہلے سے موجود ہوگا، بغداد میں آنے کے بعد وہاں صورتحال کو مدنہ دینے کے لیے ممکن ہے کہ اس نے یہی شعر کہہ دیا ہو۔“ (مجلہ التوارخ، میں درج شعر کے تلفظ کو میں نے سندھی میں یوں پڑھا ہے:

اھڑا پڑا کو [نہ] کری، کک کبریٰ منڈرو  
یعنی ایسی مہربانی کوئی بھی نہیں کر سکے گا، جیسی ’مندھرہ‘ کرتا ہے۔ اس تلفظ کوئی الجال تلفظ کہا جاسکتا ہے، لیکن عالم اور ادیب حضرات اس پر غور کر سکتے ہیں۔ خاص طور پر اس لحاظ سے کہ سندھی کو عربی میں لکھتے وقت رسم الخط تبدیل ہو جاتا ہے۔  
دیکھیے: سندھی ادب کی مختصر تاریخ، ص: ۳۹، مطبوعہ گلشن پبلیکیشن، حیدرآباد، طبع چارم، ۲۰۰۲ء، (مترجم)

## باب سوم

### سندھی زبان کی انفرادیت اور بین الاقوامی

### حیثیت کا مسلم ہونا

(۹۵۰-۱۰۵۰ء)

تاریخی لحاظ سے یہ دور، اس سے پہلے کے دور کا تسلسل اور اس کی آخری کڑی ہے۔ عرب دور حکومت کے ابتدائی تقریباً اڑھائی سو برس (۱۲-۹۵۰ء) میں بڑھتے ہوئے سیاسی، دینی اور تجارتی روابط کے باعث سندھی کے مقامی لہجوں میں مزید مرکزیت پیدا ہوئی اور ایک عام فہم سندھی زبان کی ”تحریری وحدت“ میں اضافہ ہوا اور مختلف مقامی تحریروں کے بجائے پورے ملک میں ایک جیسا عربی رسم الخط رائج ہوا۔

سنہ ۱۱۲-۱۱۶ھ (۳۰-۳۴ء) کے عرصہ میں دار الحکومت شہر منصورہ کی بنیاد پڑی (۱) اور یہ شہر بغداد سے بھی قبل علمی تحقیق کا مرکز بنا، البیرونی نے اپنی ”کتاب الہند“ میں ایک اہم حوالہ دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہجری سن ۱۱۷ کے صفر مہینے میں اور سندھی سال ۱۰۹ کے چیت مہینے میں ہند کے عالم برہمکت کی نجوم پر لکھی ہوئی کتاب ”کھنڈ کھادیک“ کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا جو ”اُرگنڈ“ کے نام سے مشہور ہوا۔ (۲)

مختلف حوالہ جات اور حقائق سے ظاہر ہے کہ اس دور میں علم، ادب، شعر، موسیقی، ہنر اور حرفت کی قدردانی ہوئی۔ مرکزی حلقوں کی ہدایت اور مقامی علمی ذوق کی وجہ سے، سندھ کے بیدار مغز عمال اور امراء نے سندھ کو تعلیم اور تحقیق کا مرکز بنایا۔ مشہور محقق مسعودی نے سنہ ۳۰۰ھ/۹۱۲ء کے لگ بھگ سندھ میں آکر سندھو ندی کے دھارے کی جغرافیائی تحقیق کی اور الجاحظ کے اس نظریہ کو رد کیا کہ سندھو ندی اور نیل ندی کا منبع ایک ہے۔ (۳) اس کے علاوہ مسعودی نے سندھ

(۱) سنہ ۱۱۶ھ/۳۳ء میں منصورہ شہر میں ڈھلا ہوا ایک سکہ برٹش میوزیم میں موجود ہے، جس سے ظاہر ہے کہ اس سال تک منصورہ دار الحکومت بن چکا تھا۔

(۲) دیکھیے! ص ۵۶-۵۷، نیز البیرونی کی ”کتاب الہند“ عربی متن (طبع حیدرآباد دکن سال ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) ص: ۳۸۳ اور کتاب الہند کا انگریزی ترجمہ (ایڈورڈ سٹاؤ، لندن، ۱۹۱۰ء) جلد دوم، ص ۴۸

(۳) مسعودی: ”کتاب التنبیہ والاشراف“ مطبوعہ لائپزن، ۱۸۹۳ء، ص ۵۲

کی موسیقی اور سازوں کے بارے میں بھی تحقیق کی جسے اس نے اپنی ”کتاب الزلف“ میں درج کیا۔ (۱) اس دور میں مقامی زبانوں کے مطالعہ کی بطور خاص ہمت افزائی کی گئی۔ سرزمینِ سندھ میں نہ صرف عربی و سندھی کے مطالعہ کے لیے درسگاہیں تھیں بلکہ سنسکرت اور ہندی زبانوں کے مطالعے کے لیے بھی کچھ خاص ادارے تھے۔ اس کے علاوہ سرکاری طور پر مقامی زبانوں کے ترجمان مقرر ہوئے۔ سندھ میں عباسی دور کے مشہور گورنر جنید بن عبدالرحمن کا ترجمان ”بکیر بن ماہان“ ایک عالم شخص تھا۔ (۲) اس دور میں بغداد کی شاہی ”سائنس اکیڈمی“ (بیت الحکمت) میں مختلف سائنس اور فلسفوں کا مطالعہ بعد میں شروع ہوا، اور اس سے بھی پہلے سنسکرت کی کتابیں سندھ کے علماء کے ذریعے جمع کی گئیں اور ان کا مطالعہ کیا گیا۔

چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) کے درمیانی عرصہ کے لگ بھگ، یعنی عرب حکومت کے قیام کے بعد دو اڑھائی سو سالہ عرصے میں، سندھی اور عربی دونوں زبانوں کو اہمیت حاصل تھی۔ اس دور میں جب عرب جغرافیہ دان اور سیاح سندھ میں آئے تو انہوں نے عربی اور سندھی دونوں زبانیں یہاں عام رائج دیکھیں، یعنی لوگ دونوں زبانیں بولتے تھے۔ جغرافیہ کے دو محققین، اصطرٰی اور ابن حوقل، جنہوں نے ۳۴۵ھ/۹۵۶ء کے لگ بھگ سندھ اور بلوچستان میں آکر تحقیق کی تھی، انہوں نے یہاں کی زبانوں کے بارے میں آنکھوں دیکھی معلومات قلمبند کیں کہ: منصورہ (موجودہ سندھ) ملتان اور ان کے قرب و جوار کے علاقوں کی زبان عربی اور سندھی ہے، اور مکران (بلوچستان) کے باشندوں کی زبان ”فارسی اور کمری“ (بلوچی) ہے (۳)۔ بعد میں بشاری المقدسی نے بھی بیان کیا ہے کہ: دیہل کے علاقے (لاڑ/جنوبی سندھ) کی زبان سندھی اور عربی ہے اور پنجگور علاقے کی زبان بلوچی (بلوچی) ہے (۴)۔

مندرجہ بالا محققین سے تقریباً تیس بتیس برس بعد سنہ ۳۷۷ھ/۹۸۷ء میں بغداد کے مشہور دانشور اور کتب فروش ابن الندیم نے مختلف کتابوں کے مطالعہ (اور غالباً بغداد میں رہائش

(۱) مسعودی: کتاب مروج الذهب، طبع بیروت، جلد دوم، ص ۳۲۱-۳۲۲۔

(۲) تاریخ طبری، طبع یورپ، جلد دوم، ص ۱۲۶۔

(۳) اصطرٰی: کتاب ”سلاک الہمالک“ مطبوعہ لائپزین، ۱۸۷۰ء، ص ۱۷۷؛ ابن حوقل: ”کتاب المساک و الممالک“ مطبوعہ لائپزین، ۱۸۷۲ء، ص ۲۳۲ (اصل الفاظ یوں ہیں: لسان اہل المنصورۃ و الملتان و تواجہا العربیۃ و السندیۃ، و لسان اہل مکران الفارسیۃ و البکریۃ)۔

(۴) دیہل علاقے کے بارے میں بشاری کے الفاظ یہ ہیں: ”کلاہم سندھی و عربی“ اور پنجگور کے بارے میں: ”کلاہم بلوچی“۔ دیکھیے: کتاب احسن التاخم فی معرفۃ الاقالیم، مطبوعہ لائپزین، ص ۴۷۹۔

# 60 - الف

𐤀 𐤌 Dā mo

𐤀 𐤌 𐤅 da ra Brā

𐤅 𐤌 hma na

Dā mo 𐤀 𐤌

da ra 𐤀 𐤌

بھنبھور کے قدیم آثار سے پائی گئی ٹھیکریوں پر لکھے ہوئے الفاظ





پذیر اور وہاں آنے والے سندھی علماء سے حاصل شدہ معلومات) کی بنیاد پر اہل سندھ کی زبان اور رسم الخط کے بارے میں مزید تفصیلی معلومات جمع کیں۔ وہ اپنی مشہور محققانہ تصنیف ”کتاب التہرست“ میں لکھتا ہے کہ:

اہل سندھ کی مختلف زبانیں (لغات) اور مختلف مذاہب ہیں ان کے کئی قسم کے رسم الخط ہیں، ایک شخص، جس نے ان کا ملک دیکھا ہے، مجھے بتایا کہ ان کے تقریباً ایک سو رسم الخط ہیں، اس نے یہ بھی بتایا کہ اہل سندھ نو (۹) تک ہند سے الگ الگ کر کے لکھتے ہیں؛ اس کے بعد دہائیوں کو ہر ہند سے کے نیچے ایک صفر دے کر لکھتے ہیں (یعنی ا کے نیچے صفر، تو دس ہوئے، ۲ کے نیچے صفر، تو بیس ہوئے) سو کے اعداد کے لیے ہر ہند سے کے نیچے دو صفر، اور اسی طرح ہزار کا عدد ہر ہند سے کے نیچے تین صفر دے کر لکھتے ہیں (۱)۔

ابن الندیم کا یہ حوالہ غور طلب ہے کہ ”سندھ میں کئی مقامی رسم الخط رائج ہیں“ غالباً زمانہ قبل از اسلام میں سندھ کے مختلف علاقوں یا شہروں میں الگ الگ رسم الخط استعمال ہوتے تھے، جو چوتھی صدی ہجری کے آخر تک رائج رہے، حالانکہ تمام ملک میں اس وقت عربی رسم الخط رائج ہو چکا تھا۔ سندھ کے یہ مختلف رسم الخط ٹالپور امراء کے دور تک رائج رہے، کہ اس وقت بھی سندھ کے بعض شہروں میں الگ الگ قسم کے ”مہاجنوں یا ساہوکاروں کے لفظ (ہند سے)“ رائج تھے، جنہیں کلپٹن اسٹک (Stack) نے ۱۸۵۰ء میں اپنی تحریر کردہ گرامر میں شائع کیا ہے۔

اصطوری اور ابن حوقل کے حوالہ جات، کہ سندھ سے ملتان تک سندھی زبان بولی جاتی ہے اور ابن الندیم کا حوالہ کہ سندھی زبان کے الگ الگ محاورے اور رسم الخط ہیں، ان تمام حوالہ جات کی تصدیق تقریباً ساٹھ سال بعد محقق المیرونی کی مشہور تصنیف ”کتاب الہند“ سے بھی ہوتی ہے، جو اس نے ”ہندوؤں کی تہذیب و ثقافت“ کے متعلق لکھی تھی، وہ خود برصغیر ہند میں آیا اور ۱۰۱۷ء سے ۱۰۳۰ء، پشاور سے ملتان تک اس موضوع پر تحقیق کرتا رہا، بیرونی نے یہ کتاب عربی میں لکھی، لیکن ایک محقق کی حیثیت سے اس نے جا بجا اصل سنسکرت الفاظ اور جملے اور اس وقت رائج مقامی زبانوں کے اسم اور الفاظ درج کیے ہیں، اور اس کے علاوہ کچھ دیگر مقامی معلومات بھی درج کی ہیں:

(الف) ایک جگہ پر اس نے کتنی کے ہند سے اس طرح دیئے ہیں (۲)

عدد قطاری	عدد قطاری	عدد قطاری	عدد قطاری
المیرونی	المیرونی	موجودہ سندھی	موجودہ سندھی

(۱) ابن الندیم: ”کتاب التہرست“، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ، ص ۲۷

(۲) ”کتاب فی تحقیق الملعنہ“، عربی متن، طبع یورپ، ص ۲۳۵، طبع حیدرآباد، ص ۵۰۲، طبع یورپ کے عربی متن پر ڈاکٹر ”سناؤ“

کا انگریزی مقدمہ ص ۱۲ (XXIV)

برکت	برکھ، برکت (۱)	نوین	نَوَ
بیمہ	ہم	دہین	ڈھہ
تریہ	تی	یاہی	یارہن
چوٹ	چار	دواہی	ہارہن
ہنچی	ہنچ	(تروہی) ترہی	تیرہن
ست	چھہ	چوہی	چوڈھن
ستین	ست	ہنچاھی	ہنڈرہن
الین	اٹ		

(ب) بارہ مہینوں کے نام اس نے اس طرح لکھے ہیں (۲):

مہینے کا نام	مہینے کا نام	مہینے کا نام	مہینے کا نام
البیرونی	سندھی	البیرونی	سندھی
۱۔ چیت	چیت (جیت)	۷۔ اشوج	اسو
۲۔ بیشاک	ویساک (میساکھ)	۸۔ کارتک	کتی (کتی)
۳۔ جیرت	جیٹ (جیٹھ)	۹۔ منکھر	منگھر، ناہری (منگھر)
۴۔ آشار	آکاز (آکھاڑ)	۱۰۔ ہوش	ہوہ (پوہ/پوس)
۵۔ شرابن	ساوٹ (ساوٹن)	۱۱۔ ساگ	مانگھہ (ماگھ)
۶۔ بھادرو	بدر (بھادروں)	۱۲۔ ہاٹن	تھن (چھاگن)

(۱) ”برک“ (برکھ) یا ”برکت“ بمعنی ’ایک‘۔ میراجی نہریں بننے (۱۹۳۲ء) سے پہلے جب موسیٰ نہروں کے پانی پر چڑھ یا رہٹ چڑھاتے تھے اور جوار اور باجرہ کی فصل بہت ہوتی تھی، اس وقت اسے تولے کے بجائے ایک قسم کے پیانہ (ٹوپو) کے ساتھ بھرتے تھے۔ ضلع ساہیوال کے علاقے میں کلیان بھرنے والے کو ’ایک‘ کہنے کے بجائے ’برکت‘ کی آواز لگاتے ہوئے ہم نے خود سنا۔

(۲) ”کتاب الہند“ عربی متن، طبع یورپ، ص ۱۰۳، ۱۰۶-۱۰۷، طبع حیدرآباد دکن، ص ۱۷۵

(ج) ہفتے کے دنوں کے نام اس طرح قلم بند کئے ہیں (۱):

دن کا نام	دن کا نام	دن کا نام	دن کا نام
الہیرونی	الہیرونی	سندھی	سندھی
آدیت بار	برہسپت وار	آرت وار (اتوار)	وسپت وار (جمعرات)
سوم بار	شکر بار	سوسار (پیر)	شکروار (جمعہ)
منگل بار	شنبہ بار	منگل وار (منگل)	چنبہ (ہفتہ)
بد بار		پدر وار (بدھ)	

(د) اس دور کے بعض الفاظ بھی دیئے ہیں جیسے کہ:

الہیرونی کے وقت میں	الہیرونی کے وقت میں	موجودہ سندھی	موجودہ سندھی
آگل	آگل (انگلی)	یوم	یون (زمین)
ٹوھر	ٹوھر (تھوھر)	ہرہر	ہہر (پہر)
چنجوا	جشیو (زٹار)	برلو	پرون، بلون (سوسار)
ہاتال	ہاتال (تحت المری)	منکر	منکر (بڑی مچھلی، وہیل)

مذکورہ بالا مثالوں پر اگر غور کیا جائے تو محقق ابوریحان البیرونی نے خالص سنسکرت الفاظ کے علاوہ، جو دوسرے عام مروج علاقائی نام اور الفاظ استعمال کئے ہیں، ان میں سے اکثر موجودہ سندھی زبان سے ملتے جلتے ہیں۔ ایڈورڈ سخاؤ (Sachao)، جس نے ”کتاب الہند“ (عربی متن) کو مرتب کیا ہے، اس نے اپنے مقدمہ میں البیرونی کے استعمال کردہ علاقائی الفاظ خصوصاً کنتی کے اعداد کے بارے میں لکھا ہے کہ: یہ جس بھی زبان کے ہیں وہ زبان نسبت دیگر جدید ہند-آریائی زبانوں کے، سندھی سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے اور اس سے ملتی جلتی ہے (۲)۔ البیرونی کنتی کے اعداد کو ”برقت“ ”بیہ“ ”تریہ“ لکھتا ہے یعنی کہ ”برکت“ ”دو“ ”تین“۔

سندھ میں اب تک عام دستور ہے کہ جب کھلیان کی ماپ تول کرتے ہیں یا اور کوئی چیز تولتے ہیں تو پہلا پیمانہ گنتے ہوئے ”ایک“ کہنے کے بجائے ”برکت“ کہتے ہیں غالباً یہ دعائیہ

(۱) ”کتاب الہند“ عربی متن، طبع یورپ، م ۱۰۲، طبع حیدرآباد دکن، م ۱۷۱

(۲) ”کتاب فی تحقیق الہند“ کا انگریزی مقدمہ، م ۲۵

"The numerals as well as great many other words seem to show, as far as I have been able to compare Indian dialects, that the vernacular of Alberuni is more nearly related to Sindhi than to any other of modern Neo-Aryan languages of India." (Edward C. Sachao: Introduction to the Arabic Text of Alberoni's India, P.XXXV)

اصطلاح ہے، یعنی کہ اللہ کرے کہ برکت ہو! البیرونی نے جو جفتے کے دنوں کے نام، سال کے مہینوں کے نام یا دیگر عام الفاظ دئے ہیں ان پر غور کرنے سے بھی ان میں موجودہ سندھی ناموں کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ آج سے ساڑھے نو سو برس پہلے جب البیرونی نے اپنے وقت میں (۱۰۲۰-۱۰۳۰ء) یہ الفاظ ان تلفظات کے ساتھ لکھے اس وقت سندھی زبان کا دائرہ ملتان تک وسیع ہو چکا تھا۔ البیرونی ملتان میں رہا اور غالباً سندھ میں بھی آیا (۱) اور اس نے یہ الفاظ ملتان اور سندھ میں بولتے ہوئے سنے۔ ہم ابن حوقل کا حوالہ پہلے ہی دے آئے ہیں کہ: منصورہ اور ملتان کی زبان سندھی اور عربی ہے (۲)

ابن الندیم کا یہ بیان کہ سندھ میں کئی رسم الخط رائج ہیں، اس کی تصدیق بیرونی کی تحقیق سے بھی ہوتی ہے، البیرونی لکھتا ہے کہ:

”مالوہ میں ”ناگری“ الف ب رائج ہے، اس کے بعد ”اردناگری“ (= ”اودھ ناگری“، یعنی شکستہ خط ناگری) ”بھائیہ“ اور سندھ کے کچھ حصوں میں رائج ہے، جنوب سندھ میں سمندری کنارے کے متصل ”ملاقاری“ الف ب رائج ہے، اور بہمنوا یعنی منصورہ میں ”سیندب“ رائج ہے“ (۳)

اپنے اس بیان میں البیرونی نے کم از کم تین رسم الخط کا ذکر کیا ہے، جو ۱۰۲۰-۱۰۳۰ء کے عرصہ میں سندھ میں رائج تھے۔ ”بھائیہ“ (جیسلمیر) اور سندھ کے کچھ حصوں، یعنی جیسلمیر سرحد سے متصل مشرقی علاقوں میں ”شکستہ خط ناگری“ رائج تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً موجودہ سکھر، خیرپور، ساکھڑ اور تھرپارکر اضلاع کے مشرقی علاقوں میں شکستہ خط ناگری رائج تھا، سمندری کنارے، یعنی موجودہ ٹھٹھہ ضلع کے جنوبی علاقے میں ”ملاقاری“ رسم الخط رائج تھا۔ تاریخی اعتبار سے دریا سے مغرب کی طرف ”میرپور ساکڑ“ کے علاقے میں قدیم دور سے ”نگامرہ“ قوم آباد تھی اور ممکن ہے کہ یہ انہی کے رسم الخط نگامرہ کی طرف اشارہ ہو۔ وسط سندھ کے علاقے اور دارالحکومت ”بہمنوا“ یا منصورہ میں ”سیندب“ یعنی ”سیندھو“ یا سندھی رسم الخط رائج تھا، یہ ”عربی-سندھی“ رسم الخط تھا جو پہلے پہل منصورہ کے علاقے میں استعمال ہوا اور وہاں سے رفتہ رفتہ تمام سندھ میں رائج ہوا۔

”عربی-سندھی“ رسم الخط کا قدیم ترین نمونہ خود محقق بیرونی کی تحریروں میں موجود ہے۔ وہ ”ملاقاری“ کے لفظ میں ’ق‘ حرف لائے ہیں، ’مجر‘ (منگر) اور ’اگل‘ (یعنی انگل) کے الفاظ میں ’س‘ کے تلفظ کے لئے ’س‘ حرف لائے ہیں۔ یعنی کہ خود محقق بیرونی نے سندھ کے مقامی تلفظات کو ادا کرنے کیلئے حروف پر نقاط لگا کر نئے حرف نکالے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سندھی-عربی رسم الخط جو ہم تک پہنچا ہے، اس کے تحریراً تاریخی آثار ۱۰۲۵-۱۰۳۰ء کے عرصہ میں ملتے ہیں۔

(۱) دیکھئے: ”غرة الزبجات“ پر راقم کا انگریزی مقدمہ، ص ۳۹-۴۳

(۲) سندھی اور سرائیکی آپس میں ہمیش ہیں اور ان کے الفاظ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

(۳) ”کتاب فی تحقیق ما للہند“ عربی متن، طبع یورپ، ص ۸۲، طبع حیدرآباد دکن، ۱۲۵، انگریزی ترجمہ (ایڈورڈ

سٹاؤ) جلد اول، ص ۱۷۱

## سندھ کی لسانی انفرادیت اور بین الاقوامی حیثیت کا مسلم ہونا

عرب-اسلامی دور میں، نئے علمی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی ماحول کے زیر اثر، سندھی اور عربی کا آپس میں گہرے رشتہ اور عمل و ردِ عمل کا آغاز ہوا، جس سے سندھی زبان کی لسانی انفرادیت مستحکم ہوئی نیز وہ بین الاقوامی سطح پر تسلیم کی گئی۔ اس انفرادی حیثیت اور اہمیت کی وجہ سے سندھی زبان کے بارے میں بین الاقوامی سطح پر علمی تحقیق شروع ہوئی جس میں جاحظ، ابن حوقل اور دیگر علماء نے سندھی زبان کے متعلق حوالہ جات قلمبند کئے۔ چوتھی صدی ہجری کے دوسرے نصف میں اسحاق ابن الندیم نے اس تحقیق میں قدم آگے بڑھایا اور اسی دور میں بشر بن عبدالوہاب الفزاری نے سندھی لغت کا مزید گہرا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد پانچویں صدی ہجری کے نصف اول میں محقق بیرونی نے سندھ اور سندھی زبان کے بارے میں وسیع پیمانے پر معلومات قلمبند کیں۔

دوسری اور تیسری صدی سے عرب علماء نے علم طب پر تحقیق کا آغاز کیا اور دواؤں میں استعمال ہونے والی معدنیات، جڑی بوٹیوں اور سامانِ پسنار کے بارے میں کتابیں لکھی جانے لگیں۔ مختلف ممالک میں جڑی بوٹیوں اور دواؤں کو سمجھنے اور پہچاننے کے لئے ضروری تھا کہ ان کے نام دوسری ایسی زبانوں میں بھی دیے جائیں، جن کی اس دور میں بین الاقوامی حیثیت مسلم ہو، یا جن میں جڑی بوٹیوں اور پسنار (Materia Medica) کی پہچان کا علم کافی ترقی کر چکا ہو۔ اس سلسلے میں، قدیم زبانوں میں سے یونانی، رومی اور سریانی اور رائج زبانوں میں سے عربی اور فارسی، اور ہند کی زبانوں میں سے سندھی اور ہندی کی بین الاقوامی حیثیت تسلیم کرتے ہوئے ان زبانوں میں، ادویات میں استعمال ہونے والی معدنیات اور جڑی بوٹیوں کے نام دئے گئے۔ 'سندھی' سے مراد خاص سندھی زبان اور 'ہندی' سے مراد (سندھی کے علاوہ) ہندوستان کی دیگر جملہ لغات تھیں۔ سندھی نہ صرف اس وقت بین الاقوامی حیثیت رکھتی تھی بلکہ سندھ میں اسبابِ پسنار کی معلومات بڑی ترقی کر چکی تھی؛ سندھ میں اسبابِ پسنار کی تجارت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ہندوستان کے دیگر علاقوں کی جڑی بوٹیاں بھی سندھ ہی سے مغرب کی طرف دیگر ممالک میں بھیجی جاتی تھیں (۱)۔ اس لئے دیگر معاصر زبانوں کے ساتھ سندھی زبان میں جڑی بوٹیوں اور اسبابِ پسنار کے نام دینا ضروری سمجھا گیا۔

(۱) اس کی گواہی بیرونی کی "کتاب البصیرۃ" سے ملتی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ "ترید نامی چیز کو ہندستانی لوگ "ترج" کہتے ہیں جس کی سب سے عمدہ قسم سفیدی نائل رنگت والی ہے، جو نہلو ازہ (گجرات کا تاریخی شہر انہلو) کے بعد سندھ سے (عرب-ایران کی طرف) آتی ہے۔ دیکھئے کتاب البصیرۃ ترید کے بیان کے تحت۔



جن میں سے نصف سے زیادہ 'بشر' کی "کتاب تفاسیر الادویہ" کے حوالہ سے لکھے ہیں اور باقی نام اس نے اپنی طرف سے تحقیق کر کے لکھے ہیں۔ چونکہ وہ نام سندھی زبان کی انفرادی اہمیت اور بین الاقوامی علمی حیثیت کے بارے میں ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے ہم "کتاب الصیدنہ" کے عمیق مطالعے کی بناء پر انہیں پوری تفصیل کے ساتھ ذیلی جدول میں دے رہے ہیں۔

اس جدول کے پہلے کالم میں اس وقت کا وہ مشہور نام ہے جسے المیرونی نے "کتاب الصیدنہ" میں حروف تہجی کی ترتیب پر قلمبند کیا ہے۔ اس نام کے سامنے گول دائرہ (o) سے مراد یہ ہے کہ اس کا سندھی نام بشر بن عبدالوہاب فزاری کی کتاب سے لیا گیا ہے۔ سامنے ستارے کی نشانی (☆) یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس کا سندھی نام اور اس سے متعلق دیگر معلومات خود المیرونی کی طرف سے فراہم کردہ ہیں۔ دوسرے کالم میں 'سندھی' نام جس طرح "کتاب الصیدنہ" میں لکھے ہوئے ہیں ویسے ہی دئے گئے ہیں۔ تیسرے کالم میں "کتاب الصیدنہ" اور ابو حنیفہ دینوری کی "کتاب النبات" (۱) سے دوسری ایسی ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں جو اسباب پنسار کی پہچان میں کارآمد ہو سکتی ہیں۔

اس سلسلے میں "کتاب الصیدنہ" کے انگریزی ترجمہ سے بھی کچھ ضروری معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ آخر میں چورس [ ] کے اندر ہم نے اپنی طرف سے سندھی ناموں اور اسباب پنسار کی پہچان کے بارے میں کچھ وضاحت کی ہے، جو اس مرحلے میں ابتدائی حیثیت رکھتی ہے اور مزید تحقیق طلب ہے۔

(۱) "کتاب النبات" جلد اول، 'الف' سے 'ز' تک، تصحیح برنہارڈ لیون، مطبوعہ آپالہ، سویڈن، ۱۹۵۳ء، کتاب النبات، جلد دوم، 'س' سے 'ی' تک، تصحیح ڈاکٹر حمید اللہ، قاہرہ، مصر، ۱۹۷۳ء



الہیرونی کی ”کتاب الصیدۃ“ میں درج شدہ سندھی ناموں کا جدول:

سندھی نام	اسباب پسنار کا اصل نام	مزید معلومات
مہت	O ارٹلی	ارٹلی جمع ہے اس کی واحد ”ارطاة“ ہے۔ اسے ”رمٹ“ بھی کہا جاتا ہے اور سندھ میں اس کا نام مہت ہے (بشر بن عبدالوہاب فزاری)۔ یہ پودہ ریتیلی زمین میں اُگتا ہے، اس کا قد چھوٹا اور اس کے پتوں کا رنگ سرخی مائل ہوتا ہے۔
لم	O آزاد درخت	یہ فارسی نام ہے؛ عربی میں اسے ’سیبانہ‘ کہتے ہیں۔ جرجان ملک میں بہت ہوتا ہے اور وہاں پر اسے ”وَن“ کہتے ہیں۔ [غالباً سندھی لفظ ’وَن‘ کا عکس] سندھی میں اسے لم کہتے ہیں (بشر بن عبدالوہاب فزاری)۔ [معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں عام طور پر سندھی نام ’لم‘ تھا۔ آج بھی شمالی سندھ میں لم بولتے ہیں، اگرچہ وسط سندھ اور لاڑکی طرف ’نم‘ کہتے ہیں] رومی لفظ ’سنوخس‘ سے لیا گیا ہے۔ ”سندھی میں اسے دہا کہتے ہیں“ (بشر بن عبدالوہاب فزاری)۔ یہ ایک پودا ہے جو غزنی کی طرف پیدا ہوتا ہے، سب سے عمدہ سبز پتوں والا ہوتا ہے۔
دہار	O اسطوخودو	”سندھی اسے قویا بصل کہتے ہیں“ (بشر بن عبدالوہاب فزاری)۔ خطی نسخہ ’ب‘ کے حاشیے پر بتایا گیا ہے کہ ”سندھی اسے ’کھاندہ‘ یا ’کھندری‘ کہتے ہیں۔“ [کھاندہ اور کھندری سے ’کند‘ (پیاز کی گانٹھ) اور ’کندڑی‘ (چھوٹی گانٹھ) کا گمان ہوتا ہے۔ سندھ میں ’جھنگ بصر‘ (جنگلی پیاز) ہوتا ہے جو دوائی میں کام آتا ہے۔ برسات کے موسم میں ریگستان میں بہت پیدا ہوتا ہے اور بالکل پیاز (بصر) جیسا ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس قدیم دور میں اسے ’کویا بصر‘ کہتے ہوں]۔
قویا بصل	O اسقل	فارسی میں ”شگرف“ اور سندھی میں ’سنو‘ کہتے ہیں (بشر بن عبدالوہاب فزاری) [سندھ میں پسناریوں کے پاس دو قسم کا ہوتا ہے: ایک، شگرف اور دوسرا شگرف سندھی کہلاتا ہے]۔
سنو	O اسرنج	

O آشنہ	سیاہ	یہ ایک پودا ہے جسے فارسی میں 'دوالہ' اور ہندی میں 'چڑیلہ' یا 'چریہ' کہا جاتا ہے۔ بشر بن عبدالوہاب فزاری کے بقول سندھی میں اسے "سیاہ" اور ہندی میں "سیلوہا" کہتے ہیں۔
O اشتر غار	O سنی ہنکھفار	یہ 'انگدان خوش' نامی بوٹی کی جڑ ہے، جسے سندھی میں 'سنی ہنکھفار' کہا جاتا ہے (بشر بن عبدالوہاب فزاری)۔ [سنی ہنکھفار سے مراد شاید باریک ہینگ جڑ ہو۔ انگریزی ترجمہ اس طرح دیا گیا ہے: "It is the root of good syrian rue"]
O اُصف	O قوتری	عام طرح اسے 'کھمر' کہا جاتا ہے۔ یہ ایک قسم کا 'بج' یا 'پھل' (ثمرہ) ہے۔ بشر کے بقول اسے سندھی خواہ ہندی لوگ 'قوتری' کہتے ہیں۔ [قوتری سے کھڑی (گنری) کا گمان ہوتا ہے]
O افون	سرشنی رس	افون روی نام ہے اس کا فارسی نام "دوشش نارکوک" ہے (بیرونی)۔ بشر کے بقول فارسی میں اسے 'ملبد خوجواک سیاہ' اور سندھی میں 'سرشنی رس' کہتے ہیں۔ [موجودہ لفظ 'چش' اسی قدیم نام 'سرشنی رس' سے نکلا ہے]
O اقا قیا	سلہ ارھا یا سلنارھا	'اقا قیا' اصل میں روی/یونانی نام ہے عربی میں اسے 'نقد' کہتے ہیں (البیرونی)۔ فارسی میں اسے 'ملبد شد رک' اور سندھی میں 'سلہ ارھا' کہتے ہیں (بشر بن عبدالوہاب فزاری) [چش کا فارسی نام جو بشر نے بتایا ہے، اس میں 'ملبد' کا لفظ ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ 'اقا قیا' بھی اسی قسم کی کوئی چیز ہے، کتاب البصیدہ کے ایک اور مخطوطہ میں 'سلہ ارھا' کے بجائے 'سلنارھا' لکھا ہوا ہے]
O اقوان	فلانج	'اقوان' وہی 'بابونج' [بابون] ہے۔ بقول بشر بن عبدالوہاب فزاری اسے سندھی میں 'فلانج' کہتے ہیں۔ [فلانج = فلانہ = فلانو = پھلانو۔ غالباً اس زمانے میں 'بابونی' کو سندھی میں 'پھلانو' کہتے تھے]

<p>اسے فارسی میں 'شاہ بے' یا 'شاہ افر' کہتے ہیں۔ اس قول کے مطابق ہندی میں اسے 'اسپرک' یا 'پرک' کہتے ہیں۔ بشر بن عبد الوہاب فزاری کے بقول سندھی میں اسے 'سوتن' کہتے ہیں۔</p> <p>['اسپرک' غالباً 'اسپنول' ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ قدیم زمانے میں سندھی میں اسپنول کو 'سوتن' کہتے تھے۔ انگریزی ترجمہ میں یوں بتایا گیا ہے: "It is a grass which spreads horizontally on ground"]</p>	<p>سوتن</p>	<p>O اکیل الملک</p>
<p>بیرونی کہتا ہے کہ عربی میں اسے 'الشوکتہ' اور سندھی میں 'جاماھا' کہا جاتا ہے۔ ['الشوکتہ' کے لفظی معنی سے ظاہر ہے کہ یہ کوئی خاردار پودا ہے۔ اس معنی کے پیش نظر 'جاماھا' وہی خاردار پودا ہے، جسے آج کل سندھی میں 'ڈراماھو' کہا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں 'ڈراماھو' کو غالباً 'جاماھو' یا 'جاماھو' کہتے تھے]</p> <p>یہ رومی یونانی نام ہے۔ بقول بشر اس کا سندھی نام سروق ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ وہی 'نانخواہ رومی' ہے۔ [انگریزی ترجمے میں نانخواہ کو (Aniseed) لکھا گیا ہے]</p>	<p>جاماھا</p> <p>سروق</p>	<p>☆ ام غیلان</p> <p>O انیسون</p>
<p>بقول بشر بن عبد الوہاب فزاری 'بنج' کی دو قسمیں ہیں: ایک پہاڑی [جنگلی] اور دوسری 'بستانی' [باغائی] اس کا فارسی میں نام "گوزماشل" اور سندھی میں "دھتورا" ہے۔ [گوزماشل، کا سندھی نام ڈاتورو (دھتورا) بتایا گیا ہے، مگر البیرونی لکھتا ہے کہ 'بنج' الگ چیز ہے اور 'گوزماشل' الگ چیز ہے، اس لئے 'بھنگ' کو 'ڈاتورو' (دھتورا) نہیں کہا جائے گا۔ البتہ ڈاتورو بھی سندھی نام ہے اور یہ گوزماشل کا نام تھا، کیونکہ کتاب الصید نہ میں ایک اور جگہ پر 'گوزماشل' نام کے نیچے وضاحت کی گئی ہے کہ ہندی میں اسے "تہ تورہ" یعنی "دہ تورہ" کہتے ہیں]</p>	<p>دھتورا؟</p> <p>[بھنگ]</p>	<p>O بنج</p>
<p>بیرونی کی وضاحت کے مطابق رومی/یونانی میں اسے "افروظرون" اور سریانی میں "بجرا" اور سندھی میں 'اوس' کہتے ہیں اس کی بہترین قسم 'آرینا' ملک سے آتی تھی۔</p>	<p>اوس</p>	<p>☆ بورق</p>

بیرونی کی وضاحت کے مطابق 'بوزیدان' فارسی نام ہے اور سندھی میں اسے 'شدوار' کہتے ہیں۔ یہ وہی "عقار ہندی" ہے۔ سفیدی مائل رنگت اور ریشوں سے گندھے ہوئے چھلکے کی طرح ہوتا ہے۔ اسے عربی میں "الرنف" کہتے ہیں۔ اسے "بہرم جنگلی" یا "العصر البری" بھی کہتے ہیں۔ بقول بشر بن عبد الوہاب فزاری فارسی میں "بورکر" یا "بولکر" اور سندھی میں "سرلیں" کہتے ہیں۔ رات کے وقت اس کے پتے سکڑ کر ڈٹھل سے جا لگتے ہیں۔ [سرلیں = سریہ = سریہ = سندھی سریہ کے پتے سورج غروب ہوتے ہی بند ہو جاتے اور سکڑ جاتے ہیں۔ یا ہو سکتا ہے کہ پرانے زمانے میں کسی اور پودے کو سریہ کہا جاتا تھا، جس پر سے "سریہ" درخت پر یہ نام پڑ گیا۔]

بشر بن عبد الوہاب فزاری کے بقول سندھی خواہ ہندی میں اسے "طھو" کہتے ہیں۔ اس کی ایک قسم مور کی گردن کی طرح (علی لون عنق الطاووس) ہرے رنگ کی ہے، جسے فارسی میں "سنگ مس" اور سندھی خواہ ہندی میں "مور کرنیون" کہتے ہیں۔ دوسری قسم سفید رنگ کی جسے سندھی خواہ ہندی میں "سنگ طھو" کہتے ہیں۔ "مور کرنیون" یعنی مور کی گردن کی طرح، مور کی گردن کی رنگت جیسا۔ یہ دونوں سندھی نام یعنی "طھو" اور "مور کرنیون" جو کہ ایک ہزار سال پہلے رائج تھے ان کے آثار و علامات آج تک موجود ہیں، یعنی سندھ کے پسناریوں کی اصطلاح میں اس وقت بھی 'توتیا' کو "مور تھو" یا "مور تھو" کہتے ہیں۔ لفظ مور "مور کرنیون" کی یادگار ہے اور "تھو" یا "تھو" وہی سندھی لفظ ہے جسے بشر بن عبد الوہاب نے "طھو" لکھا ہے۔ کتاب البصید نہ کے برصا والے نسخے میں "طھو" میں 'ت' کے اوپر 'شد' دی ہوئی ہے، جس سے "تھ" کی پہچان ہوتی ہے۔

☆ بوزیدان

O بھراج

O توتیا

طھو [تھو]  
مور کرنیون

<p>بقول بیرونی رومی/یونانی میں اسے ”کلفیٹس“ سریانی میں ”ھبابا“ اور فارسی میں ”تولبرنج“ کہتے ہیں۔ بقول بشر فزاری سندھی میں اسے ”کرماشا“ اور فارسی میں ”پوستہ مس“ کہتے ہیں۔ [یہ تانبے کا چورا یعنی ایک معدنی چیز ہے اور انگریزی میں اسے (Copper dust) کہا جاتا ہے]</p>	کرماشا	O توبال النحاس
<p>البیرونی کی تحریر کے مطابق یہ فارسی نام ہے یعنی ”بحری کلب (کتاب) کے فوطے“ اس کے لفظی معنی اس طرح ہیں: گند=فوت/خسبہ + بے= بغیر + دست= تام/کمل، جس کے معنی ہیں: ”ناکمل فوطے“۔ اسے ”کلب الماء“ یا ”ثعلب الماء“ بھی کہا جاتا ہے۔ بیرونی کہتا ہے کہ حمزہ کی تعریف کے مطابق ہندی میں اسے ”گندشیر“ اور بشر بن عبدالوہاب فزاری کی تحریر کے مطابق اسے سندھی میں ”گندیسٹر“ کہتے ہیں۔ [ایک ہزار سال پہلے سندھی میں بھی یہی فارسی نام رائج تھا، البتہ سندھی لب و لہجہ کی وجہ سے ”گندبیدستر“ کے بجائے ”گندیسٹر“ کہا جانے لگا اسے آج کل ”مواد بلاؤ کے فوطے“ کہا جاتا ہے]</p>	گندیسٹر	O جندبیدستر
<p>کتاب الصيد نہ کے برصا کتب خانہ کے نسخے میں یہ نام آیا ہوا ہے۔ اصل لفظ (غالباً) ”جندیش“ ہے نیز اس میں بتایا گیا ہے کہ ہندی میں اسے ”کھندیش“ (= گندیش) کہتے ہیں، اور بقول بشر بن عبدالوہاب اسے سندھی میں ”کھندیستن“ کہتے ہیں۔ [’کھندیستن‘ یہ لفظ اسی طرح لکھا ہوا ہے، لیکن غالباً اس کا صحیح رسم الخط ”گندیش“ ہی ہوگا]</p>	گندیستن	O جندیش؟
<p>بشر کے بقول سندھی میں ”منہسل“ اور ہندی میں ”مین بھل“ کہتے ہیں۔ البیرونی نے وضاحت کی ہے کہ ”بھل“ کے معنی میوہ ہے (بھل هو الشمرة) [بھل یعنی پھل اس کے معنی ہیں میوہ۔ سندھی نام ’منہسل‘، یعنی ’منہسل‘؛ آج کل سندھی میں سینٹ قل کہلاتا ہے]</p>	منہسل	O جوزالتی

O الحاح	جواسا	ایک چھوٹا پودا ہے جس کا بیج چاول کے برابر لال سرخ رنگ کا ہوتا ہے، اسے "اشترخار" بھی کہتے ہیں۔ بقول بشر فزاری اسے سندھی میں "جواسا" کہا جاتا ہے [جواسا سے مراد شاید "جوانسا" یعنی "جوانسو" ہو]
O الحبة الخضراء	کلنکور	البیرونی کہتا ہے کہ یہ "بطم" درخت کا پھل ہے جسے فارسی میں "خنجک" اور سیستانی زبان میں "کنشک" کہتے ہیں اور سندھی میں اسے "کلنکور" کہتے ہیں۔ اس درخت کا گوند سب سے عمدہ ہوتا ہے۔ [اصل رسم الخط کلنکور (کھلنکور) جو کہ لغت کی کتاب "مدار الافاضل" کے مطابق "خنج" نامی دانہ (بیج) کی قسم ہے، جسے "کلتھی" بھی کہا جاتا ہے۔ آج کل سندھی میں "حبة الخضراء" (لفظی معنی ہرا بیج) کا علمی نام 'بن' ہے]
O حرل	ہملو	بیرونی کے بقول اسے فارسی میں "سپند" اور سندھی میں "ہملو" کہا جاتا ہے۔ [ہملو سے مراد ہرملو ہے جسے آج بھی 'ہرملو' یا 'ہرمرؤ' کہا جاتا ہے۔ ابو حنیفہ دینوری نے اس نام کو اپنی "کتاب النبات" میں درج کیا ہے۔ یہ پودا پتھریلی زمین میں خاص طور سے 'لکی' کی طرف زیادہ ہوتا ہے]
O هض	"وطہ" "الوطہ"	بقول بیرونی رومی/یونانی میں اسے "لوقیون" اور فارسی میں "ہیل زھرہ" کہا جاتا ہے۔ بشر فزاری کے بقول سندھی میں "وطہ" یا "الوطہ" اور ہندی میں اسے "قولوط" کہا جاتا ہے۔ [اس دور میں سندھی پنسار میں غالباً یونانی نام رائج ہو چکے تھے، کیونکہ اصل عبارت میں بتایا گیا ہے کہ: سندھی میں اسے وطہ یا ایک اور تلفظ کے مطابق الوطہ کہا جاتا ہے اور جالینوس نے بھی اسے یہی نام دیا ہے (و بالسندية "وطہ" و فی نسخة "الوطہ" و كذلك سماه جالینوس)۔ ابو حنیفہ دینوری نے کتاب النبات میں لکھا ہے کہ یہ پودا ریشیلی زمین میں "قیقان" (قلات) کی طرف پیدا ہوتا ہے]

O حلتیت

[ھک] ھین  
(ھینگ)

البیرونی کہتا ہے کہ یہ ”انجدان“ (انگدان) درخت کا گوند ہے اور فارسی میں اسے ”انگزذ“ کہا جاتا ہے۔ سندھی میں اسے ’ھین‘ کہتے ہیں۔ [آج کل حلتیت کا عام سندھی نام ”ھک“ (ہینگ) ہے؛ غالباً ہزار سال پہلے بھی سندھی میں اسے ”ھک“ (ہینگ) ہی کہتے تھے جسے عربی میں ’ھین‘ کے تلفظ کے ساتھ ادا کیا گیا۔]

☆ نجبہ رفا قطی  
الفضہ (رپاکٹی)

البیرونی کہتا ہے کہ اسے بنانی اور عربی میں ”اقلیماء“ اور فارسی میں ”کیث“ اور سندھی میں ”رفا قطی“ کہا جاتا ہے۔ [رفا قطی یعنی رپاکٹی کھج نام ”رپاکٹ“ ہے، مگر ’ٹ‘ کی زیر والے تلفظ کو ’ی‘ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔ ”نجبہ الفضہ“ کے لفظی معنی ہیں ’چاندی کا زنگ‘، غالباً سندھی لفظ ’کٹ‘ (زنگ) سے ہی فسی میں اسے ’کیث‘ کہا گیا] مندرجہ بالا نام ”نجبہ الفضہ“ کے ذکر کے تحت البیرونی کہتا ہے کہ ”نجبہ الذہب“ یونانی اور عربی میں ”اقلیماء اصفر“، فارسی میں ”نخبہ زر“ اسندھی میں ”سورن قطی“ کہا جاتا ہے۔ ”سورن قطی“ یعنی ’نے کا زنگ‘

☆ نجبہ سورن قطی  
الذہب [سون کٹ]

بشر فزاری کے بقول یہ وہی ’صفصاف‘ ہے۔ فارسی میں اسے ”بید سبید“ (بید سفید) اسندھی میں ”ویوس“ کہتے ہیں۔ ”خلاف“ درخت کی لکڑی سے گوند لگتا ہے۔

O خلاف ویوس

البیرونی کے مطابق ”دلفین“ یونانی نام ہے، عربی میں اسے ”دُخْش“ (ا) اور سندھی میں ’بولہ‘ کہا جاتا ہے۔ [دلفین یونانی لفظ Dolphin ہے۔ ’بولہ‘ شاید یہ تلفظ ہے، آج کل اسے ”بلہن“ کہا جاتا ہے۔ یہ ایک دلی جانور ہے جو بطور خاص دریائے سندھ کے روہڑی-کھڑتے میں زیادہ ہوتا ہے۔

☆ دلفین بولو

اس کا سندھی میں دوسرا نام ”ہُون“ ہے۔ البیرونی کو یہ دونوں سندھی نام معلوم تھے۔ یہاں پر وہ ’ہولو‘ (یعنی ہلہن) لایا ہے اور اپنی دوسری تصنیف کتاب الہند میں ’ہولو‘ لکھا ہے یعنی ’ہُون‘، کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ’ل‘ تبدیل ہو کر ’ر‘ ہو گیا اور عام تلفظ میں تبدیلی آگئی۔]

☆ دم بانورت  
الاخوین

ابوحنیفہ دینوری نے کتاب النبات میں لکھا ہے کہ یہ ایک قسم کا پودا ہے جس سے سرخ رنگ نکلتا ہے۔ البیرونی کے مطابق پنساریوں کی اصطلاح میں عام طرح سے اسے ’فاطر‘ کہا جاتا ہے۔ سندھی میں اسے ’بانورت‘، فارسی میں ’خون سیاوشان‘ اور ہندی میں ’پانڈورت‘ کہتے ہیں۔ [ہو سکتا ہے کہ ’بانورت‘ شاید اصل میں ’پانورت‘ یعنی ’پانڈورت‘ ہو لیکن ’دم الاخوین‘ خواہ ’خون سیاوشان‘ کے لفظی معنی ہیں ’دو بھائیوں کا خون‘ یا ’بھائیوں کا خون‘؛ اس لحاظ سے ’بانورت‘ غالباً اصل سندھی نام ”پائن رت“ (بھائِن رت) کی عربی صورت ہے۔ سرخ رنگ کے لحاظ سے اسے ’رت‘ (خون) کہا گیا۔ سندھ میں آج کل اس پنساری چیز کا علمی نام ”ہیرا دکھنی“ ہے، مگر ایک ہزار سال قبل یہ چیز سندھ میں خالص سندھی نام ”بھائن رت“ کہی جاتی تھی۔]

☆ زرنب تونیا

’زرنب‘ یا ’زرقت‘ ایک قسم کے پتے ہیں جن میں تیز خوشبو ہوتی ہے۔ یہ سیستان کے علاقے سے عرب ملکوں میں آتے تھے۔ ہندی اور سندھی میں اسے ”تونیا“ کہتے ہیں۔ [ہندی اور سندھی کا یہ نام کتاب الصید نہ کے برصا کتب خانے کے قلمی نسخے میں دیا گیا ہے۔ مطبوعہ کتاب میں سندھی نام نہیں دیا گیا، مگر ہندی نام ”تونیا“ لکھا ہوا ہے، اور حاشیہ میں بتایا گیا ہے کہ ایک اور قلمی نسخے میں ”تونیناچی“ لکھا ہوا ہے۔]

زرنخ  
ہڑتال اور منسل

البیرونی کہتا ہے کہ ”زرنخ“ کی دو قسمیں ہیں: زرد اور سرخ۔ زرد رنگت والے کو سندھی اور ہندی میں ’ہڑتال‘ کہتے ہیں؛ سرخ رنگت والے کو سندھی میں ”مسل“ اور ہندی میں ”مخل“ کہتے ہیں۔ [تمام نسخوں میں ”مسل“ لکھا ہوا ہے، مطبوعہ کتاب کے حاشیہ میں نامسن کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ یہ لفظ اصل میں شاید ”مینسل“ ہو، یعنی



Realgar یا 'زرخ'۔ صحیح لفظ 'منسل' ہے 'مقل' نہیں۔ ہڑتال نام کی چیز سندھی میں مشہور ہے۔ زرد رنگت والی کو ہڑتال اور سرخ رنگ والی کو 'من چہر' کہا جاتا ہے (فرہنگ جعفری)۔ سندھی 'من چہر' (= من جر = من جل) اور ہندی 'منجل' ایک ہی بات ہے نیز 'من چہر' (= من چہر = من چل = من صل = منسل) اور 'منصل' یا 'منسل' ایک ہی بات ہے، تھر کے پنساریوں کے پاس ہم نے تین قسمیں (ہڑتال) دیکھیں: ورتی، کنون (گائے)، ڈندی (دندی) اور 'من چہر'۔

عربی میں 'عریان' اور سندھی میں 'والو بندلو' یا 'دالو بندلو' کہتے ہیں [مطبوعہ کتاب میں 'دالو بندلو' لکھا ہوا ہے لیکن نیچے حاشیہ میں بتایا گیا ہے کہ اس کتاب کے نسخہ 'تی' کا تلفظ 'والو بندلو' ہے برصا کے نسخے میں بھی 'والو بندلو' ہے]

البیرونی کے مطابق تازہ سونڈھ کو 'ادرک' اور خشک کو 'سڈھ' (سونڈھ) کہا جاتا ہے۔ [مطبوعہ کتاب میں "سڈھ" لکھا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سندھی تلفظ والا سندھی نام ہے۔ ہندی میں اسے 'سونڈھ' کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ البیرونی کے زمانے میں ہندی میں بھی یہی سندھی نام یعنی 'ادرک' اور 'سڈھ' استعمال ہوتے ہوں۔]

عربی میں اسے "زنجرف" یا "سجرف" کہا جاتا ہے۔ صاف یا پے ہوئے (محقوق) 'زنجرف' کو ہندی میں 'سندور' اور غیر پے ہوئے کو 'ہنکھل' کہتے ہیں۔ بشر فزاری کے بقول سندھی میں اسے 'مکھلو' یا 'جاما مکھلو' کہتے ہیں۔ [بشر فزاری کا بتایا ہوا سندھی نام کتاب الصید نہ کے برصا والے مخطوطہ میں موجود ہے لیکن مطبوعہ کتاب میں یہ پورا جملہ چھوٹا ہوا/چھوٹ ہے۔]

☆ زرين درخت  
والو بندلو  
یا  
دالو بندلو

☆ زنجيل  
سڈھ (سونڈھ)

☆ زنجير  
مکھلو  
(مکھلو)

یا  
جاما  
مکھلو  
(جاما مکھلو)

’زہم‘ اور ’زباڈ ایک ہی چیز ہیں۔ ہندی نام ’کتورہ‘ ہے اور جس حیوان سے یہ پیدا ہوتا ہے اسے ’کتور بلاری‘ کہتے ہیں۔ اس کے مشک کو ہندی میں ’’سندی‘‘ یا ’’پودیس‘‘ کہتے ہیں۔ انھنکی کے بقول یہ (مشک) سندھ کی طرف سے دیبل اور سندان سے آتا ہے۔ [’کتورہ‘ یعنی ’کھتورہ‘۔ یہ سندھی لفظ ’کھتھوری‘ ہے؛ ہندی لفظ کا تلفظ ’کستورہ‘ (کھستوری ہونا چاہئے تھا۔ دوسرا یہ کہ ’کتور بلاری‘ (Civet cat) سندھی اضافی ترکیب کے مطابق ’کھتھور بلاری‘ (کستوری والی جنگلی بلی) ہے۔ جیسا کہ ’زہم‘ سندھ سے دیبل اور سندان ہی سے عرب ملک میں آتا تھا، اس لئے یہ مقامی نام بھی ’سندھی‘ سمجھنے چاہئیں۔ کیونکہ وہ موجودہ دور کے سندھی تلفظات سے ملتے جلتے ہیں۔ ہندی نام ’سندی‘ اور ’پودیس‘ الگ طور پر بتائے گئے ہیں۔]

دشقی کے بقول یہ چیز ’لقاح‘ ہی ہے، جسے ابو معاذ کے بقول ’سایبک‘ کہا جاتا ہے۔ بشر فزاری کے بقول اسے فارسی میں ’سیرہ‘ اور سندھی میں ’سمیز او‘ کہتے ہیں۔ [’لقاح بری‘ کو سندھ میں موجودہ پنساریوں کے علمی نام کے ساتھ ’’لکھما لکھئی‘‘ کہا جاتا ہے لیکن اگر اصل نام ’لقاح‘ کے بجائے ’لقاح‘ ہے تو پھر سندھی میں ’لقاح‘ کا پنساریوں کے نزدیک علمی نام ’اکوھی‘ ہے (فرہنگ جعفری)]

یہ دو قسم کے ہیں: ایک بستانی دوسرے بری۔ البیرونی کہتا ہے کہ ’سدابو‘ یہ وہی قیغاتن ہے اور بری (جنگلی) کو قیغاتن اغریون کہتے ہیں۔ بری قسم والا طعام میں بالکل نامناسب ہوتا ہے۔ سندھی میں اس (بری) کو ’سدابو‘ کہتے ہیں۔ محمد بن زکریا رازی کے بقول ’بری‘ کا بیج ’حرل‘ کے بیج سے چھوٹا اور زیادہ سیاہ ہوتا ہے۔ ہندی میں اسے ’ساوہ‘ کہتے ہیں یعنی ہمیشہ سبز۔ [’سدابو‘ طعام میں ڈلتا ہے اور ممکن ہے کہ وہ ’سوا‘ ہی ہو جسے پہلے زمانے میں شاید ’سدابو‘ کہتے تھے۔ عربی نام ’سدا ب‘ غالباً سندھی نام ’سدابو‘ سے لیا گیا ہے۔ ’ساوہ‘ بھی سندھی لفظ ہے لیکن اسے ہندی شمار کیا گیا ہے۔ ’ساوہ‘ یعنی ’سبز‘ یا ’ہمیشہ سبز‘۔]

☆ زہم کھتھوری

O سائیرج سیبیزاوا

☆ سدا ب سدا ب (سوا؟)

☆ سماق	قتل
☆ سورنجان	لاکل مول (لاکل مول) اور سکورہ [پھول کا نام ہے]

☆ سوس	مہلتی	<p>ہندی میں اسے 'مہلت' کہتے ہیں۔ بقول بشر فزاری ہندی میں 'سوس' اور سندھی میں اسے 'مہلتی' کہتے ہیں۔ بشری کتاب کے ایک اور نسخے میں 'مسل' یا 'ملتی' لکھا ہوا ہے۔ [کراچی طباعت کے ایڈیٹر نے وضاحت کی ہے کہ ہندی نام 'ملٹھ' یا 'ملھٹی' ہے۔ مذکورہ بالا بیان سے سندھی نام 'مہلتی'، 'ملتی' یا 'مسل' ملتے ہیں یہ وہی 'ملھٹی' ہی ہے] یہ وہی 'قمر ہندی' ہے سندھی میں اسے 'انہلی' کہا جاتا ہے۔ [کراچی سے طبع شدہ کتاب میں 'انہلی' لکھا ہوا ہے۔ برصا کے قلمی نسخے میں 'المی' یا 'امالی' بغیر زیر اور زیر کے لکھا ہوا ہے۔ "انہلی" پڑھا جائے تو بھی اس سے مراد "المی" ہوگا جسے ہندی نام سمجھنا چاہئے۔ سندھی میں آج کل یہ "گد امری" کہلاتی ہے ممکن ہے کہ قدیم سندھی نام گد آنہلی (= گد امری = گد + آلی = گد + آنہلی = ایک ساتھ لگی ہوئی کھٹی کیریاں = المی کے گچھے میں ایک ساتھ لگے ہوئے دانے) کی تبدیل شدہ صورت ہو۔]</p>
صمغ	شیر	<p>بشر فزاری کے بقول اسے فارسی میں 'کوز' اور سندھی میں 'شیروا' کہتے ہیں۔ البیرونی مزید بتاتا ہے کہ ہندی میں اسے 'چیر' کہتے ہیں۔ [برصا کے قلمی نسخے میں 'شیروا' ہے۔ کراچی طبع میں 'شیر' لکھا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سندھی تلفظ 'اؤ' (آخر میں و) کے آخر میں الف لگا کر 'اوا' لکھا گیا۔ مثلاً 'بیرو' کو 'بیروا' اس اعتبار سے 'شیروا' اصل میں 'شیرو' بنے گا۔ 'صمغ' دراصل گوند (Samar, Shittam wood) ہے۔ 'بول' اور دوسرے کانٹے دار درختوں کے گوند کو 'صمغ' کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں گوند کو 'شیرو' کہتے تھے۔]</p>
☆ صندل	صندل	<p>'صندل' کو آج بھی 'صندل' یا 'چندن' کہا جاتا ہے۔ لیکن اس طرح کے سندھی نام کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ البیرونی نے واضح کیا ہے کہ ہندی اور زنجی (افریقی) زبان میں 'چندل'، 'چندن' یا 'چندان' کہتے ہیں وہ مزید کہتا ہے کہ: "لہ بزر کالعدس والمقاصیری سمہ سو کند، ای قطاع جیدة. والاحمر منه رخت چندن" [غالب گمان یہ ہے کہ اس عبارت میں 'سمہ سو کند' اصل میں 'سمر کھنڈ' ہو 'سمر کھنڈ' اسی 'چندن' کا دوسرا سندھی نام ہے، اور 'سمر کھنڈ' خواہ (بلکے تلفظ</p>

کے ساتھ) 'سرکھن' کہلاتا ہے۔ شاہ صاحب کے رسالے میں ایک والی کا مصرعہ یوں ہے:

'سین سِر کنب سبجی، عطر ہرین اتورا'  
دوسرے کسی شاعر نے کہا ہے کہ:

انجان اور بے قدر لوگ:

"ساری وٹ سرکن جو ٹا بید برابر کن"

ہندی میں اسے 'ہلدڑ' اور فارسی 'زرچوبہ' کہتے ہیں بقول بشر فزاری سندھی میں اسے 'ہلدڑ' کہتے ہیں۔ [مطبوعہ نئے میں 'ہلدڑ' ہے جو کتاب الصید نہ کے دیگر نسخوں کے مطابق ہے۔ برصا کے نسخے میں 'ہنلیر' یا 'ہنلڈر' لکھا ہوا ہے ('د' اور 'ڈ' کی یہ تبدیلی جائز ہے۔) آج کل اسے سندھی میں 'ہیڈڑ' اور ہندی میں 'ہلدی' کہا جاتا ہے۔ سندھی کے موجودہ تلفظ میں قدیم تلفظ والی آخری 'ز' اب تک موجود ہے۔ اس زمانے میں سندھ میں 'ہیڈڑ' کو 'ہلدڑ' کہتے تھے۔]

یہ سرخی مائل رنگت اور دل کو لہانے والا خوشبو دار پودا ہے۔ بشر فزاری کے بقول "العشروق" 'سناکی' ہے اور سندھی میں اسے 'تترکھ' یا 'قوال سریشی' کہتے ہیں۔ [اوپر البیرونی نے 'سماق' کا یقینی سندھی اور ہندی نام "تخل" بتایا ہے لیکن اس نے یہ بھی کہا ہے کہ: کچھ لوگوں کے بقول اسے 'تتر' بھی کہتے ہیں۔ یہاں بشر فزاری کے بقول 'العشروق' 'سناکی' ہے اور سندھی میں 'العشروق' خواہ 'سناکی' کو 'تترک' یا 'قوال سریش' کہتے ہیں۔

عربی تلفظ 'قوال سریش' سے اصل سندھی تلفظ 'چوال' 'چرش' یا 'چنوار' 'چرش' کا گمان ہوتا ہے۔]

ہندی میں 'گُسنَب' فارسی میں 'اسپرگ' اور سندھی میں اسے 'رنج ٹاون' کہتے ہیں۔ [برصا کے نسخے میں اسی طرح ہے لیکن کراچی سے طبع شدہ نسخے میں اس کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

ہلدڑ

(ہید)

☆ عشوق

تخل

تترکھ

قوال سریش

☆ العشروق

'العشروق'

گھنڈو

(گھنڈو)

☆ غصفر

(رنگ سادون)

اس کے بجائے فارسی اور سندھی نام والی عبارت ایک اور نسخے کے حاشیہ سے لی گئی ہے جو یوں ہے:

”بالفارسیۃ ’اسپرگ‘ وبالسندیۃ ’رنج ٹاون‘ (؟) و فیہ نظر“ ’رنج ٹاون‘ کے سامنے سوالیہ نشانی یا بعد میں شک والے الفاظ کہ ”فیہ نظر“ کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ’برصا‘ کے نسخے میں ’رنج ٹاون‘ صاف لکھا ہوا ہے۔ ہندی نام ’کسب‘ سے ظاہر ہے کہ یہ ’کھنبو‘ ہے ’رنج ٹاون‘ یقینی طور پر سندھی نام ’رنگ ساون‘ کی صورت ہے۔ اس زمانے میں ’کھنبو‘ کو سندھی میں ’رنگ ساون‘ بھی کہتے تھے۔ ساون (موسم) میں رنگی رنگی بادل ہوتے ہیں، اسی لحاظ سے ’ساون رنگ‘ گویا کہ ’کھنبو‘ کی طرح ہے اب تک سندھ کی ’سینگار شاعری‘ میں یہ تشبیہ عام ہے۔]

بقول بشر فزاری اسے فارسی میں ’روباد زح‘ اور سندھی میں ’قواد‘ کہتے ہیں۔ [کراچی طباعت کے ایڈیٹر نے حاشیہ میں ’برہان قاطع‘ کی سند سے اس کا دوسرا فارسی نام ’روباہ ترک‘ لکھا ہے نیز بتایا ہے کہ ہندی میں اسے ’مکو‘ کہتے ہیں۔]

بشر کے مطابق فارسی میں اسے ’دہمت‘ اور سندھی میں ’دشنگھر‘ کہتے ہیں۔ یہ ’لوہیا‘ کے دانوں کے برابر پیلاہٹ مائل سفید رنگت کے دانے ہیں۔ [کراچی طباعت کے ایڈیٹر نے بتایا ہے کہ ’سنگر‘ لفظ ’مدار الافاضل‘ لغات (۲۷۹X۲) میں موجود ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سندھی نام خاردار درخت ’کنڈی‘ کی پھلی کا ہو۔ اس درخت کی پھلیوں میں جو بیج ہوتے ہیں وہ سفیدی اور پیلاہٹ کی طرف مائل ہوتے ہیں۔]

☆ عنب العلب قواد

☆ حب الغار شنکر (= شکر؟)

☆ الغصف

غصف  
قلنج

البیرونی کہتا ہے کہ: لغت کے ماہر ابن درید کے 'دیوان اللغة' میں بتایا گیا ہے کہ ہند (ہندوستان بشمول سندھ) میں یہ درخت کھجور کا ہم شکل ہے، جس کے خوشوں اور پتوں سے چھت میں لٹکنے والے جالی دار ٹوکڑے اور چٹائیاں بناتے ہیں (يتخذ من خوصة الغرائر والحصر)؛ لیکن مجھے منصورہ (سندھ) کے شہریوں نے بتایا کہ: یہ ایک درخت ہے جسے سیراف، عمان اور بصرہ کے لوگ، "الخصوص المکری" یعنی مکرانی کھجور کہتے ہیں۔ منصورہ کے شہری خود مقامی طور پر اسے عربی میں "الغصف" کہتے ہیں اور اس کا سندھی نام 'قلنج' ہے یہ انسانی قد کے برابر ہوتا ہے، اس میں پھل لگتا ہے جس میں سخت گول گھلیاں ہوتی ہیں جن سے تسبیح کے دانے بناتے ہیں۔ [غالباً یہ ہمیشہ پیش کی جھاڑی ہے۔]

قلفل

مرچ

'قلفل اسود' (سیاہ رنگ والی) کو ہندی میں 'مرچ' کہتے ہیں اور سندھی زبان میں 'مرچ'۔ [سیاہ مرچ کا بیان ہے۔ مطبوعہ کتاب میں "بالسغدیہ" (سغدی زبان) لکھا ہوا ہے۔ لیکن غالباً اصل صحیح لفظ "بالسندیہ" ہوگا (یعنی سندھی زبان میں) کیونکہ اس سے پہلے ہندی زبان (بالہندیہ) کا ذکر ہے۔ کتاب الصیدنہ کے ایک اور قلمی نسخہ (ق) میں بھی "بالسغدیہ" کے بجائے "بالسندیہ" لکھا ہوا ہے۔ آج بھی سندھی میں 'مرچ' لفظ کو میم کی زیر کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ہزار برس پہلے البیرونی کے دور میں 'مرچ' (میم کے زبر کے ساتھ) کہتے ہوں۔]

توۃ الصباغین

مجت

اسے ہندی میں 'منت' کہتے ہیں اور فارسی میں 'روین'۔ [ 'منت' کا رسم الخط سندھی کے تلفظ 'مِنت'، 'منجھ' سے ملتا جلتا ہے۔ ہندی تلفظ 'منجھ' ہے۔ البیرونی کہتا ہے کہ: اچھے قسم کی 'منجھ'، بلخ اور آرمینیا سے جرجان، سیستان اور کرمان جاتی تھی اور وہاں سے ہند اور زنج (افریقہ) کی طرف لے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ کرمان کے بعد سندھ میں لاتے ہوں گے اور اس کے بعد وہاں سے ہند میں۔ اس اعتبار سے مقامی سندھی نام 'منجھ' ہی سے ہندی نام 'منجھ' پڑا ہوگا۔ عربی نام کے لفظی ترجمہ کے مطابق انگریزی میں

اسے Dyer's Madder کہتے ہیں۔]

☆ زفہ	حادث	بقول بشفزاری اسے ہندی میں 'طج' اور سندھی میں 'حادطج' کہتے ہیں۔ عامۃ الناس میں یہ 'دارصینی' (دارچینی) کے نام سے مشہور ہے۔ [سندھ کے خطہ لاڑ میں کہیں کہیں 'تج' نام سننے میں آتا ہے، لیکن آج کل عام سندھی نام 'دارچینی' ہے، جو عربی نام 'الدارصینی' کی وجہ سے مشہور ہوا۔ 'حادطج' شاید اصل میں 'حارطج' ہو یعنی 'گرم تج' - دارچینی کا اثر گرم ہے۔]
☆ قردمانا	بہ سودا	بقول بشفزاری ('د' کے ساتھ) 'قر دمانا' خواہ ('ط' کے ساتھ) 'قر طمانا' کہتے ہیں اور یہ رومی نام ہے۔ فارسی میں اسے 'کروبا رومی' اور سندھی میں 'بہ سوڈ' کہتے ہیں۔ [کراچی طبع کے ایڈیٹر نے Gray کے حوالے سے بتایا ہے کہ اس کا انگریزی نام Carum cravi ہے۔]
☆ کرفس جبلی	کھر سفاٹج یا سفاٹج	'کرفس' کو فارسی میں 'کرفس جوینی' کہتے ہیں۔ ہندی میں اس کی جڑ کو 'کھربا' اور اس کی گٹھلی کو 'کھہرنج' کہتے ہیں۔ بقول بشفزاری 'بزر الکرنس' کو سندھی میں 'کھر سفاٹج' کہتے ہیں۔ [کرفس کا ذکر الگ دیا گیا ہے اور اس کے بعد 'کرفس جبلی' کا بیان، جس کے تحت بشفزاری کا مندرجہ بالا حوالہ دیا ہوا ہے۔ کراچی طبع میں 'کھر سفاٹج' ہے۔ برصا کے نسخے میں 'کھر سفاٹج' ہے۔ 'کھر سفاٹج' خواہ 'کھر سفاٹج' سے اصل سندھی نام 'گھر صفائی' کا گمان ہوتا ہے۔ آج کل سندھ کے پنساریوں کے پاس 'منہن صفائی' کے نام کی ایک چیز موجود ہے۔ ممکن ہے کہ پرانے دور میں اسے 'گھر صفائی' کہا جاتا ہو۔]
☆ گز مارج	ساکڑ	اصل فارسی نام 'گزمارگ' ہے۔ یہ ایک بیج ہے جو ڈالیوں اور شاخوں میں ہوتا ہے (ثمرۃ الطرفاء)۔ الرسائلی کے بقول یہ 'جوز الاثل' ہے۔ ہندی میں اسے 'ساکھور' کہتے ہیں۔ [گز' فارسی میں 'جھاؤ' کے درخت کو کہتے ہیں۔ "ساکھور" وہی سندھی 'ساکڑ' (جھاؤ) ہے۔]



رومی زبان میں اسے 'تومینون' سریانی میں 'کھمونا' اور ہندی میں 'جیرہ' کہتے ہیں۔ ایک اور بیان کے مطابق سریانی میں 'کھمونا' اور 'زیرا' کہتے ہیں اور ہندی لفظ 'جیرہ' سریانی زبان سے لیا گیا ہے۔ مزید ایک اور بیان کے مطابق سریانی میں 'کھمونا ہند' اور فارسی میں 'زیرہ ہندو سیاہ' کہتے ہیں۔ بقول بشر فزاری ہندی میں 'اجاچی' اور سندھی میں اسے 'جیروا' کہتے ہیں۔ [سندھی نام صرف بشر فزاری نے درج کیا ہے۔ 'جیرو' کے سامنے 'الف' دے کر 'جیروا' کر کے لکھا گیا ہے۔]

جیروا (=جیرو)

☆ کمون  
(کھمون)

مختلف بیانات کے مطابق یہ ایک قسم کا گوند ہے۔ بشر فزاری نے یہ سمجھا ہے کہ 'جذاب' 'کشیش' کا نام 'کھریا' یا 'قہریا' ہے اور سندھی میں اسے 'سوندہ وینا' کہتے ہیں۔

سوندہ وینا

☆ کھروبا

اس پر لبنی نام اس وجہ سے پڑا کہ وہ 'لبنی' (دودھ) کو جماتی ہے۔ بقول بشر فزاری اسے فارسی میں 'قار و خشک' اور سندھی میں 'ٹھلہاڈ' کہتے ہیں۔ [برصائے نئے کا تلفظ 'لبنی' اور 'ٹھلہاڈ' ہے۔ کراچی سے مطبوعہ کتاب میں 'لبنی' اور 'ٹھلہا' لکھا گیا ہے۔ Tyrax Tree]

ٹھلہاڈ

☆ لبنی

یا

یا

ٹھلہا

لبنی

بقول بشر فزاری اسے فارسی میں 'مرغ زفانک' (=مرغ زبانتک) یعنی پرندے کی زبان) اور سندھی میں 'اندرجو' کہتے ہیں۔ 'اندرجو' سے 'اندرچپ' (اندرجھ) کا گمان ہوتا ہے۔

اندرجو

لسان العصافیر

یہ 'سیاق الانجدان' ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ 'اشتر غار' ہے۔ ابو حنیفہ دینوری (کتاب النبات) کے مطابق یہ 'اصول الانجدان' (انجدان درخت کا تنا یا جڑیں) ہے۔ [بشر فزاری کے بقول یہ 'اصل الانجدان الطیب' یعنی خوشبودار انجدان کا تنا ہے۔ فارسی میں اسے 'گزر انگدان خوش' اور سندھی میں لفظ (پڑھنے میں نہیں آیا) کہتے ہیں۔ کراچی طبع کے ایڈیٹر نے 'مخروٹ' کا انگریزی میں نام Asfoetida بتایا ہے۔]

سندھی نام نہیں  
پڑھا جاسکا

☆ مخروٹ

☆ مزدکی	ٹول	ہندی میں اسے 'جاطیرس' اور سندھی میں 'ٹول' کہتے ہیں۔ [یہ عبارت کتاب الصيد نہ کے نسخہ برصا کے حاشیہ میں لکھی ہوئی ہے۔ کراچی طباعت میں درمیانی الفاظ چھوٹے ہوئے ہیں اور صرف یہ لکھا ہوا ہے کہ ہندی میں اسے ----- ٹول کہتے ہیں۔]
☆ مصطلکی	کھبہ (= کبہ)	خلیل نے اس کا نام 'کھباء' (کباء) بتایا ہے۔ بقول بشفزاری اسے سندھی میں 'کبہ' اور فارسی میں 'ریباس' یا 'ریباست' کہتے ہیں۔ حمزہ نے اس کا نام 'کبہ' لکھا ہے۔ [سندھی نام 'کبہ' کراچی طباعت کے مطابق ہے۔ نیچے حاشیہ میں ایک نسخے کا رسم الخط 'کھبہ' دیا ہوا ہے۔ برصا والے نسخے میں بھی غالباً 'کبہ' ہے۔ جیسا کہ خلیل اور حمزہ نے بھی 'کھباء' اور 'کھبہ' لکھا ہے اس لئے سندھی نام بھی 'کبہ' ہوگا۔ جیسے کہ یہ نام قدیم عرب علماء کی کتابوں میں بھی موجود ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہی عربی نام سندھ میں رائج ہوا۔]
☆ المنقرۃ	دہاء (دھاء)	حمزہ کہتا ہے کہ یہ ایک سرخ قسم کی مٹی (الطین الاحمر) ہے۔ بقول بشر فزاری اسے فارسی میں 'گل سرخ' اور سندھی میں 'دہان' کہتے ہیں۔ [الطین الاحمر یا گل سرخ، کے معنی ہیں 'سرخ مٹی'۔ کراچی طبع کے متن میں 'دہان' لکھا ہے اور نیچے حاشیہ میں بتایا گیا ہے کہ برصا نسخے کا رسم الخط 'دہان' ہے۔ راقم نے برصا نسخے کے مطالعے کے دوران یہ رسم الخط قلم بند نہیں کیا تھا، لیکن صحیح سندھی نام 'دہاء' (= دھاء) ہوگا۔ 'دھاء' پتھریلی سرخ مٹی ہے جسے کمہار برتنوں پر گلکاری کے لئے استعمال کرتے ہیں۔]
☆ منج	نشی	'منج' عربی نام ہے فارسی میں 'کونک' اور سندھی میں اسے 'نشہ' کہتے ہیں۔ یہ اعلیٰ قسم کے معجونوں میں کام آتا ہے، لیکن 'منج' (بھنگ؟) نہیں ہے۔ اسے 'منج زریق شان' نیز 'منج طورانی' کہتے ہیں۔ [نشہ سے مراد 'پہی' ہے۔ یعنی پوست کا ڈوڈا؟]

ہندی میں 'ناگ کھیسر' کہتے ہیں اور سندھی میں 'نا، عفف'۔ ایک اور نسخے کے مطابق 'ناروقیسر' ہے۔ دوسری کتابوں میں ہے کہ ہندی لوگ اسے 'ناگیست' کہتے ہیں۔ صحیح ہندی نام 'ناگر متر' نیز 'ناکھفف' یا 'ناکھیسر' ہے۔ یہ ایک عمدہ خوشبودار پھول ہے جس کے پتے گلنا، جیسے ہیں۔ [سندھی نام 'نار عفف' خواہ ہندی نام 'ناکھفف' میں آخری 'ف' شاید اصل میں 'ن' ہو اور سندھی نام 'نار عفف' کا 'ع' شاید اصل میں 'غ' ہو اور لحاظ سے 'ناغفن' اور 'ناکھفن' سے 'ناگ پھن' کا گمان پیدا ہوتا ہے۔]

سندھی میں اسے 'جوان' کہا جاتا ہے۔ بقول بشر فزاری فارسی میں اسے 'نغن خوالان' یا 'ناخواہ' کہتے ہیں۔ [کراچی ایڈیشن کے ایڈیٹر نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ برصا کے نسخے نیز 'ق' نسخے کا رسم الخط 'ج' کی زیر کے ساتھ 'جوان' ہے لیکن دوسرے نسخوں میں 'ج' کے پیش کے ساتھ 'جوان' ہے جسے مطبوعہ متن میں برقرار رکھا گیا ہے۔ موجودہ دور میں سندھی تلفظ جوان (جوانڈ) یا 'جان' (جائڈ) ہے علاقہ تھر میں اسے 'انجوان' بھی کہتے ہیں۔] فارسی میں اسے 'نشاستہ' اور سندھی میں 'کھیواں کھیر' کہتے ہیں۔ یہ وہی 'لباب ج' ہے۔ [لباب ج، یعنی گندم کا لباب یعنی 'نشاستہ'، 'کھیواں کھیر' = 'گیہواں کھیر'، 'گیہواں' کے معنی ہیں 'گیہوں کا' = 'گندم کا'۔ 'گیہواں کھیر' بمعنی 'گندم کا کھیر' یعنی 'نشاستہ'۔]

یہ 'سرخ رقی' ہے اور سندھی میں اسے 'رطرولس' یا 'رطرولس' کہتے ہیں۔ [برصا کے نسخے میں 'رطرولس' ہے اور کراچی طبع میں 'رطرولس' لکھا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ سندھی تلفظ 'رطرولس' اصل لفظ 'نطرون' کی بگڑی ہوئی صورت ہو۔]

نار عفف

نارمشک

(= نار غفن)

نارمشک

= ناگ قن

(ناگ پھن)

جوان

☆ ناخواہ

یا

جان (جوانڈ یا جائڈ)

کھیسواں کھیر

☆ نشا

(کھیواں کھیر)

رطرولس

☆ نطرون

☆ نماد	سرم	یہ سینئر 'ہے سندھی خواہ فارسی میں اسے 'سرم' کہا جاتا ہے۔
☆ السورہ	شنوا	سندھی میں اسے 'شنوا' اور فارسی میں 'آبک' کہتے ہیں۔ [یہ لفظ غالباً اصل میں 'شنو' تھا جس کے آگے 'الف' لگا کر 'شنوا' کر کے لکھا گیا ہے۔ 'شنو' یعنی 'چونا'۔]

جڑی بوٹیوں اور اشیاء پנסار کے مندرجہ بالا سندھی نام کم از کم چوتھی صدی ہجری/اوئیں صدی عیسوی کے آخر میں اس دور کی تمام علمی دنیا میں رائج تھے۔ یہ سب اشیائے پנסار، سندھ میں بھی استعمال ہوتی تھیں جس سے اس دور میں یہاں کی طبی معلومات اور عملی علاج کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ اشیاء آج تک سندھ کے پنساریوں کے پاس انہی ناموں سے موجود ہیں اور دیگر کچھ اشیاء موجودہ پنساریوں کے مخصوص ناموں سے معلوم و موجود ہیں۔ یہ نام اور الفاظ اس دور میں سندھی زبان کی پیشہ ورانہ طبی اور لغت پנסار کے مخصوص ذخیرے پر گواہ ہیں۔ ان الفاظ کے مطالعہ سے آج سے ایک ہزار سال قبل کی سندھی لغات اور زبان کے بارے میں درج ذیل واضح آثار ملتے ہیں:

۱۔ سندھی زبان میں کچھ الفاظ اور نام، جو کہ اس دور میں رائج تھے، وہ آج متروک ہو چکے ہیں۔

۲۔ اس دور کے کچھ نام آج بھی معمولی تبدیلی کے ساتھ استعمال میں آتے ہیں، جیسا کہ 'سون' اور 'رپا' کے بجائے 'سون' اور 'رپو'؛ اگرچہ 'رپو' کے بجائے چاندی کا لفظ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

۳۔ اس دور کے کچھ الفاظ آج بھی اپنی اصل صورت میں رائج ہیں، جیسا کہ 'لم' جو کہ اب تک شمالی سندھ کی زبان میں استعمال ہوتا ہے حالانکہ وسط اور زیریں سندھ کی زبان میں 'نم' زیادہ رائج ہے۔

۴۔ 'جیرو'، 'شیرو'، 'شنو'، 'ہملو' (ہرملو=حرل)، 'منگلو' یا 'مہ' (گنم)، 'منگرو'؟ (؟) اور 'دالو بندلو' یا 'دالو بندلو' (اُن کے آخر میں اُس دور کے رسم الخط میں 'الف' دیا ہوا ہے) الفاظ کی ترتیب سے ظاہر ہے کہ ایک ہزار برس پہلے بھی مذکر اسماء کے آخر کا تلفظ 'او' کی صورت میں تھا جیسا کہ آج بھی ہے۔

۵۔ ایک ہزار برس قبل سندھی زبان کی اضافی تراکیب 'مضاف الیہ + مضاف' کے جوڑ والی ہوتی تھیں۔ اس طرح کہ ایک تو ان میں مضاف الیہ پہلے اور مضاف بعد میں آتا لازمی تھا۔ حروفِ اضافت 'جا' 'جو' 'جی' اب تک الگ استعمال نہیں ہوئے تھے، مثلاً 'کھتھور-بلاڑی، میڑ-بھل، رپا-کٹ، سورن (سون)-کٹ، بھائن-رت، لاکھل-مول، رنگ-ساون، ناگ-پھن اور گیہواں-کھیر۔

۶۔ تشبیہی یکسانیت دکھانے کے لئے 'اون' والی آخر استعمال ہوتی تھی، جیسا کہ 'مور-کرنیوں'۔

نتیجہ:

رائے خاندان، برہمن خاندان اور عرب - اسلامی دور حکومت میں سندھ کی مسلسل سیاسی وحدت قائم رہی، جس کی وجہ سے سندھ کی مقامی زبانوں میں مرکزیت پیدا ہوئی اور مجموعی طور پر ایک عام فہم 'سندھی زبان' وجود میں آئی۔ عرب - اسلامی دور میں عربی - سندھی رسم الخط اور عام فہم سندھی زبان کے دائرے میں مزید توسیع ہوئی، اگرچہ ملک میں مختلف زبانیں اور مختلف رسم الخط بھی رائج رہے۔

مگر اس طویل عرصہ میں رفتہ رفتہ سیاسی، معاشرتی اور تجارتی روابط کے باعث 'سندھی زبان' میں مزید مرکزیت پیدا ہوئی، زبان کی نفسیاتی کیفیت تبدیل ہوئی، زبان کے تمدنی سرمایہ میں اضافہ ہوا اور زبان کی ترتیب، رسم الخط اور نحو و صرف پر اثر پڑا۔ علمی و تعلیمی ترقی کی وجہ سے 'سندھی زبان' کے عالم اور شاعر پیدا ہوئے۔ عرب علماء نے سندھی زبان، ادب اور رسم الخط میں دلچسپی لی، اس کے بارے میں تحقیق کی اور اپنی معلومات کتابوں میں قلم بند کیں۔ سندھی زبان پہلی بار عربی رسم الخط میں لکھی جانے لگی، جس کی اوائل اور نادر مثال اس سندھی شاعر کے قصیدے کا شعر ہے، جو اس نے 'سجی برکی' یا اس کے بیٹے 'فضل' کی تعریف میں کہا تھا۔ محقق البیرونی نے سندھی اور بعض دیگر مقامی زبانوں کے الفاظ اور نام عربی رسم الخط میں لکھے اور عربی حروف پر مزید نقاط لگا کر انہیں سندھی تلفظ کے لئے استعمال کیا۔ سندھ کے دار الحکومت منصورہ شہر اور اس کے قرب و جوار میں 'سندھی-عربی' رسم الخط نے جنم لیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ تمام سندھ میں رائج ہوا۔ اس دور میں سندھی زبان کے علمی مطالعہ کا آغاز ہوا اور کچھ مشہور محققین نے سندھی زبان کے بارے میں اپنی آراء قلم بند کیں۔ لمبی لغات میں سندھی زبان کی انفرادیت اور بین الاقوامی حیثیت تسلیم کرتے ہوئے کئی جڑی بوٹیوں کے نام دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ سندھی میں بھی لکھنا ضروری سمجھا گیا۔

## باب چہارم

### سندھی زبان کی تعمیر و توسیع اور زبانی ادبی روایت کی

#### ترقی کا دور

(سومرا دور حکومت ۱۰۵۰-۱۳۵۰ء)

پچھلے باب میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ عرب- اسلامی دور میں سندھی زبان کی مرکزیت مزید مضبوط ہوئی، اس کی اندرونی نحوی ترتیب میں اضافہ ہوا اور سندھی زبان نہ صرف سندھ میں اہم عام ملکی زبان بنی بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی اس کی اہمیت تسلیم کی گئی۔ اس دور کی اسلامی اور علمی دنیا میں، اس پورے برصغیر میں سے فقط 'سندھی' اور 'ہندی' کو ہی علمی طور پر تسلیم کیا گیا اور الگ، الگ تصانیف میں ان ہی زبانوں کا نام لیا گیا۔ اس کے بعد سومرہ دور میں بین الاقوامی سطح پر 'سندھی' کی انفرادی حیثیت اور اہمیت قائم رہی۔ مولانا جلال الدین رومی (۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) جو ساتویں صدی ہجری (سومرہ دور) کے بڑے مفکر تھے، انہوں نے اپنی مشہور 'مثنوی' میں ذاتِ انسانی کی وحدت اور باہمی محبت کا سبق سمجھاتے ہوئے کہا کہ: ذاتِ انسانی کی وحدت، نسل، رنگ یا زبان کے امتیازات اور اختلافات سے بالاتر ہے۔ اس سلسلے میں زبانوں کے اختلاف کی مثال دیتے ہوئے 'سندھی' اور 'ہندی' کا انہوں نے نام لیا اور کہا کہ:

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح

جس کا خاص مطلب یہ ہے کہ اہل سندھ اپنی سندھی زبان اور اہل ہند اپنی ہندی زبان بولیں: سندھیوں کو ان کی سندھی زبان محبوب اور مبارک ہو اور ہند والوں کو ان کی ہندی زبان محبوب اور مبارک ہو!

سومرا دور حکومت میں عربی اور سندھی کا کسی حد تک سابقہ عرب دور والا تعلق اور رشتہ قائم رہا، عربی انتظامی اور تعلیمی زبان رہی لیکن سندھی کی اہمیت میں اضافہ ہوا کیونکہ رفتہ رفتہ مقامی باشندوں اور مقامی حکمرانوں (سومروں) کی مادری زبان (سندھی) نے مزید مقبولیت حاصل کی۔

دوسرا یہ کہ سومرا دور حکومت میں 'سندھی زبان' کی تعمیر و ترقی کے لئے مزید موثر سماجی اور سیاسی اسباب پیدا ہوئے: سومروں کا عروج سندھ کے مقامی اسلامی سماج اور مقامی سیاسی قوت کا عروج تھا، جو سندھی زبان کی ترقی و تعمیر کا بھی اہم سبب بنا۔

### سومروں کی حکومت کا تاریخی اور جغرافیائی پس منظر

اولیٰ سومرہ سربراہان غالباً چوتھی صدی ہجری کے آخر یا پانچویں صدی ہجری کی ابتداء میں سندھ کی دو اہم ریاستوں، منصورہ اور ملتان، کے عرب امیروں کے جانشین ہوئے۔ سومروں کے 'بھاگ' (۱) فقیروں کی روایت کے مطابق سومروں کا پہلا قبائلی سردار ۲۲۱ھ میں ہوا۔ اس کے بعد چوتھی صدی ہجری کے لگ بھگ آخر میں 'امیر ساہو' مشہور سردار بنا، جس کا بیٹا 'امیر سومار' پیدا ہوا جس کے نام کی نسبت سے دوسرے سومرا حکمران مشہور ہوئے۔ امیر سومار خود یا اس کے والد، دادا اور چچاؤں یا بھتیجیوں اور بیٹوں نے سندھ کی دونوں ریاستوں منصورہ اور ملتان پر اپنی سرداری قائم کی، ملتان میں چوتھی صدی ہجری کے بالکل آخر یا پانچویں صدی ہجری (گیارہویں صدی عیسوی) کے آغاز میں سومرا امیروں نے سیاسی اہمیت حاصل کی۔ بعض تاریخی حوالہ جات کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ اولیٰ سومرہ سربراہان فاطمی مبلغین کے زیر اثر، دینی یا سیاسی عقیدے کے طور پر بغداد کے خلفاء کے بجائے مصر کے فاطمی حکمرانوں کی طرف مائل ہوئے۔ امیر سومار کا بیٹا راج پال، جو 'ابن سومار' کی عرفیت سے مشہور ہوا اور جس نے ملتان میں سیاسی اہمیت حاصل کی، اس نے غالباً سلطان محمود غزنوی کی ابھرتی ہوئی طاقت کے زیر اثر فاطمیوں سے اپنا منہ موڑا اور تعلق توڑا۔ اس لئے ۴۲۳ھ (۱۰۳۲ء) میں شام کے 'دروزی فاطمی' فرقی کے مبلغ بہاء الدین نے اس کی طرف خط لکھا اور اسے 'دروزی فاطمی عقائد' کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی (۲) لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔

پانچویں/چھٹی صدی ہجری میں غزنی اور غور کے سلاطین کی سیاسی طاقت نے، ملتان اور سندھ میں قمری، دروزی اور اسماعیلی فرقوں کے عقیدے اور فاطمیوں کے سیاسی اثر کو ختم کر دیا اور شمال-مغرب ہندوستان میں ایک نئی ابھرتی اسلامی طاقت کی بنیاد ڈالی۔ اس لئے سومرا سربراہوں

(۱) اسم خاص، ایک ذات کا نام ہے۔ مختلف قبائل اور برادریوں کے نائی، سوچی، مانٹھے والے اور میرانی الگ الگ ہوتے تھے۔ قدیم دور میں 'بھاگ' سومروں کے فقیر (مانٹھے والے) تھے اور 'بھان' ستموں کے فقیر تھے۔ (مترجم)

(۲) اس خط میں راج پال کو، ملتان کے سربراہ داؤد کو اسماعیلی عقیدے پر واپس لانے اور ملتان والوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے ابھارا گیا ہے جو غالباً غزنوی سلاطین کی فتوحات کی وجہ سے دروزی اسماعیلی عقائد سے منحرف ہو گئے تھے (خط کے لئے دیکھئے: ایلیٹ کا "مقامی ماخذوں پر مبنی ہندوستان"، ص ۱۸۶ء، ص ۳۹۱-۳۹۳)

نے بھی ایسے عقائد اور فاطمی حکمرانوں سے اپنا تعلق توڑ لیا اور وہ غزنی کے سلاطین اور بغداد کے خلفاء کی طرف زیادہ مائل ہوئے؛ دینی عقائد میں بھی شریعت اسلامی کے مرکزی نظریے کی حمایت کی اور اپنے لئے 'اسلام کی حمایت' کے القاب اختیار کئے۔

شمال کی طرف سے غزنی اور غوری سلاطین کی بڑھتی ہوئی طاقت کی وجہ سے ملتان کی ریاست سومروں کے ہاتھ سے نکل گئی اور غالباً چھٹی صدی ہجری میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے باوجود بھی جنوبی حصے میں یعنی موجودہ بہاول پور ڈویژن (قدیم بہاولپور ریاست) کے علاقے میں مقامی طور پر سومرہ حکمران خود مختار حیثیت میں یا سندھ کے سومرہ (اور بعد میں سمہ؟) حکمرانوں کے ماتحت بھی کافی عرصے تک حکومت کرتے رہے۔ 'ہاکڑہ دریا' کے مشرقی کنارے پر 'ہنن' (گھاٹ) کے پاس ایک شہر آباد ہوا، جو بعد میں 'ہنن مناری' (گھاٹ منارہ) کے نام سے مشہور ہوا۔ ایک روایت کے مطابق یہ سومروں کا اہم شہر تھا، بلکہ کسی دور میں ان کا دار الحکومت بھی تھا اور غالباً چودھویں صدی عیسوی تک یہ شہر آباد تھا۔ اسی علاقہ میں 'مروٹ' کا قلعہ (جس کے کھنڈرات ہاکڑہ دریا کے جنوبی کنارے پر واقع ہیں اور وہاں اکبر بادشاہ کے دور کی مسجد بھی موجود ہے۔) بھی سومروں کے قبضہ میں تھا اور وہاں ۱۴۹۳ء/۱۴۹۱ء تک 'ملک جام سومرہ' حکمران تھا۔ (۱) ان آثار سے ظاہر ہے کہ ملتان کی پوری ریاست سے ان کی اوائلی حکمرانی ختم ہونے کے بعد بھی، سندھ اور ملتان کے درمیانی حصہ پر ان کا بہت عرصہ بعد تک غلبہ برقرار رہتا ہوا آیا۔ اس طرح سندھ اور ملتان دونوں پہلے عربوں اور بعد میں سومروں کے نظام حکومت کے تحت رہے اور دونوں میں یکساں سماجی اور سیاسی سلسلے قائم رہے نیز دونوں کے معاشرے اور زبانوں میں گہرا رشتہ استوار ہوا۔ سندھی زبان کا اثر ملتان تک پہنچا، اور ملتان اور سندھ کے (سرے والی) سرانیکی زبان سندھ میں رائج ہوئی: اس طرح سندھی اور سرانیکی گویا دونوں خطوں کی مشترکہ زبانیں بنیں۔

زیریں سندھ میں سومرا طاقت کا آغاز سال ۴۲۸ھ بتایا گیا ہے۔ میر محمد معصوم نے لکھا ہے کہ اس سال سومرا قبائل "ٹھری" (موجودہ تحصیل ماتلی میں ٹھری نظامانی) میں جمع ہوئے اور انہوں نے اپنی حکومت قائم کی۔ سندھ کی روایات میں دلو رائے بادشاہ کا ذکر موجود ہے۔ چٹھو

(۱) مروٹ کا قلعہ اس سے قبل سومرہ عہد میں بھی آباد تھا جو ۶۳۸ھ (۱۲۵۰ء) میں 'طبقات ناصری' کا مصنف منہاج الدین بھی یہاں آیا تھا۔ ایک اور حوالہ کی رو سے اس قلعہ کے دروازے کے اوپر ہندی (راہتستانی) میں درج ذیل کتبہ لگا ہوا تھا، جس میں ملک جام سومرہ کے قلعہ بنوانے کا ذکر ہے "سبت (سال) ۱۵۳۸ برکھی پر سدی ۲، مروٹ پتھا ملک جام سومرہ کوٹ پاکی تحصیل پھرائی" یعنی سال ۱۵۳۸ (مطابق ۱۲۹۳ء) میں یہ قلعہ بنوایا گیا۔ [بہاول پور ریاست کا گزٹیر ۱۹۰۴ء، XXXVI-A]



اور دلو رائے دونوں بھائی تھے، ان کے والد کا نام عمران تھا، اسی وجہ سے 'چھٹو عمرانی' [یعنی چھٹو بیٹا عمران کا] مشہور ہوا۔ دلو رائے غالباً منصورہ کا حکمران تھا، اس کے نام کی نسبت سے اب تک وہ علاقہ 'دلوڑ' کہا جاتا ہے۔ دلو رائے کے خلاف تاریخ طاہری کے ایک طرفہ بیان کی وجہ سے، اسے ظالم سمجھا گیا ہے لیکن دوسری بہت ساری روایات کی رو سے وہ بڑا باہمت اور حوصلہ مند حاکم تھا اور کئی بڑے کارنامے اس کے دور میں سرانجام پائے۔ 'مورژو' کوششے کی مشین دلو رائے نے ہی بنوا کر دی تھی، جس کے ذریعے اس نے مگرچھ کو مارا۔ دودو سومرو کلاں (دودو نہری) نے دلو رائے کی بیٹی سے شادی کی اور چھوٹا دودو سومرو، دلو رائے کا نواسہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق 'وگہہ کوٹ' کا پرگنہ بھی دلو رائے نے ہی دودے کو دیا تھا (۱)۔ دلو رائے کے والد 'عمران' کے نام سے گمان ہوتا ہے کہ وہ شاید منصورہ ریاست کے آخری عرب خاندان کا حکمران تھا، جس کا مطلب ہوا کہ عرب خاندان سندھ کے سومرا حکمرانوں کی نضیال تھے۔ ایک اور علامت جو تمام عوامی روایات میں موجود ہے، اس کے مطابق چنیسر کی والدہ لوہارن تھی اور دودو (ثانی) دودھیالی خاندان کی، بیوی سے تھا۔ چونکہ دودو کی والدہ دلو رائے کی بیٹی تھی اس اعتبار سے دلو رائے بھی سومرا نسل کا بادشاہ تھا۔ اس ادانکی دور میں دار الحکومت ابھی تک منصورہ میں تھا۔

سندھ میں سومروں کی آبادی کا بڑا مرکز غالباً جنوب-مغربی سندھ اور سندھ اور کچھ کا درمیانی علاقہ تھا۔ 'گجھہ-گجرات' کی سرحد پر لڑائیوں، اورڑ کے قریب دریا کی تبدیلیوں اور مشرقی نارہ کی قدیم خود رونہر میں پانی کی کمی بیشی کی وجہ سے سومروں کی حکومت کے مراکز بھی مٹنے لگے۔ سومروں کی سیاسی طاقت کے ادانکی مراکز بالائی سندھ سے لے کر زیریں جنوبی سندھ تک 'ہاکڑہ ڈھورو' کی آبادی کے سہارے قائم ہوئے تھے؛ 'ہاکڑہ ڈھورو' (مشرقی نارہ) کی آبادی پر وگہہ کوٹ (۲) اور عمر کوٹ، اور مغرب کی طرف 'پران ڈھورو' کی آباد اراضی میں 'بھری' (۳) اور روپاہ (۴) ان کی طاقت کے مراکز بنے۔ غالباً ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) کی ابتداء میں 'پران ڈھورو' میں پانی کی کمی بیشی کی وجہ سے سومروں کی حکومت کا مرکزی دائرہ مزید مغرب کی طرف 'لوہانہ-پٹیل' ڈھوروں کے آباد علاقے کی طرف بڑھا؛ جس کی وجہ سے موجودہ

(۱) دودو چنیسر سے متعلق مختلف بیانات اور دیگر عام روایات میں یہ آثار و علامات موجود ہیں۔

(۲) جس کے کنڈرات رہمو کی بازار سے تقریباً چار کوس جنوب مشرق کی طرف رن کچھ میں موجود ہیں۔

(۳) 'بھری' کے شاہی کنڈرات تحصیل ماتلی میں (ماتلی شہر سے) چھ میل شمال مشرق کی طرف واقع ہیں۔

(۴) اس شہر کے کنڈرات روپاہ ماڑی کے نام سے بدین سے مشرق-جنوب کی طرف اور موجودہ گاؤں 'کڈھن' سے تقریباً چھ میل مغرب-جنوب کی طرف موجود ہیں جہاں پر مقامی روایت کے مطابق دودو اور چنیسر کے قبرستان کے نشانات بھی موجود ہیں۔

ٹھٹھہ ضلع میں مغربی طرف دیہل اور مشرقی طرف مُنہ مَتُور (۱) ان کی حکومت کے مرکزی شہر بنے۔ ۱۲۲۳/۶۲۱ء میں دیہل کا حکمران 'سنان الدین چلیسر' تھا (۲) جو جلال الدین خوارزم شہابی کے حملے کے وقت دیہل چھوڑ کر چلا گیا۔

### سندھی زبان کا پھیلاؤ:

سومرہ دور کے مذکورہ بالا تاریخی جغرافیائی پس منظر کی روشنی میں سندھی زبان کی پہنچ اور وسعت کے بارے میں درج ذیل نتائج ظاہر ہوتے ہیں: ۱- حکمرانوں کی زبان کا حکومت کی حدود کے اندر خواہ سرحدوں تک بڑا اثر ہوتا ہے۔ جنوب-مشرقی سندھ اور سندھ-گچھ کے سرحدی حصے سومروں کی حکومت کے اثر و طاقت کا مرکز بنے، جس کی وجہ سے اس مرکزی علاقہ میں سندھی زبان پھیلی۔ ابتدائی اور درمیانی دور میں سومروں کی طاقت کا رخ گچھ، کاٹھیاواڑ اور گجرات کی سرحدوں کی طرف رہا، اس وجہ سے گچھ کی طرف سومروں، سموں اور سندھ کی دوسری قوموں کی بستیاں قائم ہوئیں اور کچھ میں 'سندھی زبان' پھیلی۔ گجروں کے ساتھ سومروں کی لڑائیوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ 'سندھی زبان' اور کاٹھیاواڑ-گجرات کی زبانوں کا ایک دوسرے سے تعلق شروع ہوا۔ ۲- سومروں کی کچھ اور کاٹھیاواڑ کی طرف متعدد بستیاں (جو ۱۹۴۷ء میں پاکستان قائم ہونے تک سلامت تھیں) اس قدیم دور کے سیاسی اور معاشرتی اثر کی یادگار ہیں۔ عمرکوٹ میں سومروں کے سیاسی مرکز، اور سوڈھوں کے ساتھ ان کے تعلق کی وجہ سے سندھی اور سوڈھوں کی زبان کے محاوروں (ڈھانکی، پارکری وغیرہ) میں میل جول ہوا نیز سندھی زبان علاقہ قمر میں عام ہوئی۔ ۳- سومروں کے ابتدائی دور کے بعد جیسے ہی ان کی طاقت کے مراکز اندرون سندھ کے علاقوں میں قائم ہوئے تو وسط سندھ کے سمہ اور دیگر قبائل کو سومروں کی حکومت میں مزید دخل حاصل ہوا، جس کی وجہ سے سمہ اور درمیانی سندھ کے دیگر قبائل کی زبان، جو کہ نسبتاً زیادہ صاف اور عام فہم تھی زیادہ رائج ہوئی، اور اس نے معیاری سندھی زبان کی تعمیر و ترقی کے لئے میدان ہموار کیا۔

(۱) یہ نام 'عمر طور' خواہ دیگر مختلف تلفظات کے ساتھ لکھا ہوا ملتا ہے، لیکن اس کا عام مشہور زبانی تلفظ 'مہمتور' یا 'مہامتور' ہے۔ مشہور مقامی کہادت ہے کہ 'مُنہ مَتُور' متور میں کندھ کپور میں' اس کہادت کے ذریعے زیادہ درست یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام 'مُنہ مَتُور' ہے، یعنی متور > متوسومروں کے علاقہ متور (نہریا خودرو نالا؟) کا 'رغ'۔ 'مہمتور' کے کھنڈرات تحصیل جاتی میں موجود بستی شاہ کپور کے متصل جنوب مشرق میں ایک بڑے علاقہ میں پھیلے ہوئے ہیں جہاں شہر کی جامع مسجد کی بنیادوں کے نشانات ہم نے تقریباً بیس برس قبل (تقریباً ۱۹۵۸ء) واضح طور پر موجود دیکھے تھے۔

(۲) تاریخ 'طہقات ناصری' میجر راداری کا ایڈیشن کلکتہ طبع ۱۸۶۳ء، ص ۱۷۳، 'تاریخ جہاں کشا'، معصف عطا ملک بمبئی، مکتب میو ریل طبع لندن، جلد ۲، ص ۱۳۸

۴۔ سومروں کی حکومت، عرب۔ اسلامی حکومت کی جانشین تھی، اور اس وجہ سے قدیم دستور کے مطابق عربی سومروں کے دور میں بھی تعلیم و ترتیب خواہ سرکاری کاروباری زبان کے طور پر جاری رہی سومروں کے دور میں 'معیاری سندھی زبان' کی مزید تعمیر و ترقی کے لئے دوسرے درج ذیل اسباب سودمند ثابت ہوئے:

(الف) اس دور میں سر زمین سندھ اور اس سے متصل علاقوں میں بڑے دین دار، اولیاء اور درویش پیدا ہوئے جنہوں نے عوام کی روحانی اور اخلاقی تربیت کے لئے 'ذکر' اور 'سماع' کے سلسلے قائم کئے، جس کے ذریعے تصوف و طریقت، فیض و ہدایت، ارادت و عقیدت، ذکر و فکر کے سلسلہ کے کئی الفاظ و اصطلاحات، جملے اور مثالیں سندھی میں رائج ہوئیں۔

(ب) مقامی تاریخ اور مقامی کہانیوں کی تلاش کی خاطر روایت اور راویوں کا جو سلسلہ عرب۔ اسلامی دور سے شروع ہوا تھا وہ سومروں کے دور میں مزید بڑھا۔ سمجھدار اور سلیقہ مند افراد پیدا ہوئے جنہوں نے مقامی واقعات اور کہانیوں کو یاد رکھا اور بیان کیا۔ خاص طور پر بھانوں میں سے 'بھاگ قبیلہ' کے فقراء سومرہ قوم کے نزدیک آئے اور ان کی نسلوں پشتوں کو یاد رکھا نیز دیگر سماجی کردار ادا کئے۔ اس وقت سے 'راج بھاگ' (یعنی راج اور بھاگ یعنی ہر 'راج' کا ایک 'بھاگ' ہوتا ہے) کی اصطلاح رائج ہوئی اور اب تک رائج ہے۔ بھانوں، بھانڈوں (۱) اور دیگر منکلوں اور میراثیوں نے اس دور کی عشقیہ داستانوں، لڑائیوں اور واقعات کو بیان کرنا اور گانا شروع کیا، اور یہ قصہ خوانی اور گانے کا فن بعد میں سموں کے دور میں عروج کو پہنچا۔ نسلوں، پشتوں، کہانیوں، واقعات اور بہادروں کی بہادری کو بیان کرنے کے جذبے نے، سندھی زبان میں 'بیان' کی وسعت پیدا کی اور قصہ اور رجز خوانی کے ذوق نے سندھی سرود میں اضافہ کیا (۲) واقعات اور قصوں کو گانے کی خاطر عوامی شعر کی ایک صنف 'بھاگہ' (۳) نامی پیدا ہوئی اور عام مقبول ہوئی۔ 'بھاگہ' ہندی 'دوہا' سے الگ ایک خاص سندھی صنف ہے اور اس کا نام 'بھاگہ' بھی سندھ کے تاریخی پس منظر کے لحاظ سے بدھوں کے قدیمی "گاتھا" کی یادگار تھا۔ ذیل میں ہم ان سلسلوں پر مختصراً، اس دور کی مثالوں کے ذریعے روشنی ڈالیں گے۔

(۱) (بان) اسم خاص۔ ایک ذات کا نام ہے، قدیم مسلمان منکلوں کی برادری، جس کا خاص پیشہ داستانیں، کہانیاں سنانا اور دان وصول کرنا ہوتا تھا۔ یہ لوگ خاندانوں کے گھر سے یاد رکھتے اور شادی کے موقع پر سناتے ہیں۔ سندھ میں ان کی ذیلی شاخیں: آمانی، پنڈیا، مہربا (موتیا، لیدا (لیدا)، دالا، پھنائی اور کچی پار ہیں۔ ان میں سے ایک شخص 'اجن' نام کا ہو گا رہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے جام انوسر سے دان وصول کیا۔ دیکھیے: جامع سندھی لغات، جلد دوم، ص: ۵۲۲ (مترجم)

(۲) تفصیل کے لئے دیکھیے ہماری کتاب "سندھی موسیقی جی مختصر تاریخ" (بھٹ شاہ ثقافتی مرکز، بھٹ شاہ/حیدرآباد

سندھ، ۱۹۷۵ء) باب پنجم: سردار موسیقی ص ۹۳-۱۰۶

(۳) دیکھیے: ص: ۲۳۰، حاشیہ نمبر ۲ (مترجم)

## سندھی میں ذکر اور سماع کے سلسلے:

سومروں کے دور میں ملتان کے غوث بہاؤ الدین زکریا (۵۷۸-۶۶۱ھ/۱۱۸۲-۱۲۷۵ء)، پاک پتن کے بابا شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر (۱۲۷۵ء-۱۳۷۳ء) اُج کے سید جلال سرخ بخاری (غوث صاحب کے معاصر و مرید)، شیخ عثمان قلندر شہباز (وفات ۷۱۷ھ/۱۳۱۷ء) اور شیخ حسین عرف پیر پٹھو (وفات ۶۴۶ھ/۱۲۴۸ء) بڑے اولیاء اور درویش تھے، جن کا سندھ میں بڑا اثر تھا اور جنہوں نے عوام الناس کی اخلاقی اور روحانی تربیت بھی کی۔ یہ تمام بزرگ سومرہ دور میں ہو گزرے اور سومرہ حکمرانوں کی بھی ان کے ساتھ عقیدت تھی۔ ان بزرگوں کی خافقاہوں، خاص طور سے غوث صاحب اور بابا فرید گنج شکر کی خافقاہوں سے ذکر کے سلسلے شروع ہوئے۔ چونکہ سندھی زبان میں بیان کی صلاحیت پیدا ہو چکی تھی اس لئے ذکر اور سماع کے سلسلے سندھی میں بآسانی شروع ہوئے؛ سندھی 'ذاکرین' اور 'قوال' سندھ اور ملتان کے خطوں میں مشہور ہوئے اور سندھی 'ایات' اور 'کافیاں' منظوم ہونے لگیں (۱)۔

پیر پٹھو اور قلندر شہباز کی درگاہوں پر رکھے ہوئے کچھ بڑے نقارے سومرہ حکمرانوں کی طرف سے نذرانے کے طور پر دئے ہوئے ہیں۔ سومرہ حکمرانوں کی غوث صاحب کے ساتھ بھی عقیدت تھی۔ تاریخ معصومی کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ دودو سومرو، ۱۲۴۸ء-۱۲۶۶ء کے عرصہ میں، غوث صاحب کے خلیفہ حضرت پیر پٹھہ سے ملتان میں ملا اور انہیں درگاہ کے لیے زمین دینے کا وعدہ کیا۔

غوث صاحب (ملتان) اور بابا فرید (پاک پتن) کی درگاہوں سے جو ذکر و سماع کے سلسلے شروع ہوئے، وہ مقامی زبانوں خاص طور پر سندھی اور سرائیکی میں تھے۔ غوث صاحب کے مریدین و معتقدین کی بڑی تعداد سندھ سے تھی، نیز سندھی 'ذاکر' اور 'قوال' ہی ان کے سلسلہ سماع کے قائدین تھے۔ جنہوں نے سماع کی محافل میں سندھی شعر بڑے سوز و گداز سے پڑھے نیز ذکر کا سلسلہ سندھی اشعار میں قائم کیا۔

غوث بہاؤ الدین زکریا کا اثر ملتان اور سندھ میں اس قدر تھا کہ شیخ فرید گنج شکر اس خطے کو شیخ بہاؤ الدین کا علاقہ کہا کرتے تھے (۲) ان کا پوتا شیخ رکن الدین (وفات ۷۳۵ھ) سومرہ حکمرانوں کے آخری دور میں ہو گزرا ہے۔ مؤرخ ضیاء برنی کی تحریر کے مطابق تمام اہل سندھ ان کے مرید ہو گئے اور کئی علماء بھی ان کے حلقے میں داخل ہو گئے تھے (۳)۔ حضرت شاہ رکن عالم کے یہاں بھی سماع کی محفلیں ہوتی تھیں جن کا قاعد (منتظم) قوال 'حسن سندھی' ہوتا تھا، جو سندھی

(۱) "سندھی موسیقی جی مختصر تاریخ" باب پنجم، ص: ۸۴-۹۲

(۲) میر حسن بجوی: فوائد القوائد ص ۱۳۸

(۳) تاریخ فیروز شاہی ص ۳۷۷

اور فارسی کلام گاتا تھا۔ ایک مرتبہ شیخ حضرت شاہ رکن الدین کے مرید شیخ عثمان نے اسے کہا کہ: میر حسن! کچھ سنائیے! جس پر اس نے معذرت چاہی لیکن شیخ عثمان نے اسے بہت مجبور کیا؛ جس پر میر حسن نے شیخ سعدی کے کچھ اشعار سنائے (۱)

شیخ فرید گنج شکر (۵۶۹-۶۶۳ھ/۱۱۷۳-۱۲۷۵ء) کی تعلیم و طریقہ کا سلسلہ بھی سندھ تک پہنچا ہوا تھا اور ان کے سلسلے میں سماع کو خاص اہمیت حاصل تھی اس لئے سندھی ذاکرین اور قوالوں نے یقینی طور پر پاک پتن میں ان کی خانقاہ پر بھی سماع کی محفلیں قائم کی ہوں گی۔ ایک حوالہ کے مطابق دہلی میں شیخ نظام الدین اولیاء کے پاس شیخ فرید گنج شکر کا مرید حسین سندھی نامی قوال رہتا تھا، جس وقت وہ سرود کرتا اور گاتا تھا تو حضرت شیخ پر وجد طاری ہو جاتا۔ (۲) غالب گمان ہے کہ حسین سندھی قوال نے شروع میں حضرت شیخ فرید کی خانقاہ پر سماع و سرود کیا اور بعد میں وہاں سے حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوا۔

### بابا فرید گنج شکر کے ذکر اور دوہوں میں سندھی الفاظ:

میر خرد کرمانی نے ’سیر الاولیاء‘ میں بتایا ہے کہ ”شیخ فرید ہندی زبان اچھی طرح بول سکتے تھے“ (۳) ’ہندی‘ سے مراد ملتان اور سندھ کی مقامی زبان ’ہندوی‘ ہو سکتی ہے جو اس دور میں سرائیکی-سندھی زبانوں کی آمیزش والی زبان تھی۔ شیخ فرید نے اپنے مریدین کو اپنی اپنی زبان میں ذکر کرنے کی تلقین کی تاکہ وہ الفاظ کو سمجھ سکیں اور ان کے دل پر اثر ہو۔ محمد غوثی گوالیاری نے اپنی کتاب ”جواہر خسرہ“ میں (۴) اس ذکر کے تین جملے درج کیے ہیں، جن کی ترتیب سے ظاہر

(۱) تذکرہ قطبیر، تصنیف جمال الدین ابوبکر الہ آبادی، طبع کردہ مرحوم میر غلام دیکھیر نامی، لاہور ۱۳۷۱ھ، ص ۱۳۶، ۱۳۸۔ حسن سندھی نے شیخ سعدی کے درج ذیل اشعار پڑھے:

چہر ہپائی تو انداختم خیال تو رفت  
کہ من ازان توام تا ز دل نیندازی  
چہ نیزہ بازی مژگان مرز خون مرا  
کہ نیست ز بختن خون عاشقان بازی

(۲) تذکرہ قطبیر ص ۱۳۶-۱۳۷

(۳) سیر الاولیاء، طبع دہلی ۱۳۰۲ھ، ص ۱۸۳

(۴) جواہر خسرہ کے مخطوطہ سندھ یونیورسٹی کی عبارت درج ذیل ہے: جیسا کہ فی الحال کسی دوسرے نسخے کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا اس لئے اس عبارت کو ہی پیش نظر رکھا گیا ہے: ”ہندگی حضرت قطب الاقطاب حضرت شیخ فرید گنج شکر قدس سرہ ذکر ایں از ہندوی وضع فرمودہ اند، باید بدیں سند:

اھھین تون

اھون تون

اھون تو

طریق ایں ذکر دیا بہ جلسہ محمود نگاہ دارد و روی آسان کردہ بطریق کرشمہ تکریت بر زبان گوید کہ ”اھون تون“ لہ چشم را وا دارد باروی زمین کردہ وہاں طریق دیدہ بہاں گوید کہ ”اھون تون“ لکھ نظر بر زمین دارد بعدہ بردارد بر خود نگاہ دیا بہ سر کرت یافت کرت ”اھھین تون“ گوید تا مادام کہ حضور یگا گی است قرار گیرد۔

ہے کہ یہ سرائیکی-سندھی کے ہیں۔ اگرچہ بگڑے ہوئے رسم الخط کی وجہ سے پوری طرح سمجھ نہیں آئے تاہم تیسرا فقرہ ”اھین تون“ غالباً سندھی فقرہ ”اھین ہین تون“ (= اھین کی تون = اے اللہ! تون کی اھین) ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت بابا فرید مسعود گنج شکر عام مقامی زبان ’ہندوی‘ سے واقف تھے، لیکن بعض عام روایات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انہوں نے ”ہندوی“ میں دوہے کہے۔ کچھ محققین کی رائے میں وہ دوہے، جو بابا فرید کے نام سے منسوب ہیں وہ بابا فرید مسعود گنج شکر کے کہے ہوئے نہیں بلکہ ان کے جانشینوں میں سے ’فرید ثانی‘ کے کہے ہوئے ہیں۔ ایسے دوہے سکھوں کی مذہبی کتاب ”آد گرنٹھ“ (گرو گرنٹھ) کے آخری پانچویں حصے ”پیوگ“ (بھوگ) کے زیر عنوان دیے گئے ہیں، جن سے ظاہر ہے کہ کچھ دوہوں پر سرائیکی سندھی کا رنگ چڑھا ہوا ہے، اس سلسلے میں درج ذیل دوہے غور طلب ہیں (۱)

سرور پنکی ہیکڑو، قاہیوال پچاس

اہ لہری گد تیا، بچی تیری آس

[تالاب یا جھیل میں پرندہ اکیلا ہے اور اسے پھنسانے والے پچاس جمع ہو کر آگئے ہیں،

اب تیرے ہی آسرے وہ پرندہ فوج کے گا]

انی نکی جنکیم، ٹل دوگر پیووم

اج فرید ٹی کوچڑا، سو کھان تیوم

[ان چھوٹی ٹانگوں کے ساتھ میں نے تھر ریگستان عبور کئے فریدا! آج تو (قریب رکھا

ہوا) کوزہ بھی سوکوس مجھ سے دور ہو گیا]

فریدا سبشان من مائک، داھن مول م چانگوا

جی توء پری دی سک، ہیانو نہ باہ کھین دا

(۱) یہ ’سلوک‘ آد گرنٹھ میں دیے گئے ہیں لیکن بابا فرید کا کلام آخری دور کی دیگر تعقیفات میں بھی درج شدہ ہے مثلاً سندھی کتاب ”شیخ فرید صاحب جن جاپون چتر پشید“ (مطبوعہ گورنمنٹ ہیر آباد، حیدرآباد، ۱۹۲۶ء میں درج ذیل سندھی آمیز

سلوک دیے گئے ہیں: صبر منجھ کماٹ، ای صبر کانی ہٹو

صبر سندا پاٹ، خالق خطا نہ کری

ترجمہ: صبر مکان کمان میں ہوتا ہے، صبر بان اور بھالا مارنے والا ہوتا ہے، صبر کے تیر خالق خطا نہیں کرتا۔

دلہہ محبت جن، سیٹی ..... سچٹا

جن من ہور ملک ہور، سہ کا دی کچٹا

ترجمہ: جن کے دل میں محبت ہے، وہی ..... ہے میں جن کے من میں دیم و اندیشہ وہ محبت کے کپے ہیں

پیڑا پنڈ نہ سکیو، پنڈن کی ویلا

پر سرور جب اوچلی، تب ترل دھیلا

ترجمہ: پیڑے کو باندھنا (یعنی لنگر انداز کرنا) نہیں سیکھا، جب اس کے باندھنے کا وقت تھا۔ جب تالاب کے کنارے سے

پھینک دیا اس وقت تیرنا مشکل ہوا۔

افریدا تمام لوگوں کا من، موتی ہے اور اسے توڑنا بالکل اچھا نہیں اگر تجھے محبوب کی سچی یاد ہے تو کسی کا بھی دل نہ توڑ

فریدا گلی مد سجن و بیہ، اک دوندبندی نہ لہان  
دکان جیبہ مالیہم، کارن تنا ماہری  
[فریدا! باتوئی خیرخواہ تو میسوں ہیں لیکن (ان میں سے) تلاش سے بھی نہیں ملتا میں  
اولے کی طرح جل رہا ہوں ان بچے دوستوں کی خاطر]

ان دوہوں کے رسم الخط کو ہم نے کوشش کر کے اسی طرح ہی لکھا ہے جس طرح 'آدگرنتہ' میں ہے: یعنی کم از کم ۱۶۰۴ء تک (جس دور میں آدگرنتہ تالیف ہوا) یہ دوہے اسی طرح ہی پڑھے جاتے تھے۔ پہلے دو دوہوں میں سندھی اثر نمایاں ہے؛ نہ صرف اتنا بلکہ ان ہی معنوں میں درج ذیل سندھی اشعار آج تک مشہور ہیں، جن سے گمان ہوتا ہے کہ فرید کے مندرجہ بالا دوہے سندھی اشعار کی ترجمانی ہیں کیونکہ ان میں نہ صرف تصور وہی ہے بلکہ سندھی الفاظ اور جملے بھی وہی سائے ہوئے ہیں:

سر ہر ہکی ہیکڑو، ہاڑہیری ہنجاہ  
رکی ہک اللہ، لڈی لہرین وچ ہر (۱)  
[تالاب میں پرندہ ایک اور شکاری پچاس ہیں اسے اللہ ہی اپنی پناہ میں رکھے، لہروں کے درمیان چنگولے لکھا رہا ہے]

تر ڈونگر ہر روہ، میہ سپ مناڑیا  
اگنی اسی کوہ، ہاٹھی ہن جماز کھی (۲)  
[تھر پر بت، ریگستان، پہاڑ اونٹ نے سب عبور کر لئے لیکن اس تیز رفتار اونٹ کے لئے آگن اسی کوس کے فاصلے پر ہے۔]

تیسرے اور چوتھے دوہے کی دونوں سطروں میں قافیہ درمیان میں آئے ہوئے ہیں، حالانکہ بیت کے اعتبار سے 'دوہے' کی دونوں سطروں میں قافیہ آخر میں آتے ہیں۔ 'دوہرا' کے معنی ہیں 'دوسینگ والا' یعنی دونوں سطروں کے آخری قافیوں والا۔ دوہرے (دوہے) کی ترتیب میں درمیانی 'قافیہ' لانے والی مندرجہ بالا ترمیم غالباً سندھی اشعار کی ترتیب کے زیر اثر آئی، جو اس دور میں سندھی ذاکروں نے سابع کی محفل میں پڑھے۔

(۱) یہ شعر شاہ صاحب کے رسالے میں موجود ہے۔

(۲) یہ شعر سلیقہ مند مصنف گروں کی زبانی روایات کے ذریعے چلا آیا ہے۔ ہم نے ٹاپور امراء کے دور کی ایک قلمی کتاب دیکھی جس میں شاعر تمام ملی مراح نے میرٹھی ملی خان کا کلام جمع کیا ہے اس کے آخر میں یہ شعر درج ذیل طور پر غلط لکھا ہوا ہے۔ بہر حال اس سے ظاہر ہے کہ گزشتہ صدی میں یہ شعر ادیبوں اور شاعروں کو بھی محاسن تھا۔

”تر ڈونگر ہن، میہ سپ مناڑیا  
ہاٹھی ہن جماز کھی اگنی ہن اسی کون“

## سندھ کی عوامی داستانوں اور مشہور قصوں کی بنیاد

سمرہ دور کے سندھی اہل میں عام محافل کے ذریعے مقامی قصوں-کہنتوں عشقیہ داستانوں اور بعض دیگر محافل کا دستور اور بیان شروع ہوا۔ سندھ کے عام مقبول قصوں اور داستانوں کے عنوانات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر کی بنیاد سمرہ دور میں پڑی (۱) ان میں سے انا کی داستان غالباً ”سسی پنہوں“ کی ہے جس کی بنیاد سندھ اور بلوچستان کے درمیان قافلوں کے ذریعے تجارتی ماحول پر مشتمل ہے۔ یہ تجارت سندھ اور عراق کو ملانے والی شاہراہ کے ذریعے ہوتی تھی جو عرب اسلامی دور میں سبیلہ، کچھ کرمان، کرمان اور نہواڑ سے ہوتی ہوئی عراق تک جاتی تھی اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ قصہ عرب دور کے بالکل آخر یا سمرہ دور کے ابتدائی دور کا ہے۔ دریا بھی اس قدیم دور میں بھنبھور کے پاس سے رواں تھا۔ اس قصہ میں، سندھ میں بلوچوں کی آمد کی اہم علامت موجود ہے؛ سندھ کی طرف بلوچوں کی یہ دھڑی ہجرت تھی جو چوٹی/پانچویں صدی ہجری میں تقریباً سمرہ دور کے ابتدا میں ہوئی۔ (۲)

دوسرا قصہ ”سیف الملوک“ کا ہے جس میں اردو کے قریب سے دریا کے رخ بدلنے کا ذکر ہے، جس کے ساتھ مشرقی نارہ کے قدیم بہاؤ کا تاریخی تعلق ہے۔ سیف الملوک کا تالاب اور کٹواں ”گڈھن“ (تحصیل بدین) سے چار پانچ کوس مشرق-جنوب کی طرف، مشرقی نارہ کی قدیم دراڑ کے مغربی کنارے پر موجود ہیں۔ ان ناموں کا افسانے کے اس پس منظر کے ساتھ یہ تعلق ہے کہ سیف الملوک تاجر کے بیڑوں کا قافلہ اسی ہاکڑہ دریا سے گذرا اور اردو (الور) (۳) پہنچا، جہاں کے حاکم نے اس کی گھر والی بدلتی

(۱) میر علی شیر نے ”تختہ انگرام“ میں بھی اکثر قصے سمرہ دور کے ذیل میں بیان کئے ہیں، البتہ انہوں نے سسی پنہوں کی داستان کو اس دور سے پہلے کا شمار کیا ہے۔

(۲) چوٹی صدی ہجری کے عرب سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ بلوچ قبائل کرمان سے بلوچستان کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے لوک ادب سلسلے کی بیسیوں کتاب ”سسی پنہوں کا مقدمہ۔“ (۳) قبل از اسلام سندھ کا پایہ تخت جس کے کنھدوات دودھڑی سے پانچ میل جنوب مشرق کی طرف مشرقی نارہ (ہاکڑہ دریا) سے متصل، قدیم دریا کے کنارے پر موجود ہیں۔ اب اسی مقام پر اسی نام سے ایک چھوٹا گاؤں موجود ہے۔ سید ابو ظفر عسکری ”سندھ کی تمدنی تاریخ“ کے باب کے تحت ”تجارتی مراکز“ کے زیر عنوان پرانے دور میں سندھ کی منڈیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”چوٹی منڈی اردو ہے، جس کو ”الور“ بھی کہتے ہیں، یہ سندھ کا قدیم پایہ تخت تھا یہ بہت بڑا آباد شہر تھا، یہاں بھی تجارت کی بڑی منڈی تھی۔ سندھ کے بڑے شہروں میں سے اس کی سرحد پر سب سے آخری بڑا شہر تھا۔ ابن حوقل تحریر کرتا ہے کہ ”سندھ کے بڑے شہروں میں سے ایک اردو ہے، طول و عرض میں ملتان کے برابر ہے اس کی دھڑہٹا، ہیں یہ بھی دریائے سندھ کے مشرقی جانب آباد ہے۔ لیکن اس کا شمار مشہورہ کی حدود میں ہے۔ بہت ہی ارزاں اٹھ خوشحال شہر ہے، تجارت کی بھی گرم بازار دی راتی ہے۔“ تاریخ سندھ، نئی، ۱۸۸۲ء (مترجم)



الجمال پر نظر بدڏاڻي (۱) جس کي وجهه سے اس سلیقه مند کاریگر نے راتوں رات دریا کا رخ اروڙ کے مقام سے بھکر کي طرف موڑ دیا (۲) روہڙي کے قریب دریائی جزیرے پر خوبہ حضرت کي خاتوا (۳) میں ایک اینٹ پر ایک کتبہ لگا ہوا تھا، جس سے گمان ہو رہا تھا کہ وہ پانچویں صدی ہجری کا ہے اور اس میں دریا کے رخ بدلنے کي طرف اشارہ تھا (۴)۔ پانچویں صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ سومروں کي ابھرتی طانت کا زمانہ ہے اور غالباً اسی دور میں دریا نے اپنا اہم بہاؤ اروڙ کے مقام سے تبدیل کیا اور روہڙي کے قریب سے بہنا شروع ہوا۔ تیسرا قصہ ”مورڙو اور مگر مچھ“ کا ہے جس کا مرکز ’سون میانی‘ اور ’کلاچی‘ (کراچی) کا سمندری کنارہ ہے جو سندھ اور عراق کي شہراہ پر واقع ہے۔ اس کے علاوہ مورڙو کا تعلق ’ڏلو راء‘ کے دربار سے بتایا گیا ہے، جس کا دور حکمرانی غالباً عربوں کے زوال اور سومروں کے ابتدائی دور میں تھا (۵)۔ چوتھا قصہ ”سورڙھ اور راء ڏیاچ“ کا ہے، یہ قصہ بھی سومرہ دور ہی کا ہے (۶) کیپٹن ولبر فورس کے بیان کي رو سے ہمیر سومرونے ۱۰۲۰ء کے لگ بھگ ”جاسل“ نامی ایک لہن آغا کي جس کي وجهه سے راء ڏیاچ نے سندھ پر لشکر کشی کي (۷)۔

پانچواں قصہ ”سون۔ رانو“ ہے جس میں بالواسطہ ہمیر سومرو کا نام آیا ہے۔ (۸) چھٹا قصہ ”عمر ماری“ کا ہے جس میں عمر سومرو کا نام واضح ہے (۹)۔ ساتواں قصہ ”لیاں چنیر“ کا ہے یہ بھی سومروں کے دور کا ہے۔ ”چنیر“ نام سومروں کي نسل سے ظاہر ہوا اور وقت کے دیگر راجاؤں اور حاکموں نے بھی اس نام کو اختیار کیا۔

(۱) تاریخ ظاہری کے مصنف نے بدیع الجمال کو سیف الملوک کي بیٹی بتایا ہے، جبکہ تختہ الکرام کے مصنف نے بیوی۔ دیکھئے تاریخ ظاہری، ص ۳۳-۳۵، ۳۵۹، تاریخ سندھ حصہ اول، ص ۳۳۱ نیز سید ابو ظفر ندوی نے بدیع الجمال کو سیف الملوک کي بیوی لکھا ہے۔ تاریخ سندھ، ص ۲۵۹، تختہ الکرام، ص ۱۱۱ (مترجم)

(۲) تاریخ ظاہری فارسی متن (راقم کي وضاحت اور مقدمے کے ساتھ) مطبوعہ سنڌي ادبی بورڈ ۱۹۶۳ء، ص ۲۷-۲۵ (۳) مؤلف تاریخ لب سندھ خان بہادر خدا داد خان نے عرب دور کي تعمیرات کے حوالے سے لکھا ہے کہ خوبہ حضرت کي خاتوا دریائے سندھ کے درمیان میں واقع ہے، جسے ’ہندو‘ ’چند پیر‘ یا ’زندہ پیر‘ کہتے ہیں اس کي تاریخ تعمیر ”درگہ خالی“ سے ۳۳۱ھ نکلتی ہے جو کہ ۹۳۹ء کے مطابق ہے۔ تاریخ لب سندھ، ص ۳۵ (مترجم)

(۴) ۱۹۵۰-۱۹۵۵ء کے عرصے میں راقم نے یہ اینٹ خود جا کر دیکھی تھی اس کے بعد سکھر بیراج کي وجہ سے دریا کي گہرائی کم ہو گئی جس کي وجہ سے پانی بلند ہوا اور جزیرہ کي عمارتیں زیر سیلاب آ گئیں۔ بہر حال کولس کي انگریزی کتاب ”سندھ کے آثار“ (Antiquities of Sindh) میں اس کتبہ کا فوٹو موجود ہے۔

(۵) تفصیل کیلئے دیکھئے راقم کي مرتب کردہ، لوک ادب سلسلہ کي چھٹی ویں کتاب ”مورڙو ۽ سانکر مجھ“ سنڌي ادبی بورڈ، حیدرآباد، ۱۹۶۷ء، مقدمہ

(۶) ایضاً لوک ادب سلسلہ کي ۳۸ ویں کتاب ”سورڙھ ۽ راء ڏیاچ“، سنڌي ادبی بورڈ، ۱۹۷۶ء، مقدمہ

(۷) تفصیل کیلئے دیکھئے راقم کي مرتب کردہ لوک ادب سلسلہ کي ۳۳ ویں کتاب ”سون۔ رانو“، سنڌي ادبی بورڈ، ۱۹۷۵ء، مقدمہ

(۸) ایضاً لوک ادب سلسلہ کي ۳۷ ویں کتاب ”عمر ماری“، سنڌي ادبی بورڈ، ۱۹۷۶ء، مقدمہ

(۹) ایضاً لوک ادب کي ۳۱ ویں کتاب ”لیاں چنیر“، سنڌي ادبی بورڈ، ۱۹۷۱ء، مقدمہ۔

چفیسر داسٹر<sup>(۱)</sup> تھا اور اس دور میں زیریں سندھ کے خطہ لاڑ کے ایک حصے کا راجہ تھا (۲)۔ آٹھواں قصہ ”سوئی-مہار“ کا ہے۔ سندھ کی قدیم روایات کے مطابق ”سوئی اور مہوال“ کی قبریں شہداد پور میں ویران دریا کے کنارے پر ہیں جسے ”لوہانو دریا“ (لوہانوں دریا) یا ”سوہٹی جو دورو“ (سوئی کا ڈھورہ) (۳) کہا جاتا ہے۔ سندھ کا یہ قصہ بھی سومروں کے ابتدائی دور یا اس سے بھی پہلے کا ہے۔ (۴)۔

بعد میں یہ مشہور قصے سندھ کی ادبی عمارت کے ستون ثابت ہوئے اور ان کے ذریعے سندھی زبان کی لغت، لطافت، فصاحت اور بلاغت میں بہت اضافہ ہوا، اس کے علاوہ بعض دیگر مشہور کہانیوں اور داستانوں کی بنیاد بھی مقامی روایات کے مطابق عرب حکومت کے آخر اور سومروں کے دور عروج میں ثابت ہوتی ہے۔ جن میں سے ایک قصہ ”مل محمود اور مہر نگار“ کا ہے، جس کا تعلق شاہ مکائی (عرف جئے شاہ) کے ساتھ ہے، جو پانچویں یا چھٹی صدی ہجری میں نیروں کوٹ (حیدرآباد) میں وارد ہوا۔ (۵)

دوسرا قصہ ”ڈمن سنار“ کا ہے جسے غالباً سب سے پہلے سندھ کے ہنرمند قصہ خوانوں نے پھیلیوں اور معموں کے ذریعے گایا (۶) روایت کے اعتبار سے ڈمن سنار کے قصہ کا تعلق بھی ”دلورائے“ کے دربار سے ہے۔ خاص سومرہ حکمرانوں سے متعلق ”عمر اور گنگا“ کا قصہ ہے جس کا ذکر تاریخ طاہری کے مصنف نے کیا ہے (۷)۔ اس کے علاوہ ”خدا دوست اور محمود غزنوی“ کا قصہ بھی آج تک سندھ کی مقامی روایات میں مشہور و معروف ہے؛ تاریخی لحاظ سے یہ قصہ پانچویں صدی ہجری کی ابتداء کا ہے جس زمانے میں سلطان محمود غزنوی نے سندھ کی سرحدوں میں قدم رکھا تھا۔ یہ سومروں کا بالکل ابتدائی دور تھا بعد میں یہ قصہ سومروں کے دور ہی سے گایا جانے لگا۔ (۸)

(۱) داسٹر و اسم خاص۔ سومروں کے ایک خاندان (گھراٹ، قبیلہ یا ذات) کا نام ہے۔ (مترجم)  
(۲) کینٹن ولبرنورس کی ”کھنڈیاواڑ کی تاریخ“ کے مطابق رائے ڈیاچ کا بیٹا ”رائے توگمن“ گجرات سے سندھ پر حملہ آور ہوا۔  
(۳) دھورویشی زمین نیز اس پرانی اور خشک نہر کو کہتے ہیں جس میں پانی نہیں آتا تو یا ایسی نشیبی جگہ جس میں پانی جمع ہو جائے نیز دریائے سندھ کے پرانے بہاؤ کو بھی دھورو کہتے ہیں۔ (مترجم)  
(۴) ایضاً لوک ادب سلسلہ کی تیسویں کتاب ”سہٹی-مہار“ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد، ۱۹۶۲ء، مقدمہ  
(۵) ایضاً لوک ادب سلسلے کا ۲۹ ویں کتاب۔ مشہور سندھی کتاب۔ ۷ ”بھاریان قصا ۶ عشقیہ داستان“ سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۶۳ء۔

(۶) ایضاً لوک ادب سلسلے کی ۲۵ ویں کتاب ”کامن سان کالہیون“ سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد، ۱۹۶۳ء، مقدمہ۔  
(۷) راقم کی تصحیح کردہ تاریخی طاہری، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد، ۱۹۶۳ء۔  
(۸) قصے کی روایت کیلئے دیکھئے راقم کی مرتب کردہ لوک ادب سلسلہ کی ۲۹ ویں کتاب ”بھاریان قصا ۶ عشقیہ داستان“ سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۶۳ء۔

غور طلب بات یہ ہے کہ عرب دور کے آخر اور سومرہ دور کی ابتداء میں ان قصوں اور داستانوں کی بنیادیں قائم ہوئیں اور سومرہ دور میں وہ زبان زد عام ہوئیں اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ سومرہ دور میں سندھی زبان میں ادائگی بیان کی صلاحیت پیدا ہو چکی تھی جو ابتدائی طور پر ان قصوں اور داستانوں پر غور و فکر کیا گیا اور انہیں بیان کیا گیا جس کی وجہ سے بعد میں وہ قصے زبانی روایات کے ذریعے مشہور اور محفوظ ہو گئے۔

### سومرہ دور کی لڑائیوں کے بارے میں پہیلیاں اور مُتّے

سندھ کی موجود عام مقبول روایات میں سومرہ دور کی کچھ مشہور لڑائیوں اور سومرہ حکمرانوں اور بعض سہ سرداروں کی بہادری سے متعلق منظوم داستانوں کا تھا میں پہیلیاں/مُتّے اور اشعار ملتے ہیں جن میں سے زیادہ تر اگرچہ گزشتہ دور کے قصہ گو منکوں، بھانٹوں، بھاٹوں، گوئیوں اور (آورد سے کہنے والے) سلیقہ مند دانا لوگوں کے کہے ہوئے کلتے ہیں لیکن کچھ پہیلیوں والے اشعار ایسے ہیں جو تاریخی علامات اور زبان کی قدامت کے لحاظ سے کافی قدیم معلوم ہوتے ہیں۔ غالب گمان ہے کہ وہ سومرہ دور میں کہے گئے اور مسلسل زبانی روایات کے ذریعے سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچے ہیں۔ اس طرح کے مُتّے اور اشعار بالخصوص سومرہ دور کے تین مشہور معرکوں یعنی (الف) سومروں اور گجروں کی لڑائیوں (ب) سومروں اور سلطان علاؤ الدین کے لشکر کی لڑائیوں (ج) آخری سومرہ بادشاہ ہمیر کے ساتھ جام ہالہ اور اس کے بیٹوں کے درمیان جنگ سے متعلق ہیں اس دور کی عام یاد داشتہ روایات کی بنیاد پر ذیل میں ان واقعات پر مختصراً روشنی ڈالی جاتی ہے۔

### (الف) سومروں اور گجروں کی لڑائیاں:

ہم اوپر کہہ آئے ہیں کہ غالباً سومرہ حکومت کے اوائل دور میں سومروں کی گچھ اور گجرات کی سرحدوں پر گجروں کے ساتھ لڑائیاں ہوئیں۔ گجروں کی حکومت جو سندھ کے جنوب-مشرق سرحد سے متصل تھی اس کا دار الحکومت ”بھنمل“ (ضلع جسونت پور ریاست جودھ پور) یا بقول کئی گھام بابا ہڑمیر میں تھا یہ حکومت نویں صدی عیسوی کے ابتداء تک قائم رہی مگر سندھ کی طرف سے عربوں کی فتوحات اور ہند کی طرف سے کاٹھیاواڑ، گجرات اور مالوہ کے راجاؤں کے حملوں کی وجہ سے گجروں کی حکومت اس خطے سے ختم ہوئی اور ان کا دار الحکومت ”قنوج“ میں قائم ہوا۔ غالباً اسی کشمکش میں کچھ گجر قبائل اور ان کے سردار کاٹھیاواڑ اور گجرات کی طرف نکل گئے اور وہاں رفتہ

رشتہ چھانگئے۔ اس لئے وہ دیس جو کبھی مسوراشر (سورٹھ) کے نام سے پکارا جاتا تھا وہ تقریباً پانچ گجروں کے حملے کے وقت اس کی طرف مدد کیلئے کسی دانہ گویتہ کے ذریعے پیغام بھیجا گیا چونکہ ”دودو“ اپنے رشتہ داروں سے ناراض ہو کر آیا تھا اس لئے گویتہ سے کہا کہ: اگر کمزور ہوئے ہیں تو کسی باندی نوکرانی کا رشتہ دے کر ہی صلح کر لیں۔ اس پر گویتہ نے اسے جواب میں کہا کہ:

جَرَ نہ کُتن کِنگرین، راو نہ گیندین وین،

گولی ویشی گجربین، توہ چندا دودی پیٹ۔

[ (رہٹ کے ٹھیکر کے لوٹے) لوٹوں سے دریا ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی طغر و ملامت راجنوں کو جوڑ سکتا ہے گجروں کے ہاں اگرچہ لوٹڈی ہی چلی گئی، لیکن لوگ یہی کہیں گے کہ دودو کی بہن گئی ہے۔ ]

اس معنائی شعر کی زبان اس کی قدامت کی گواہی دیتی ہے۔ گویتہ نے دانائی کے ساتھ دودو کو یہ بات سمجھادی کہ کسی لوٹڈی باندی بھیجنے سے حرم سرا میں کوئی کمی نہیں آئے گی؛ لوٹیوں کے بھرنے سے کنویں کا پانی کم نہ ہوگا اور نہ ہی گجر طبع دے کر عزت گتوائیں گے۔ مگر یہاں پر سوال نیک و ناموس اور عام شہرت کا ہے کیونکہ لوگوں کے منہ بند نہیں ہوں گے۔ اگر ہماری کوئی باندی بھی میاہ کر گجروں میں چلی گئی تو لوگ یہی کہیں گے کہ ”دودو“ کی بہن ہے۔ یہ سن کر دودو اپنی تمام رنجشیں ختم کر کے واپس آ گیا اور اپنے بھائی ”ڈونگر رائے“ کا حامی و مددگار بنا۔ ڈونگر رائے پہلے ہی رشتہ دینے کی مخالفت کر کے جنگ کیلئے تیار بیٹھا تھا، اب ان دونوں بھائیوں نے مل کر بہادری کے ساتھ گجروں کا مقابلہ کر کے میدان مار لیا۔ شاہ صاحب کے رسالے میں درج ذیل شعر اسی جنگ کی نشاندہی کرتا ہے:

پین سینی ڈنیون، ڈنی نہ ڈونگر راء،

اڻ ڏٺين آڏو ٿئي، ڏٺيون ڏٺي ڪيائ (۱)

[باقی سب نے (خوف کے مارے) اپنی عزتیں حوالے کر دیں البتہ ڈونگر رائے نے نہیں]

(۱) اصل معنی اسی طرح تھا، جس میں آخری دور کے معرکہ دانا راویوں نے ذیل کی سطر بڑھا دی ”لوڑیوں لک مٹا، تنہن مٹیری موتائیون“ ترجمہ: اس دلیر نے اپنے اوپر سے لاکھوں تیر تک ہٹا دیئے۔

ڈاکٹر صاحب کی تحقیق و صحیح سے شائع شدہ شاہ جور سالو میں یہ شعر ان معرعوں پر مشتمل ہے:

پئن مٺڻي ڏٺيون، ڏي نہ ڏونگر راء

اڻ ڏٺين آڏو ڦري، ڏٺيون ڏي ڪئا

لوڑهيون لک مٽاء اڻ مٽيري موتائيون.

دیکھئے ”شاہ جور سالو“ مطبوعہ شاہ عبداللطیف یت شاہ ثقافتی مرکز بھٹ شاہ، طبع اول ۱۹۷۳ء، ص ۴۷۰ (مترجم)

دیں۔ وہ ان دیکھی عورتوں کا بھی تحفظ کرتا تھا، پھر دیکھی بھالی عورتیں کسی کے حوالے کیونکر کرتا]۔  
 گجروں اور سومروں کی کشمکش غالباً کافی عرصہ تک چلتی رہی۔ اس زمانے میں سہ،  
 سومروں کا دایاں بازو تھے اور سندھ اور گجھ کی سرحد کی وجہ سے وہ گجروں سے مقابلے بھی کرتے  
 رہے۔ اس طرح کا ایک قدیم مقابلہ گجھ کے سہ جام پونترے اور گجروں کے سردار ”ویر گجر“ کے  
 درمیان ”ہمیر سومرو“ کے دور حکومت میں ہوا۔ پہلے گجروں نے حملہ کیا اور یہاں سے مویشی ہانک  
 کر لے گئے بعد میں ”جام پونترے“ نے گجروں کے ملک پر جوابی حملہ کر کے وہاں سے چھینے  
 ہوئے مویشی واپس کراوائے:

پُونثَری کیا پَریاں، پَڑی تَی پَریا،

تَی وِجی واریون، لوڑیون لک مٹا۔

[جام پونترہ نے عہد و بیان کئے اور حملہ کر کے (ویر گجر کے ملک میں) ’برزو پہاڑ کے درہ  
 سے چھینے ہوئے مویشی واپس لے آیا] (۱)

چاوَت کری چڑھیو، گجر گھو ملتا،

پَواڑا پونثَری پَلیسین، گھٹا وِج کٹا۔

[ویر گجر اپنے دارالحکومت ”گھوٹے“ سے بڑے تاؤ کے ساتھ لشکر لے آیا لیکن ”جام پونتر“  
 کے ساتھیوں نے درمیان میں بڑے مقابلے کیے]

اس مقابلے میں گجروں کو کامیابی حاصل ہوئی جس کی وجہ سے جام پونترے نے جا کر  
 بادشاہ ہمیر سومرو سے مدد طلب کی۔ جس کے نتیجے میں ہمیر وہاں سے جنگ کے لئے روانہ ہوا۔

جین ڈونگر تین ہاٹیا، جین کیریون تین چت

ہمیراٹھی فوج، کر اگا اُپ نکت

[فوج کے ہاتھی پہاڑ کی طرح تھے اور ان کے اوپر بڑے بڑے چھتر اس طرح تھے جیسے  
 کھیری کے درخت] (۲) ہمیر کی فوج (نیزوں، تلواروں اور زرهوں کی روشنیاں بکھیرتے) اس  
 طرح حملہ آور ہوئی گویا آسمان پر پختہ طلوع ہو رہا ہو]۔ (۳)

(۱) گامن سان گالہیون، ص: ۸۳ پر یہ شعریں درج ہے:

پونثَری کیا پَریاں، پَڑی تَی پَریا

تَی وِجی واریون، لوڑیون لک مٹا (مترجم)

(۲) ایک قسم کا پہاڑی درخت۔ (مترجم)

(۳) گامن سان گالہیون، ص: ۸۳ پر یہ شعریں درج ہے:

جین ڈونگر تین ہاٹیا، جین کیریون تین چتر

ہمیراٹھی فوج، کر اگا اُپ نکت (مترجم)

## (ب) سومروں کی علاؤ الدین کے لشکر کے ساتھ جنگ:

سندھ میں ”دودو چنیسر“ اور علاؤ الدین کا قصہ زمانہ قدیم سے مشہور ہے جس کا ذکر (اگرچہ ایک ضعیف روایت ہی کے ذریعے) ”تاریخ طاہری“ کے مصنف نے ساڑھے تین سو سال قبل ”۱۰۲۱-۱۰۳۰ھ“ میں کیا ہے (۱)۔ سندھ میں اس قصے کی مسلسل اور عام طور پر تسلیم شدہ روایات سے گمان ہوتا ہے کہ اس قصے کے پیچھے سومرہ دور کا تاریخی پس منظر موجود ہے۔ تاریخی لحاظ سے سلطان علاؤ الدین (۱۲۹۶-۱۳۱۶ء) کے سپہ سالار ظفر خان کا سنہ ۶۹۷ھ (۱۲۹۷-۱۲۹۸ء) کے لگ بھگ سندھ پر حملہ آور ہونا ثابت ہوتا ہے (۲)۔ سندھ کی ایک مقامی روایت کے مطابق اس زمانے میں ”اسد الملت“ دودو سومرہ حکمران تھا جس کی وفات ایک روایت کے مطابق سنہ ۷۰۰ھ (۱۳۰۱/۱۳۰۰ء) میں ہوئی (۳)۔

سلطان علاؤ الدین کے سپہ سالار اور سومروں کے درمیان لڑائیاں اگر ۶۹۷-۷۰۰ھ میں فرض کی جائیں تو وہ مقابلے سومرہ دور کے انتقام سے تقریباً پچاس ساٹھ برس پہلے ہوئے۔ اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ دودو - چنیسر اور علاؤ الدین کی جنگی داستان سن ۷۰۰ھ کے بعد یعنی آٹھویں صدی کی ابتداء سے بیان ہونے لگی اور آج تک اسے بیان کیا اور گایا جاتا ہے۔ یہ قصہ سندھ کی ایک قدیم جنگی داستان (EPIC) ہے جس کی بنیاد یقینی طور پر سندھ کے سومرہ اور دہلی کے سلاطین کے درمیان کوئی خون ریز لڑائی ہے؛ البتہ اس داستان کی ساخت اور ترتیب میں سندھ کے پیشہ ور قصہ خوانوں، بالخصوص بھانٹوں، بھانڈوں، گوئیوں اور آورد سے اشعار بنانے والوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس جنگی داستان کی روایات میں کئی مُعْتَمَد اور اشعار شامل ہیں جن میں سے اکثر پچھلے قریبی دور کے معلوم ہوتے ہیں؛ مگر کچھ روایات میں آئے ہوئے بعض مُعْتَمَد قدیم ہیں اور وہ غالباً سومروں کے آخری دور کے ہیں۔ مثلاً:

بھونگر راؤ نے کہا:

بیڑھی ڈیان پت کھی، پیونگر چپو پو،

ان در مٹی او سونھی بدو لوالو

[جز، نسل بنیاد بیڑے کودوں، بھونگر نے کہا واہ واہ

اس دروازے پر اس کا جھنڈا بندھا دلکش لگے گا]۔

(۱) ”تاریخ طاہری“ فارسی متن، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، ص ۳۰-۳۱

(۲) ”تاریخ نیروز شاہی“ (تقیف خیاء برنی ۷۵۸ھ) مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ۲۵۳-۲۵۴ اور طبقات اکبری (تقیف نظام

الدین بخشی ۱۰۰۲ھ) مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۷-۱۹۳۵ء، جلد ۱، ص ۱۳۲

(۳) ”دولت علویہ“ یا ”سومروں کی حکومت“ طالع مولوی عبید اللہ شائق ۱۹۲۹ء

علاء الدین سے چنیر نے کہا:

سہر سنڀایم سومری، یونگر۔ ڌي ڪيٺاء،

پونبي۔ چنڊ پٽانڊري جيڪر تو جڳاء (۱)

[سومروں سے ایک دہن میں نے تیار کر لی ہے تیرے لئے بھونگر کی بیٹی چودھویں کے چاند کی سی۔ اللہ کرے کہ وہ تیرے لئے موزون ثابت ہو]۔

انہوں نے کہا ”سام“ (۲) ابڑو کے پاس جائے گی تو سکھ حاصل کرے گی

دہوچاٹا سون جا، ہون آڌاٹیا ارت،

آڳہ مائیندیون ابڑی، وڌي ڪنہ ورت۔

[چرنے (سوت کا تہے کے لیے) اور کھڈی (کپڑا بننے کے لیے) سونے کے ہوں گے۔

چمین سکون سے رہیں گی ابڑو کے پاس بڑے نصیب پائیں گی۔

ابڑو نے کہا:

سر سین آہینم سومریون، جي سرٿيون ڌيان سي،

سورج سئون نہ اڀري، ڌرتي ڌاج نہ ڌي

[سومرہ ذات کی عورتیں میرے سر کے ساتھ ہیں، اگر یہ گھر کی باریک لکڑیاں میں دے دوں تو کبھی سورج طلوع نہ ہو اور زمین سے ہریالی ہی نہ اُگے]۔

ابڑو ”سام“ کی خاطر بہت بہادری سے لڑا:

اڙ آڌي هٽي ابڙي، نو چليون ڏهه لڪ،

گهوڙي ڪنڌ نہ ڦيريو، ماري او خلق

[ابڑو نے دفاع کی خاطر لاکھوں فوج تیار کی تھیں

گھوڑے نے گرون نہیں پھیری مخلوق کے مارنے سے

ابڑو مارا گیا اور اس کا سر نیزے پر چڑھایا گیا:]

اپ سيڪهين اُڇو، اپ نہ اُڇو ڪوء،

مٽي بہ مٽي ٿئو، سورھہ سر سندوء

[آسمان سب سے اونچا ہے آسمان سے کوئی اونچا نہیں]

(۱) اصل معنی یہ ہے لیکن پچھلے قریبی دور میں اس میں ایک اور سطر ملائی گئی کہ: ڌڙي سادودي جھلي وانتي وکي وچاء  
(۲) ”سام“ اس کی جمع ساموں ہے جس کے معنی ہیں: پناہ، امان، حفاظت۔ ”سام ہون“ کے معنی ہیں: پناہ میں آنا یا امان میں رہنا اس طرح ”سام جھلن“ یا ”سام ڏيڻ“ کے معنی ہیں کسی کو پناہ دینا، اسے اپنی حفاظت میں لینا۔ (مترجم)

اس دلیر کاسر، مرنے کے بعد بھی اونچا ہوا۔]

ان مُتَموں میں کئی قدیم اور انوکھے الفاظ ہیں مثلاً پو = واہ واہ!؛ لوالو = جھنبو (جھنڈہ)؛ سہر = کنوار (لہن)؛ کیٹا = تولاء (تمہارے لئے)؛ دہوچاٹا = چرخا؛ آڈاٹیا = تیار رہٹ (کتن لاء = کاتنے کے لئے)؛ ورت = ستاء (ترتیب)؛ پونگر = ڈی (بھونگر۔ بیٹی) کی اضافی ترکیب (حرف اضافت کے بغیر) وہی ہے جو عرب-اسلامی دور سے پہلے خواہ بعد میں رائج تھی، جیسا کہ بشر فزاری اور البیرونی کے بیان کردہ پنساریوں کی اشیاء کے ناموں سے ظاہر ہے (۱)۔ آخری مُتَمہ کی ترکیب میں حرف جر 'کھان' (= سے) یا 'کھاں پوئے' (= سے بعد کے بعد) نہیں لائی گئی: 'اپ نہ اچو' یعنی 'اپ کان نہ اچو (آسمان سے اونچا نہیں)'; 'مُنی' یعنی 'مُنی کان پوئے' (مرنے کے بعد)

(ج) گچھ کے علاقے میں مہڑ اور مناپن کی واگھم چاؤڑہ کے ساتھ جنگ: سندھ اور کچھ کی عام روایات کی رو سے سندھ کے سمہ خاندان میں سے "لاکھو" کے دو بیٹوں "مہڑ" اور "مناپن" نے گچھ میں "واگھم چاؤڑہ" کو قتل کر کے اس کے ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ علاقہ کچھ کی روایات کے مطابق یہ واقعہ بکری سال ۹۰۰ میں ہوا لیکن روایتی علامات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بعد میں سومرہ دور میں رونما ہوا۔ اس وقت "واگھم چاؤڑہ" "کوٹیسر" اور "کنڈ" کے علاقے کا سردار تھا۔ جس کے پاس "مہڑ" اور "مناپن" جا کر ٹھہرے تھے اور اسے "کالکا ماتا" کی قسم کھا کر اعتماد دلایا کہ: ہم تمہارے خیر خواہ ہو کر رہیں گے۔ بعض روایات کے مطابق "واگھم چاؤڑہ" ان کاموں تھا۔

جو تو اسین پتروں، تہ ماتا پاٹا وچ،  
ماتا سَمَریوں من ہر، اسین سما کچون سچ۔  
[اگر تیرے ساتھ ہم بد عہدی کریں تو ہمارے درمیان میں 'ماتا' ہے  
مَن میں 'ماتا' کو یاد کرتے ہیں، ہم سمہ لوگ سچ بولتے ہیں] اس کے بعد جب "مہڑ"  
اور "مناپن" نے اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا تو "واگھم چاؤڑہ" کو مار ڈالا اور اس کے شہر "پانٹھ گڑھ"  
پر قبضہ کر لیا؛ نہ صرف اتنا بلکہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ سات دیگر سردار بھی قتل کریں گے:

ماریو واگھم چاؤڑو، اسین اسان جی ہت،  
جیڑو چاڑیو ہیکڑو، تیرا چاڑیند اسین ست۔



ادگھم چاؤڑہ ہم نے اپنے ہاتھوں مار دیا، جس طرح کا یہ ایک ہم نے مارا ہے اس طرح کے دوسرے سات ماریں گے۔]

جب ”کنٹھو“ اور ”کنڈ“ پر ”مہڑ“ اور ”منابین“ کا قبضہ ہوا تو انہوں نے ”کنٹھ قلعہ“ بنوایا۔ اس زمانے میں سات چاؤڑہ سردار بہت طاقتور تھے جن کا دار الخلافہ ”کنتری“ شہر تھا جس کے چاروں طرف قلعہ تھا دوسرے تمام سردار انہیں خراج دیتے تھے اور موسم کے لحاظ سے ہرجنس کا حصہ پہنچاتے تھے۔ ”واگھم چاؤڑہ“ گھاس کی سات گاڑیاں دیتا تھا لیکن ”مہڑ“ اور ”منابین“ نے چودہ گاڑیاں دینے کا وعدہ کر کے خود کو سرخرو کیا۔ اور ان پر اعتماد پختہ ہوا۔ بعد میں ساز باز کر کے انہوں نے گھاس کے نیچے اپنے ہتھیار بند لوگ بٹھادیے جن میں ”گھنگھر“ نامی ’جت‘ ایک بڑا پہلوان تھا۔ جب گاڑیاں ”کنتری“ قلعہ کے دروازے سے داخل ہوئیں تو ایک بوڑھے پہر دار کو شک ہو گیا لیکن دوسرے پہرے داروں نے اس کی بات نہیں سنی اس نے کہا:

چنی چاڑ۔ درواں: اج نہ گڈین گاہہ،  
کان تان مونگ سقریل، کان تان آلو ماہ۔

(چاڑ۔ درواں = چاؤڑوں کا دربان، گڈین = بڑی نیل گاڑی (جمع ہے)، کان تان = یا تو، سقریل = سبز پھلیوں سمیت (مونگ سقریل یعنی ہری پھلیوں سمیت مونگ) آلو ماہ = خون آلود گوشت، تازہ گوشت۔

[چاؤڑوں کے دربان نے کہا کہ آج نیل گاڑیوں میں گھاس نہیں آئی

ان میں ہری پھلیوں سمیت مونگ ہیں یا پھر خون آلود تازہ گوشت۔]

اس طرح ”کنتری“ کے قلعے پر ”مہڑ“ اور ”منابین“ کا قبضہ ہو گیا، کچھ کا بڑا علاقہ ان کے زیر حکومت آ گیا۔ ان کا دار الخلافہ ”کنٹھ کوٹ“ ہی رہا جہاں پر بعد میں ان کی اولاد حکمران ہوئی۔ ”جام مہڑ“ کا مقبرہ اب تک وہاں موجود ہے۔

(د) جام ہالہ اور ہمیر سومرہ کی لڑائی:

یہ لڑائی سومرہ حکومت کے زوال اور سمہ خاندان کی ابھرتی طاقت کے دور میں ہوئی۔ سومروں کا آخری حاکم ”ہمیر بن دودو“ تھا جو غالباً ٹھٹھہ کی طرف سمہ خاندان کی بڑھتی ہوئی طاقت کی وجہ سے عمر کوٹ کی طرف پھٹی کے شکار ہو گیا ہوا تھا، جس کی وجہ سے اس کی طرف پیغام گیا کہ:

آھٹکورل پوچڑ یارا، اج گھر جین ہت،  
سومرن ماری سما، کنون پریا رت

[اے بڑی آنکھوں والے محبوب! آئیے، آج تیری یہاں ضرورت ہے

سمنوں نے سومروں کو مار کر خون سے ناند بھر دیئے ہیں۔]

جب جنگ ہوئی تو فتح کا پلہ ”جام ہالہ“ کا بھاری ہوا اور ”بھیر“ مارا گیا اور سومرہ حکومت کا

خاتمہ ہو گیا۔ ”جام ہالہ“ کا بیٹا ”ہوتھی“ بھی اس جنگ میں مارا گیا جس پر ”باگھی“ نے بین کیا کہ:

هوٿي جي ڦٽي هو، گيور گيور گل،

سڀ مرن سومرا، توءِ ڪونهي ڦٽي ٿل

[’ہوتھی‘ کی کنگھی دیتے وقت بالوں میں بننے والی ہرلہر میں پھول ہوتا تھا

تمام سومرہ مر جائیں تب بھی تیری کنگھی کا شل نہیں۔]

سومرہ دور کی ان لڑائیوں کے بیانات سے متعلق کئی مٹے آج تک دانا لوگوں کو یاد ہیں اور

کئی صدیوں سے سینہ بہ سینہ ہر زبان روایات کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں۔ مذکورہ بالا مٹوں کی

ترتیب زبان قدیم ہے اور ان کا مضمون بھی ان قدیمی واقعات کے مطابق ہے، جس کی وجہ سے

کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کے مٹے غالباً سومروں کے دور کے ہی ہیں۔

سومروں کی سخاوت کے بارے میں بھانڈوں اور گویوں کی شکایت: (۱)

سومروں سے پہلے عرب حکمران تھے اور سخاوت عربوں کی اجتماعی زندگی کا اہم جزو تھی۔

سورج غروب ہونے کے بعد قافلوں کی بیٹھک کے وقت آگ کے الاؤ روشن کرتے تھے تاکہ

مسافر وہاں آسکیں۔ سندھ میں سمہ قبائل نے قدیم دور میں اسلام قبول کیا اور عربوں کے ساتھ

زیادہ میل ملاپ میں رہے، جس کی وجہ سے سخاوت ان کی زندگی کا شعار بن گئی۔ عرب۔ اسلامی

دور میں سومرہ غالباً سندھ کے جنوب مشرقی علاقے گجھ۔ سندھ کی سرحد پر رہتے تھے اور وہ

عربوں کی حکومت کے آخری دور میں ان کے قریب آئے۔ دوسرا یہ کہ سومروں کی اصل بستیاں

سندھ کے جنوب مشرقی علاقے میں تھیں جو زیادہ آباد بھی نہیں تھا۔ اس لئے سومروں کے پاس

سخاوت کے لئے خاطر خواہ سرمایہ بھی نہیں تھا۔ بہر حال جب سومرہ حکمران ہوئے تو ان کے پاس

(۱) ممکن ہے کہ انہوں نے سمہ سرداروں سے انعام کی لالچ میں سومروں کے خلاف اس قسم کی شکایات کی ہوں۔

عربوں جیسی سخاوت نہ رہی۔ آگ کے وہ الاؤ جو اس دور میں عرب اور دیگر پڑوسی بستیوں میں بیشک کے وقت روشن ہوتے تھے وہ سومروں کی آبادیوں اور بستیوں میں کچھ مدہم اور کمزور جلنے لگے۔ اس لئے اس دور کے کسی بھاٹھ یا گوتیہ نے سومروں کی مذمت کی کہ:

سچو قسیٰ سومرا، آد قسیٰ پیو لوک،  
جھپٹی بارن جھوک، نہ تہ لیڑ بیانی لاتون کری

[یعنی اگر آدھی ملامت تمام جہاں پر پڑی تو سومروں پر ساری ملامت پڑی، کیونکہ (باوجود اس کے کہ وہ سرمد اور سردار ہیں، پھر بھی) ان کی بستیوں کی آگ مغرب کے بعد بیشک کے وقت مدہم اور کمزور ہو جاتی ہے۔ البتہ دوسرے اوقات میں وہ زیادہ روشن رہتی ہے]۔ اس شعر میں مغرب کے وقت آگ سلگانے اور الاؤ روشن کرنے کی قدیم رسم کی طرف اشارہ ہے، اس وجہ سے یہ شعر سومروں ہی کے دور کا ہو سکتا ہے۔

ثانی سندھ یعنی بہاول پور کے علاقے کی ایک قدیم روایت (۱) کے ذریعے سومروں کے آخری دور کا ایک شعر ملا ہے، جو انہی تک اس علاقہ کے عمر رسیدہ لوگوں میں مشہور و معروف ہے۔ جو آج ظاہر ہے کہ سندھی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ معنی قدرے اپنے اندازے پر

(۱) یہ روایت بمع شعر، بہاول پور ریاست گزنیکٹر (پنجاب ریاست گزنیکٹر سلسلہ نمبر ۱۹۰۳)

A - xxxvi مطبوعہ لاہور ۱۹۰۸ء، ص ۷۸-۷۷) میں "پتن" شہر کے میان کے تحت دی ہے جہاں سے اردو ترجمہ کی صورت میں "پتن منارا" کے عنوان سے رسالہ "الہتری"، بہاول پور (ماہ فروری ۱۹۳۱ء، ص: ۳۱-۳۳) میں بھی شائع ہوئی۔ ہم نے اس روایت کو قدرے وضاحت کے ساتھ اور شعر کے رسم الخط اور درستی معنی کے ساتھ یہاں پیش کیا ہے۔ گزنیکٹر (ص: ۷۸) میں اس شعر کو انگریزی رسم الخط میں اس طرح لکھا گیا ہے:

Dhari Dhura Rae Jainh Charan Sankhya

Pattan Patijo thio sej Wataye Sah

Hamira Pura raj nia kanda Sumra

رسالہ "الہتری" میں شعر اور اس کے معنی کو اردو رسم الخط میں اس طرح لکھا گیا ہے:

دھری دھورا رائے، جھین چارن ساکھیا

پتن پتجو تھو، سچ دتا پورہ

جمیرا پورا، راج نہ کندا سومرا

[ "دھورا رائے" (سومرا) جس، نہ چارن کے گھوڑے چارے تھے پر لخت ہو اور پتن تاج ہو اور سچ (اوس وقت

دور یا، کلوہ کا نام تھا) اپنا راستہ تبدیل کر دے اور دھورا کرے جمیرا سومرا کو حکومت کرنے کی زیادہ مہلت نصیب نہ ہوا ]

کی گئی ہے۔ اس روایت کے مطابق آخری سومرہ حکمران ”ہمیر“ کے ایام میں (قل وڈا) مٹھل وڈا (موجودہ رحیم یار خان) کے حاکم ”جام لاکھو“ بن مٹھل نے ایک گوتیہ کو کچھ عمدہ قسم کے گھوڑے انعام میں دیے جو ”ڈھورا رائے“ سومرہ کی سازش سے چرالئے گئے؛ جس پر اس گوتیہ نے بددعا کے طور پر یہ شعر کہا:

بَری یوری راء، جَنھن چارن سان کاھ،  
پتن پتی جو تئو، سیج وتایو ساھ،  
ہمیرا پوراھ، راج نہ کندا سومرا

[یعنی ڈھورا رائے سومرہ جس کی ’چارن‘ کے ساتھ دشمنی ہے، وہ کمزور و ضعیف ہو کر ختم ہو جائے؛ اس کا شہر ”پتن“ ویران ہو کر چٹیل میدان بن گیا اور ہاکڑہ (سیج) دریا خشک ہو گیا؛ ہمیر سومرہ کے بعد (ان کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا اور) سومرہ حکمرانی ہی نہیں کریں گے]۔

[”ہمیر اپوراھ“ یعنی ہمیر کے پورے ہونے پر یا ہمیر کے بعد؛ اس ترکیب میں بھی ”اضافت“ یا حرف جرا استعمال نہیں ہوئے۔ یہ سہ سطر ہی ترتیب بھی سومروں کے آخری دور کی ہو سکتی ہے، جس زمانے میں ’مُتمتہ‘ کے بجائے ’شعر‘ کا استعمال زیادہ ہونے لگا تھا] ”پتن منارا“ شہر کے کھنڈرات رحیم یار خان سے پانچ میل مشرق کی طرف ویران دریا ہاکڑہ کے مشرقی کنارے پر واقع ہیں۔ کرٹل منچن، جو کہ ۱۸۷۲-۱۸۷۵ء میں بہاول پور ریاست کا پولیٹیکل ایجنٹ تھا، اس نے کھنڈرات میں اس وقت موجود برج کے ساتھ نیچے تہہ خانوں کی کھدائی کروائی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ: ”دیوار کا پلستر اتارنے کے بعد ”سندھی رسم الخط“ میں ایک عبارت نظر آئی جس میں بتایا گیا تھا کہ بکری سال ۱۵۵۹ یا ۱۵۶۹ء میں یہاں کے مندر کے لئے کچھ چیزیں بطور بھینٹ لائی گئی تھیں (۱)۔

بہر حال مندرجہ بالا مقامی روایت سے ظاہر ہے کہ پتن منارا کا علاقہ سومروں کے زیر

(۱) ایک عبارت جو کہ کرٹل منچن نے نقل کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ زبان راجستھانی ہے۔ بقول اس کے دیوار پر جو عبارت ’جیے، تھی ہوئی تھی وہ سندھی رسم الخط میں تھی۔ اس عبارت کی اگر تصویر لی گئی ہوتی تو وہ صحیح طور پر پہچانی جاسکتی تھی۔ غالباً یہ عبارت ”عربی-سندھی“ رسم الخط میں تھی کیونکہ خاص ”سندھی رسم الخط“ میں ہے۔ انگریزی میں عبارت اس طرح دی گئی ہے:

Anaj warki Lani athi amadni hamari awe san rupye pichche adh bhejunga

[I have Promised to send half an anna in the rupee on whatever profit I make].

یعنی: میں نے تمام قسم کے نفع سے حاصل ہر روپیہ کے پیچھے آدھا آنہ بھیجے کا عہد کیا ہے (بہاول پور ریاست کا گزٹیر، ص: ۳۷۹)

حکمرانی تھا اور ”پتن منارا“ شہر سومرہ حکومت کا مرکزی شہر تھا۔ بہاول پور ریاست کے گزٹینئر میں یہی بتایا گیا ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں سومرہ حکمرانوں نے ”پتن منارا“ کو از سر نو تعمیر کیا۔ سومروں کا آخری حاکم ہمیر تھا جسے سموں نے معزول کر دیا (۱)۔

”تنقۃ الکرام“ کے مطابق بھی سومروں کا آخری حاکم ”ہمیر“ تھا جس سے سموں نے حکومت چھینی۔ اس کی تصدیق سلطان فیروز شاہ تغلق کی طرف سے ملتان کے گورنر ”عین الملک ماہر“ کے خطوط سے بھی ہوتی ہے جو اس نے ۱۳۵۲-۱۳۶۵ء کے عرصے میں لکھے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

”اس وقت سومرہ حکمران ہمیر بن دودو کی حکومت کی جڑ سوکھ رہی ہے اور محض سلطان کی مدد سے قدرے ہری ہے۔ دوسری طرف سمہ ”جام بانھدیہ“ بن ”انز“ اپنی سرکشی اور طاقت سے ابھر رہا ہے۔“ (۲)

نہیں کہا جاسکتا کہ ہمیر سومروں سے کس سال اور مہینے میں حکومت چھینی گئی یا وہ کب فوت ہوا؛ لیکن جیسا کہ سلطان فیروز شاہ نے ۶۶-۱۳۶۵ء کے لگ بھگ ٹھہر پر حملہ کیا، اس سے گمان ہوتا ہے کہ ۱۳۶۵ء یا اس سے کچھ پہلے ہمیر سومروں کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اس لحاظ سے مذکورہ بالا شعر کا زمانہ بھی اندازاً ۱۳۵۲ء سے ۱۳۶۵ء کا عرصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ ”تاریخ طاہری“ کی روایت کے مطابق بھی سومروں کا خاتمہ سمہ زمینداروں کی بڑھتی ہوئی طاقت کی وجہ سے ہوا۔ مذکورہ بالا روایت سے ظاہر ہے کہ ”سمہ جام“ اپنی خوشحالی کی وجہ سے سخاوت کر کے گویوں پر نوازشیں کرتے رہے جنہوں نے پورے ملک میں جا جا کر ان کے گن گائے۔ ان کے یہ خوشامدانہ اشعار بھی سموں کے حق میں ایک قسم کا پروپیگنڈہ ہی تھے، یہی وجہ ہے کہ سومروں کو یہ خوشامدانہ تعریفیں بری لگ رہی تھیں غالباً اسی وجہ سے سومرہ حکمران ان گویوں کو ڈرانا دھمکانا چاہتے تھے۔ اس لحاظ سے ”ڈھورا رائے“ سومرہ کے اشارے پر گویہ کے گھوڑے چرانے کے واقعہ کو حقیقی قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۱) ایضاً بہاول پور ریاست کا گزٹینئر، ص: ۳۷۷

(۲) ”انشائی ماہر“ (فناش عین الملک عین الدین عبداللہ بن ماہر) صحیح پروفیسر شیخ عبدالرشید ”شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ“ کی طرف سے شائع شدہ، ص: ۸۷

### سید بدر الدین رضوی کا پڑھا ہوا شعر

سید بدر الدین سومرہ دور میں ساتویں صدی ہجری میں گزرا ہے۔ وہ سید محمد کی (وفات ۶۳۴ھ) کا بڑا بیٹا اور سید صدر الدین (۶۰۰-۶۶۹ھ) کا بڑا بھائی تھا۔ سید قمر علی شاہ رضوی نے سن ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں ”شجرہ سادات“ کے نام سے رضوی سادات کا شجرہ لکھا (۱) جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ ایک موقع پر سید بدر الدین نے درج ذیل شعر پڑھا:

کتین یا ہارائین، مرین تہ وجی وا،  
بنھی منجھون ہکڑی چٹکی نہ ٹٹی کا (۲)  
[جیتو یا ہارو، مرنے کے بعد ختم ہو جاؤ گے  
دونوں میں کوئی بھی ایک اچھی نہیں ہوگی]۔

اگر سید بدر الدین نے اپنے والد کی وفات (۶۳۴ھ) کے بعد وفات کی ہو اور یہ شعر انہوں نے بڑھاپے کے دور میں کہا ہو تو اس لحاظ سے بھی یہ شعر زیادہ سے زیادہ تقریباً ساتویں صدی کے ۶۲۵-۶۶۰ھ کے عرصہ یعنی سومروں کے آخری دور کا ہو سکتا ہے۔ (۳)

نتیجہ:

سومروں کا دور سندھ کی تاریخ اور سندھی زبان اور اس کی سینہ بہ سینہ (زبانی) ادبی روایت کا داستانِ دور تھا۔ اسی دور میں سندھ کی اکثر عشقیہ داستانوں، جنگ ناموں اور سندھ کے سورما سرداروں کے کارناموں کو بیان کرنے کی بنیاد پڑی۔ بعد میں ان کی تار و پود میں سندھی شاعری کو بٹنا گیا۔ سومروں کے دور میں ان داستانوں، قصوں اور کہانیوں کا رائج ہونے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت سندھی زبان میں بیان کی صلاحیت پیدا ہو چکی تھی۔

سومروں کا دور ”عام فہم سندھی زبان“ کی تعمیر و توسیع کا دور تھا، جس میں

(۱) یہ کتاب ”بکھر“ کے سید قمر علی ابن غفران پناہ سید امان علی شاہ رضوی لکھری نے سید محمد کی بکھری اور ان کی اولاد کے نسب ناموں سے متعلق ۱۱/ ربیع الاول ۱۲۶۱ھ کو مکمل کی۔ دیکھیے: مقدمہ حدیثۃ الاولیاء، ص: ۳۸-۳۹ (مترجم)

(۲) مقدمہ ”حدیثۃ الاولیاء“ (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۷ء) کے ص: ۶۳، ۶۴ پر سید حسام الدین راشدی نے یہ شعر ”شجرہ سادات“ کے حوالے سے دو مرتبہ نقل کیا ہے۔ ص ۶۳ پر دیے گئے متن میں تین الفاظ ”کتین“ ”منجھون“ اور ”چٹکی“ کر کے لکھے گئے ہیں جبکہ ص ۶۴ پر یہی الفاظ ”کتین“ ”منجھون“ اور ”چٹین“ کر کے لکھے ہوئے ہیں۔ دونوں مقامات پر آخری تالیف ”واء“ اور ”کاء“ کی صورت میں قلمبند ہیں۔ خود سید قمر علی نے یہ شعر کس رسم الخط میں لکھا تھا؟ وہ معلوم نہیں۔ ہم نے قدیم دور کے لہجے کے مطابق مذکورہ بالا رسم الخط قائم کیا ہے۔

(۳) ہمارے سامنے موجود حدیثۃ الاولیاء طبع اول ۱۹۶۷ء کے مقدمہ ص ۴۲ اور ۶۳ دونوں مقام پر پہلے مصرع میں یا ہارائین، کے بجائے ”تارائین“ ہے۔ اسی طرح اسی مصرع میں وجی“ کے بجائے ”وجین“ ہے، جسے ڈاکٹر صاحب نے مندرجہ بالا رسم الخط میں لکھا ہے۔ (مترجم)

سندھ کے جنوب مشرقی حصہ سے آگے علاقہ کچھ میں سندھی زبان رائج ہوئی۔ زبانی روایات کے ذریعہ بعض مقامی واقعات اور یادداشتوں پر مشتمل قصے اور کہانیاں رائج ہوئیں۔ عشق و محبت کے قصے اور افسانے اور سندھ کے سورما سرداروں اور سپہ سالاروں کے جنگی کارنامے گائے جانے لگے، جس سے نہ صرف سندھی زبان میں نثری داستانوں کی بنیاد پڑی بلکہ سندھی شاعری بھی علمی سطح پر اشعار اور کافی کی صورت میں سماع کا حصہ بنی اور عوامی سطح پر مضمون کی صورت میں داستانیں اور حکایات گانے کے لئے استعمال ہوئیں۔ اس دور کے نصف آخر میں سہ حکمرانوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کی وجہ سے ”سندھ کے سہ قبائل“ کی زبان کو اہمیت حاصل ہوئی، جس کی وجہ سے ”معیاری سندھی زبان“ کے پھلنے پھولنے کے لئے میدان ہموار ہوا۔

## باب پنجم

”معیاری سندھی زبان کی توسیع اور اس میں اعلیٰ معیاری

شاعری کی ابتداء کا دور“

(سمہ عہد حکومت: ۱۲۵۰-۱۵۲۰ء)

سومروں کا دور سندھی زبان میں بیان کی وسعت، قصے کہانیوں کی پرداخت اور ادبی صلاحیت کی نشوونما کا ”تعمیری دور“ تھا، جس میں لڑائیوں اور واقعات سے متعلق اشعار اور عشقیہ داستانیں مشہور ہوئیں اور سندھی شاعری چلیپائی اشعار کی صورت میں نکھری۔ سمہ عہد میں اس ”تعمیری دور“ کی مزید تکمیل ہوئی۔ ”سمہ دور“ کی ابتدا میں سندھی زبان کی لسانیاتی خصوصیات اور ادبی روایات وہی ”سومرہ دور“ والی ہی رہیں؛ البتہ قوت بیان میں بہت اضافہ ہوا اور لغوی سرمایہ میں وسعت پیدا ہوئی۔ حکایات اور داستانیں بیان کرنے کو ایک ’ادبی فن‘ کا مرتبہ ملا۔ حکایات و روایات کو چلیپائی اشعار کے ذریعے گایا جانے لگا۔ واقعاتی منظوم حکایات کو گانے کے علاوہ، سماع کی محافل کے ذریعہ سندھی بیت (شاعری) کو عوامی مقبولیت حاصل ہوئی اور یوں سندھی بیت اپنی مکمل صورت کو جا پہنچا۔ گویا سمہ دور سے اعلیٰ معیاری شاعری کا آغاز ہوا۔

## معیاری سندھی زبان کی ترقی کے اسباب

سموں کی طاقت کا عروج ”جام انز“ کی سرداری سے شروع ہوا، جس نے تقریباً سنہ ۳۳-۷۳ھ میں بغاوت کر کے دہلی کی طرف سے مقرر کردہ سیوہن کے گورنر ملک رتن کو قتل کر دیا اور بالآخر ۵۱-۷۵ھ (۱۳۵۰ء) کے لگ بھگ ٹھٹھہ کے جام (حکمران) کی حیثیت سے خود مختار حکومت قائم کر لی (۱)۔

سنہ ۹۲۶ھ (جنوری ۱۵۲۰ء) میں شاہ بیک ارنون کی فتح ٹھٹھہ سے سمہ حکومت کا خاتمہ

(۱) دیکھئے! ہمارا انگریزی مضمون ”سندھ کے سمہ حکمرانوں کا سلسلہ حکومت“ پاکستان ہسٹاریکل ریکارڈ اینڈ آرکائیوز کمیشن کے دوسرے اجلاس (پشاور، فروری ۱۹۵۳ء) کی روداد، پاکستان گورنمنٹ پریس، کراچی ۱۹۵۷ء، ص: ۲۳-۲۹



ہو گیا۔ سہ دور کے پونے دوسو برس سندھ کے اندرونی علاقوں میں ”معیاری سندھی“ کے ارتقاء کے لئے اور سرحداتِ سندھ سے باہر عام سندھی زبان کی اشاعت کے لئے نہایت مفید ثابت ہوئے۔ سہ دور کے درج ذیل سیاسی و سماجی پہلو اس دور میں سندھی زبان کی تاریخی حیثیت کو سمجھنے کے لئے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

اہم سہ قباہل زمانہ قدیم سے سندھ کے درمیانی علاقہ میں رہائش پذیر تھے۔ آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں محمد بن قاسم کی فتح کے وقت ”ساوندی - سہ“ یعنی ”سموں کی ساوڑی“ (موجودہ سن ساوڑی کا علاقہ جہ آج کل تحصیل و ضلع نواب شاہ میں ہے) سموں کا اہم مرکز تھا۔ تقریباً چھ سو برس بعد ۱۴ویں صدی عیسوی کے نصف میں جام انز کے ذریعے سہ طاقت کو عروج حاصل ہوا، جس نے سب سے پہلے سیوہن پر قبضہ کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت بھی سہ طاقت کا مرکز یہ درمیانی خطہ ہی رہا۔ جام انز سموں کی ”انز برادری“ کا سردار تھا اور سموں کے نسب نامہ اور تاریخی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس برادری میں کم از کم پانچ اہم قباہل - انز، ڈاہری، ساند، ساریہ اور کیریہ - شامل تھے۔ سہ حکومت ختم ہونے کے بعد بھی یہ قباہل کافی طاقتور رہے اور ارغونوں، ترخانوں اور مغلوں کے علاقائی گورنروں، سپہ سالاروں اور افواج سے ان کے مقابلے اور معاہدے ہوئے (۱)۔

اس دور کے اہم تاریخی ماخذ، خصوصاً ”بیگلار نامہ“ اور ”تاریخ مظہر شاہ جہانی“ کے مطالعہ سے ان قباہل کی اہم بستیوں اور طاقت کے مراکز کا علم ہوتا ہے۔

اس وقت سیوہن اور نصرپور کے علاقہ جات (ریاستیں/حکومتیں) یعنی موجودہ تحصیلیں کوٹوی (شمالی حصہ)، سیوہن (جنوب اور مغرب)، مورو (جنوب)، سکرٹ، نواب شاہ، شہدادپور اور ٹنڈو الہیار (شمال)، تحصیل میرپور کی حدود تک انز قباہل کی بستیوں، آبادیوں اور قبائلی جمیعت کا علاقہ تھا۔ اس علاقے میں موجودہ سکرٹ تعلقہ میں (جہاں اب بھی انز سردار کا گھرانہ آباد ہے) ’لاکھاٹ‘ کا علاقہ ان کی طاقت کا مرکز تھا۔ بہر حال آٹھویں صدی سے ۱۶ویں صدی تک یہ وسطی علاقہ سموں کا اہم مرکز تھا۔ سہ دور میں ان سہ قباہل کی مادری زبان نے - یعنی وسطی سندھ کی زبان نے - گویا ’سرکاری زبان‘ کی حیثیت اختیار کر لی اور وہ ملک کی ’معیاری زبان‘ بن گئی۔ جب سندھ کا شمالی حصہ بھی سہ حکومت میں شامل ہو گیا تو شمالی وسطی زبان، جو کہ سہ علاقہ کے

(۱) ترخانوں کے دور میں ان قباہل نے مرزا محمد باقی کے خلاف مرزا جان بابا کی مدد کی اور شاہ قاسم خان ’خان زان‘ کے ساتھ مل کر مرزا محمد باقی کے حامیوں سے مقابلے کیے (بیگلار نامہ)۔ اس کے بعد مغل دور میں ٹھٹھ کے گورنروں کے ماتحت اور ان کی افواج سے مقابلے کر کے نقصانات اٹھائے۔ حکومتی افواج طاقت کے بل بوتے پر انہیں مطیع نہیں کر سکیں، اس وجہ سے حکمرانوں نے ان کے ساتھ معاہدات کے ذریعے امن و امان قائم کیا۔ (تاریخ مظہر شاہ جہانی: سندھی ادبی بورڈ)

زیادہ قریب تھی، اس پر بھی معیاری زبان کا رنگ چڑھنے لگا اور وسطی سندھ کی معیاری زبان کا دائرہ وسیع ہوا، دوسری طرف سمہ حاکموں نے ٹھٹھہ کو اپنا دارالحکومت بنالیا جس کی وجہ سے لاڑ (زیریں سندھ) کے قدیم قبائل و اقوام کی زبانوں پر اس 'معیاری زبان' کا اثر پڑنے لگا۔

### سندھی زبان کی سرحدوں کا وسیع ہونا

سمہ دور میں سندھی زبان کی سرحدیں جنوب میں گچھ اور گجرات کی طرف، مغرب اور شمال مغرب میں بلوچستان کی طرف اور شمال میں بہاول پور اور ملتان کی طرف بڑھیں اور ان سرحدوں کی طرف سندھی زبان کا دیگر پڑوسی زبانوں - خصوصاً گجراتی، بلوچی اور سرائیکی - کے ساتھ عمل اور رد عمل شروع ہوا۔

### علاقہ گچھ میں سندھی زبان کے گچھی محاورہ (بول چال) کی تشکیل

گچھ میں سندھی نسلی قبائل کب آباد ہوئے؟ اس کے بارے میں کچھ کہانیاں جاسکتی ہیں گچھ ملک عرب - اسلامی دور میں صوبہ سندھ کے ساتھ شامل ہوا اور اس دور میں سندھ اور گچھ کے درمیان گہرے سیاسی و سماجی روابط استوار ہوئے۔ سومرہ دور میں یہ تعلقات مزید پختہ ہوئے اور اس دور میں سندھی قبائل بالخصوص سمہ قبائل نے گچھ کے بڑے علاقہ کو اپنا مسکن بنالیا۔ اسی دور سے سمہ قبائل گچھ میں پھلے پھولے اور ان کی آبادی دو اہم قبائلی گروہوں یعنی 'سندھ - سمہ' اور 'جاڑ بیج - سمہ' کے ذریعے تمام گچھ علاقہ پر چھا گئی۔ اس کے ساتھ ہی سندھی زبان کا وہاں کی مقامی زبانوں پر اثر پڑا جو بعد میں سمہ دور میں مزید وسیع ہوا اور گچھ میں سندھی زبان کے مقامی گچھی محاورہ کی تشکیل ہوئی۔

سمہ دور حکومت میں جب سمہ قبائل کی آبادی گچھ میں بڑھ گئی تو وہ کاٹھیاواڑ اور گجرات کی سرحدوں تک پھیل گئے۔ سومرہ طاقت کے زوال اور سمتوں کے عروج کی وجہ سے سومروں کی ایک بڑی تعداد بھی سندھ کی سرحد اور گچھ کے علاقہ سے جنوب میں کاٹھیاواڑ اور گجرات کی طرف نقل مکانی کر کے چلی گئی، جس کی وجہ سے کاٹھیاواڑ اور گجرات میں سندھی قبائل کے ساتھ سندھی زبان بھی داخل ہوئی، اس کے علاوہ سمہ دور میں سندھ اور گجرات کے درمیان خاص سیاسی تعلق قائم ہوا جو سمہ دور کے آخر تک قائم رہا۔ سندھ کے حاکموں اور گجرات کے سلطانوں نے بادشاہانِ دہلی سے بے نیاز ہو کر اپنی آزاد حکومتیں قائم کرنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے انہوں نے آپس میں دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ سمہ جام تعلق (۸۳۱-۸۵۷ھ) کے دور حکومت میں یہ سیاسی اور

دوستانہ تعلقات مزید پختہ ہوئے اور سندھ کے حکمران خاندان اور سلاطین گجرات کے درمیان رشتہ داری کا سلسلہ شروع ہوا۔ اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے سندھ کے سہ حاکموں کو بطور خاص سلاطین گجرات اور وہاں کے عوام کی مدد اور ہمدردی کی ضرورت تھی، اسی لئے جام تغلق نے اپنی دو بیٹیاں گجرات کے دو با اثر خاندانوں میں بیاہیں: ایک بیٹی 'بی بی مغلی' گجرات کے سلطان محمد اول (۸۴۵-۸۵۵ھ) کو دی، جس سے گجرات کا مشہور بادشاہ محمود بیگودہ ۲۰ رمضان ۸۴۹ھ کو پیدا ہوا۔ دوسری بیٹی 'بی بی مُرکھی' گجرات کے مشہور ولی حضرت شاہ عالم کو دی جو سہ حکمرانوں کے روحانی پیشوا حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے مرید اور اُج شہر کے بزرگ سید جلال الدین سرخ بخاری کی اولاد میں سے تھے۔ اس بزرگ کے ساتھ ستوں کی رشتہ داری کی وجہ سے گجرات کے عوام میں سندھ کے حکمرانوں کے لئے جذبہ عزت و محبت کی بنیاد پڑی۔ سندھ کے سہ حاکموں اور سلاطین گجرات کے درمیان سیاسی و سماجی تعلقات نیز گجرات کے با اثر صوفی بزرگ کے ساتھ رشتہ داری کی وجہ سے سندھ اور گجرات کے باشندوں کے درمیان قریبی تعلقات مزید گہرے اور پختہ ہوئے اور دونوں ملکوں کے درمیان تجارت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی آمد و رفت میں بھی اضافہ ہوا۔ اسی میل ملاپ کی وجہ سے گجراتی الفاظ سندھی زبان کے 'کچھی محاورہ' میں داخل ہوئے اور دوسری طرف کچھ سندھی الفاظ کاٹھیاواڑ کے قریبی علاقہ کے راستے گجراتی زبان میں داخل ہوئے۔

## لس بیلہ میں "بیلہ کی زبان" کی تشکیل

جنوب کی طرف لاڑ میں ٹھہ ستوں کا دارالحکومت تھا، جس کی وجہ سے ان کی طاقت اور سیاسی اثر و نفوذ جنوب مغرب کی طرف بڑھا اور کوہستانی علاقہ اور لس بیلہ میں 'سندھی زبان' مزید پھیلی اور اثر انداز ہوئی۔ سہ طاقت کے عروج سے پہلے سومروں، سموں اور دیگر سندھی اقوام و قبائل نے کوہستانی علاقہ سے بھی مزید آگے مغرب کی طرف بڑھ کر موجودہ لس بیلہ کو اپنا مسکن بنالیا تھا۔ یہ سلسلہ بعد میں سہ دور میں وسیع ہوا جس کی وجہ سے لس بیلہ کے علاقہ میں 'سندھی زبان' عام رائج ہوئی۔ سندھی قبائل میں سے خاص طور پر "رونجھا" قبیلہ نے وہاں اپنی سرداری قائم کی اور ان کے جاموں میں سے "سپڑ جام" گزرا ہے۔ جس کی سخاوت کے قصے مشہور ہیں۔ "رونجھوں" کی زبان نسبتاً معیاری سندھی زبان تھی، جس کا اثر لس بیلہ کے تمام میدانی محاوروں پر ہوا اور ایک عام سندھی مقامی محاورہ یعنی 'بیلہ کی زبان' کی تشکیل ہوئی۔

بلوچستان کی طرف سندھی زبان کا سفر اور سندھی و بلوچی کا ایک دوسرے پر اثر غالباً چھٹی صدی عیسوی سے سندھی قبائل مغرب میں مکران اور ایران کی طرف جانے لگے اور عرب - اسلامی دور میں سندھی قبائل بغداد تک جا پہنچے، اسی سفر میں کچھ قبائل نے مکران و ایران میں بعض علاقوں کو اپنا مسکن بنالیا تھا۔ سہ دور کے آخر میں، خاص طور پر لس بیلہ میں رونجھوں کے عروج کے وقت مزید سندھی قبائل موجودہ بلوچستان کے علاقہ میں کچھ مقامات پر جا کر آباد ہوئے اور ان قبائل کے ساتھ سندھی زبان مکران تک پہنچ گئی۔ البتہ وہ قبائل 'معیاری سندھی' کے دائرہ اثر سے باہر تھے، اس لئے اندرونی بلوچستان کے منتشر سندھی باشندوں کی زبان ناپختہ رہی، جو آج تک ان کی خاص بستیوں میں خام 'جدگالی' محاورہ کی صورت میں رائج ہے۔ اس سمت میں سندھی کے پھیلنے سے 'مغربی بلوچی' اور سندھی کا ایک دوسرے کی لغات پر اثر پڑا۔ دوسری طرف سہ آخری دور میں سندھ کی سیاسی طاقت نے سندھ کی شمالی سرحد سے آگے بڑھ کر شمال مغرب کی طرف موجودہ جیکب آباد، سبی اور کچھی اضلاع کے میدانی علاقوں کو اپنے سیاسی اثر کے تحت لے لیا، جس کی وجہ سے ان علاقوں میں سندھی زبان رائج ہوئی۔ اور اس علاقے میں بلوچی اور سندھی کا ایک دوسرے پر مزید گہرا اثر پڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلوچی الفاظ سندھی میں رائج ہوئے اور سندھی الفاظ اور محاورے "مشرقی بلوچی" کا حصہ بن گئے۔

پرانے دور سے سندھی اور بلوچی زبانوں کی سرحد کا ملنا، بلوچوں کا سندھ کو مسکن بنانا اور سندھی قبائل کا شمال (سبی) اور مغرب کی طرف (مکران) بلوچستان میں جا کر بسنا، صدیوں کے اس مسلسل عمل سے بلوچی زبان کے کئی الفاظ سندھی کا جزو بن گئے اور سندھی الفاظ اور صوتیات بلوچی کا جزو بن گئے۔ ذیل میں ہم بلوچی زبان کے بعض الفاظ پیش کرتے ہیں جو سندھی زبان میں استعمال ہونے لگے۔

بلوچی الفاظ کا سندھی میں استعمال ہونا۔

اصل بلوچی	سندھی
(۱) لیرو = پانچ سالہ یا بڑا اونٹ	لیرو = اُن (اُٹھ = اونٹ)
(۲) پُر اپ، پُر اف = اونٹ کا بڑا بچہ (مادہ)	پوراف = بڑی اونٹنی، بڑی مرغی (تین سال تک کا)
(۳) رمغ = بکریوں کا ریوڑ	رمڑ = جانوروں کا ریوڑ
(۴) گورم = گایوں اور بیلوں کا بڑا ریوڑ	گوہر = گایوں اور بیلوں کا بڑا ریوڑ
(۵) گھٹ = پہاڑ کا مشکل چڑھاؤ	گھٹ = پہاڑی درّہ
(۶) اولاک = بارگیر جانور	اولاک = سواری کا جانور (گھوڑا)

م = بندر کی ایک قسم جو گھاس کے میدانوں میں رہتے ہیں۔	م = ایک جانور جو اکثر پیش کی جھاڑی میں رہتا ہے (BABOON)	(۷)
تجر = چٹائی	نگرد = چٹائی	(۸)
ڈاھہ = اچانک بری خبر	ڈاھہ = جنگ کی خبر	(۹)
زہم، زہمی = تلوار	زہم = تلوار	(۱۰)
ایزک = مشکیزہ ہر پکھال	زک = مشکیزہ، پکھال	(۱۱)
لغور = بے ہمت بے ہودہ	لغور = بے ہمت، ڈرپوک	(۱۲)
کھیر = خشک زمین، دشت	کھیر = ایک کانٹے دار درخت	(۱۳)
کا ایک کانٹے دار درخت		
نشار = بہو، بھابھی	نشار = بیٹے، بھائی یا بیٹھجے کی بیوی	(۱۴)
باٹھہ = کسی کی پناہ	بوٹھ، باٹھہ = پناہ میں آیا ہوا	(۱۵)
حفاظت میں آئی ہوئی عورت (۱)		
کچہم = کالے تیر کی مادہ	کبگ = تیر کی قسم (مورتی؟)	(۱۶)
لاپ = کمان کا گز، جو کسی بھی چیز کو لاٹھی کی طرح آزاد تر چھا ہو کر لگے۔	لاپ = لاٹھی	(۱۷)
جر، چمر (چھمر) = (بادل)	جر = (بادل)	(۱۸)
ہور ہٹن = (بڑا دعویٰ کرنا، ڈینگیں مارنا)	ہور = قسم، سخن	(۱۹)
تہاری = اندھیری رات	تہار = اندھیرا	(۲۰)

سندھی زبان کا بلوچی زبان پر کافی اثر ہوا: جب بلوچ نسل کے قبائل (بلوچ، بروہی، جت) سندھ میں رہ کر دوبارہ بلوچستان گئے تو وہ اپنے ساتھ سندھی زبان کے الفاظ اور تلفظات بھی لے گئے، جو بلوچی میں رائج ہو گئے۔ جب ساتویں صدی میں جت قبائل نے سندھ سے کرمان، ایران اور مغرب کی طرف نقل مکانی کی تو وہ سندھی زبان کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ بلوچستان اور ایران کی حدود میں اس زبان کو ”جدگالی“ (جت قوم کی زبان) کا نام دیا گیا۔ صدیوں کے بعد ان تمام ”جدگالی“ بولنے والے قبائل کو ”جدگال“ پکارا جانے لگا۔ اس کے بعد کے ادوار میں بھی بعض سندھی قبائل بلوچستان کے خطوں میں آباد ہوئے، جس کی وجہ سے سندھی تلفظات بلوچی زبان میں داخل ہو گئے۔ آج بھی کچھ سندھی قبائل گوادار کے شمال - مغرب، باہو،

(۱) یا کسی کے پاس عرض کرنے کے لئے وفد میں آئے ہوئے یا آیا ہوا آدمی (بعض اوقات عرض کرنے اور منانے والے لوگ اپنے ساتھ بیٹیاں اور قرآن شریف بھی لے جاتے ہیں) (مترجم)

دستیاری اور ایرانی بلوچستان کی حدود میں رہتے ہیں اور 'جڈگال' کہلاتے ہیں (۱)۔  
گزشتہ صدی (۱۸۷۳ء) میں 'ہیئر س' نامی انگریز نے گوادری سے باہر مرتوجہ دیہاتی زبان کا مطالعہ کیا اور وہاں کے مقامی الفاظ کی فہرست تیار کی؛ جس میں درج ذیل الفاظ سندھی اور بلوچی لغات کے ایک دوسرے پر عمل اور رد عمل پر گواہ ہیں۔

اصل سندھی میں	بلوچی میں رائج لفظ کا تلفظ
پیلو (بیلا)	۵۵، پل (درختوں کا جھنڈ)
ہنجی، ہوج (کاگ، ڈاٹ)	۵۷، ہنج
چاری (پہریدار، نگہبان، جاسوس)	۵۸، چارگ (خفیہ طور پر نظرداری کرنا)
ڈسن، ڈنو (دیکھنا، دیکھا)	۶۵، وست، دتہ، دنہ
ہاٹی (اب، ابھی)	۶۸، ہٹی، ہٹو
ایڈان، ایڈانہن (طرف: اسی طرف)	۷۰، ادا
جوکو (نقصان، خطرہ، خوف)	۷۱، جوکو
کڈھین (کب)	۷۲، کدین
کنگال (کنگال)	۷۳، کنگال
ککڑ (مرغ، مرغہ، مرغی)	۷۵، ککڑ
لڈن	۷۶، لڈگ
لہن (لگنا، چپکنا؟)	۷۶، لگک
ہر (میں)	۷۹، مان (مان بونگ = ہر ہٹن)
پگھار (تنخواہ)	۸۳، پگار
پاکڑو (اونٹ کا پالان)	۸۳، پاکڑو
پن (پتا، ورق درخت کا)	۸۳، پن
سنیالہ (سنبھالنا)	۸۹، سمبالگ
ساہمی (ترازو، میزان)	۹۰، شاہم
چلہہ (چولہا)	۹۳، چل
سنڈ	۹۳، سنڈ
تلی (جانوروں کے گلے کی گھنٹی، گھنگھرو)	۹۳، تلو
ڈکن (جنوب، جنوب کی ہوا)	۹۳، ڈکن (ڈکن جی ہوا)
نکر (نکڑا، حصہ، پرزہ، بخرہ)	۹۵، نکر

(۱) ای - ہیئر س کا مضمون "کمرانی بلوچی کا بیان" رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کا جرنل، نمبر ۱۳۱ (NO XXXI) جلد ۱۱ سال ۱۸۷۵ء، ص: ۱-۹۸ ذیل میں الفاظ کے سامنے دیے گئے ہند سے اس مضمون کے صفحات کے ہیں۔

کافی پرانے زمانے سے سندھی اور بلوچی کے درمیان تعلق کے باعث ت (ٹ)، د (ڈ) اور ژ (ڑ) کے تلفظات (صوتیات) بلوچی زبان کا جزو بن گئے اور آج تک بلوچی زبان کے 'مغربی' (مکرانی) اور 'مشرقی' (مری، گجٹی اور سندھ کے سرحدی علاقہ جات کے) محاوروں میں موجود ہیں۔ مثلاً درج ذیل الفاظ خالص بلوچی ہیں اور مکران اور سبکی کی طرف استعمال ہوتے ہیں لیکن ان میں وہ سندھی تلفظات موجود ہیں:

تیہ = (غلام، نوکر)

دگار = (میدان، زمین)

لیژو = (اونٹ)

'ن' (ٹھ) کا تلفظ بھی 'مغربی' اور 'مشرقی' بلوچی میں موجود ہے جیسا کہ: ن (ٹھ) = لائھی، ن (ٹھ) = پھنکار، ننگ (ٹھگ)۔ یہ الفاظ دونوں زبانوں میں استعمال ہوتے ہیں مگر اصل میں سندھی ہی سے آئے ہیں۔ 'مشرقی بلوچی' یعنی وہ بلوچی زبان جو سندھ کی شمالی سرحد اور اس سے متصل علاقوں میں بولی جاتی ہے، اس میں سندھی اور سرائیکی کے زیر اثر پ (بھ)، ت (تھ)، ق (پھ)، چ (چھ)، ڈ (دھ)، ڍ (ڈھ)، ک (کھ)، جھ اور گھ کے تلفظات نسبتاً پچھلے دور میں داخل ہوئے: یعنی ایک تو یہ "تلفظات" بعض خالص بلوچی الفاظ کا جزو بنے اور دوسرا یہ کہ ان تلفظات والے سندھی الفاظ خاص طور پر 'مشرقی بلوچی' میں رائج ہوئے: یعنی یہ تلفظات مغربی بلوچی میں نہیں آتے، صرف 'مشرقی بلوچی' ہی میں آتے ہیں۔ مثلاً

مغربی بلوچی	مشرقی بلوچی	معنی
پ ت	ڦ ٺ (پھٹ)	پہی (والد)
پاد	ڦاڙ (پھاڙ)	پیر (پاؤں)
چپی	چپی (چھ)	چا (کیا)
ت و	ٺو (ٹھو)	تون (تو)

ان تلفظات والے کچھ سندھی الفاظ بھی 'مشرقی بلوچی' میں رائج ہو گئے ہیں: جیسا کہ ڈکو (ڈھکو = دھکا)، ڍور (ڈھور = مویشی، چوپایہ، حیوان، جانور)، ڍگوَ (ڍگوَ ڈھکو = میل)، گھور (شادی کے وقت پیسے لٹانا)، چوروَ چھوروَ (چورو، چھورو = لاوارث، یتیم)، جھیزوَ (جھیزوَ، جھیزوَ = جھگڑا، ٹکڑا، دنگا، فساد)، گید (قلعہ، کوٹ، گڑھ)، جھڑ (بھڑ = بادل، ابر)، قبا (قڈو، پھڈو = رگڑا، معاملہ، جھگڑا)، مڊی (مڈی، مڈی = اسباب، اثاثہ، سامان، ملکیت، لدا ہوا سامان، محصول لینے کی جگہ، چکی، دریا کی وہ جگہ جہاں 'نہا' پھیلی جمع کرتے ہیں، عمارتی ککڑی کی دکان)، جڊوَ (جڈو، جڈو = معذور، لاچار، محتاج، ضعیف، کمزور، بیمار، مجبور، بے

عقل)، ھڏو، ھڏو = ٻڌا، ڄو، جھڳڙا، ٺٽا) اور واجهه (وجهه = مل = موقع، گھات، چال، داؤ، کشتی کا بیج)

## سندھی اور سرائیکی کا باہمی تعلق

اس دور میں سندھی اور سرائیکی کا تاریخی رشتہ مزید مستحکم ہوا۔ پہلے پہل رائے اور برہمن دور میں اور بعد ازاں عرب-اسلامی دور میں سندھ اور ملتان بہت عرصے تک ایک ہی سیاسی طاقت کے ماتحت رہے، جس کا خاص مرکز سندھ (ابتدا میں اروڑ اور بعد میں منصورہ) تھا۔ اس سیاسی وحدت کی وجہ سے سندھ اور ملتان کی زبانوں کے باہمی تعلق کی ابتدا ہوئی۔ سومرہ دور میں بھی کچھ عرصے تک ملتان اور بعد میں کافی عرصے تک ملتان صوبہ کا جنوبی حصہ (موجودہ بہاولپور کا خطہ) سندھ میں شامل رہے؛ جس وجہ سے سندھی اور سرائیکی کا رشتہ قائم رہا۔ نیز سومرہ دور میں سہروردی سلسلے کے علمبردار غوث بہاؤ الدین زکریا کی تبلیغ کا سندھ میں بہت اثر ہوا اور بطور خاص سہ قباں بڑی تعداد میں ان کے مرید و معتقد بنے، جن میں سے سینکڑوں لوگ آپ کی زندگی میں اور آپ کے وصال کے بعد ہر سال ملتان جانے لگے۔ سہ طاقت کے عروج کے دور میں سہ حکمرانوں کی غوث بہاؤ الدین زکریا کے جانشینوں اور ان کے روحانی سلسلہ کے بخاری بزرگان اُج کے ساتھ عقیدت رہی۔ یہی سبب تھا کہ جب سلطان فیروز شاہ نے ٹھٹھہ کا محاصرہ کیا اور جام صدرا الدین بھانھی نے دلیری سے اس کا مقابلہ کیا تو سلطان فیروز شاہ کی حمایت اور جام جونہ کی موافقت سے شیخ الاسلام صدرا الدین ملتانی اُج کے بزرگ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے درمیان میں پڑ کر ان کی صلح کروائی۔ مخدوم جہانیاں غالباً جام جونہ کے مرشد تھے اور سندھ سے ان کا خاص تعلق تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کے ملفوظات میں دہلی اور سندھ کی سیاست کا ذکر موجود ہے۔ بہر حال سہ حکمرانوں اور سندھ کے عوام کا اس دور میں ملتان اور بزرگان اُج کے ساتھ روحانی تعلق رہا، جس نے سندھی اور سرائیکی کے رشتہ کو مزید مضبوط بنایا۔ غالباً سہ جام سکندر کے ایام تک بہاولپور سہ حکومت میں شامل تھا، جیسا کہ آگے ایک کتبہ سے معلوم ہوگا (۱)۔

سندھ اور ملتان کے درمیان تاریخی و سیاسی تعلقات اور روحانی رشتوں کی وجہ سے صدیوں کے عرصہ کے دوران سندھی اور سرائیکی کا باہمی تعلق مزید مستحکم ہوا۔ ملتان سے جنوب کی طرف موجودہ خطہ بہاولپور کی زبان پر سندھی کا گہرا اثر ہوا اور اس میں سندھی الفاظ اور محاوروں کی آمیزش شروع ہوئی؛ دوسری طرف سندھ میں سرائیکی کا 'سندھی' - سرائیکی لہجہ رائج ہوا۔ نویں صدی ہجری کی ابتداء میں سرائیکی بطور خاص سندھ میں اور اس سے اوپر بہاولپور کے علاقہ میں کتبوں اور دیگر تحریروں میں استعمال ہونے لگی، جس کا ثبوت بہاولپور اور سندھ میں دستیاب ہونے والی اینٹوں کے ان کتبوں سے ملتا ہے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔



۱- تحصیل اباوڑو میں، ریتی اسٹیشن سے تقریباً تین چار میل جنوب میں اور قدیم 'رینی ندی' - جو کہ اب ویران ہو چکی ہے - سے میل ڈیڑھ میل مشرق کی طرف 'وِجنوٹ' شہر کے کھنڈرات ہیں، سنہ ۱۸۷۳ء میں ان کی کھدائی ہوئی، وہاں سے دستیاب ہونے والی چیزوں میں ایک اینٹ بھی تھی، جس پر درج ذیل عبارت کندہ تھی: (۱)

سلطان سکندر بادشاہ ہی شان سیف اسم بالا

سرکار زھی سن سی باش ۳۵۵۱۳

کارگیر راقلم عدصر شد بس کار ابورا راطا

ظاہر ہے کہ یہ اینٹ سلطان سکندر کے عہد میں بنائی گئی۔ کتبہ کی پہلی سطر سرائیکی زبان میں ہے آخری سطر کی املا غالباً فارسی میں "کارگیر راقلم قاصر شد بس کار او تمام (شد)" معلوم ہوتی ہے۔

۲- تحصیل اباوڑو ہی کی سرحد کے قریب ضلع رحیم یار خان کے شہر "سنجر پور" کے نزدیک 'سروا ہی' کے کھنڈرات ہیں، جن کے نزدیک ایک پرانے کنوئیں کو ہموار کرتے ہوئے ایک اینٹ برآمد ہوئی، جس پر درج ذیل کتبہ تھا: (۲)

سلان سلبنڈ تپیان قکیا نام نصیر

کو کنایا پترگانمن دی اونتر نام ہمیر

وقت سکندر بادشاہ ملک دثی پہلوان

رعیت راضی ایہم جھی جو پدا نت جوان

ہک لک سلان لگ چکیان تیا کو تمام

تری سٹو ہوتی باغ دی راڈی اونتر جام (۲)

(۱) مسٹر فریڈ، ای، رابرٹسن، ایگزیکٹو انجینئر ریلوے، ریتی ڈویژن، جو کہ بروقت موجود تھا، اس نے اینٹ والی وہ عبارت اور دیگر دستیاب چیزوں کی تفصیل لکھی جو کہ ہمیں کے اخبارات میں شائع ہوئی۔ اس تفصیل کا قدرے اختصار کلنل بی، آر، برنٹنل نے "وِجنوٹ" کے متعلق اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے، جہاں سے یہ عبارت لی گئی ہے۔ دیکھئے:

"Vijnot and other old sites in N.E Sindh by Col. B.R Branfill, The Indian Antiquary, vol. XI - 1882, Bombay 1882."

(۲) کتبہ کی عبارت لکھتے وقت میں نے بعض الفاظ کو اردو تلفظ میں لکھا ہے تاکہ انہیں پڑھنے میں آسانی ہو۔ (مترجم)

اس کتبہ کو اردو رسم الخط میں یوں لکھا جاسکتا ہے: (مترجم)

سلان سلبنڈ چھیاں پٹھیا نام نصیر

کھو کنایا پتر گامن دے اونتر نام ہمیر

وقت سکندر بادشاہ ملک دثی پہلوان

رعیت راضی ایہم جھی جو پڈھا نت جوان

ہک لکھ سلان لگ چکیاں تھیا کھو تمام

ترے سٹو ہونے باغ دے رادھے اونتر جام

یعنی: نصیر بھنگیہ نامی خشت ساز نے اینٹیں بنائیں، اُنز ولد گامن (یا ہمیر ولد گامن انز) نے کنواں کھدوایا۔ والی ملک سکندر بادشاہ کے عہد میں، جب رعایا ایسی خوش تھی کہ بوڑھا بھی ہمیشہ جوان (محسوس ہوتا) تھا، ایک لاکھ اینٹیں استعمال ہو کر کنواں تیار ہوا اور انز جام نے باغیچے میں تین سو پودے لگوائے۔ پہلی سطر میں سندھی لفظ کُٹنایا (کھدوایا) کا پیوند لگا ہوا ہے۔ مذکورہ بالا کتبہ مرحوم مولانا محمد حفیظ الرحمن بہاولپوری نے اپنی کتاب ”ذکر کرام“ میں نقل کیا ہے اور اسے اردو رسم الخط میں لکھا ہے (۱)۔

اصل اینٹ پر اس عبارت کے حروف و الفاظ کا بعینہ رسم الخط کون سا تھا، وہ معلوم نہیں۔ البتہ کافی وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ ”سکندر بادشاہ“ سے مراد جام سکندر سندھ کا سہ بادشاہ ہے؛ جس کے دور حکومت میں مذکورہ بالا انز جام نے یہ کنواں کھدوایا۔ سموں میں ”جام سکندر“ نامی دو بادشاہ گزرے ہیں۔ جام سکندر ثانی (چودھویں بادشاہ) نے صرف ڈیڑھ سال حکومت کی اس وجہ سے یہ کتبہ اس کے نام منسوب نہیں ہو سکتا۔ البتہ جام سکندر اول (نواں بادشاہ) جس کا مکمل لقب اور نام غالباً ”صدر الدین جام سکندر شاہ بن خیر الدین جام تو گاجی“ تھا۔ وہ سنہ ۸۱۶ھ (۱۴۱۳ء) کے لگ بھگ تخت نشین ہوا (۲)۔ اگرچہ اس کا عرصہ حکمرانی صحیح طور پر معلوم نہیں، تاہم اس کتبہ کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اس نے پانچ سات سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ حکمرانی کی ہوگی جو اس کے دور حکومت میں ملک کی آبادی و رعایا کی خوشحالی میں اضافہ ہوا۔

۳۔ شمالی سندھ اور بالائی علاقہ (برے) میں ہم نے اس طرح کی دوسری اینٹیں تلاش کیں، ۲۳ جون ۱۹۷۵ء کو گاؤں گلو پتانی تحصیل میرپور ماتیلو میں ایک گھڑ (آورد بے اشعار کہنے والے) شر قوم کے نہال نامی شخص نے بتایا کہ شربلوچوں نے گاؤں میں کنویں بنوانے کے لئے لیارو کوٹ (۳) سے اینٹیں نکلوائیں، ان میں سے ایک اینٹ پر یہ لکھا ہوا تھا:

”اللہ بخش کھوہاری، سر پکھی آمیرن جی وادی سرہیہ جی ہل تی“

[اللہ بخش کھوہاری (۴)، اینٹ پکی امیروں کے دور میں سرسوں کے ایندھن پر۔]

اس سے ظاہر ہے کہ میر تالپوروں کے دور تک ان پکی اینٹوں پر سندھ کے حکمرانوں کا

نام لکھا جاتا رہا۔

(۱) دیکھئے: ”ذکر کرام“ مطبوعہ محبوب المطابع پریس دہلی، شائع کردہ بہاولپور سنہ ۱۳۵۵ھ، ص: ۱۲۸-۱۲۹۔  
(۲) سہ بادشاہوں کے سلسلہ اور حکمرانی کے لئے دیکھئے ہمارا انگریزی مضمون ”سندھ کے سہ بادشاہوں کا سلسلہ حکومت“ اس

کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۳) ’لیارو کوٹ‘ ضلع رحیم یار خان کی حدود میں تالپور میروں کا بنویا ہوا قلعہ۔

(۴) کھوہار: ذات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ”اللہ بخش کھوہار نے“۔ کھوہار کا ایک اور مطلب بھی ہے: سندھی میں ’کھوہ‘

(کھوہ) بمعنی کنواں، کھوہاری = کنواں تیار کرنے والا۔ (مترجم)

۴- قمر الدین پتانی نے بتایا کہ پہلے بھی ایسی اینٹیں میرپور ماٹھیلو کے خطہ سے ملی تھیں۔ اس نے بتایا کہ میرے دادا بتایا کرتے تھے کہ ایک اینٹ پر یہ لکھا ہوا تھا:

سل ٹبی ٹپٹھاری - صابو نان کوھاری

دلو راء دي واري - سل ہکی ہل چانی تہی

[اینٹیں بنائیں بنانے والے - صابو نام کھوار نے

دلوراء کے دور میں - اینٹ پکی تارا میرا (چوکر، بھوسی) کے ایندھن پر]

۵- تاریخ ۲۰ فروری ۱۹۶۶ء کو اُکھندے خان جسکانی (عمر اسی برس) نے بتایا کہ:

روہڑی شہر کے متصل انگریزوں نے مشرقی نارہ نہر نئے رخ کے پاس سے کھدوائی۔ ہمارے رشتہ دار وہاں مزدور تھے۔ روہڑی اسٹیشن کی موجودہ 'انجن شید' کے متصل ہی 'نارہ نہر' کی کھدائی کرتے ہوئے زمین سے تقریباً پانچ گز گہرائی میں ایک پکا کنواں برآمد ہوا، جس سے تین پکی اینٹیں دستیاب ہوئیں جن پر درج ذیل عبارت لکھی ہوئی تھی:

ذات پکارو

اوستو یارو

مانھہ جو گارو

سرھہہ جو ہل

سکندر جو وارو

ذات پکارو

[کارگیر یارو

ماش کا گارو

سرسوں کا ایندھن

سکندر کا دور]

۶- ہم نے موجودہ سندھ کے زیریں خطوں میں بھی اس قسم کی اینٹوں کی تلاش کی۔ ایک مرتبہ قدیم کھنڈرات تلاش کرتے ہوئے بتاریخ ۹ جولائی ۱۹۵۸ء کو ضلع لاڑکانہ میں میاں الیاس محمد کھوڑہ کے مقبرہ پر پہنچے۔ معلوم ہوا کہ میاں الیاس محمد سے پہلے بھی وہاں قبرستان تھا۔ اس کے آثار کے متعلق معلومات حاصل کرتے ہوئے وہاں کے مجاور رہبر لفقیر لاشاری سے معلوم ہوا کہ تقریباً ایک سال قبل (یعنی ۱۹۵۷ء میں) قبرستان کے جنوب مشرقی حصے میں بخت قوم کے لوگوں نے کسی فوت شدہ اپنے عزیز کے لئے قبر کی کھدائی کی تو وہاں سے ایک اینٹ برآمد ہوئی، جس پر کچھ الفاظ لکھے ہوئے تھے، جو یہ تھے:

”ٹپٹھ والی ٹبی سکندر دی واری دی“ (۱)

[اینٹیں بنانے والے نے اینٹیں بنائیں سکندر کے دور میں]۔

(۱) اس موقع پر محترم دوست محمد اسماعیل خان نون مرحوم (اس وقت دادو کے ڈپٹی کلکٹر) اور ہندو راقم ساتھ تھے۔ پیرل فقیر کی

اس روایت کو اسی وقت قلمبند کر لیا گیا۔

پیرل فقیر کو اس ہشتی کتبہ میں سے صرف یہی الفاظ اسی طرح یاد تھے۔  
۷۔ تاریخ ۱۲ مئی ۱۹۶۰ء کو بھٹ بھائی (تحصیل کپرو) میں عبدالکریم خاصلی نے بتایا کہ شادی پٹی اسٹیشن سے تقریباً ایک میل مغرب کی طرف (’بان‘ نہر سے مشرق میں) موجود ٹیلہ میں سے تلاش کرتے ہوئے ایک چورس اینٹ دیکھی جس پر درج ذیل شعر کندہ تھا:

کونی آکی سلان کنہ پکایان دلو نان کھاری  
جانپی دابل ہلایا، شاہ سکندر واری  
[اگر کوئی پوچھے کہ اینٹیں کس نے پکائیں؟ اس کا نام ولوکھوہارہ ہے، تارا میرا کا ایندھن  
جلایا، شاہ سکندر کے دور میں]۔

پیرل فقیر اور عبدالکریم خاصلی کی ان چشم دید گواہیوں سے ثبوت ملتا ہے کہ جام سکندر سمرہ کے عہد میں پختہ اینٹوں پر کتبہ لکھنے کا عام رواج تھا اور گنوں اور عمارت کے کتبوں کے لئے پختہ اینٹیں تمام سندھ میں استعمال ہوتی تھیں۔ دوسرا یہ کہ سندھی کے ساتھ سرائیکی زبان سندھ اور سندھ کے شمالی بالائی خطہ (سرے) میں عام تھی وہ نہ صرف بولی جاتی تھی بلکہ تاریخی کتبوں کے لکھنے کے لئے بھی استعمال ہوتی تھی، جیسا کہ اس اینٹ کی عبارت سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سندھی و سرائیکی گویا ایک ہی ملک کی دو زبانیں تھیں اور بطور خاص شمالی سندھ اور سرے (بالائی خطہ) میں دونوں کے قریبی رشتہ کی تصدیق قاضی قادن کے کلام (شعر) سے ہوتی ہے؛ جس کا بیان آئندہ ہوگا۔

### تعلیمی اور سرکاری زبان:

چوتھے باب میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ عرب حکومت کے بعد سمرہ دور میں بھی غالباً حسب دستور عربی بطور سرکاری زبان جاری رہی۔ ازاں سوا سمرہ دین اسلام کی طرف متوجہ ہوئے اس وجہ سے عربی کے ذریعے تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ چونکہ سمرہ قبائل بھی ابتداء ہی سے دین اسلام قبول کر چکے تھے اس لئے ان میں عربی تعلیم کا سلسلہ بھی قدیم دور سے رائج رہا۔ سمرہ دور کے آخر میں سمرہ قبائل غوث بہاؤ الدین زکریا کی تبلیغ و روحانی فیض سے دین اسلام کی طرف کچھ زیادہ ہی متوجہ ہوئے اور ان میں کئی صوفی درویش اور بزرگ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے سندھ میں تبلیغ اسلام اور تعلیم کو عام کیا۔ اس ماحول میں عربی تعلیمی زبان کے طور پر رائج ہوئی۔ سمرہ حکمرانوں نے ذاتی طور پر درسی کتب لکھوانے کے لئے کوششیں کیں، جس کا ثبوت اس دور میں ’منطق‘ پر لکھوائی گئی ایک درسی کتاب سے ملتا ہے، جو اتفاقاً زمانے کی دستبرد سے بچ گئی ہے

اور آج تک قلمی صورت میں موجود ہے (۱)۔

منطق کی درسی کتاب ”شمہ فی المیزان“ کے مطالعہ کو مزید آسان بنانے کے لئے جام انز عرف محمد سکندر شاہ ثانی نے ۵۸/۸۵۷ھ (۱۳۵۶ء) کے لگ بھگ (۲) منگور (کاٹھیاواڑ) کے استاد و عالم مولانا علاؤ الدین (۳) سے استدعا کی کہ وہ اس کتاب کو از سر نو وضاحت (شرح) کے ساتھ مرتب فرمائیں، جس پر مولانا علاؤ الدین نے ”الزبدۃ“ کے نام سے ”شمہ فی المیزان“ کی شرح لکھی۔

کتاب کے مقدمہ میں مؤلف رقمطراز ہے:

”فقد سألنی من لا یسعی ان یراعی فضلہ ان یراعی شجر حسادہ و غیظ عداہ، الاحرى لمن یقصد فی حقہ مدحا یناسب فضلہ ان یراعی شجر حسادہ و غیظ عداہ، ان یرى مبصر و یسمع واع - وهو الملك المعظم ذوالحلم والعلم والجود والکرم محمد المعروف بانر بن فتح خان بن طوغاچی بن جام لا زال له من التوفیق عصام من التایید قوام - ان اکتب ما یجری مجرا الشرح للشمہ فی المیزان لینفع به من یهتم بشانها من الخلان.“

[مجھے ایک ایسی ہستی نے کہا، جس کے انکار کی مجھے طاقت نہیں، جس کی فضیلت کے موافق و مخالف بھی قائل ہیں، اگر کوئی اس کی کما حقہ مدح کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ اس کے حاسدوں اور دشمنوں کی کدورت سے کنارہ کشی اختیار کرے تاکہ دوسروں کے لئے حقیقت صحیح طرح سے واضح ہو۔ وہ ہے ملک المعظم ذوالحلم والعلم صاحب جود و کرم محمد المعروف انز بن فتح خان بن توگاچی بن جام۔ خدا کرے کہ ہمیشہ اس کی ذاتی خوبیوں کے ساتھ توفیق شامل حال رہے اور مالک کی مدد اس کا سہارا ہو، اس نے مجھے حکم دیا کہ میں ”شمہ فی المیزان“ کی شرح

(۱) ”الزبدۃ“ جس کا ذکر ذیل میں آیا ہے، وہ سندھ میں درسی کتاب کے طور پر پڑھائی گئی، جیسا کہ سندھ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں محفوظ اس کتاب کے قلمی نسخہ پر کی گئی حاشیہ آرائیوں سے ظاہر ہے۔ اس کتاب کے تین خطوطے لندن کی انڈیا آفیس لائبریری میں محفوظ ہیں۔ ایک نسخہ قاضیان کوٹوی کے کتب خانہ میں ہے، گجرات کی طرف بھی یہ کتاب مقبول رہی اور اس کا ایک نسخہ احمد میاں اختر جونا گڑھی مرحوم کے کتب خانہ میں بھی موجود تھا جو راقم کی نظر سے بھی گزرا تھا۔

(۲) اس سہ حکمران کے نام، لقب اور دور حکومت کے لئے دیکھئے ہمارا انگریزی میں تحقیقی مقالہ ”سندھ کے سہ حکمرانوں کا سلسلہ حکومت“ پاکستان ہسٹاریکل ریکارڈس اور آرکائیوز کمیشن کے دوسرے اجلاس (پشاور) کی روداد، پاکستان گورنمنٹ پریس، کراچی ۱۹۵۷ء

(۳) مصنف کا نام ”انڈیا آفیس لائبریری“ کے ایک قلمی نسخے کے پیچھے دیا ہوا ہے۔ (دیکھئے اس لائبریری کی ”عربی کتب کی فہرست“ لندن ۱۸۷۷ء، ص ۱۵۶)

لکھوں تاکہ اس کی شایانِ شان اہتمام کرنے والے احباب اس سے نفع حاصل کر سکیں۔ (۱) غالباً سہ دور کے آغاز سے ہی فارسی، سرکاری زبان کے طور پر استعمال ہونے لگی، جس کا اہم سبب یہ تھا کہ اس سے تقریباً دو سو برس قبل فارسی دہلی کی مرکزی حکومت کی دفتری اور سرکاری زبان کی حیثیت سے کافی اہمیت حاصل کر چکی تھی، نیز صوبائی گورنروں کی دفتری زبان کی حیثیت میں وہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں عام کاروباری زبان کے طور پر رائج ہو چکی تھی۔ سہ طاقت کے آغاز میں سندھ کے پڑوسی خطے۔ گجرات اور ملتان براہ راست دہلی کے ماتحت تھے اور وہاں کے گورنر سندھ کے سیاسی انقلاب۔ یعنی سومروں کے زوال اور ستوں کی ابھرتی ہوئی طاقت۔ کو غور و فکر سے دیکھ رہے تھے۔ ملتان کا گورنر عین الملک ماہر و خاص طور پر سہ سردار جام بھانمہ کی سرکشی کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے، آخری سومرہ حکمران ہمیر ولد دودو کی ہمت افزائی کر رہا تھا اور ”اس کے وجود کے پودے کو حادثات کی تند و تیز ہواؤں سے بچا رہا تھا“ اور ساتھ ہی جام بھانمہ اور اس کے حامیوں اور ساتھیوں کو خط و کتابت کے ذریعے متنبہ کر رہا تھا (۲)۔

اس عرصہ میں ایک مرتبہ شیخ الاسلام صدر الدین ملتانی اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے درمیان میں پڑ کر کچھ شرائط پر طرفین (دہلی اور سندھ) کے مابین صلح کرانے کی کوشش بھی کی لیکن صلح نہیں ہو سکی۔ گورنر عین الملک نے سیوہن پر لشکر کشی کردی اور جام بھانمہ نے اس لشکر کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعے بات چلائی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ گورنر عین الملک نے اس تمام سیاسی ہنگامہ کا اپنے بعض خطوط میں تذکرہ کیا ہے، جو اس نے بعض لیڈران سندھ اور با اثر شخصیات کی طرف لکھے تھے؛ ان خطوط میں، اہل سندھ کی طرف سے اس کے نام لکھے گئے خطوط میں جام بھانمہ کی سرکشی و جھٹ بازی اور سیوہن میں شاہی لشکر کی طرف اس کے مراسلات کا ذکر ہے (۳)۔

گورنر عین الملک کے مراسلات چونکہ فارسی میں ہیں اس لئے جام بھانمہ اور دیگر سربراہان سندھ کی طرف سے مراسلت بھی فارسی ہی میں ہوئی ہوگی۔ یہ وہ قدیم ترین فارسی خط و کتابت ہے جو مرکزی حکومت دہلی کے گورنر اور سندھ کے سہ حکمرانوں اور دیگر سرکردہ لوگوں کے درمیان ہوئی، جس کا پختہ تاریخی ثبوت موجود ہے۔ اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ سہ

(۱) انار اہق قدوسی نے سید حسام الدین راشدی کے حواری سے لکھا ہے کہ: ”اس کتاب کے مقدمے میں اس جام کا نام اس طرح درج ہے: الملک المعظم محمد المعروف از بن فتح خان بن صدر الدین بن طماچی بن جام“ تاریخ سندھ حصہ اول، ص ۳۶۵ (مترجم)

(۲) انشائی ماہر، مطبوعہ شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ص ۸۷

(۳) انشائی ماہر، مطبوعہ شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ص ۸۷

طاقت کے آغاز ہی سے فارسی، سیاسی معاہدات و مراسلات کی زبان تسلیم ہونے لگی۔ گورنر عین الملک کے خطوط میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ 'جام جونہ' (یعنی جام بامبھئیہ کا چچا جام جونہ) اس وقت بھی سلاطینِ دہلی کی اطاعت کا خواہاں اور ہر شاہی فرمان تسلیم کرنے کے لئے تیار تھا؛ اسی لئے بعد میں جام بھامبھئیہ کو دہلی میں نظر بند رکھا گیا اور 'جام جونہ' کو سلطان فیروز کی طرف سے ٹھٹھہ کا جام مقرر کیا گیا، جس نے علاؤ الدین 'جام جونہ' کے لقب سے تقریباً ۷۷۷ھ سے ۹۰/۹۱ھ (۱۳۸۸ء) تک ٹھٹھہ پر حکومت کی۔ اپنے دور حکمرانی میں اس نے ایک قدیمی بزرگ شیخ حاجی ابوتراب کے مزار پر ۷۸۲ھ (۱۳۸۰ء) میں گنبد بنوایا اور اس پر فارسی میں درج ذیل کتبہ لگوایا، جس کے شروع میں سلطان فیروز شاہ کا نام آداب و القاب کے ساتھ لیا گیا ہے اور اس کے بعد خود "علاؤ الدین جام جونہ" کا نام درج ہے۔

بہمد شہریارِ دہر سلطانِ داورِ دوران  
 شہِ فیروز منصور و مظفر در صفِ میدان  
 بامرِ سرفرازِ سند خاصِ حضرتِ عالی  
 کہ پایِ قدر او اعلیٰ زُفَرُ فَرَقَدِ تابان  
 ستونِ 'جام' جمِ سیرتِ 'علاؤ الدین' دریا دل  
 کہ از ارزانیِ لطفش جہاں شد جملہ آبادان  
 برآمدِ آئینہیں گنبدِ معلیٰ کز صفا صگوئی  
 بسانِ بیتِ مسعود آمد ست از ہارِ ایں ایوان  
 مقامِ شیخِ حاجی بوترابی آں دلی اللہ  
 کہ بر درگاہِ او گردد روا حاجاتِ خلقِ آسان  
 بسالیِ ہفصد و ہشتاد و دو از ہجرتِ احمد  
 زعونِ ایزد و ذوالن و الافضال والاحسان  
 بنا شد ثالثِ ماہِ صفرِ ایں روضہِ میمون  
 بسعیِ کمترینِ بندگانِ موئی بن شہیمان (۱)

(۱) اعجاز الحق قدوسی نے بھی اس کتبہ کو نقل کیا ہے جس کے پہلے مصرع میں 'دوران' کے بجائے (کذا) لکھا ہوا ہے اور دوسرے مصرع کے آخر میں 'میدان' کے بجائے شاہاں کا لفظ ہے، اسی طرح تیسرے مصرع میں 'سرفرازِ سند' کے بجائے 'سرفرازِ ہند' ہے، پانچویں مصرع کا ابتدائی لفظ 'ستودہ' ہے اور چھٹے مصرع میں 'ارزانی' کے بجائے 'مہمانی' کا لفظ ہے اور آٹھویں مصرع میں 'مسعود' آمد ست از ہار کے بجائے 'معمور آمد ست از ہار' کا جملہ ہے، بارہویں مصرع میں 'ایزد و ذوالن' کے بجائے 'ایزد و ذوالن' ہے۔ دیکھئے تاریخِ سندھ حصہ اول، ص ۳۵۰ (مترجم)

یہ کتبہ آج تک موجود ہے (۱)، اور سہ دور حکومت کا سب سے قدیم کتبہ ہے، جو عربی کے بجائے فارسی میں لکھا گیا ہے۔ اس کتبہ سے ظاہر ہے کہ سہ دور سے ہی سرکاری تحریروں اور یادگاروں میں فارسی زبان استعمال ہونے لگی اور وہ سرکاری زبان کی حیثیت سے ملکی کاروبار میں دخل ہوئی۔ سہ دور میں سندھی زبان کے روایتی ادب کا ذخیرہ:

سومرہ دور میں ”دودو-چنیسر“ کی رزمیہ داستان کے علاوہ، جسے سندھ کے سلیقہ مند شعراء اور راویوں، بھانڈوں اور بھانٹوں نے جذبہ حب الوطنی سے گایا، باقی تمام داستانیں قصہ خوانی کے طور پر رائج ہوئیں۔ عمر-مارئی اور ’مول-رائو‘ کے قصوں میں سومرہ بادشاہوں کی تعریف یا ان کی بہادری کے بجائے ان کی کمزوریوں کا پہلو نمایاں ہے اس لئے غالباً یہ قصے سہ دور میں ہی آزادانہ طور پر گائے گئے۔ بعض تاریخی علامات اور عام مردج مقامی روایات کی جانچ پھٹک اور ان پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سومرہ حکومت کے زوال کے وقت سہ خوشحال اور بڑے زمیندار تھے۔ انہوں نے سیاسی استحکام کی خاطر عوام کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے دل کھول کر سخاوت کی جس وجہ سے لوگ ان کی طرف زیادہ مائل ہوئے۔ بھانڈ اور بھاٹ گویا اس دور کے اخبارات تھے، جنہیں سہ زمینداروں نے خاص طور پر بسایا، اس لئے انعام کی لالچ اور امید پر بھانڈوں اور بھانٹوں نے ان کی سخاوت کو مشہور کیا اور ان کے نام و ناموس کو بڑھایا۔

سہ دور میں بعض گزشتہ سہ سربراہوں مثلاً جام لاکھو، جام جکھرو، جام اوٹھو جکھرائی، ہنڈ تھدیانی، وکیہ داتار، پیٹر جام وغیرہ کی سخاوت کے قصے مشہور ہوئے۔ سومروں کی بہادری کے کارناموں کے مقابلے میں بھانڈوں اور گوتوں نے ’جام لاکھو‘، ’جام اہڑوسہ‘، ’جام پونڑو‘، ’کارائو‘ سہ جیسے سربراہوں کی دلیری کے کارناموں کو سراہا اور انہیں شہرت دی۔ دوسری طرف ان سلیقہ مند دانا لوگوں نے سومرہ دور کی عشقیہ داستانوں مثلاً جام لاکھو اور مہر رانی، جام لاکھو اور اوڈ قوم کی ایک عورت، جام اڈھو اور ہوتھل پری، جام جراڑ اور بونا، جام تماچی اور نوری کے قصوں کو گایا اور مشہور کیا۔

نہیں کہا جاسکتا کہ ان قصوں اور داستانوں میں سے کون سا قصہ کس خاص دور میں معروف ہوا، سوائے ’جام تماچی اور نوری‘ کی داستان کے، جس کی بنیاد ہی سہ دور میں پڑی۔ یہ داستان جام تماچی کے عرصہ حکمرانی سے وابستہ ہے۔ تاریخی مطالعہ کی بنیاد پر کہہ سکتے ہیں کہ ”رکن الدین شاہ جام تماچی بن فیروز الدین شاہ جام انڑ نے پہلی مرتبہ سنہ ۷۶۸ھ سے ۷۷۷ھ (۱۳۶۶-۱۳۷۵ء) تک ”خیر الدین جام تو گاچی“ سے مل کر حکومت کی۔ اس کے بعد وہ نظر بند

(۱) چونکہ یہ فارسی زبان کا سندھ میں قدیم ترین تاریخی کتبہ تھا اس لئے راقم نے سندھ صوبائی میوزیم کے اعزازی ڈائریکٹر کی حیثیت سے اس اصل کتبہ کو میوزیم میں محفوظ کروادیا تھا اور اس کی ہو بہو نقل از سر نو اسی جگہ پر شیخ ابو تراب کے مقبرہ میں لگوادی تھی۔



ہو کر دہلی چلا گیا اور سلطان فیروز شاہ کی وفات کے بعد سندھ واپس آیا اور غالباً ۹۰/۹۱ھ سے ۹۴ھ (۱۳۸۸-۱۳۹۲ء) تک حکومت کرتا رہا (۱)۔ اس اعتبار سے نوری اور جام تماچی کی داستانِ محبت آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) کے اواخر کی ہے۔

ہوشیار اور گنی قسم کے بھانڈوں، بھانٹوں اور گویوں نے نہ صرف سہ سرداروں کی سخاوت و دلیری اور محبت کی داستانوں کو نئے سرے سے زندہ کیا بلکہ ان داستانوں کو ”فنِ قصہ خوانی“ کے طور پر بھی گایا اور گانے کی خاطر ”مُعَمَّو“ کو ان قصوں اور داستانوں کے تانے بانے میں بُنا۔ ”مُعَمَّ“ ترتیب کے لحاظ سے دوہرے منظوم مصرعے ہیں جن میں قصہ کے کچھ خاص نزاکت کے مواقع کا مضمون سمایا ہوتا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ ”مُعَمَّو“ کے ذریعے باتیں کرنا کب سے شروع ہوا؟ یا ”مُعَمَّو“ سے قصے کس نے بنائے؟ البتہ سندھ کے سلیقہ مند شعراء اور راویوں کے زبانی اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصے اور کہانیاں زبانی روایت کے طور پر قدیم زمانے سے بھانڈوں، گویوں اور دیگر سلیقہ مند شاعر راویوں کی زبانی چلتی آرہی ہیں، چھوٹے اپنے بڑوں سے انہیں سنتے اور سیکھتے آرہے ہیں۔ سموں کی سخاوت، دلیری اور عشقیہ داستانوں سے متعلق تقریباً دس-پندرہ قصے پرانے زمانے سے ہی رائج ہیں، اگرچہ ان میں سے اکثر کی واقعاتی بنیاد غالباً سومرہ دور میں پڑی، مگر فنِ قصہ خوانی کے اعتبار سے ان کے سانچے اور قالب سہ دور میں ہی بنے۔ ان میں شامل وہ ”مُعَمَّ“ جو ہمیں موجودہ دور کے راویوں سے ملتے ہیں، اور جنہیں انہوں نے اپنے بڑوں سے سیکھا، وہ سب کے سب قدیم دور کے نہیں ہیں: اکثر ”مُعَمَّو“ میں الفاظ خواہ خیالات کی بناوٹ بہت بعد کی معلوم ہوتی ہے۔ خاص طور پر ایسے معنے جن کے پہلے یا آخری مصرع کے درمیان میں قافیہ موجود ہے وہ اکثر بعد کے دور کے کہے ہوئے ہیں۔ مگر کچھ معنے اپنی لفظی ترتیب اور معنوی لحاظ سے قدیم معلوم ہوتے ہیں اور وہ غالباً سہ یا سومرہ دور کے ہیں۔ ہم اپنی موجودہ تحقیق کی بنیاد پر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ذیل کی مثالیں ان قدیم ”مُعَمَّو“ کی ہیں جو غالباً سہ دور میں بنائی اور گائی گئیں (۲)۔

### سرفروشی کے متعلق معنے:

سومرہ دور میں بھی سہ سربراہوں نے دورانِ جنگ قابلِ فخر کارنامے سرانجام دے کر خود کو سرخرو کیا۔ جیسا کہ ”جامِ پُونِشرہ“ نے گجروں پر چڑھائی کی اور جامِ ابوِ سہ نے حفاظت و پناہ میں آنے والوں کو تحفظ دیا اور اس پر اپنا سر دے کر سرخرو ہوا۔ ایسے بہادروں کے کارناموں کو

(۱) دیکھئے راقم کا تحقیقی مقالہ ”سندھ کے سہ حکمرانوں کا سلسلہ حکومت“ پاکستان ہسٹاریکل ریکارڈس اور آرکائیوز کمیشن کے دوسرے اجلاس (پشاور) کی روداد، پاکستان گورنمنٹ پریس، کراچی ۱۹۵۷ء، ص ۲۳-۲۱

(۲) تفصیلی مطالعہ کے لئے دیکھئے لوک ادب تجویز کے تحت ”مجاہد سان کالہیون“ اور ”عشقیہ داستان“ اور ”کارہائے سرفروشی“ کے بارے میں مرتب کردہ کتابوں پر مصنف کے لکھے ہوئے مقدمے۔

غالباً سومرہ دور میں ہی بگایا گیا۔ ان مشہور جنگی کارناموں کے علاوہ دیگر سورما سربراہوں کی شجاعت کے کارناموں کو بھی بگایا گیا، جن میں سے ’جام لاکھا‘ اور ’کارانو‘ سمے کے متعلق معنی کافی قدیم معلوم ہوتے ہیں۔

### جام لاکھو:

سموں میں سے ”جام لاکھو“ غالباً قدیم تر سورما اور تخی سردار تھا۔ جو سومرہ دور، بارہویں صدی عیسوی میں، ایک اور روایت کے مطابق سومروں کے ادا کی عروج سے بھی پہلے دسویں صدی عیسوی میں ہو گزرا ہے (۱)۔ ”شاہ جو رسالو“ کے ”سر ڈھر“ (ڈھر) اور دیگر رسائل میں جام لاکھو کی لوٹ مار اور بھاگوانوں پر حملوں کا ذکر موجود ہے (۲)۔

لاکھو بڑا سرکش سورما تھا: اس نے کہا کہ جو شخص بھی مجھے میرے باپ ”بھٹل“ کے موت کی خبر سنائے گا میں اس کی زبان کٹا دوں گا، آخر ایک بھاٹ نے چالاکی و مکاری سے اسے یوں خبر سنائی کہ:

هڪ ڦل پسجن واڙين، ٻٽاجي ٻئين ڏاڻ

لاکا! آء مھراڻ، توري سڄو ڪاڇڙو

[یعنی (بھٹل) نام کا اب کوئی نظر ہی نہیں آتا، سوائے اس کے جو) ایک قسم

کے بھٹل (پھول) تو باڑیوں کی بیلوں میں اور دوسرے بھٹل (پھل) (۱) ٹھیسوں میں بھنتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لاکھو! مھراڻ کی مانند آ جا! تیرے بغیر ’کاچھڑو‘ ویران ہے]

### کارانو و سمہ:

کارانو و سمہ علاقہ کچھ میں ”گرڑیو آبڑا سیو“ کے پٹنگھر جام کا بیٹا تھا، وہ بڑا بہادر اور لیسرا شخص تھا اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ بالآخر اس وقت کے حاکم کچھ اور اس کے وزیر نے ایک منصوبہ بنایا جس کے تحت ”کارانو“ قلعہ کے اندر گھیرے میں آگیا، اس نے قلعہ کے اوپر سے چھلانگ لگا دی تو نیچے کھائی میں لگی ہوئی فولادی سلاخوں کی نوکوں پر جا گرا، جو اس کے پیٹ میں گھس گئیں۔ مرنے کے بعد اس کی گردن کاٹ کر بھیج دی گئی جس کو اس کی بہن نے جھولے میں ڈال کر جھلاتے ہوئے اس پر بین کیا کہ:

(۱) کچھ علاقہ کی روایت کی زد سے ”لاکو“ بکری سال ۹۷۶ یعنی نویں صدی عیسوی کے آخر میں پیدا ہوا۔ جس کا مطلب ہوا کہ وہ دسویں صدی میں جوان ہوا:

سڀت نو سو چاهتر، ٻيج تي ڪارنڪ ماس

تھن ڏيھن لاکو جڻيو، سورج جوت پرڪاس

(۲) تفصیل کے لئے دیکھیے رام کا کتابچہ ”لاکو بھلائی“، مطبوعہ سندھی مجلس، سندھ یونیورسٹی پریس سنہ ۱۹۵۷ء

(۳) سندھی میں بھلا بمعنی بھنے ہوئے دانے بھی آتا ہے۔ (مترجم)

کارابل جي ڪوڏ، مون ننگر سڀ نهارڻا  
پينگهي پائي لوڏ، سر سمي جام جو  
[محبوب کی تلاش میں، میں نے تمام شہر دیکھ ڈالے،  
(اب اُسی) سمہ جام کا سر جھولے میں ڈال کر جھلار ہی ہوں۔]  
سڌاوت کے متعلق مُعْتَمَ:

سمہ سرداروں نے دل کھول کر سڌاوت کی اور غریب و غرباء بلکہ نادانوں کو بھی انعامات اور خلوتیں عطا کیں۔ بھانڈوں، بھانٹوں اور گودوں کو مال کر دیا، جنہوں نے اپنے ان مریبوں اور ان کے بڑوں کو ”داتا“ کے طور پر تسلیم اور مشہور کر دیا۔ اس طرح سوں میں سے ”دس داتا“ مشہور ہوئے: لاکھو پھلانی، جکھر و اوڈھانی، ٹھنڈ تھدیانی، اوڈھو جکھریانی، سپر چوٹانی، جسودن آگرو، جام و تنخمر، وکیو داتار، رائے ڈیاچ اور جام کرن۔ بھانڈوں اور بھانٹوں نے ان فیاض لوگوں کی کہانیوں کو مُعْتَمَ میں گایا اور سراہا، جس کی مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں:

جام لاکھو اور سونا تقسیم کرنے والا سوداگر:

جام لاکھو کی سڌاوت (۱) مشہور تھی، اس کی وفات کے بہت بعد کسی مسافر نے ”پران دریا“ سے پوچھا کہ:

جھونی تون پراڻ، جڳ چٽيمه سنيرين  
توڪي ڏنا هاڻ، لاڪي جهڙا پھڙا  
[اے پران دریا! تو بہت قدیم زمانے سے ہے، تجھے چٽيسيوں (مطلب: لاتعداد)  
زمانے یاد اور تیرے دیکھے ہوئے ہیں۔ تو نے ”لاکھا“ جیسا کوئی قاصد (اپنے اوپر سے گزرنے والا شخص) دیکھا!]

پران دریا نے جواب دیا کہ:

لاکا لڪَ لنگھڻا، انڙ ڪروڙيون. اٺ  
هيم هيڙاڻو هيڪڙو، جو وري نه آيو مون وٽ

[”لاکھا“ تو لاکھوں آئے نیز کروڑوں ”اٺ“ (۲) بھی آئے، لیکن سونے کا

سوداگر ایک ہی میرے پاس سے گزرا، جو دوبارہ نہیں آیا۔] (۳)

- (۱) سمہ قوم کا مشہور بادشاہ ”جام لاکھو“  
(۲) سندھ کے مشہور سمہ خاندان کے حکمرانوں میں سے حاکم کا نام جو جام اٺ کے نام سے مشہور ہے۔ (مترجم)  
(۳) ”ماہن سان کالھيون“ کے مقدمہ ”ل“ پر یہ شعریں ہیں:  
لاکا لڪَ آڻيا، انڙ ڪروڙيون اٺ      پر هيم هيڙاڻون هيڪڙو، وري نه آيو مون وٽ (مترجم)

کہتے ہیں کہ 'جام لاکھو' جس وقت 'پران' دریا پر منزل انداز ہوا تو اس نے درختوں کو سرخ جوڑے پہنائے، لیکن سونے کا سوداگر جب "پران" کے کنارے منزل انداز ہوا تو اس نے وہاں کے درختوں اور پودوں پر سونے کے زیورات آویزاں کروائے جو اس نے واپس نہیں اتروائے۔  
ورکیو داتار (داتا):

ورکیو داتار سے "سومنگ" نامی گویے نے بے موسم پیلو درخت کے پھل کا سوال کیا جس کے جواب میں وکیو نے اس سے کہا کہ:

انبن لگی کیری، جارین لگی چت  
ور چارن، مات کر، جیسین اچی وت  
[کیری = کچے چھوٹے آم؛ چت = پیلو درخت کے پھل کے گچھے/خوٹے، یعنی ابھی پیلو درخت کے پھل کچے ہیں جب تک اس کا موسم آئے تب تک انتظار کر]  
جکھر و اوڈھانی اور اوڈھو جکھرائی:

جام اوڈھو کا بیٹا جام جکھر و بڑا سخی شخص تھا، جس نے بارے میں بھٹائی صاحب نے بھی کہا ہے:

ڈمرجی تہ ڈی، پرچی تہ پت پری  
جنگ جکری کی، ہٹی چنگیون چت ہر  
[ناراض ہو کر بھی دیتا ہے، مصالحت اور راضی نامہ کرے تو میدان بھر ڈالے، بہادر اور بانے پہلوان جکھرے کے قلب و دماغ میں دونوں اچھی سوچیں ہیں۔]  
اس کی نسل سے "جام اوڈھو" پیدا ہوا، جو بڑا سخی مرد تھا۔ اس کے متعلق ایک قدیمی "مُتْمَہ" ہے:

اوئی جی ڈانن، کیهون ابر لگیون  
رج پینی رائین، ڈاتار تہ ڈتجی ونا  
[اوڈھو نے عطا اور بخشش (دین) میں جو ریوڑ دیئے ان کے پاؤں سے اٹھنے والی دھول، بادلوں سے جاگلی]

اُس گرد میں رانیاں اور بڑے سخی لوگ بھی پھپ گئے

ھُند ھدھیانی:

"جام ساہز" کی اولاد میں سے مشہور سخی شخص تھا۔ اس کے لئے کہا گیا:

تڏي تڻجُ ڏناس، سمون ساھڙ پُٺِ ۾  
 ٻڌرو ٻر کنڊاس، ھٽند تڏيائي تڻو  
 [”ساڙ“ کي نسل ۾ ”سم“ کوٽھندا دودھ پلايا ٿيا  
 (اس کي نسل ۾) ٻُڌند تھدياڻي پيروني ممالڪ ۾ بهي مشهور ھوا۔]

### عشق و محبت کي داستانوں کے متعلق مُعْتَمَد:

”جام لاکھو“ اور ”جام اڏھو“ غالباً سم دور ۾ پھلے ڪے ھن، ان ۾ ”جام لاکھو“ اور ”جام اڏھو“ ۾ ”پري“ کي داستانِ محبت قديم دور ۾ مشهور ٿي۔ ان داستانوں کو سم دور ۾ بڙے ذوق و شوق ۾ لکيا ٿيا۔ ”جام تماچي“ اور ”نوري“ کي عشقيہ داستان کي بنياد ھي سم دور ۾ حڪومت ڪے ابتدائي دور ۾ پڙي، ان ڪے علاوہ ”بوني“ اور ”جراڙ“ کي داستان ۾ بهي غالباً سم دور ڪے آخر ۾ نشوونما پائي۔ ان تمام داستانوں کي روايت ۾ ۾ معنائن اور اشعار ھن، جن ۾ ۾ بعض تو بہت قديمي ھن۔ يہاں پر ہم بطور مثال ”جام اڏھو“ اور ”پري“ ڪے قصے ۾ متعلق ڪچھ اس قسم ڪے معنائن اشعار پيش ڪرتے ٿيا جو زبان کي ترتيب ڪے لحاظ ۾ قديمي معلوم ھوتے ھن اور غالباً سم دور ۾ ڪبے ڪيے ھن۔ جام اڏھو کي بھائي اس ۾ فرقيتہ ھوئي ليڪن جام اڏھو ۾ اپني پاڪ دائمي کو برقرار رکھا، بعد ۾ ۾ جس وقت جام اڏھو ملڪ چھوڙنے لگا تو اس کي حيران و پريشان افسردہ بھائي ۾ آھ و زاري ڪرتے ھوئے ڪھا ڪ:

اتر سيگھون ڪيڊيون، ڏونگر ڏمريا

ھينڙو ڦٽڪي مچي چين ساجن سنيريا

[شمال ۾ تند و تيز ھوائين چلے لگن، پھاڙ ۾ بربت غضبناڪ ھوئے،

ساجن کي روايتي کي تياري کي وجھ ۾ دل ۾ چھل کي طرح ٽڙپ رھا ٿي۔]

ھوٽل پري ۾ جام اڏھو کي محبت کا اظھار ڪرتے ھوئے ڪھا ڪ:

اُڏا! توسين آ، ڪروسين نہ سپ ڄمار

شل ٿر – ٻا ٻيھڙي ٿي مران

[اُڏا! تيرے ساتھ رغبت ھي ڪاش! تو ساري زندگي افسردہ اور دھيمانہ ھو

(اگر ايسا ھو تو پھر) اللہ ڪرے ڪہ ۾ ۾ ريگستاني فاختر بن ڪر مر جاؤں۔]

مزيد ڪھا ڪ:

وساريان نہ وسرن، وسرن نہ سين

جي نہ ٿمن نيٺ، ٿر – ٻا ٻيھڙي ٿي مران

[بھلائي ھول تو بهي ساجن بھولے ٿيس، اگر آنکھين نہ برس تو ريگستان کي فاختر بن ڪر مر جاؤں۔]

اڈھو اور ہوتھل پری کی شادی ہوئی تو:

رڻ وڳڻ مایو و، چانیو ڈاڙھون ڊاک (۱)  
ایو هوڻل پرتیا، سورج پری ساک  
[بیابانی راستہ سرسبز و شاداب ہو گیا، انار و انگور سے ڈھک گیا  
اڈھو اور ہوتھل کی شادی ہوئی، سورج گواہ بنا۔]

ہوتھل کو اڈھو کی یاد:

چیر تو تی چت، وئی مینھن نہ اجر  
ور جوین جا مت، نیٹ چتاریا نہ چلن  
[پھاڑ! تیرے نشان برسات سے مٹتے نہیں  
اپنی بیویوں کے محبوب واپس آ، آنکھیں راہیں دیکھتے ساکت ہو گئی ہیں۔]  
ہوتھل پری کا اڈھو کو چھوڑ جانا:

چڑھی پھن چکاس، ای کی تی اتھین  
قلین جھڑی نار، وئی نگامری نکری  
[پھاڑوں پر چڑھ چکا (ہوتھل) کو دیکھنے کے لیے  
پھول جیسی بیوی، بد نصیب نکل کر چلی گئی۔]  
اڈھو کو ہوتھل پری کی جدائی کا غم:

پائی مٹی پن، چین ٲو ٲڈی اپڑی  
تین هوڻل منھنجو من، لوڑھی وڈو لھرین  
[جس طرح سطح آب پر درخت کا پتہ ڈوبتا تیرتا ہے، اے ہوتھل! میرا من بھی اسی طرح  
(غم فراق کی) لہروں میں آیا ہوا ہے۔]  
ہوتھل کو اڈھو کا غم فراق:

کائی کاء کیون، چین سرو سانگھیڑو کری  
منھنجو تین ہنیون، اج ای کی کاڈو  
[جس طرح گھن لکڑی کو کھا کر کھوکھلا کر دیتا ہے میرا اندر بھی اسی طرح ”اڈھو“ نے  
کھوکھلا کر دیا ہے۔]

یہ سب سہ دور کے روایتی ادبی ذخیرہ کی چند مثالیں ہیں، جن میں اس دور کی بہادری، سخاوت و محبت کی داستانیں مذکور ہیں۔ ایک تو حاکموں اور سربراہوں کی سخاوت، دوسرا: گویوں، بھانڈوں اور بھانٹوں کو انعامات کی امید اور تیسرا: سندھی زبان میں بیان کی قوت و قصہ خوانی کی بڑھتی ہوئی صلاحیت۔ ان تینوں نے روایتی ادب کے ذخیرہ میں بڑا اضافہ کیا۔ بھانڈوں، بھانٹوں اور گویوں نے نہ صرف ان قصوں اور کارناموں کو از سر نو زندہ اور ملک بھر میں مشہور کیا بلکہ مضمون اور اشعار کو ان داستانوں کے تانے بانے میں کُن کر انہیں خاص اہتمام سے گایا بھی اور یوں انہوں نے سندھی زبان میں قصہ خوانی کے فن کو عروج پر پہنچادیا۔

### ماموئیوں کے اشعار: (۱)

ماموئیوں کے شعر بھی سہ ادائلی دور کے اس روایتی ادب کے سلسلے میں شامل ہیں، مگر وہ واقعات کے اعتبار سے نیم تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ ذیل میں اشعار پر تنقیدی نگاہ سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔ عام روایات میں بہت سارے اشعار 'نفت تن' (سات) ماموئیوں کی طرف منسوب ہیں، مگر ان کی ترتیب اور معنی سے ظاہر ہے کہ ان میں سے بہت سارے اشعار بعد کے دور کے ہیں۔ البتہ درج ذیل دو شعروں کے مضمون کے اندرونی اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالباً سومرہ حکومت کے زوال اور ستموں کے ابتدائی دور عروج کے ہیں (۲)۔

(۱) سندھی میں "مام" کے معنی ہیں خفیہ وصف، رمز، راز، مجید، اشارہ، شدہ، علامت، اطلاع، خبر وغیرہ۔ ماموئی: 'مام' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں: رمز و کنایہ میں بات کرنے والا۔ قدیم دور میں سندھ کے سات ماموئی فقیروں کے اشعار مشہور ہیں۔ (مترجم)  
(۲) ان اشعار کی ترتیب کے متعلق اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں جن خیالات و امکانات کو زیر بحث لایا گیا تھا، ان پر نظر ثانی کی گئی ہے اور گزشتہ تین دہائیوں میں مزید تحقیق و معلومات کی بنیاد پر ضروری ترمیم کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے موجودہ متن کو مستند سمجھنا چاہئے۔ عام طور پر یہ اشعار یوں پڑھے جاتے ہیں:

(۱) ھاڪ وھندو ھاڪڙو، ڀڄندي ٻنڌ اوڙو

ٻيھ، مڇي ۽ لوڙھ، سمي ويندي سوڪڙي

(۲) ننگر جي آڌار، مٿان ويھجو ماڙ ھئا

پوراڻا ٻارا، نوان اڏجڻو نڇھرا

زبان سے ظاہر ہے کہ ان اشعار کا یہ تلفظ اس پچھلے دور کا ہے، روایت کے مطابق یہ اشعار 'ماموئی' یا 'معو' میں پڑھے گئے، لیکن لفظ "ڀڄندي" 'معو' کی زبان کے مطابق نہیں۔ مختلف روایات میں 'سمی' ویندی سوکڑی، 'سمی' ایندی سوکڑی یا 'سمی' ایندا سوکڑی کے الفاظ ملتے ہیں حالانکہ معنی اعتبار سے سب کا متعبر ایک ہے۔  
ہاگزہ ریا کے دوبارہ رواں ہونے کی روایت ہمیں خطہ بہاولپور سے بھی ملتی ہے۔ وہاں 'مروٹ' کے قدیم قلعہ کے حکمران سومرہ تھے۔ ان کے بعد "سوڈھارائے" وہاں کا حاکم یا امیر بنا۔ سومروں کے کسی حامی نے اپنے جذبات کا اس طرح اظہار کیا:

ھڪڙا قبر ٻي وھسي، نديان وھسن سڀر

نہ جاپيا نہ جسمي، سوڌا راء امير

[ہکڑا پھیر بھی دھسی، ندیاں دھسن سیر]

نہ جاپا نہ جسمی، سوڈھا راء امیر۔]

[دریائے ہاگزہ بہتا رہے گا ندیاں بھی جوش و خروش سے رواں رہیں گی، "سوڈھا راءے" نہ پیدا ہوا، نہ پیدا ہوگا۔]  
(دیکھئے! مضمون "اکبر اعظم اور بہاولپور: عمر کوٹ اور مروٹ" رسالہ "العزیز"، بہاولپور ماہ فروری سنہ ۱۹۳۱ء، ص: ۳۸)

۱- ھاڪ وھي ھاڪڙو، ڀڳي ٻنڌ اروڙ  
 ٻيھ، مڇي ۽ لوڙ، سمي ويندا سوکڙي  
 [’هاڪڙه‘ هميشه بهتا رهے، ’اروڙ‘ کا بند ٹوٹ گیا  
 کنول رگھا اور مڇي، سمون کی طرف بطور سوغات جاتے رهیں گے۔]  
 ۲- ڄم ويھجا ماڙھڻا! ننگر جي آڌار  
 پراڻا پٿر، نوان آڌجا نڇھڙا  
 [لوگو! ايسا نه هڪ ’ننگر‘ (ٹھه) کے سهارے جا کر رهو  
 اس پار نئے جھونپڙے جا کر بسانا۔]

ان اشعار کا مضمون سمجھنے کے لئے تاریخی پس منظر کو سمجھنا ضروری ہے۔ تقریباً چوتھی صدی ہجری کے وسط میں اروڙ کے مقام سے دریا کے رخ میں تبدیلی آئی (۱) جس کی وجہ سے دریا کا اہم دھارا تبدیل ہو کر بکھر کے قریب اور بعد میں نیچے سیوہن اور ٹھہ کی طرف سے بہنے لگا اور قدیمی اہم دریا ہاکڑہ (مشرقی نادرہ) میں پانی کم ہونے لگا۔ اس کے بعد آئندہ تین سو سالوں میں — یعنی آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) کے وسط میں — پورا دریا گھوم کر بکھر اور سیوہن سے بہنے لگا اور ہاکڑہ (نادرہ) کی حیثیت محض ایک خود رونہر کی رہ گئی۔ اس لئے نیچے کی طرف دریائے سندھ کے قدیم رخ پُران اور ہاکڑہ دھورو کے میدان غیر آباد ہو گئے اور ٹھہ کے اطراف و اکناف زیادہ سرسبز و شاداب ہو گئے۔ یہی سبب تھا کہ سیوہن اور ٹھہ کے سمہ زمینداروں نے زور پکڑا اور ”وگہ کوٹ“، ”رواہ“ اور ”عمر کوٹ“ کے سومرہ مرکزی خطے کی شادابی ماند پڑنے اور سومروں کی مالی حالت کمزور ہونے لگی (۲)۔ سمون کی ابھرتی طاقت کے مقابلہ میں آخری سومرہ حاکم ہمیر بن دودو (۳) کو سلطان فیروز شاہ تغلق کی

(۱) روہڑی کے نزدیک دریائے سندھ کے ایک چھوٹے جزیرہ میں ’خولہ خنز‘ کی خانقاہ کی مغربی دیوار میں ایک اینٹ نصب ہے جس پر فارسی میں ’کتبہ‘ لکھا ہوا ہے، جس میں درگاہ عالی کے حروف سے سنہ ۳۳۱ھ کا عدد نکلا ہے۔ اس کتبہ کی تصویر چھپ چکی ہے (دیکھئے کرلس کی کتاب ”سندھ جا قدیم آثار“ کلکتہ ۱۹۲۹ء، ص ۱۳۵) کتبہ کے مضمون سے یہ خیال اخذ کیا گیا ہے کہ یہ شاید دریائے سندھ کے رخ بدلنے کی یادگار ہے۔ دیکھئے: ”مختصر راوی کی کتاب ”سندھ جو مہران“ ص ۳۹۲) تاریخ کے بارہ کا فارسی شعر یہ تھا بعد کا ہے مگر ممکن ہے کہ وہ کسی قدیم کتبہ کی جگہ پر لکھوایا گیا ہو۔ ۱۹۳۳ء میں یہ کتبہ رام نے خود دیکھا تھا مگر ۱۹۵۵ء سے دریا کے سیلاب کی وجہ سے وہ خانقاہ ڈوبنے لگی اور شاید بعد میں وہ کتبہ بھی ضائع ہو گیا۔

(۲) ’تاریخ ظاہری‘ سے بھی اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے۔

(۳) تاریخ ظاہری کے مترجم وحشی نے ۵۲ھ میں سلطان محمد شاہ تغلق کی طرف سے طشی خان — جو دراصل سلطان کا غلام اور دربار سلطانی کے چوہدریوں اور نقیبوں کا افسر تھا اور دولت آباد (دکن) کے معزول گورنر تغلق خان کی سازش میں شریک تھا — کے تعاقب کے بیان میں لکھا ہے کہ: ۵۲ھ کے بعد سومروں کی باقی قوت میں بھی کمی آگئی اور دودو کا جیٹا ہمیر ان کا آخری حاکم تھا، جو دہلی کے سلطانی عاملین کی مدد سے چند برس یہاں کا حاکم رہا۔ تاریخ ظاہری، ص ۲۸۶-۲۸۷ نیز سلطان فیروز شاہ کی طرف سے مہمان کے گورنر ”عین الملک ماہر“ کی طرف سے سلطان کے نام ۱۳۵۲ء-۱۳۶۵ء کے عرصے کے دوران لکھے گئے ایک خط میں اس آخری سومرہ حکمران کا تذکرہ اور اس کی کمزوری اور بعد میں سلطان کی مدد سے نشوونما پانے کا تذکرہ موجود ہے۔ مزید دیکھئے تاریخ سندھ حصہ اول، ص ۳۱۸-۳۱۹، نیز سومرہ حکمرانوں کی فہرست، ص ۳۲۸ب، ۳۲۸ج (مترجم)



طرف سے ملتان اور گجرات کے گورنر مدد کر رہے تھے اور سندھ میں سومروں کے بھی خواہ بھی انہی امیدوں پر سانس لے رہے تھے، جو ان اشعار میں ظاہر کی گئی ہیں، یعنی:

۱- خدا کرے کہ ہاکڑہ دریا دوبارہ تیزی کے ساتھ رواں ہو! عنقریب اردو والا بند ٹوٹ جائے گا! اور پھر (ٹھنڈ - سیوہن طرف کے سموں یا ان کے سردار) سمہ کی طرف کنول کے پودوں کی جڑیں، مچھلیاں اور کنول گٹا کی جڑیں تحفہ کے طور پر بھیجی جائیں گی (کیونکہ دریا ہاکڑہ کے دھارے سے تیزی کے ساتھ رواں ہوگا اور ٹھنڈ کی طرف اتنا پانی نہیں جائے گا کہ اس علاقہ میں کنول پودوں کی جڑیں، مچھلیاں اور کنول گٹا کی جڑیں پیدا ہوں)

۲- اے لوگو! (سموں کے آباد کردہ نئے) شہر ٹھنڈ (کی دولت مندی اور رونق) کی آس پر وہاں مت جا کر رہنا (کہ وہاں پانی بھی دستیاب نہیں ہوگا؛ ہاکڑہ دریا عنقریب لبریز ہو کر رواں ہوئیوالا ہے، اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ دریائے سندھ کے قدیم رخ 'پُران' کے اس پار اپنے نئے گھر جا کر بناؤ جہاں دوبارہ بڑی آبادیاں ہوں گی)

سندھ کی عام روایات کے مطابق "مامونیوں کے اشعار" سمہ ابتدائی دور میں، جام تماچی کے عہد کی طرف منسوب ہیں۔ مختصر طور پر یہ روایت یوں ہے کہ سات درویشوں (ہفت تن) نے جام تماچی سے کہا کہ: اس کے تخت کے نیچے دولت و بخت کا جو محافظ سانپ ہے، اس کا رخ تبدیل ہو کر دہلی کی طرف ہو گیا ہے، اس لئے اس پر لوہے کے گرز لگوا دیں تاکہ سانپ وہاں سے بھاگ کر نکل نہ جائے، شروع میں ان کی بات کا اعتبار نہیں کیا گیا لیکن بعد میں جب آزمائش کے طور پر ایک لمبا لوہے کا گرز زمین میں گاڑ کر نکالا گیا تو وہ خون سے تر ہو کر آیا۔ جس کی یہ تعبیر کی گئی کہ سانپ دہلی کی طرف سرکنے والا تھا اور اتفاق سے گرز اس کی دم پر جا لگا تھا، لیکن جب گرز نکالا گیا تو اسے آزادی مل گئی اور سانپ دہلی کی طرف چلا گیا۔ اس لئے عنقریب یہاں تباہی آئے گی اور تخت دہلی کے حوالے ہو جائے گا۔

اس روایت کی بنیاد یقینی طور پر ان تاریخی واقعات پر ہے جو سمہ دور کے آغاز میں رونما ہوئے۔ دہلی کے سلاطین اور سندھ کے حکمرانوں کی کشمکش تقریباً چودھویں صدی عیسوی کے ابتدائی تیس سالوں میں شروع ہو چکی تھی (۱)۔

(۱) تغلقوں کے دور حکومت میں سندھ اور سلاطین دہلی کے درمیان پہلی کشمکش بہرام ایبہ کشلو خان گورنر سندھ

۷۷۷ھ/۱۳۷۶ء اور سلطان محمد شاہ تغلق کے مابین ہوئی۔ جس کی وجوہات مؤرخین نے مختلف بیان کی ہیں۔ مزید دیکھئے

تاریخ سندھ حصہ اول، ص: ۳۸۵-۳۸۷ (مترجم)

اس کے بعد سلطان محمد بن تغلق نے ٹھٹھہ پر چڑھائی کی۔ کیونکہ سندھ کے سومروں اور ستوں نے گجرات کے ایک باغی ”طغی“ کو پناہ دی تھی۔ سلطان محمد بن تغلق اس چڑھائی کے وقت بیمار پڑ کر اپنے لشکر گاہ میں ٹھٹھہ سے کچھ فاصلہ پر فوت ہو گیا (۱)۔

اس کے بعد سلطان فیروز شاہ نے سندھ پر چڑھائی کی، مگر پہلے حملہ کے وقت وہ اپنی کمزور حالت کی وجہ سے میدان چھوڑ کر گجرات کی طرف چلا گیا (۲)۔ بعد میں وہاں سے واپس آ کر ٹھٹھہ کا محاصرہ کیا، لیکن ٹھٹھہ کے جام بانہیہ کی ہمت و جرأت کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکا، بالآخر شیخ الاسلام صدر الدین ملتانی اور آج کے مخدوم جہانیاں ”جہاں گشت“ درمیان میں پڑے، جس کی وجہ سے جام بانہیہ اور جام جونہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے ساتھ دہلی چلے گئے، مگر پیچھے ملکی انتظام و انصرام جام بانہیہ کے بھائی جام تماچی اور جام جونہ کے بیٹے جام توگاچی کے ہی ہاتھ میں رہا۔ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ اس کشمکش کے تمام معرکوں میں اہل سندھ سرخرو رہے اور تخت بخت سمہ جاموں کے حوالے رہا، مگر دہلی جانے کے بعد جام جونہ اپنوں کے خلاف ہو گیا، اس لئے دہلی کی طرف سے اسے تقریباً ۷۷۷ھ/۱۳۷۵ء میں سندھ پر لشکر کشی کے لئے بھیجا گیا اس نے آ کر تخت پر قبضہ کر لیا اور جام تماچی کو نظر بندی کی حالت میں دہلی بھیج دیا۔ اس واقعے کو یوں تعبیر کیا گیا کہ جام تماچی نے راز جاننے والے کانوں کا مشورہ نہیں مانا، جس کی وجہ سے بخت اور تخت کا محافظ سانپ دہلی کی طرف چلا گیا اور اس کے نتیجے میں جام تماچی نظر بند ہو گیا اور جام جونہ دہلی کے تالبع کی حیثیت سے سندھ کا حاکم بنا۔ یہ ”ہفت تن“ اور سانپ کی کہانی جام تماچی

(۱) سلطان نے ۲۱ محرم ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء کو وفات پائی۔ (مترجم)

(۲) ۷۶۶ھ (۶۵-۱۳۶۳ء) میں سلطان فیروز شاہ نے نوے ہزار سوار اور چار سو اسی ہاتھی، پانچ ہزار کشتیاں اور بے شمار پیادے لے کر ٹھٹھہ پر چڑھائی کی۔ درمیانے سندھ کی ایک جانب جام اخو کا بھائی اور دوسری طرف جام انوکا بھتیجا جام باینہ حکمران تھے۔ جام کے ساتھ میں ہزار سوار اور چار لاکھ پیادے تھے۔ دوران جنگ ہی فیروز شاہ کے لشکر میں قحط اور جانوروں میں بیماری پھیل گئی جس سے تقریباً تین چوتھائی لشکر کے گھوڑے مر گئے، بالآخر فیروز شاہ سندھ کی اس مہم کو اچھوڑ کر عازم گجرات ہوا، راہ میں غلے کا قحط اور گھوڑوں کی بوائی بیماری مزید بڑھ گئی یہاں تک کہ لوگ بھوک کی وجہ سے چل نہیں سکتے تھے اور اہل لشکر سردار گوشت اور کچا چڑھ کھاتے تھے اور بڑے بڑے سرداران فوج اور اراکین سلطنت پیدل چلنے پر مجبور ہو گئے۔ مزید یہ کہ وہ پورا لشکر کو کئی دن (کچھ کارن) میں بھینس گیا وہاں کی دشوار گزار راہ اور دیگر مشکلات کو جھیلنے ہوئے یہ لشکر چھ ماہ بعد گجرات پہنچا۔ گجرات میں امیر حسین نظام الملک کو معزول کر کے ظفر خان کو گورنر مقرر کیا اور پھر پوری تیاری کے ساتھ دوبارہ حملہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا اور وزیر اعظم کو زیادہ سے زیادہ فوج بھیجنے کا حکم بھجوا یا، جس نے بدایوں، قوچ، سندیل، ددھ، جوچور، بہار، ترہت، مہوب، چندیری، وحار، دہلی، سامانہ، دیپاپور اور لاہور سے فوجیں روانہ کیں۔ (ماخوذ از ”تاریخ ندھ“ حصہ اول، ص: ۱۲۰، ۱۲۱-۱۲۳) (مترجم)

کے واقعات کی بازگشت ہے، جسے عام روایات میں دوسرے اشعار کے ساتھ ملا دیا گیا ہے؛ مگر مذکورہ بالا اشعار کے مضامین کی اندرونی شہادت کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ اشعار کاہنوں کی پیش گوئی نہیں بلکہ سمہ حکمرانوں کے ابتدائی عروج کے دور میں سومروں کے بھی خواہوں کی طرف سے پرانے حالات کی واپسی کی تمنائیں ہیں۔

سمہ دور میں سندھی زبان و ادب کے روایتی آثار مندرجہ بالا چار اہم عنوانات - سمہ سرداروں کی بہادری، سخاوت، عشقیہ داستانوں اور ماموئیوں کے اشعار - کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، جن پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ سمہ دور کا یہ روایتی ذخیرہ سومرہ دور کے روایتی ادب کے سلسلے کی کڑی ہے۔ دونوں کی خصوصیات یکساں ہیں: یعنی قصے کہانیاں، جنگی واقعات اور عشقیہ داستانیں دونوں کا اہم موضوع ہیں؛ جن میں قول و قرار، کہاوتوں اور ضرب الامثال کی صورت میں سندھی الفاظ، اصطلاحات اور محاورات کو استعمال کیا گیا ہے۔ سندھی ”مُتَعَتِ“ یعنی ”دوہرے منظوم مصرعے“ اس ادبی ذخیرہ کی روح ہیں۔

### سمہ ابتدائی دور کی زبان اور شاعری کا تاریخی ذخیرہ:

ابتدائی سمہ دور کے روایتی ادبی ذخیرہ پر روشنی ڈالنے کے بعد ہم ابتدائی سمہ دور کے تاریخی ادبی سرمائے کا جائزہ لیں گے کیونکہ یہ خالص سندھی زبان کی ابتدائی اور اہم تاریخی دستاویز ہے۔

### ۱۔ سندھیوں کا ایک جنگی ”رجز“ یا نعرہ:

ابتدائی سمہ دور میں سندھی فوج کا ایک جنگی رجز، یا اہل سندھ کی ایک عام کہاوت ملتی ہے، جو تاریخی صحت کے اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سلطان محمد بن تغلق نے سندھ پر حملہ کیا لیکن وہ ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء میں ٹھٹھہ سے باہر ہی بیماری کے دوران فوت ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان فیروز شاہ نے ۶۶/۱۳۶۵ء میں ٹھٹھہ پر لشکر کشی کی۔ سندھی اور سلطانی افواج کے درمیان پہلے مقابلے کے بعد سلطان فیروز شاہ لشکر میں رسد کی قلت اور گھوڑوں میں وبائی مرض کی وجہ سے گجرات کی طرف چلا گیا، سلطانی لشکر کی روانگی کے وقت سندھ کے لشکر نے درج ذیل جنگی رجز یا جنگی نعرہ بلند کیا، جو بقول ہمعصر مؤرخ سراج عقیف، ٹھٹھہ میں ضرب المثل کے طور پر مشہور ہو گیا کہ:

بابرکت شیخ پنو (پٹھو)

ھک مٹو، ھک تنو (۱)

یعنی: پیر پٹھو کی برکت سے ایک مرگیا اور دوسرا ڈر کر بھاگ گیا۔ (۲)

یہ سنہ ۱۳۶۵/۶۶ء کا ایک سندھی نعرہ یا ضرب المثل ہے اور تاریخی لحاظ سے نہایت اہم ہے۔

## ۲- جام تماچی کے لئے دعایا پیش گوئی کے اشعار:

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جام جونہ کی سازش کی وجہ سے جام تماچی سنہ ۱۳۷۵ء کے قریب سندھ سے نظر بند ہو کر دہلی چلا گیا اور اس کی غیر موجودگی میں ”جام جونہ“ علاؤ الدین کے خطاب سے حکمران بنا (۳)، اسی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جام جونہ کے لئے محبت نہیں تھی۔ جام جونہ نے تقریباً سنہ ۱۳۷۵ء سے سلطان فیروز شاہ کی وفات ۱۳۸۸ء تک حکومت کی۔ اس تمام عرصہ میں جام تماچی دہلی میں نظر بند رہا، اور اس کی غیر موجودگی میں لوگ جام جونہ کی حکومت سے تنگ آ گئے۔ عام رعایا خواہ بزرگوں، درویشوں کی ہمدردی جام تماچی کے ساتھ تھی، وہ دعائیں مانگتے لگے کہ اللہ کرے جام تماچی واپس آ کر ٹھہرے کا بادشاہ بنے! اس عام جذبے کے تحت سندھ کے دو

(۱) ”تاریخ فیروز شاہی“ (تصنیف سراج عقیف سنہ ۸۰۱ھ) کے ایڈیشن (کلکتہ ۱۸۹۰ء، ص: ۲۳۱) میں اس ضرب المثل کو اس طرح لکھا گیا ہے: ”بہ برکت شیخ تچھا۔ اک سوا اک تھا“

پروفیسر ہوڑی والا نے اپنی کتاب ”STUDIES IN INDO-MUSLIM HISTORY“ ص: ۳۲۳ پر ان الفاظ کو اس طرح پڑھا ہے: ”بہ برکت شیخ تچھا۔ اک سوا اک بھگا“ ظاہر ہے کہ ”تاریخ فیروز شاہی“ کے مطبوعہ نسخوں میں یہ الفاظ بکڑی ہوئی صورت میں دیے گئے ہیں مگر مورخ سراج عقیف نے اپنے اصل نسخہ میں یقیناً وہ صحیح لکھے ہوں گے۔ ہمارے خیال کے مطابق صحیح طرح سے یوں پڑھا جاسکتا ہے: ”بہ برکت شیخ تچھا۔ اک سوا اک تھا“ ”تچھا“ یعنی ”پٹھا“ (= پٹھو) اور ”تچھا“ یعنی ”ٹھا“ (= ٹٹھو = بدکا یا بدک کر بھاگا)

لیکن مصنف سراج عقیف کہتا ہے کہ یہ مقولہ ٹھٹھ میں مشہور ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اہل ٹھٹھ کی زبان سندھی تھی، ان کا یہ مقولہ بھی اصل سندھی ہی میں ہوگا، جسے ”تاریخ فیروز شاہی“ کے مصنف نے اپنی زبان میں ادا کیا۔ اس لئے اگر اسے سندھی میں ادا کیا جائے تو یہ مقولہ اس طرح ہوگا: ”بابرکت شیخ پنو۔ ھک مٹو، ھک تنو“ اس کی تبدیلی بعد میں مرید خان بلوچ کے رجزیہ نعرہ سے بھی ہوئی ہے۔

(۲) اعجاز الحق قدوسی نے اس کہات کو یوں لکھا ہے:

”برکت شیخ پٹھا، اک سوا اک تھٹھا“

مزید لکھتے ہیں کہ: نثر میں یہ اردو کا پہلا فقرہ ہے جو سندھ میں بولا گیا۔ تاریخ سندھ حصہ اول، ص: ۳۰۲ (مترجم)

(۳) ص: ۱۲۸ پر دیکھئے جام جونہ کا گلوایا ہوا فارسی کتبہ جو سلطان فیروز شاہ کے ذکر حکمرانی سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں جام جونہ کا لقب علاؤ الدین بتایا گیا ہے۔

درویشوں - ساموئی کے بزرگ شیخ حماد جالی اور کھیر کے درویش نوح ہوتھانی - نے جام تماچی کی واپسی اور اس کے والی تخت ہونے کے متعلق بطور دعا پیش گوئی کرتے ہوئے سندھی میں شعر اور کچھ الفاظ کہے، جن کے متعلق پہلا حوالہ ہمیں ”حدیثۃ الاولیاء“ کتاب (فارسی) میں ملتا ہے، جو ٹھٹھہ کے سید عبدالقادر حسینی نے سنہ ۱۰۱۶ھ میں تصنیف کی۔ البتہ اس کتاب کے متن میں وہ سندھی شعر یا الفاظ درج نہیں ہیں۔ جو اس موقع پر بزرگوں کی زبان سے ادا ہوئے تھے؛ اس لئے ان کے متعلق آج تک کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ حسن اتفاق کہ ہمیں ”حدیثۃ الاولیاء“ کے ایک (قلمی نسخہ) مخطوطہ (۱) کے حاشیہ پر، شیخ حماد جمالی کا سندھی شعر اور درویش نوح ہوتھانی کے موزوں سندھی الفاظ لکھے ہوئے مل گئے، جو ذیل میں دیے جا رہے ہیں:

شیخ حماد کا شعر:

شیخ حماد بن رشید الدین جمالی سندھ کے اولیاء کبار میں سے تھے اور اُج کے مشہور درویش شیخ جمال کے نواسہ تھے۔ موجودہ ٹھٹھہ سے متصل ”ساموئی“ کے دامن میں ان کی خانقاہ تھی۔ حدیثۃ الاولیاء کا مصنف لکھتا ہے کہ: ”جام تماچی اور اس کے فرزند صلاح الدین کو آپ سے بڑی عقیدت تھی اور وہ روزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ جام جونہ نے سازش تیار کی؛ جس کے مطابق خاموشی سے ان دونوں (تماچی اور اس کے بیٹے) کو دہلی بھیج دیا گیا، جہاں وہ نظر بند رہے۔ اتفاق سے بزرگ (شیخ حماد) نے ان دونوں کی غیر حاضری محسوس کر کے انہیں یاد کیا، مگر ان کے بارے میں کوئی بھی نہ بتا سکا۔ بعد میں بزرگ نے اپنا خاص آدمی بھیج کر ان کی حویلی سے معلوم کروایا (۲)؛ جس پر حویلی والوں نے بصد عجز و بیقراری تمام ماجرا بزرگ کو کھلوا بھیجا، جسے سنتے ہی شیخ حماد کو جوش آگیا اور وہ بے قراری سے کھڑے ہو گئے اور اپنے حجرے میں ٹہلنے لگے اور سندھی زبان میں ایک شعر کہنے لگے، جس میں جام تماچی کے ساتھ محبت اور اس کے واپس آنے کی تمنا ظاہر کی گئی تھی۔“ جام جونہ نے جب وہ شعر سنا تو اسے بہت پریشانی ہوئی اور

(۱) یونیورسٹی ہسپتال جناب قاضی فتح الرسول نظامانی ٹنڈو قیصر والے سے دستیاب ہوا۔

(۲) تحفۃ الکرام میں شیخ حماد جمالی کی طرف سے اپنے خاص آدمی کو بھیج کر جام تماچی اور اس کے بیٹے کے متعلق ان کے اہل خانہ سے معلومات حاصل کرنے کے بجائے یوں مذکور ہے: ”اس واقعے (پاپ بیٹا دونوں کو قید کر کے دہلی بھیجنے) کے بعد تماچی کی والدہ ہر روز صبح کے وقت شیخ کی خانقاہ کو جھازو دینے کے لئے آتی تھی۔ ایک دن شیخ کی نظر اس بڑھیا پر پڑ گئی اور اس سے اس کے بیٹے اور پوتے کا احوال پوچھا۔ اس نے روتے روتے احوال عرض کر کے ان کی آزادی کے لئے منت سماجت کی۔ دیکھئے: تحفۃ الکرام سندھی ترجمہ، ص: ۳۶۷، طبع بیجم، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، جام شورو، ۲۰۰۳ء (مترجم)

شیخ حماد کے پاس آیا، مگر ناامید ہو کر واپس لوٹا (۱)۔ وہ سندھی شعر ”حدیقۃ الاولیاء“ کے مذکورہ بالا قلمی نسخے کے حاشیہ پر اس طرح لکھا ہوا ہے (۲)۔

جوٹو مت اوٹو، جام تماچی آء

سباجھی باجھہ پیٹھی، توسین نٹو راء!

[جام جونہ کم عقل ہے (جس نے ایسا کام کیا)۔ اے جام تماچی تو جلدی پہنچ۔ اللہ تعالیٰ

راضی ہوا ہے کہ تمام ٹھہر (جام جونہ سے منحرف ہو کر) تیرا طرف دار ہو گیا ہے۔]  
درولیش نوح ہوتھیانی کی دعا:

آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں ”کھیر انی“ کے علاقہ میں ”کھیر“ قبیلہ کا ایک نامور درولیش ہوتھیانی رہتا تھا (۳)۔ جن کی خانقاہ حیدر آباد-ہالا راستے پر ”کھیر“ گاؤں سے تقریباً دو میل شمال-مشرق میں واقع ہے۔ ”حدیقۃ الاولیاء“ کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

”جس وقت جام تماچی اور جام صلاح الدین سندھ میں پہنچے اور ”کھیر“ گاؤں سے گزرے تو وہاں انہوں نے شیخ نوح ہوتھیانی کو موسیٰیوں کا ریوڑ پڑاتے ہوئے دیکھا۔ اس موقع پر ایک شخص ان کے ریوڑ کی طرف بڑھا، جس پر شیخ نوح نے اسے کہا کہ: ”بجگم جام تماچی میرے موسیٰیوں کے ساتھ دست درازی نہ کر“ جام تماچی اور اس کا بیٹا شیخ کی یہ بات سن کر بہت متعجب ہوئے اور آگے بڑھ کر درولیش سے کہا کہ: ملک کا والی اب تک تو جام جونہ ہے اور جام تماچی دار

(۱) میر علی شیر قانع نے ”تختہ الکرام“ (ص: ۲۰۷-۳۵۹، سندھی ترجمہ، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۷ء) میں یہی ذکر ”حدیقۃ الاولیاء“ سے نقل کیا ہے اور روایت میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ حدیقۃ الاولیاء کے مصنف کی طرح میر علی شیر نے بھی اصل سندھی شعر درج نہیں کیا۔

نوٹ: ترجمہ کرتے وقت کتاب کا چوتھا ایڈیشن ۱۹۹۹ء پیش نظر ہے، اس میں صفحہ نمبر ۲۰۷-۳۵۹ نظر آ رہا ہے اور تختہ الکرام سبھی ترجمہ کا ایڈیشن صاف طور پر ۱۹۵۷ء لکھا ہوا ہے۔ اس لئے تختہ الکرام سندھی ترجمہ کے اصل ایڈیشن کی طرف رجوع کیا جس کا پانچواں ایڈیشن اس وقت میرے روبرو ہے، جس سے معلوم ہوا کہ: ۱- تختہ الکرام سندھی ترجمہ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۷ء میں نہیں بلکہ ۱۹۷۵ء میں آیا تھا۔ ۲- متن کا مذکورہ حوالہ صرف ایک مقام پر ص: ۳۶۸ پر ہے۔ دیکھئے: تختہ الکرام سندھی ترجمہ، طبع بیٹم، دسمبر ۲۰۰۳ء (مترجم)

(۲) دیکھئے حدیقۃ الاولیاء متن ص: ۵۳، حاشیہ x ب مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سنہ ۶۷ء۔ یہ شعر اگرچہ قاضی فتح الرسول نظامانی کے قلمی نسخے کے حاشیہ پر درج ہے۔ لیکن مطبوعہ حدیقۃ الاولیاء میں اس شعر کے مفہوم سے بھی قدرے واضح مفہوم کی حامل یہ عبارت موجود ہے: شیخ ازیں سخن نالامم بخوشید و فرمود کہ: ایں پارچہ زمین را حوالہ ما ساختہ اند و ما ایں متاع کثیف را حلقہ طوق گردن آن رگ یعنی تماچی ساختہ ایم۔ جام ازشنیدن ایں کلام ب سامت و ملال برخاست۔ ص: ۵۳-۵۴، یعنی شیخ اس کی سخت کلامی سے جوش میں آئے اور فرمانے لگے کہ: زمین کا یہ خطہ ہمارے حوالے کیا گیا ہے اور ہم نے اس غلیظ متاع کو اس کتے یعنی تماچی کی گردن میں بطور حلقہ پہنا دیا ہے۔ جام یہ بات سن کر افسردگی اور ملال کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ (مترجم)

(۳) ”حدیقۃ الاولیاء“ میں انہیں ”درولیش نوح کھیر“ لکھا گیا ہے۔ آپ ”کھیر“ قبیلہ سے تھے۔ مگر آپ کے والد کا نام ”جٹی“ تھا اسی وجہ سے ”نوح ہوتھیانی“ کے نام سے مشہور ہوئے اور آج تک اسی نام سے پکارے جاتے ہیں۔

الخلاہ دہلی میں نظر بند ہے پھر آپ یہ کس طرح کہہ رہے ہیں کہ جام تماچی کا حکم ہے! درویش نے کہا کہ مجھے جام تماچی کا تو علم نہیں، البتہ دو تین دنوں سے میں چرند و پرند اور درختوں وغیرہ سے یہ صدا سن رہا ہوں کہ جام تماچی کا حکم ہے۔ یہ بشارت سن کر انہیں بہت خوشی ہوئی اور انہوں نے درویش کو اپنا تمام احوال سنا دیا اور مقصود کے حصول پر اپنی طرف سے نذرانہ مقرر کیا“ (۱) غالباً اسی موقع پر درویش نے انہیں دعا دی تھی کہ ”فتح تمہاری ہوگی“۔ حدیقتہ الاولیاء کے مذکورہ مخطوطہ کے حاشیہ پر بتایا گیا ہے کہ: کہتے ہیں کہ درویش نوح نے اس موقع پر یہ شعر پڑھا:

جوٹو وجی جھوری (جھورے) ماریو

جام تماچی شہرین چاڑھیو (۲)

[جام جونہ کا قصہ تمام کر دو اور جام تماچی کو ملک کا بادشاہ بناؤ۔]

حدیقتہ الاولیاء کا وہ مخطوطہ جس کے حاشیہ پر شیخ حماد جمالی کا شعر اور درویش نوح ہوتیانی کے موزوں الفاظ دیے ہوئے ہیں، وہ سنہ ۱۲۴۰ھ کا لکھا ہوا ہے (۳)۔ شیخ حماد کا شعر اس کتاب کے لکھنے والے کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے؛ جس کا مطلب یہ ہوا کہ پچھلے قریبی دور میں تیرہویں صدی ہجری کے نصف تک یہ شعر سندھ میں بعض بڑے بوڑھوں کو یاد تھا جو کاتب تک پہنچا اور اس نے وضاحت کی خاطر اسے حاشیہ میں لکھ دیا۔ درویش نوح ہوتیانی کے الفاظ کسی دوسرے کاتب کے مگر بہت پہلے کے لکھے ہوئے ہیں۔

شیخ حماد نے یہ شعر جام تماچی کے سندھ میں آنے سے پہلے کہا تھا جبکہ درویش نوح ہوتیانی کے دعائیہ الفاظ اس وقت کے ہیں جب جام تماچی سندھ میں پہنچ چکا تھا اور ٹھہر جاتے ہوئے کھیر سے گزرا تھا۔ تاریخی لحاظ سے جام تماچی نے غالباً سلطان فیروز شاہ کی وفات (۱۸ رمضان ۷۹۰ھ/ ۱۳۸۸ء) پر دہلی کو چھوڑا (۴)؛ جس کا مطلب یہ ہوا کہ شیخ حماد کا شعر سلطان

(۱) حدیقتہ الاولیاء (مخطوط)، میر علی شیر قانع نے تختہ انکرام میں (سندھی ترجمہ ص: ۳۹ اور ۴۵۸، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ

۱۹۵۷ء) یہی بیان حدیقتہ الاولیاء سے لیا ہے، لیکن درویش نوح کے دعائیہ کلمات کا ذکر نہیں کیا۔

(۲) اصل رسم الخط ”نھری یاریو“ اور ”نھری یاریو“ ہے۔ (دیکھئے حدیقتہ الاولیاء کا مقدمہ ص: ۸۸)

(۳) حدیقتہ الاولیاء کے مقدمہ میں مذکور نسخہ کا سن کتابت ۲۱ جمادی الثانی ۱۲۴۷ھ لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے حدیقتہ الاولیاء، مقدمہ،

ص: ۸۶ (مترجم)

(۴) حدیقتہ الاولیاء میں جام تماچی کے دہلی چھوڑنے بلکہ بالفاظ دیگر دہلی کے قید سے خلاصی پانے کا عجیب بیان لکھا ہے، جس میں شیخ حماد جمالی کی کرامت کا پہلو نمایاں ہے نیز اس وقت یعنی جام تماچی کے دہلی چھوڑتے وقت سلطان فیروز تغلق کے زندہ ہونے کا بیان صراحت سے موجود ہے۔ حدیقتہ الاولیاء کے الفاظ یوں ہیں:

(بقایا اگلے صفحے پر)

فیروز شاہ کی تاریخ وفات سے پہلے کا اور درویش نوح ہوتھیا نی کے دعائیہ الفاظ اس تاریخ سے کچھ بعد تقریباً سال ۷۹۰ھ کے آخر (۱۳۸۸ء) میں کہے گئے ہیں۔

۳۔ خوجہ جماعت کے پیروں کے گنان:

خوجہ برادری کے اولین پیر چودھویں صدی عیسوی میں ایران سے ہندوستان آئے تقریباً ۷۷۵ھ سے ۹۰۰ھ کے سوا سو سالہ عرصہ میں وہ گجرات، سندھ اور ملتان کے خطوں میں اسماعیلی فرقہ کی تبلیغ کرتے رہے۔ ان کے جانشینوں نے اپنی تبلیغ میں ہندی، سندھی، کچھی۔ سندھی اور گجراتی میں منظوم ہدایات اور نصائح کو استعمال کیا، جنہیں اس فرقہ کی اصطلاح میں 'گنان' (۱) کہا جاتا ہے۔ خوجہ برادری کے ہاں یہ 'گنان' سندھ میں اور سندھ سے باہر زبانی طور پر رائج ہیں، نیز کچھ کے پاس 'خوجہ رسم الخط' میں بھی لکھے ہوئے ہیں۔ آج کل جو 'گنان' زبانی روایات اور قلمی کتابوں میں ملتے ہیں، ان کی تاریخی صحت کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ ایسا کوئی بھی قدیم مستند قلمی نسخہ موجود نہیں جس سے تصدیق ہو سکے کہ یہ 'گنان' اصل بڑے پیروں کے کہے ہوئے ہیں اور انہی کے دور میں یا کچھ عرصہ بعد لکھ کر محفوظ کر لئے گئے تھے۔ علاوہ زبانی روایات اور کچھ تھوڑے سے 'گنانوں' کے، جن میں (ان گنانوں کے) کہنے والے کا نام دیا گیا ہے، اور یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ کون سے 'گنان' کس پیر نے کہے؛ یا جس زمانے میں جس بھی پیر نے یہ 'گنان' کہے اس وقت لفظ بلفظ ان کی ترتیب اور صورت کیا تھی؟

آج جب یہی 'گنان' مختلف لوگوں سے سنے جاتے ہیں یا مختلف تحریروں میں دیکھے جاتے ہیں تو ان میں الفاظ کی ہیر پھیر واضح طور پر موجود نظر آتی ہے۔ سندھ میں موجود خوجوں

(گزشتہ سے پیوستہ) "مباح نگاہ اس خبر را بہ خلیفہ دہلی رسانیدند۔ ایشان بے توفیق و تاخیر جمعی کثیر از شہسواران نامور و یکہ تازان کارزار مسلح و مکمل ساختہ در عقب ایشان رواں گردانید۔" حدیث الاولیاء، ص: ۵۴-۵۵

ترجمہ: علی الصبح یہ خبر خلیفہ دہلی کو پہنچادی گئی۔ انہوں نے بغیر کسی ڈمیل اور تاخیر کے اپنے نامدار شہسواروں کی ایک بڑی جماعت جو جنگی مہارت رکھتی تھی، اسے مسلح و حمل کر کے ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔

اس بیان سے "جام تہاچی کے سلطان فیروز کی وفات پر دہلی چھوڑنے کی تائید نہیں ہوتی بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلطان زندہ تھا" واللہ اعلم بالصواب۔ (مترجم)

(۱) ہندوستان کے خوجوں پر لکھنے والے محقق آوناف نے اپنی ایک انگریزی کتاب میں 'گنانوں' کو ان زبانوں یا ان کی آمیزش کے ساتھ رچا ہوا بتایا ہے:

The literature of the Indian Khoja branch of the Ismailis "which is not very extensive, requires a sound knowledge of Sanskrit, and specially of the modern dialects, such as Sindhi, Kachhi and Gujrati in which the sacred ginans are Written" (W.Ivanow: A Guide of Ismaili Literature, Royal Asiatic Society, London, 1993, P: 15.



کے ہاں عام طور پر جو گنان مروج ہیں ان پر سندھ میں ان کی مقامی مادری زبان کا رنگ غالب ہے۔ کچھ گنان اس قدر صاف سندھی میں ہیں کہ وہ گزشتہ قریبی دور میں ہی منظوم کردہ معلوم ہوتے ہیں۔ غالباً یہ کہنا درست ہوگا کہ دراصل بعض گنان گجراتی، کچھی، سندھی یا ہندی کے الگ الگ لہجوں میں اور بعض کسی دو ایک لہجوں کی آمیزش کے ساتھ رچے ہوئے تھے، لیکن بعد میں ہر علاقہ کے رہنے والوں نے انہیں اپنی اپنی مقامی مادری زبان کے مطابق پڑھا اور یاد کیا۔ بہر حال یہ مسئلہ مزید تحقیق طلب ہے، اور چونکہ اس وقت ہمارے پاس دوسرا کوئی خارجی مأخذ موجود بھی نہیں اس لئے خود خوجہ جماعت کی روایت کو پیش نظر رکھ کر ہی کچھ نتائج قائم کیے جاسکتے ہیں۔

گنان شاید اصل میں لفظ 'گیان' (روحانی یا الہی علم) کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ خوجہ جماعت کے عقیدے کے مطابق یہ ان کے روحانی پیشواؤں کے کہے ہوئے پوتر منظومات ہیں، جن میں ہدایت و نصیحت سمائی ہوئی ہے۔ ان کے بعض پیروں کے نام سے منسوب کتابوں کے عنوانات میں 'سلوک' اور 'نان' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ پیر صدر الدین اور شمس الدین کی طرف منسوب کتاب کا نام 'سلوک نان' یا 'سلوک نانو' ہے اور پیر امام شاہ کی کتاب کا نام 'جو گیشور عبدونا گنان' ہے۔ اس کے علاوہ دیگر پیروں کے نام سے منسوب اور غیر منسوب ایک سو منتخب گنانوں کے کئی مجموعے ہیں، جو محض 'گنان' کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ لیکن وہ گنان کس نے کہے اور کب کہے؟ یہ ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے جس کا صحیح جواب ملنا مشکل ہے۔

تاریخی اعتبار سے زیادہ مشکل مسئلہ یہ ہے کہ جن پیروں سے یہ گنان منسوب ہیں، ان کی ولادت و وفات کی تاریخیں غیر یقینی ہیں۔ پیر صدر الدین، اس کے بیٹے پیر حسن کبیر الدین اور اس کے بڑے بیٹے شمس الدین اور دوسرے بیٹے امام شاہ اور امام شاہ کے بیٹے زمرہ کی طرف 'گنان' یا بعض دیگر تحریرات منسوب ہیں، مگر ان تمام کے حالات زندگی مبہم اور غیر یقینی ہیں۔ زمرہ کی کتاب "ست وینی جی ویل" میں جو آخری سن اور سال دیے گئے ہیں وہ ۱۵۱۶ء اور ۱۵۲۰ء کے مساوی ہیں۔ ان آثار و علامات کے مطابق خوجوں کے یہ پیر سمہ دور میں گزرے ہیں۔

پیر صدر الدین کی طرف منسوب گنان:

پیر صدر الدین ایران کے شہر "سبزوار" میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے اور وہاں سے اپنے فرقہ کی تبلیغ کے لئے ہندوستان آئے، جہاں ان کی سکونت و تبلیغ تقریباً سنہ ۷۷۷ھ کے بعد شروع ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہیں یہاں کی مقامی زبانوں میں مہارت حاصل کرنے اور 'گنان' کہنے میں یقیناً کچھ عرصہ لگا ہوگا اور جلد از جلد بھی تقریباً ۷۷۵ھ کے بعد ہی انہوں نے 'گنان' کہے ہوں گے۔ اس لئے پیر صدر الدین کے گنانوں کا عرصہ ۷۷۵ھ سے رجب ۸۱۹ھ

(اس کی وفات) تک سمجھنا چاہئے۔ مرزا قليچ بيگ (۱) اور دیگر مصنفین نے پیر صدرالدین کی طحوف منسوب گنانوں میں سے کچھ گنان اپنی کتابوں میں دیے ہیں اور غالباً زیادہ معتبر یہی گنان ہیں جن میں مختلف زبانوں کی آمیزش ہے۔ مثلاً درج ذیل گنان (۲) اسی قسم کے ہیں:

۱- چیتن ہارا تمھین چیتجو

کریو خوب کماٹی

انتکال ایکلا چلنا

ساتھ کوٹی باپ نہ مائی

۱- [عظمندو! خیال رکھو خوب کماٹی کرو]

[اگلے جہان اکیلے جانا ہے ساتھ میں ماں باپ نہیں جائیں گے]

۲- من مہا بلونت ھٹ

جودھ زوراور جان

۲- [نفس بہت طاقتور ہے پہلوان ہے، زور آور ہے]

۳- مت ٹیو آئین پنجن کا داسی

پانڈیٹڑا پنٹ سربو

۳- [پانچ کا غلام مت ہونا (۳)، مذہب کے مسافر مذہب (اپنی راہ) پر چلتے رہو]۔

مختلف زبانوں کے ملاپ اور آمیزش والے اس طرح کے گنانوں کے علاوہ کچھ دوسرے مکمل طور پر سندھی میں کہے گئے گنان بھی خوجہ جماعتی روایت کے مطابق پیر صدرالدین کی طرف منسوب ہیں۔ اس قسم کے سندھی گنان سنہ ۱۹۵۲ء میں اسماعیلیہ ایسوسی ایشن کراچی کی شائع کردہ کتاب ”اسماعیلی آغا خانی فرقہ جا مبلغ داعی“ (کراچی ۱۹۵۲ء) اور ٹنڈو محمد خان سے نکلنے والے ماہنامہ ”میراث“ (جلد ۱، نمبر ۴، ۱۹۵۲ء) میں شائع ہوئے تھے (۴)۔

(۱) دیکھئے ”تحفہ اسماعیلیہ“ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۲۳ء، ص: ۵۷-۵۸

(۲) نمبر ۱ اور نمبر ۲ کے لئے دیکھئے ”اسماعیلی آغا خانی فرقہ جا مبلغ داعی“ اسماعیلی ایسوسی ایشن پاکستان، کراچی ۱۹۵۲ء، ص: ۶۳ اور نمبر ۳ کے لئے دیکھئے غلام علی الانا کا مضمون ”سومرن جی دور جی سنڈی شاعری“ رسالہ مہراں جلد ۹، نمبر ۱، ۲۰۱۱ء، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد

(۳) یعنی نفسانی خواہش، غضب، حرص، فریب اور تکبر سے دور رہنا (مترجم)

(۴) ”میراث“ کے گنان بعض اضافوں کے ساتھ دوبارہ غلام علی الانا نے اپنے مضمون ”سومرن جی دور جی سنڈی شاعری“ (رسالہ مہراں جلد ۹، نمبر ۱، ۲۰۱۱ء، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ) میں بھی شائع کئے، مگر ان میں موجودہ سندھی تلفظ (ہجے) کو برقرار رکھنے کے خیال سے الفاظ میں غیر مناسب تبدیلی کی گئی ہے۔

ہم مذکورہ بالا مأخذ کے مطابق وہ سندھی گنان ذیل میں درج کر رہے ہیں اور حاشیہ میں مختلف الماؤں کے فرق کوم (=مبلغ داعی) ث (=میراث) اور غ (=غلام علی الانا) کی علامات سے ظاہر کرتے ہیں:

(۱)

۱- اُٺي الله گھرين نہ بندا، تون سٺين سڄي رات  
نڪا جهوري جيو جي بندا نڪو ٿمر سات  
شاہ ميجيٿو تن، جي صبحوڙي جاڳن  
[اے بندے! اٿھ کر تو اللہ طلب نہیں کرتا، تو ساری رات سوتا رہا  
نہ روح کی فکر ہے تجھے اے بندے! نہ ہی تیرے ساتھ کوئی زاو راہ ہے  
شاہ کو ان ہی لوگوں نے تسلیم کیا، جو صبح کے وقت جاگتے ہیں۔]

۲- جي صبحوڙي نہ جاڳيا، تن حورون ڏين نہ هٿ  
سي هٿ هٿ ڪندا، هٿ هٿندا، جنن هاري وڃائي وٽ  
شاہ ميجيٿو تن، جي صبحوڙي جاڳن  
۳- ٻانها تو جو تڪيو، ڪنڊاڙو ڪوڙ  
پسي رٿا گلڙا ٻانها! مَ وڃاءَ مور  
شاہ ميجيٿو تن، جي صبحوڙي جاڳن

[جو لوگ صبح کے وقت بیدار نہیں ہوئے، انہیں حوریں ہاتھ نہیں دیں گی  
وہ ہائے ہائے کریں گے، ہاتھ ملیں گے، جس طرح مزارع فصل کاشت کرنے کے لئے  
سڃائی کو ضائع کر دے شاہ کو ان ہی لوگوں نے تسلیم کیا، جو صبح کے وقت جاگتے ہیں۔]

[بندے! تیرا تکیہ بیشمار کانٹوں والا ہے  
اے بندے! سرخ پھول دیکھ کر شگونی اور کوئلیں، یا اصل زر، پونجی ضائع مت کر  
شاہ کو ان ہی لوگوں نے تسلیم کیا، جو صبح کے وقت جاگتے ہیں۔]

(۱) ذیل کے بند جواب کے ساتھ بطور 'پدیش' (صحیح، مشورہ، نیک صلاح) استعمال کئے گئے ہیں۔ 'م' کے مطابق جواب یوں ہے: "صاحب جو ميجيٿو انهن تي، جيڪي صبح جو جاڳن" پہلے تین مصرعوں میں سے 'م' میں صرف پہلا اور دوسرا مصرعہ دیا گیا ہے اور 'ث' میں صرف پہلا اور تیسرا مصرعہ دیا گیا ہے، 'غ' نے یہ تینوں مصرعے نقل کیے ہیں، نیز چوتھے مصرعہ کا بھی اضافہ کیا ہے اس کے علاوہ 'غ' نے اس کے بعد (۲) اور (۳) کے تحت دیے گئے دو شعر بھی اس 'پدیش' کے مصرعوں کے طور پر لکھے ہیں، جس کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آ رہی۔ (دوسرے مصرع) میں 'م' نے پہلی سطریوں دی ہے: "جيڪي صبح جو نہ جاڳيا، تن کي حورون نہ اينديون هٿ"

(۲)

ڪَپَھتِيَاڻِي ڪَتِيو جڏين سَتو سارو لوڪ  
تنه پانجي ڪتي مان وڌو ڳچي ڳاڙهو ٿوڪ

جيڙوڻِي تِيڙو آگهيو پائيو! جي هوند ڪتيائين  
سُيان سرتين وچ ۾ ملي مرڪيائين  
| کپاس کاتن والي نه اس وقت کاتا، جب سارا لوڪ سوگيا  
اس نه اپنے کاتن هونءِ ميں سے، اپنی گردن ميں سرخ گهنا ڏال ديا۔ |

اگر اس نه کاتا هے تو جيسا تيسا بهي مقبول و منظور هوگيا اے بھائيو!  
کل (بروز قیامت) اس نه سہیلیوں کے درميان مل کر مسکرا ديا

(۳)

ڪونا، مندپ، ماڙيون، گهر، گھوڙا، پندار  
ڪين نه نيا پاڻ سين، چيو چلنتي وار  
| ڪوڻهه، ڪچي مکانات، بالا خانن، گھڙ وندن، گھوڙن، توشه خانن  
روح نکلتن وقت کوئی بهي اپنے ساتھ لے کر نهين گيا۔ |

پِيئي پير صدرالدين آئين سَتو مومن وِڙ  
آلڪ چِتو تني ڪي، جني سجاتو شاه پير  
| وحشت زده حيران و پریشان پير صدرالدين کی پُر لطف بات سنو مومنو!  
جنهنوں نه شاه پير کو پچيانا، وه قیامت کے روز خدا کے ہاں نجات پا جائیں گے۔ |

(۲) یہ دو شعر پہلے ’م‘ ميں شامل هونء۔ بعد ميں انہيں ’غ‘ نه نقل کيا۔ ’م‘ ميں لفظ ’توڪ‘ کے بجائے ’موز‘ ديا هوا هے، نیز ’م‘ ميں ’جڏين‘ ’پانجي‘ ’جيڙو‘ اور ’تِيڙو‘ کے بجائے ’جڏهن‘ ’بھنجي‘ ’جيڙو‘ اور ’تھڙو‘ لکھے هونء هيں۔ ’م‘ ميں يہ شعر الڳ ديا هوا هے ليڪن ’غ‘ نه يہ دونوں شعر اوپر (۱) کے تحت معرعوں کے طور پر لکھے هيں۔  
(۳) يہ دو شعر صرف ’غ‘ نه لکھے هيں ليڪن اوپر (۱) کے تحت معرعوں کے طور پر درج ڪئے هيں جو غالباً اصليت کے لحاظ سے درست نهين هے۔ ڪيونڪر ان کا وزن جداگانہ هے۔

(۴)

کیڑیون اڈائین گدماڑیون، تین کیڑا رکائین چت  
 نیہی نیندیہ ڈوڑ م، توتی لتون ڈیندا مت  
 سن وٹجارا، ہو یار! ہی من ہروٹزو تو جھولی  
 [کیسے ہی عالیشان بالا خانے تعمیر کروا، اور کیسے ہی نقش و نگار بنوا  
 دوست و احباب تجھے خاک کے حوالے کریں گے اور رشتہ دار پاؤں سے تجھے دبائیں گے  
 اے سوداگر یار، سن! یہ من اندیشوں میں ڈوب رہا ہے۔]

(۵)

جاگو جاگو پانٹا، رین وھاٹی  
 [بھائیو! جاگو، جاگو، رات ختم ہونے والی ہے۔]

ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا گمنان صاف سندھی یا سندھی کے کبھی لہجہ میں رہے ہوئے ہیں۔ پہلا  
 گمنان ایک طرح کی کتھا (مذہبی نصیحت) ہے، جس کے دو مصرعوں کے بعد جواب مصرعہ ہے۔ ممکن ہے  
 کہ پہلے دو مصرعے اصل میں چرلے ”سندھی شعر“ ہوں جن کے آخر میں، بعد میں کسی وقت جواب مصرعہ  
 ملا لیا گیا ہو۔ دوسرا اور تیسرا گمنان ”سُر کا پاتی“ کے بنیادی سندھی شعر ہیں جو نسبتاً قدیم معلوم ہو رہے ہیں۔  
 پیر حسن کبیر الدین:

پیر حسن کبیر الدین ۲۲ شعبان بدھ کے روز سنہ ۷۷۷ھ کو پیدا ہوئے اور نویں صدی ہجری  
 کے آخری نصف میں بمقام اُج وفات پائی (۶۷۷) اس لئے ان کی طرف منسوب ”گمنانوں“ کا  
 زمانہ اندازاً آٹھویں صدی ہجری کے نصف آخر سے نویں صدی ہجری کے نصف اول تک شمار کیا  
 جاسکتا ہے۔ درج ذیل گمنان ان کے نام سے منسوب ہیں:

(۱)

آشاجی شری اسلام شاہ شیخ بیٹھا  
 تاری دین هوا رحمان جی

(۴) یہ بند اور آخری جواب صرف ’رُغ‘ نے لکھے ہیں۔

(۵) یہ مصرعہ ’رُغ‘ نے نقل کیا ہے۔

(۶) تواریخ میں بڑا اختلاف ہے: نزم نے اپنی کتاب ”ست و بی“ میں وفات ماہ صفر ۸۵۳ھ (۱۴۳۹ء) لکھی ہے۔ اُوناف  
 نے اپنے انگریزی مضمون ”گجرات کا امام شای فرقہ“ (رائل ایشیاک سوسائٹی بمبئی شاخ کا جرنل، جلد ۱۲، سال ۱۹۳۶ء،  
 ص: ۳۹) میں وفات کا سال ۸۷۵ھ (۱۴۷۰ء) دیا ہے۔ مولوی محمد ظیل الرحمان برہانپوری نے اپنی ”تاریخ برہانپور“ (تصنیف  
 ۱۳۱۶ھ-۱۸۹۸ء) میں حسین کبیر الدین کی وفات کا سال ۸۹۶ھ (۱۴۹۱ء) لکھا ہے

(۱) چنار: ”نور مبین جبل اللہ آئین“ ص: ۵۰۰

سر بندھ لئے گردئے مٹکے دیدھا  
تارے سر اگھاڑو کرے، نر بیٹھا

[جب سے حضرت اسلام شاہ تخت نشین ہوا، اس وقت سے دین خدا کا فیض جاری ہوا،  
(پیر حسن کبیر الدین نے) جب امام کو دستار نذرانہ کی تب وہ اپنی مرضی سے سر ننگا کر کے (تخت  
پر) بیٹھا تھا]

(۱)

ناریون	تمھاریون	آنتی	(آنتے)	گھٹیون
مُجھہ	سریکیون	(نریکیوں)	لاکو	(لاکھو)
تُمنہن	ہٹہ	الک	نرنجن	
ہم	چٹیٹی	ڈرڑی	خاک	

[تیری داسیاں بہت ساری ہیں، میرے جیسی تو لاکھوں ہیں؛ تو ہی دیکھے جانے سے پاک  
ہے، میں تو مٹی و خاک ہوں]

متذکرہ بالا ’گنان‘ پیر صدر الدین کے بیٹے حسن کبیر الدین کے ہیں، جو سندھ میں پیدا  
ہوئے اور پلے بڑھے مگر اس کے باوجود بھی زبان میں آمیزش ہے؛ اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ پیر  
صدر الدین نے خالص سندھی زبان میں ’گنان‘ کہے ہوں گے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ پیر  
صدر الدین کے اصل ’گنانوں‘ پر سندھی خوجوں کی اپنی زبان کا رنگ چڑھ چکا ہو۔ پیر صدر الدین  
سے پہلے کسی بھی داعی کے کہے ہوئے ’گنانوں‘ میں سندھی زبان کے الفاظ اور محاورات کی تلاش  
بہر حال بے سود ہے (☆)۔

پیر حسن کبیر الدین کے متذکرہ بالا ’گنانوں‘ میں سے پہلے ’گنان‘ میں فقط ”سر اکھاڑو  
کری“ کا محاورہ سندھی ہے۔ البتہ دوسرا گنان زبان کے لحاظ سے اہم ہے، کیونکہ اس کے پہلے  
دو مصرعے سندھی زبان کے خالص کبھی محاورہ (لجیہ؟) میں رچے ہوئے ہیں۔ پیر صدر الدین اور  
پیر حسن کبیر الدین کے ’گنان‘ پرانی سندھی شاعری کے مطالعہ کے لحاظ سے اہم ہو سکتے ہیں مگر ان

(۱) ”اسماعیلی آغا خانی فرقہ جا مبلغ داعی“ ص: ۸۰

(☆) غلام علی الانا نے اپنے مضمون میں داعی ”ست - ورنور“ یعنی سید نور الدین اور داعی پیر شمس الدین سبزواری ملتان کی  
طرف منسوب کلام درج کیا ہے، اور لکھا ہے کہ سید نور الدین کے کلام میں سندھی الفاظ ملتے ہیں۔ جیسا کہ داعی نور الدین سنہ  
۶۳۲ھ میں ہندوستان میں تبلیغ کے لئے آیا، اس لئے غلام علی الانا نے اپنے مضمون کا عنوان بھی ”سومروں کے دور کی سندھی  
شاعری“ رکھا ہے۔ (رسالہ مہراں، جلد ۹، نمبر ۲، ص: ۱۳۸-۱۵۶) غلطی تحقیق کے لحاظ سے سومرہ دور کے داعیوں کے کلام کو  
”سندھی شاعری“ کہنا درست نہیں ہوگا۔

کی تصدیق کے بارے میں کسی علمی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے 'ممنانوں' کے تمام ذخیرہ پر تحقیق لازمی ہے۔ اس تحقیق کی بنیاد صرف قدیم ترمنگنانوں اور اس کے مستند قلمی نسخہ پر ہی رکھی جاسکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پیر صدر الدین نے چالیس حروف پر مشتمل "سندھی زبان کا ایک رسم الخط تیار کیا" (۱) جسے 'چہل حرفی' یا 'خوبکی سندھی' کہا جاتا ہے۔ اس کے لئے بھی 'خوبہ جماعت' کی متفقہ روایات اور مآخذ کی تحقیق ضروری ہے: پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ رسم الخط پیر صدر الدین نے بنایا تھا یا بعد میں کسی دوسرے داعی نے؟ دوسری بات یہ کہ پیر صدر الدین کی دعوت کا دائرہ وسیع تھا، اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ انہوں نے "چالیس حروف" پر مشتمل کوئی ایسا رسم الخط تیار کیا ہو جس میں تمام زبانوں مثلاً گجراتی، کچھی، ہندی خواہ خوبکی سندھی میں نصیحتیں اور گنان لکھے گئے ہوں۔ لیکن یہ کہنا کہ انہوں نے یہ رسم الخط 'سندھی زبان' کیلئے بنایا تھا، اس دعویٰ کے لئے علمی تحقیق اور تصدیق کی ضرورت ہے۔

”سمہ آخری دور کی زبان میں شاعری کا مستند مواد“

۱- پیر مراد شیرازی کا منظوم دعائیہ جملہ (۸۹۱ھ):

سید حسین عرف شاہ مراد، ٹھٹھہ کے شیرازی سادات میں سے مشہور درویش ہو گزرے ہیں۔ محمد صالح ولد ملا زکریا ٹھٹھوی نے سنہ ۱۱۴۰ھ میں کتاب "معارف الانوار" فارسی زبان میں لکھی (۲) جس میں انہوں نے ان بزرگ کی سوانح و کرامات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ سید مراد ۱۲ ربیع الاول سنہ ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲ ربیع الاول سنہ ۸۹۳ھ میں جام نندہ کے دور میں وصال فرمایا۔

۸۹۱ھ/ ۱۲۸۶ء میں شاہ مراد کے بھتیجے اور داماد سید جلال (پیر مراد کے بھائی سید علی شیرازی اول کے فرزند) کے گھر بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام 'سید علی' (ثانی) رکھا گیا۔ یہ صاحب زادہ شاہ مراد کا نواسہ بھی تھا، اس کی ولادت پر خوش ہو کر پیر مراد نے دعائیہ طور پر کہا: "اللہ، او پاتنی! ذہنی و ذی جمارا" (۳) یہ سنہ ۸۹۱ھ کا ایک منظوم دعائیہ جملہ ہے، جس میں پہلی مرتبہ "الف اشباع" کا قافیہ 'جمارا' نظر آ رہا ہے۔

(۱) یہ دعویٰ پہلی مرتبہ غلام علی الاتا نے اپنے مضمون "سومرن جی دور جی سنڈھی شاعری" (رسالہ مہران جلد ۹، نمبر ۲۱) میں کیا ہے لیکن یہ دعویٰ علمی تحقیق و تصدیق کے بجائے محض لکھنے والے کی اپنی خوش فہمی کا نتیجہ ہے۔

(۲) کتاب کا نام "معارف الانوار فی بیان فضائل سید الابرار و ائمہ اطہار و احوال قطب المنار" ہے۔ جس کا قلمی نسخہ ہم نے مولوی محمد حسین صاحب مرحوم ٹھٹھوی کے ہاں ۱۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو دیکھا اور مطالعہ کیا۔ یہ بیان اسی کتاب سے لیا گیا ہے۔

(۳) "معارف الانوار" کا قلمی نسخہ جو ہم نے ٹھٹھہ کی جامع مسجد کے پیش امام مرحوم مولوی محمد حسن کے پاس دیکھا: اس میں "او پاتنی ذہنی و ذی جمارا" لکھا ہوا تھا لیکن جیسا کہ فعل 'ذہنی' (تجھے دے) کا فاعل ہونا ضروری ہے اسی لئے 'او' (حرف ندا بمعنی آئے، اُسے) کے لحاظ سے شروع میں 'اللہ' کا نام ہی ہو سکتا ہے۔

## ۲۔ شیخ عبدالجلیل چوہڑشاہ کی محفل سماع میں پڑھا گیا سندھی شعر:

شیخ ابیون عبدالجلیل، جو کہ عرف عام میں 'شیخ چوہڑ' (۱) کے نام سے مشہور تھے اور روحانی فیض کی وجہ سے آپ کا لقب "قطب العالم" تھا، نویں صدی ہجری میں ضلع رحیم یار خان (بہاولپور ڈویژن) کے قدیم شہر "موی مبارک" کے ایک بڑے صوفی درویش ہو گزرے ہیں۔ شیخ عبدالجلیل، سلطان بہلول لوہی (۱۳۵۱-۱۳۸۹ء) کے داماد تھے۔ حسب نسب کے اعتبار سے وہ "مومبارک" کے مشہور ولی شیخ "حمید الدین حاکم" کی پانچویں پشت سے تھے۔ حضرت حاکم کی غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی دختر کے ساتھ شادی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے حضرت حاکم کے خاندان و اولاد کا غوث بہاؤ الدین زکریا کے خاندان و اولاد کے ساتھ رشتہ داری اور طریقت کا گہرا رشتہ تھا (۲)۔ اسی وجہ سے غوث بہاؤ الدین کے سندھی مریدین و معتقدین کا حضرت حاکم کی اولاد کے ساتھ بھی تعلق بڑھا۔ شیخ عبدالجلیل کے دربار میں سماع کی محفلیں ہوتی تھیں، جن میں سندھ کے خوش الحان ذاکر، فارسی اور سندھی کلام سریلی آواز میں بڑے سوز سے گاتے تھے۔ سماع کی ان مجالس کا ذکر شیخ عبدالجلیل کی سوانح عمری اور ملفوظات کی کتاب "تذکرہ قطبیہ" میں موجود ہے۔ یہ کتاب ان کے مرید جمال الدین ابو بکر الہ آبادی نے سنہ ۱۳۶۱/۲۷-۹۵۲ھ (۱۵۳۰-۱۵۳۵ء) کے عرصے میں لکھی۔ "تذکرہ قطبیہ" سنہ ۱۳۷۱ھ میں شائع ہوئی تاہم اصل عبارت کو سمجھنے کے لئے ہم نے اصل قلمی نسخہ کا مطالعہ کیا (۳) جو ۲۷ محرم سنہ ۱۱۸۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ درج ذیل بیان کا مدار اس قلمی نسخہ پر ہے، حالانکہ بطور تصدیق مطبوعہ کتاب کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔

"تذکرہ قطبیہ" کے حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت غوث صاحب کے بعد حضرت

(۱) ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی "چوہڑشاہ بندیگی" کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "پیر غلام دنگیر نامی نے تاریخ جلیلہ (دوسرا ایڈیشن، ص ۱۰۷) میں حضرت فرخ بخش کی کتاب "الجلیل" کے حوالہ سے لکھا ہے: چوہڑ ریاست بہاولپور میں عام نام ہے۔ ہندی لغت میں اس کے معنی ہیں "شکار کو تدبیر سے قابو میں لانے والا" حضرت نے چونکہ اپنے نفس کو مجاہدہ و ریاضت سے اللہ تعالیٰ کی بندیگی کے لئے رام کر لیا تھا، اس لئے خلقی خدا میں چوہڑشاہ بندیگی کے لقب سے معروف ہوئے۔ قطب العالم آپ کا خطاب ہے"۔ دیکھئے: "لاہور میں اسلام کے سفیر" ص: ۹۷، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار لاہور، طبع اول مئی ۲۰۰۰ء (مترجم)

(۲) دیکھئے "تاریخ جلیلہ" مصنف غلام دنگیر نامی مرحوم، طبع دوم لاہور، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء، ص ۵۸-۹۱

(۳) "تذکرہ قطبیہ" حضرت عبدالجلیل چوہڑشاہ کی اولاد میں سے پیر غلام دنگیر نامی مرحوم نے۔ جو لاہور میں حضرت عبدالجلیل کی درگاہ کے متولی بھی تھے۔ شاہگیر پریس لاہور سے سنہ ۱۳۷۱ھ میں درگاہ کی طرف سے شائع کروایا۔ نامی مرحوم ایک عالم فاضل بیک دل اور صوفی درویش تھے۔ انہوں نے ۲۱ دسمبر ۱۹۶۱ء کو لاہور میں وفات پائی۔ ہماری آپ کے ساتھ ۱۹۵۵ء سے ششماہی بلکہ دلی محبت تھی۔ انہوں نے رام کے علمی شوق سے متاثر ہو کر "تذکرہ قطبیہ" کا واحد قلمی نسخہ جو آپ کے خاندانی آثار میں سے تھا میرے حوالہ کیا، جس کا میں نے لاہور میں بیٹھ کر مطالعہ کیا اور اس کے اوراق کی تصویریں بنوائیں۔



شیخ رکن الدین کے وقت سے لے کر سماع کی محافل کے اہم گانگک سندھی تھے، جنہوں نے ملتان سے بالائی علاقہ پنجاب اور دہلی تک سماع کی محافل کو شہرت دی اور ان محافل میں سندھی اور فارسی کلام گایا۔ اس دور میں ”حسن سندھی“ نامی سماع کا مشہور گانگک تھا، جسے حضرت رکن الدین کے مرید شیخ عثمان نے ایک محفل میں کہا کہ: ”میر حسن! کچھ سنائیے!“ اس نے معذرت کی لیکن شیخ عثمان نے اسے مجبور کیا، جس پر اس نے خواجہ سعدی شیرازی کے اشعار سے آغاز کیا (۱)۔ دہلی میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے پاس حسین سندھی نامی ’قوال‘ رہتا تھا جس کے سرود سے حضرت شیخ پر وجد طاری ہو جاتا تھا (۲)۔ اس ابتدائی دور سے تقریباً ڈھائی سو برس بعد شیخ عبدالجلیل کے دور میں بھی سندھ کے سماع کرنے والے گانگوں کا سلسلہ پورے عروج پر تھا۔ سماع کے ان سندھی سرخیل گانگوں کو اس وقت کی اصطلاح میں ’قوال‘ یا ’ذاکر‘ کہا جاتا تھا۔ سماع کی یہ محافل لاہور میں نیز لاہور سے باہر پنجاب کے دیگر خطوں میں بھی ہوتی تھیں۔ کچھ سندھی بزرگوں نے ان علاقوں سے بھی اوپر جا کر ’کامگڑہ‘ کوہستان کو آباد کیا تھا اور شیخ عبدالجلیل بھی وہاں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ ’کوہستان کامگڑہ‘ میں افغانوں کے ’جلورا ابراہیم‘ نامی گاؤں میں تشریف لے گئے، وہاں ایک درویش شیخ احمد سندھی رہتے تھے، جو بہت اثر و رسوخ والے تھے۔ وہ شیخ عبدالجلیل کے (ملتان کے بزرگوں کے ساتھ ان کی نسبت کی وجہ سے) معتقد بنے۔ (۳)

ایک مرتبہ شیخ جلال گجر (۴) حضرت شیخ عبدالجلیل کو دعوت دے کر اپنے گاؤں ’ہانڈو گجر‘ لے آئے۔ جہاں سماع کی محفل منعقد ہوئی، جس میں سندھی سماع کرنے والے ذاکروں میں سے کسی نے فارسی اشعار ترنم سے گائے اور اس کے ساتھ ایک دوہا (غالباً سندھی) بھی پڑھا، جسے سن کر حضرت شیخ پر وجد طاری ہو گیا اور اسی جذبہ کی حالت میں ان کے فیض نظر سے تین سو افراد نے اسلام قبول کر لیا۔ سماع کی اس محفل کے تذکرے میں خاص طور پر وضاحت کی گئی ہے کہ

(۱) ’تذکرہ قطبی‘ ص: ۱۳۶-۱۳۷، نیز ص: ۱۳۸ پر حسن سندھی کا نام درج ہے۔

(۲) ’تذکرہ قطبی‘ ص: ۱۳۶-۱۳۷

(۳) ’تذکرہ قطبی‘ ص: ۱۳-۱۴

(۴) شیخ جلال گجر اصل میں ہندو تھے، ان کا آبائی نام ’راموں‘ تھا۔ ایک مرتبہ ان کی بیوی اپنے گاؤں ’ہانڈو گجر‘ سے وہی بیچنے کے لئے کشتی کے ذریعے لاہور آئی تو راوی کے کنارے پر اس کی ملاقات حضرت شیخ عبدالجلیل سے ہو گئی۔ حضرت شیخ نے نور باطن سے دیکھ لیا کہ اس وہی سیاح مردہ سانپ موجود ہے۔ آپ نے اس عورت کو اس کی منہ مانگی رقم دے کر اس سے وہ برتن تروا دیا۔ اس حقیقت کے انکشاف پر عورت بہت حیران ہوئی اور واپس آکر اپنے شوہر کو سارا واقعہ سنایا۔ اس واقعے نے راموں گجر کو بہت متاثر کیا، بالآخر وہ شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شیخ صاحب نے راموں گجر کا اسلامی نام ’شیخ جلال‘ تجویز فرمایا، جو بعد میں شیخ صاحب کی صحبت میں رہ کر بڑا صاحب کمال، اللہ کا ولی بن گیا۔ ’خص از: لاہور میں اسلام کے سفیر، ص: ۹۶ (مترجم)‘

اس احوال کے مشاہدہ سے تبسم فرما کر یہ ہندی کلمات سندھی زبان میں زبان سے ارشاد فرمائے:

اس شعر کا اصل رسم الخط کافی الجھا ہوا ہے (۳) لیکن ہمارے خیال میں درج ذیل طریقے سے پڑھنا زیادہ مناسب ہوگا:

سی صد کسی در همان عین باسلام مشرف گشتند [تذکره قطبیہ، ص: ۱۲۳]

محمد گھت گھت رھیو روم تن [من] مانھ

هو تان هنتون نانھ، هن ري هي نانھ

[حضرت محمد ﷺ میرے تن من میں سمائے ہوئے ہیں: یہ محبوب اس (عاشق) سے الگ

نہیں اور ان کے سوا یہ (وجود ہی نہیں)۔]

۴- شیخ چوہڑ کی محفل سماع میں دوہے کے طور پر پڑھا گیا سندھی شعر:

”تذکرہ قطبیہ“ کے مصنف لکھتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ دیگر بزرگ اور خود مصنف جمع ہو کر

قطب العالم شیخ چوہڑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہاں سماع کی مکمل تیاریاں تھیں۔ بعد میں جیسے

ہی محفل شروع ہوئی تو ”سندھی ذاکرین“ میں سے ایک نے یہ ”دوا“ پڑھا:

جو گھڑی سونی، کو جو قہر کلاچ ہر

خبر کونہ ڈی، رچ کچاڑی رندیو (۱)

[جو بھی (گرداب میں) داخل ہوتا اسے اچک لیتا، ’کلاچ‘ کے گرداب میں کوئی ایسا

غضب تھا جو معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ جال کہاں جا کر پھنستا ہے۔]

(یہ دوا سنتے ہی) حضرت بندگان قطب العالم شیخ چوہڑ پر وجد طاری ہو گیا اور کھڑے ہو کر

رقص کرنے لگے۔

۵- شیخ عبدالجلیل چوہڑ کی وفات کے بعد سماع میں پڑھا گیا شعر:

شیخ چوہڑ قطب العالم کے بھتیجے شیخ علی بری جو سماع کے دوران وجد کی کیفیت میں گویا

اڑتے تھے، ان کے بارے میں تذکرہ قطبیہ کا مصنف لکھتا ہے کہ: ”ایک دن حضرت قطب العالم

(شیخ چوہڑ) کے روضہ منور میں محفل سماع ہوئی اور درویش رقص کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک

(۱) اصل رسم الخط (تذکرہ قطبیہ، ص ۱۳۳) اس طرح ہے:

محمد کتھ کتھ رھیو روم تن مانھ

ہونا ہن ہونا ناہن ہون مانھ ہن ری ناہن

پہلی سطر میں ’تن‘ کے بعد ’من‘ کا لفظ چھوٹ گیا ہے۔ دوسری سطر کے الفاظ اس طرح درست ہوں گے:

ہونا = ہوتا = ہوتا

ہن = ہوں = ہن ہون = ہن ہون ( = ہن کان بمعنی: اس سے )

ناہن = ناہم = ناہ

ہون مانھ = کاتب کی غلطی کی وجہ سے یہ لفظ اضافی لکھا ہوا ہے

ہن ری = ہن ری (اس کے بغیر)

ہن ناہم = ’ہن‘ (اُس) کے بجائے ’ہی‘ (یہ) پڑھنا چاہئے = ہی ناہ = (یہ نہیں)

۱۰۰  
 ۱۰۱  
 ۱۰۲  
 ۱۰۳  
 ۱۰۴  
 ۱۰۵  
 ۱۰۶  
 ۱۰۷  
 ۱۰۸  
 ۱۰۹  
 ۱۱۰  
 ۱۱۱  
 ۱۱۲  
 ۱۱۳  
 ۱۱۴  
 ۱۱۵  
 ۱۱۶  
 ۱۱۷  
 ۱۱۸  
 ۱۱۹  
 ۱۲۰  
 ۱۲۱  
 ۱۲۲  
 ۱۲۳  
 ۱۲۴  
 ۱۲۵  
 ۱۲۶  
 ۱۲۷  
 ۱۲۸  
 ۱۲۹  
 ۱۳۰  
 ۱۳۱  
 ۱۳۲  
 ۱۳۳  
 ۱۳۴  
 ۱۳۵  
 ۱۳۶  
 ۱۳۷  
 ۱۳۸  
 ۱۳۹  
 ۱۴۰  
 ۱۴۱  
 ۱۴۲  
 ۱۴۳  
 ۱۴۴  
 ۱۴۵  
 ۱۴۶  
 ۱۴۷  
 ۱۴۸  
 ۱۴۹  
 ۱۵۰  
 ۱۵۱  
 ۱۵۲  
 ۱۵۳  
 ۱۵۴  
 ۱۵۵  
 ۱۵۶  
 ۱۵۷  
 ۱۵۸  
 ۱۵۹  
 ۱۶۰  
 ۱۶۱  
 ۱۶۲  
 ۱۶۳  
 ۱۶۴  
 ۱۶۵  
 ۱۶۶  
 ۱۶۷  
 ۱۶۸  
 ۱۶۹  
 ۱۷۰  
 ۱۷۱  
 ۱۷۲  
 ۱۷۳  
 ۱۷۴  
 ۱۷۵  
 ۱۷۶  
 ۱۷۷  
 ۱۷۸  
 ۱۷۹  
 ۱۸۰  
 ۱۸۱  
 ۱۸۲  
 ۱۸۳  
 ۱۸۴  
 ۱۸۵  
 ۱۸۶  
 ۱۸۷  
 ۱۸۸  
 ۱۸۹  
 ۱۹۰  
 ۱۹۱  
 ۱۹۲  
 ۱۹۳  
 ۱۹۴  
 ۱۹۵  
 ۱۹۶  
 ۱۹۷  
 ۱۹۸  
 ۱۹۹  
 ۲۰۰

”رسالہ قطبیہ“ میں دیئے گئے سندھی زبان کے دوہے جو ایک مجلس سماع میں سندھی ذاکران نے پڑھے تھے

Handwritten text in Urdu script, likely a historical document or manuscript. The text is dense and covers most of the page area.

”رسالہ قطبیہ“ میں دیئے گئے ایک مجلس سماع میں گائے گئے سندھی دوہے

درویش نے ایک ذاکر سے آکر کہا کہ کوئی لے/سُر سنائے تاکہ درویش خوش ہوں۔ اس ذاکر نے عرض کیا کہ: عزیزو! یہ فقیر صرف اس جماعت (محفل) میں گائے گا جس میں شیخ بری موجود ہوگا، کیونکہ میری ان سے بچی محبت ہے۔ اس پر ایک درویش نے اس سے کہا کہ: تم گاؤ، اگر شیخ بری سے تمہاری بچی محبت ہے تو شیخ از خود آجائیں گے۔ جس پر اس ذاکر نے 'جسینی مقام' (راگ) کی لے میں یہ سندھی دوہے گائے: (۱)

چران تہ چکن چاک، وہان (تہ) وہ سنجری  
ماء! منهنجي ڏيل سين، سورن ڪي اوطاق  
جيئن تون جانا پاڪ، آسا بند اڙين جو.

[ہلتا (حرکت کرتا) ہوں تو زخم ہرے ہوتے ہیں، بیٹھتا ہوں تو زہر پیدا ہوتا ہے (ہائے)  
اماں! میرے جسم میں غموں نے گھر کر لیا ہے، پاک محبوب! تو ہی بے دیلوں کا آسرا ہے۔]

من ڪي لو (چ) فراق، اسان هون نہ ڌار ٿيئي  
سڪون پريان ساڪ، رب ڏکائي ڪڏهين. (۲)

[روح کو فراق کی (ان کی) جستجو، ہم سے جدا نہیں ہوتی

محبوب کو ترس رہے ہیں، کب رب دکھائے گا۔]

مندرجہ بالا اشعار میں سے پہلا شعر قطب العالم شیخ چوہڑ کے سالِ وصال ۱۵۰۴ھ/۵۱۰ء سے پہلے کا ہے۔ اور آخری دو شعر جس محفل سماع میں پڑھے گئے وہ قطب العالم شیخ چوہڑ کی وفات (۱۵۰۴ھ/۵۱۰ء) کے بعد اور 'تذکرہ قطبیہ' کی تصنیف (۱۵۴۵-۱۵۴۰ء) سے پہلے منعقد ہوئی۔ اس اعتبار سے یہ اشعار سنہ ۱۵۰۴ھ/۴۵ - ۱۵۴۰ء کے درمیانی عرصہ میں سماع کی محفلوں میں پڑھے گئے۔ ممکن ہے کہ یہ اشعار اس دور کے یا اس سے بھی پہلے کے کسی شاعر کے کہے ہوئے ہوں۔

(۱) 'تذکرہ قطبیہ' لاہور ۱۳۷۱ھ، ص ۱۳۱

(۲) 'تذکرہ قطبیہ' مطبوعہ لاہور ۱۳۷۱ھ، ص ۱۳۶، کاتب کے اصل لکھے ہوئے الفاظ کی بنیاد پر ہم نے مذکورہ بالا اشعار کو یوں ہی سمجھا ہے جیسا کہ درج کیا گیا ہے۔

(۱) اس شعر کا دوسرا امکاکی تلفظ یوں ہے:

من ڪي لنو فراق، اسان هوت ڌار ٿيئي  
ڪون سپريان ساڪ، رب رڪائي ڪڏهين.  
(یا) "سڪون پريان ساڪ، رب رڪائي ڪڏهين"  
یا "سڪون پريان ساڪ، رب رڪائي ڪڏهين"

سمہ دور کے بالکل آخر کا شعر:

سنہ ۹۲۷ھ/۱۵۲۱ء کے اختتام پر سمہ دور حکومت کا خاتمہ ہوا۔ ہمیں اس سال کے بعد کے بھی کچھ اشعار ملتے ہیں، نیز کچھ ایسے شاعر بھی ملتے ہیں جنہوں نے اس سال کے بعد وفات پائی؛ اس کے باوجود ان اشعار کو سمہ دور میں شمار کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ شعراء جن کی ولادت و تربیت سمہ دور میں ہوئی انہیں ہم سمہ دور کے آخرین شعراء میں شمار کر سکتے ہیں۔ ذیل میں ہم سب سے پہلے سید حیدر سنائی کے ایک شعر، مخدوم احمد بھٹی کے روبرو محفلِ سماع میں پڑھے گئے ایک شعر اور شیخ بھریہ کی زبانی اسحاق آہنگر کے شعر کا ذکر کریں گے۔ اس کے بعد مشہور و معروف شاعر قاضی قادن کے اشعار پر روشنی ڈالیں گے۔ اس بزرگ نے سمہ حکومت کے خاتمے کے بعد وفات پائی مگر اس کی ولادت و تربیت سمہ دور میں ہوئی، اس لحاظ سے اُسے سمہ آخری دور کا شاعر کہا جاسکتا ہے۔

۱- سید حیدر سنائی کا شعر:

سید حیدر اپنے دور میں ساداتِ سن کے سربراہ تھے اور مخدوم بلال کے شاگردوں میں سے ایک باعمل عالم تھے۔ سمہ حکومت کے خاتمے کے نو سال بعد سنہ ۹۳۶ھ میں وفات پائی۔ خاندانی روایت کے مطابق جب ان کے بھائی سید میاں جراث شہید ہوئے تو سید حیدر نے درج ذیل شعر کہا:

گئون گتو کیر کٹی، کن پادیوین پان

تون پیلی سیکھین، تو پیلی رحمان (۱)

[دلِ دل میں پھنسنے ہوئے کو کون اٹھائے گا، بندھے ہوؤں کو خود ہی اٹھا

تو سب کا مددگار ہے، تیرا مددگار رحمان ہے]

۲- مخدوم احمد بھٹی کے روبرو محفلِ سماع میں پڑھا گیا شعر:

مخدوم احمد ہالا کنڈی (پرانا ہالا) کے درویش مخدوم اسحاق بھٹی کے فرزند تھے۔ مخدوم اسحاق، غوث بہاؤ الدین زکریا کے سلسلہ کے مرید تھے۔ مخدوم احمد ایک بڑے ولی اور درویش تھے اور سماع کو طرف بہت زیادہ مائل تھے۔ ایک مرتبہ ایک عالم بڑی عقیدت کے ساتھ ان سے ملنے کے لئے آیا لیکن اسے یہ جان کر بہت ہی رنج ہوا کہ مخدوم صاحب سماع کا ذوق رکھتے ہیں۔ مخدوم احمد نے اس سے ملنے کے بعد کہا کہ: ”یہ سماع نفس کو خوش کرنے کے لئے نہیں، بلکہ سوز و

(۱) جناب غلام مرتضیٰ شاہ سید (جی ایم سید) کی کتاب ”خاندانی شجرا“ سے لیا گیا۔

درد بیدار کرنے کے لئے ہے (۱)۔ بعد میں مخدوم احمد اس عالم کو اپنے حلقہٴ سماع میں لے گئے جہاں پر اس عالم کو اس قدر سوز و درد پیدا ہوا کہ اسی حالت میں اس سے نماز ہی قضا ہوگئی (۲)۔ اس کے بعد وہ عالم ہمیشہ کے لئے صاحبِ حال بن گئے۔ مخدوم احمد پر ذکر و سماع کی محافل میں ناقابلِ بیان حالت طاری ہو جاتی تھی۔ عمر کے آخری دور میں وہ نیرون کوٹ تشریف لے گئے، جہاں پر ایک محفلِ سماع کے دوران ذکر و وجد میں مشغول رہے۔ اس موقع پر ذاکر (گانے والے) نے ایسے سوز و گداز اور سریلی آواز سے گایا کہ اس کے سنتے ہی اس درویش نے جانِ جانِ آفریں کے حوالے کی، بعد میں ان کا جنازہ ہالا کنڈی لایا گیا (۳)۔ وہ سال ۹۳۶ھ تھا جس میں آپ نے وفات فرمائی۔

مذکورہ بالا بیانِ حدیقۃ الاولیاء کے مصنف سید عبدالقادر کا ہے۔ جسے بعد میں علی شیر قانع نے ’تختہٴ اکرام‘ میں بھی نقل کیا ہے (۴)۔ لیکن دونوں مصنفین نے یہ واضح نہیں کیا کہ وہ کوئی سندھی شعر تھا جسے سنتے ہی مخدوم احمد وصال فرما گئے۔ پرانا ہالا کے بھٹی بزرگوں کی خاندانی روایت کے مطابق وہ ’سندھی‘ شعر تھا۔ مخدوم

(۱) حدیقۃ الاولیاء میں مخدوم صاحب کی اس عالم سے ہونے والی گفتگو یوں درج ہے:  
”مولوی! ایں سماعے کہ شنیدہ آن سماع نیست کہ در شریعت منہی است بلکہ ایں ماتم کدہ و حلقہٴ تعزیت است! یکے نظر در ایں خواہی گماشت۔“  
مولوی صاحب! جس سماع کے متعلق آپ نے سنا ہے وہ ایسا سماع نہیں کہ شریعت میں اس کی منع ہو بلکہ یہ تو ماتم کدہ اور حلقہٴ تعزیت ہے، ایک نظر اسے دیکھ تو لیں۔ (حدیقۃ الاولیاء، ص ۹۲) (مترجم)  
(۲) حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ بعد میں جب اس عالم سے لوگوں نے کہا کہ آپ تو اس حال (سماع اور وجد) کے مخالف تھے پھر کیا ہوا کہ آپ سے نماز بھی قضا ہوگئی؟ جس پر اس عالم نے یوں جواب دیا: مارا از دیدن سماع جاذبہٴ شوق در زبود و راہ بعالم بالا کشود۔

مخدوم را دیدم کہ فرق مبارک وے بعرش می ساندہ و از حال وے قد و سیاں ذوق و حالت می ورزیدند، مارا از تشاہد حال اصلا افاقہٴ احوال خویش نبود۔ (حدیقۃ الاولیاء، ص ۹۳)  
سماع دیکھتے ہی ہمیں جذبہٴ شوق نے لے لیا اور عالم بالا کا راستہ کھل گیا، میں نے دیکھا کہ مخدوم صاحب کے سر کی مانگ عرش سے لگ (بھس) رہی تھی اور اس کے حال سے قد و سیاں (فرشتے) ذوق اور حالت کی مشق کر رہے تھے۔ ہمیں حال کے مشاہدے کی وجہ سے اپنے احوال سے افاقہٴ ہی نہیں ہو رہا تھا۔ (مترجم)

(۳) حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ: واز حاملانِ نقشب وے چنیں منقول شد کہ: ہر گاہ جنازہ وے برداشت می آوزدند، آواز ذکر بجلی از وے جہرا می شنیدند، وے ہر گاہ وے را جائےٴ فرددی آوزدندے ساکت می گشت۔ یعنی ان کی نقشب اٹھانے والوں سے منقول ہے کہ جس وقت وہ لوگ آپ کی نقشب کا نصوص پر اٹھاتے تو نقشب سے ذکر کی آواز آتی رہتی اور جہاں کہیں نقشب نیچے رکھتے تو وہ آواز بند ہو جاتی۔ (حدیقۃ الاولیاء، ص ۱۰۰ نیز تذکرۃ مشاہیر سندھ، حصہ اول، ص ۷۲) (مترجم)

(۴) یہ بیان سید عبدالقادر اپنی کتابِ حدیقۃ الاولیاء (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۷ء، ص ۹۰-۱۰۰) میں لائے ہیں اور وہاں سے ’تختہٴ اکرام‘ (سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۷ء، ص ۷۷-۱۳۷ اور ص ۳۸۰-۳۸۱) میں میر علی شیر قانع نے نقل کیا ہے۔ میر نلی شیر نے لکھا ہے کہ وہ ذاکر سار تھا۔



عبدالعلیم نے اپنی کتاب میں، جو انہوں نے ۱۲۱۸ھ میں لکھی، بتایا ہے (۱) کہ: ”قابل اعتماد لوگوں سے سنا ہوا ہے کہ وہ شعر سندھی زبان میں تھا اور وہ یہ ہے: [اصل الفاظ اس طرح ہیں: ”آں بیت کہ مصنف رحہ ذکر آں کردہ است از زبان ثقات چنین مسومع است کہ آں بیت بزبان سندھی بود و ہمیں است - بیت“]

سڌ سڃاڻي پرين جو، وانگي جي نه ورن  
ڪوڙي دعويٰ دوست جي، ڪهاڙي ڪي ڪن!  
[محبوب کا بلاوا پہچان کر بھی جو لوگ دلی چاہت کے ساتھ واپس نہ لوٹیں وہ دوستی کا جھوٹا دعویٰ کیوں کرتے ہیں؟]

شعر سنتے ہی مخدوم صاحب عالم جاودانی میں پہنچ گئے۔ اس کے بعد ’ذاکر‘ نے یہ شعر پڑھا [”لحمہ شنیدن از دار فانی بعالم جاودانی رسیدند - بعد ازاں ذاکر ایں بیت گفت“]

سرڌيئي ست جوڙ ڪنهن پر ڪلالن سين

مرثا منهن م موڙ، اڄ وڻي ٿي وڌ لهي

[جان دے کر بھی مے خانہ والوں کے ساتھ سودا (بیوپار، تجارت) بنا

موت سے منہ بہت موڑ، آج کٹوری (چھوٹا ساغر) بڑی قدر و قیمت والی ہے۔]

ظاہر ہے کہ یہ دونوں شعر مخدوم احمد کے سال وفات ۹۳۶ھ/۳۰-۱۵۲۹ء میں ایک محفل سماع میں پڑھے گئے لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ شعر کس کے ہیں۔ البتہ یہ واقعہ سمہ حکومت کے خاتمے (۹۲۷ھ) کے نو سال بعد کا ہے، اس لئے یقینی طور پر یہ شعر سمہ دور کے (یا اس سے بھی کچھ پہلے کے) کسی اہل دل شاعر کے ہیں۔

### ۳- اسحاق آہنگر (لوہار) کا شعر: (۲)

حدیقتہ الاولیاء کے مصنف سید عبدالقادر لکھتے ہیں کہ شیخ ”بہر یہ ویرد اس“ جو اصل میں ہندو تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے، اپنی آخری عمر میں وہ ”منجیا نکر“ کے دامن میں سکونت پذیر

(۱) مخدوم عبدالعلیم بن مخدوم نعمت اللہ کی کتاب ”کشف الاسرار“ (شرح کتاب اسرار الوہی کے معنی بکشف الاسرار است) بروز جمعہ بتاریخ ۲۱ محرم سنہ ۱۲۱۸ھ میں لکھ کر مکمل ہوئی۔ ہم نے یہ قلمی کتاب مرحوم میاں محمد بھٹی کے پاس دیکھی اور اس کتاب کے متن سے وہ اشعار نقل کئے۔ ڈاکٹر مرحوم داؤد پوٹہ نے یہ بات زبانی طور پر ہمیشی بزرگوں سے سنا، جسکی بنیاد پر انہوں نے یہ اشعار اپنے مضمون میں لکھے تھے۔ دیکھیے مضمون ”سندھی علم ادب“ رسالہ ”عام راہ“ کراچی ماہ اپریل ۱۹۵۰ء، رسالہ ”نمین زندگی“، کراچی ماہ مئی ۱۹۵۰ء، سندھ مسلم کالج مخون فردری ۱۹۵۱ء، نیز مضمون ”سندھی قدیم شاعری“، رسالہ ”نئی زندگی“، ماہ ستمبر ۱۹۵۸ء

(۲) اسحاق آہنگر موجودہ حیدرآباد کے باشندہ اور ۱۳ویں - ۱۵ویں صدی کے شاعر تھے۔ دیکھیے: ”سندھی ادب جی مختصر تاریخ“ ص: ۳۷ (مترجم)

ہو گئے تھے۔ سید عبدالقادر بھی غالباً ان سے ملنے وہیں پر گئے تھے، اس ملاقات کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ: ”درویش سلوک کے مفہوم پر مبنی ایک سندھی شعر الحان سے پڑھ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ نہ جانے یہ شعر ان کا اپنا ہے یا کسی دوسرے کا! ابھی میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ میری طرف دیکھ کر فرمایا: ”یہ شعر اسحاق آہن گر کا ہے“ (۱)

میر علی شیر قانع نے ”تحفۃ الکرام“ میں یہی بیان ’حدیقۃ الاولیاء‘ سے نقل کیا ہے لیکن ’حدیقۃ‘ کے مصنف کی طرح اسحاق آہن گر کا یہ سندھی شعر اس نے بھی درج نہیں کیا (۲)۔

”حدیقۃ الاولیاء“ کے مصنف نے شیخ بھریہ ویرداس کا سن وفات ۹۳۰ھ بتایا ہے جبکہ تحفۃ الکرام میں یہ ’نہصد و سہ‘ یعنی ۹۰۳ھ لکھا ہوا ہے۔ حدیقۃ الاولیاء سنہ ۱۰۱۶ھ میں لکھی گئی اور اس کے مصنف خود شیخ بھریہ ویرداس سے جا کر ملے تھے (۳)۔ اب گر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ شیخ بھریہ کی وفات مصنف حدیقۃ سے چھیا سی برس یا ایک سو تیرہ برس پہلے ہوئی ہے (۴) تو اس صورت میں وہ (حدیقۃ الاولیاء کے مصنف) ان سے کس طرح ملے ہوں گے؟ یہ سوال اپنی جگہ پر درست ہے لیکن اگر تحفۃ الکرام کے بقول شیخ بھریہ کی وفات ۹۰۳ھ میں ہوئی ہے تو پھر اسحاق آہن گر، جس کا شعر شیخ بھریہ ویرداس پڑھ رہے تھے، وہ سہ دور کا شاعر ہوا، مگر ’حدیقۃ الاولیاء‘ خواہ ’تحفۃ الکرام‘ کے مصنفین نے اسحاق آہن گر کا وہ سندھی شعر درج نہیں کیا ہے۔ البتہ ’حدیقۃ الاولیاء‘ کے مصنف کے بیان سے یہ یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس شعر میں تصوف کے معنی سمائے ہوئے تھے۔

سنہ ۱۹۵۰ء سے پہلے ہم نے درج ذیل شعر اپنی ایک بیاض میں قلمبند کیا تھا اور وہاں یہ بتایا گیا تھا کہ یہ شعر شیخ حماد کا ہے (۵)۔

(۱) حدیقۃ الاولیاء مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، ص: ۲۳۲

(۲) ”تحفۃ الکرام“ سندھی ترجمہ (سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۷ء، ص: ۲۳۷-۲۳۸)

(۳) حدیقۃ الاولیاء کے مصنف نے شیخ موصوف سے ملاقات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ”و مؤلف ایس کتاب نیز شرف ملازمت ایشان مشرف گشتہ بود“ (حدیقۃ الاولیاء، ص: ۲۳۲) یعنی اس کتاب کے مؤلف کو بھی ان سے شرف ملاقات حاصل تھا۔ (مترجم)

(۴) یعنی اگر حدیقۃ الاولیاء کے مصنف کے بقول شیخ بھریہ ویرداس کا سال وفات ۹۳۰ھ تسلیم کیا جائے تو حدیقۃ الاولیاء کی تکمیل تصنیف کے سال ۱۰۱۶ھ تک چھیا سی برس کا عرصہ بنتا ہے، وہ بھی اس صورت میں کہ مصنف حدیقۃ الاولیاء کی ان سے ملاقات اسی (۹۳۰ھ) سال تسلیم کی جائے۔ نہ صرف یہ بلکہ مصنف حدیقۃ کا سال وفات بھی کم از کم ۱۰۱۶ھ فرض کیا جائے۔ ورنہ تحفۃ الکرام کے مصنف کے بقول اس کا سال وصال ۹۰۳ھ تسلیم کرنے سے یہ عرصہ بڑھ کر، کم از کم ایک سو تیرہ سال (۱۱۳)، یا اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔ (مترجم)

(۵) یہ شعر ہم نے سندھی زبان کے متعلق اپنے مضمون میں لاڈکانہ کانفرنس کے موقع پر لکھا تھا جو بعد میں ”تحفۃ لاڈکانہ“ ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔

ٿيان مان جهرڪ، وهان سڄڻ جي سڀ تي

مانَ ڪرن ڊرڪ، ٻولي باجهاري سڀن

[میں چڙا بن کر محبوب کے چھاج پر بیٹھوں

کاش کہ وہ اڑانے کے لیے ہی پُر رم آواز میں ’ڈُر‘ (مکھر) کہہ دیں۔]

جیسا کہ شیخ حماد جمالی کا شعر ایک قلمی نسخہ کی تصدیق سے دستیاب ہو چکا ہے (۱)، اس

لئے کہا جائے گا کہ یہ شعر شیخ حماد کا نہیں ہے۔ سنہ ۱۹۵۸ء میں ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم نے اسی شعر کو اسحاق آہن گر کا شعر شمار کیا ہے (۲)۔

سہ دور کے کچھ شعراء کے اشعار شاہ کریم کے ملفوظات ’بیان العارفین‘ میں ملتے ہیں جو شاہ کریم نے مختلف مواقع پر پڑھے۔ دوسروں سے زیادہ اشعار قاضی قادن کے ہیں جس کا تفصیلی تذکرہ ہم آئندہ کریں گے۔ ملفوظات میں تمام اشعار شاہ کریم کے اپنے نہیں، مزید تحقیق کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا کہ وہ کس کے ہیں؟ سر دست یہ کہا جاسکتا ہے کہ قاضی قادن کے اشعار کے علاوہ تین ہندی ’شعرا‘ اور دیگر چھ سندھی ’اشعار‘ (۳) دوسرے شعراء کے ہیں۔ ان چھ اشعار میں سے تین شاہ کریم کے ہمعصر درویشوں کے ہیں (۴)۔ باقی درج ذیل تین اشعار غالباً شاہ کریم سے کافی پہلے کے شاعروں کے ہیں، جنہیں اگر قاضی قادن کا ہمعصر تسلیم کیا جائے تو پھر ان اشعار کو سہ آخرین دور میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

## ۴۔ شاعر پراڑ کا شعر:

یہ شعر ”شاہ کریم بلوی دارے جو کلام“ ص: ۵۵ پر موجود ہے اور شاہ کریم کا اڑتالیسواں (۲۸) شعر شمار کیا گیا ہے۔ اس میں ”پراڑ“ کو ”پراڑ“ کر کے پڑھا گیا ہے (۵) اور اسی غلطی کی وجہ سے اس شعر کو شاعر پراڑ کے بجائے شاہ کریم کی طرف منسوب کر لیا گیا ہے۔ یہ شعر یقینی طور پر ”پراڑ“ قوم کے قدیم شاعر کا ہے (۶) جسے شاہ کریم نے بطور مثال پڑھا:

(۱) دیکھئے صفحہ: ۱۶۷ پر حاشیہ: ۱ (مترجم)

(۲) دیکھئے ان کا مضمون ”سندھی قدیم شاعری“ رسالہ ”نئی زندگی“ ماہ ستمبر ۱۹۵۸ء

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے ”شاہ کریم بلوی دارے جو کلام“ صفحہ ڈاکٹر داؤد پوتہ مطبوعہ ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء جس میں تین ہندی

اشعار ۲، ۱۹۹ اور ۱۰۸ صفحات پر اور چھ سندھی اشعار ۲۰، ۵۵، ۶۱، ۶۹، ۸۳ اور ۱۱۱ صفحات پر درج ہیں۔

(۴) ایضاً ص: ۲۰، ۶۹ اور ۸۳

(۵) پراڑ کے لفظی معنی ہیں: پرلا کنارہ، اُس کنارے، اس پار، اس کی ضد ’اوراڑ‘ یا ’اوراڑ‘ (الف پر زبر یا پیش کے علاوہ، خفیف تلفظ کے ساتھ) ہے۔ دیکھئے: جامع سندھی لغات، جلد دوم، ص: ۷۹، جلد اول، ص: ۲۹۱ (مترجم)

(۶) جس وقت مرحوم داؤد پوتہ سے تبادلہ خیالات ہوا تو آپ نے تسلیم کیا کہ واقعی یہ شعر شاہ کریم کا نہیں ہے۔ داؤد پوتہ

صاحب نے اپنے مضمون ”سندھی قدیم شاعری“ رسالہ ”نئی زندگی“ ماہ ستمبر ۱۹۵۸ء، ص: ۸ پر تسلیم کیا ہے کہ یہ شعر ”پراڑ“ نامی شاعر کا معلوم ہوتا ہے۔

چندن چور کَریندی، رَتو مُہ کُھاڑ  
 سچن ڈچن نہ ٹپی، جی رُسی سَو وار  
 پَرُوڑنو پراڑ، تہ کَرہیدی قرب ٹپی  
 [چندن لکڑی کاٹتے ہوئے کھاڑی کا منہ سرخ ہو جاتا ہے  
 دوست کبھی دشمن نہیں ہوگا، خواہ سو بار ناراض ہی کیوں نہ ہو  
 پداڑ کو آگئی ہوئی ہے کہ جھڑنے سے پریت پیدا ہوتی ہے]  
 ۵۔ ایک شعر جس کے معنی کے متعلق مریدوں نے سوال کیا:

شاہ کریم سے ان کے مرید مختلف مواقع پر دوسرے شعراء کے اشعار کے معنی پوچھتے تھے  
 اور آپ یوں فرماتے تھے کہ فلاں (کوئی درویش) یہ شعر کہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شعر  
 کہنے والا شاہ کریم کا معاصر ہے۔ درج ذیل شعر کے بارے میں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ  
 ”حضرت پیر سے اس شعر کے معنی پوچھے“ شعر بھی اصلی بنیادی ترتیب کی صورت میں ہے اور گویا  
 ’مُتمم‘ کے طور پر کہا گیا ہے۔ اس سے گمان پیدا ہوتا ہے کہ یہ شعر پرانے زمانے سے رائج تھا اور  
 زبان زد عام تھا اسی لئے مریدین نے شاہ کریم سے اس کے معنی پوچھے۔ یہ شعر ”شاہ کریم بلوی  
 وارے جو کلام“ کے ص: ۶۱ پر موجود ہے۔

کارین کَنین ککڑا (۱) کَرہہ ولاڑ وِجَن  
 ویلو کن نہ وچ مہ، نہ اوگار پِجَن  
 [سیاہ کانوں والے سرخی مائل اونٹ (اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق) تیزی سے چلتے  
 ہیں۔]

درمیان میں کھانے کے لئے رکتے ہیں، نہ ہی جگالی کرتے ہیں

## ۶۔ قوال کا سماع میں پڑھا گیا شعر:

درج ذیل شعر کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ”شاہ کریم“ ایک دن زمانہ جوانی میں سماع  
 کر رہے تھے کہ اتفاقاً قوال نے یہ شعر پڑھا:

اکڑیون ملیر مہ، جینی راتو ڈینھن  
 عمر آسانن سین، ہائی کندی کیٹن

(۱) ڈاکٹر عبدالغفار سومرو صاحب کی تحقیق کے ساتھ شائع شدہ بیان العارفین میں یہ لفظ ’ککڑین‘ (ککڑین) ہے۔ نیز مطبوعہ  
 مخطوطہ میں بھی ایسے ہی ہے۔ دیکھیے: ”بیان العارفین و تنبیہ الغافلین“ سندھی ترجمہ ص: ۹۰، فارسی مخطوطہ، ص: ۱۱۶ (مترجم)

[دن رات جن کی آنکھیں 'ملیز' کی طرف ہیں]

اب ان امیدواروں (توکل رکھنے والوں) کے ساتھ عمر! ٹوکیا کرے گا؟]

شاہ کریم ۲۰ شعبان سنہ ۹۴۳ھ میں، یعنی سہ حکومت کے ۱۷ سال بعد پیدا ہوئے۔ قاضی قادن کی وفات (۹۵۰ھ) کے وقت (۱) ان کی عمر ۱۵ سال تھی۔ ان کے دور جوانی میں جس وقت انہیں سماع کا شوق تھا، ان کی عمر تیس پینتیس سال ہو سکتی ہے: یعنی وہ محفل سماع ۹۷۵ھ کے لگ بھگ یا سہ حکومت کے خاتمہ کے تقریباً اڑتیس برس بعد منعقد ہوئی۔

اس شعر کی بنیادی ترتیب سے بھی ظاہر ہے کہ یہ شعر ان اڑتیس برسوں سے پہلے کا، یعنی سہ دور کے کسی اہل دل شاعر کا تھا جسے قوال نے سماع کے موقع پر پڑھا۔ لیکن اگر قوال نے کسی ہمعصر شاعر کا ہی شعر پڑھا ہو تو بھی وہ شاعر شاہ کریم سے عمر میں بڑا ہی ہوگا جس کا شعر شاہ کریم کی محفل سماع میں پڑھا گیا ہوگا اور جسے سنتے ہی شاہ کریم کو ”اس قدر وجد و شوق پیدا ہوا کہ سر اور کاندھوں پر پہنا ہوا لباس اتار کر قوال کو دے دیا اور آپ برہنہ پشت حجرہ میں تشریف لے گئے“ (۲) تحقیق و تصدیق کے اعتبار سے مذکورہ بالا اشعار کے مقابلے میں قاضی قادن کے شعر ہمیں بڑی تعداد میں اور الگ الگ مآخذ سے ملتے ہیں جن سے اس دور کی زبان کے متعلق مزید صحیح نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ اب ہم قاضی قادن کی زبان اور اشعار پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

### قاضی قادن کے اشعار اور زبان:

قاضی قادن سندھی زبان کے پہلے شاعر ہیں: وہ کلاسیکی سندھی شاعری کے باوا آدم ہیں۔ وہ پہلے مشہور شاعر ہیں جن کے سب سے زیادہ اشعار ہمیں پوری تصدیق کے ساتھ لکھے ہوئے ملتے ہیں، جن کے ذریعے اس دور کے علاقہ بکھر کی سندھی زبان پر روشنی پڑتی ہے۔ قاضی صاحب

(۱) تحفۃ الکرام سندھی ترجمہ، ص ۲۹۲، طبع بنجم میں قاضی صاحب کا سن وفات ۹۵۸ھ درج ہے۔ نیز اعجاز الحق قدوسی نے تاریخ سندھ حصہ دوم ص ۱۰۳ پر تاریخ معصومی، فارسی، ص ۲۰۱-۲۰۲ کے حوالے سے بھی قاضی صاحب کا سن وفات ۹۵۸ھ (۵۲-۱۵۵۱ء) تحریر کیا ہے۔ (مترجم)

(۲) شاہ کریم بلوی والے کے کلام کا دیا ہوا حوالہ، ص ۸۲-۸۳، ممکن ہے کہ یہ شعر شاہ کریم کے کسی ہمعصر شاعر کا ہو۔ [میرے پاس اس وقت ڈاکٹر عبدالغفار سومرو صاحب کی تحقیق و ترجمہ اور تشریح کے حوالہ جات سے شائع شدہ بیان العارفین کا نسخہ موجود ہے، جس کے آخر میں سید علی میر شاہ کے پاس موجود قلمی نسخہ بھی طبع شدہ ہے۔ جسے شیخ الدین بن گل محمد کاتب نے ۱۲۹ رمضان سنہ ۱۲۳۸ھ کو لکھ کر مکمل کیا ہے۔

یہ مطبوعہ مخلوط نہایت خوشخط اور واضح ہے۔ شاہ کریم کا یہ واقعہ ترجمہ ص ۱۲۷ اور متن ص ۱۷۰-۱۷۱ پر موجود ہے۔ (مترجم)]

کی تاریخی حیثیت اور علمی ادبی عظمت کے باوجود، ان کی ولادت، ابتدائی تربیت اور تفصیلی سوانح حیات ابھی تک تحقیق طلب ہیں (۱)۔

پچھلے دور کی تحریروں میں ان کا نام 'قاضی قاضن' لکھا ہوا ہے لیکن بالکل ابتدائی اور زیادہ معتبر مآخذ میں 'قاضی قاذن' لکھا ہوا ہے (۲) اور قاذن درحقیقت 'قادن' کی دوسری صورت ہے۔ حال ہی میں ان کے اشعار کا ایک بڑا ذخیرہ دیوناگری رسم الخط میں لکھا ہوا ملا ہے جس میں دو مقامات پر ان کا نام درج ہے اور وہ 'کاجی کادن' کے تلفظ میں لکھا ہوا ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا نام 'قاضی قادن' تھا۔ 'قاضن' ہوتا تو 'کاجی کاجن' کر کے لکھا جاتا (۳)۔

قاضی قادن بن قاضی ابوسعید بن زین الدین بن قاضی قادن کو علم اور عہدہ قضاء گویا ورثے میں ملے تھے۔ ان کے آباء و اجداد سیوہن اور ٹھٹھ کے باشندے تھے۔ ان کے پردادا قاضی ابوالنیر پہلے شخص تھے جو بکھر میں آکر مقیم ہوئے (۴)، اور قاضی قادن بھی غالباً بکھر ہی میں پیدا ہوئے اور پہلے بڑھے۔ اس لئے سکونت کے اعتبار سے انہیں "قاضی قادن بکھری" کہنا زیادہ مناسب اور درست ہوگا۔ شاہ کریم کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی قادن علاقہ بکھر کے

(۱) قاضی قادن کے حالات سب سے اول، 'تاریخ معصومی' میں ملتے ہیں۔ جن کی بنیاد پر مرحوم ڈاکٹر داؤد پوٹہ نے "قاضی قاذن" کے متعلق پہلے "شاہ کریم بھڑی واری جو کلام" کے (حاشیہ، ص: ۲۵) پر ایک مختصر نوٹ لکھا، اس کے بعد رسالہ "سنی زندگی" ماہ ستمبر ۱۹۵۰ء میں "قاضی قاضن سیوہانی" کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب موصوف کا مضمون شائع ہوا۔

(۲) "تاریخ معصومی" (فارسی) کے متن میں قاضی قاذن لکھا ہوا ہے (ص: ۲۰۰-۲۰۳) مگر میر معصوم کا خود نوشتہ تاریخ معصومی کا نسخہ موجود نہیں جس سے اس نام کا اصل رسم الخط معلوم کیا جاسکتا۔ البتہ سندھ کے ایک اور بزرگ محمد رضا ٹھٹھی نے شاہ کریم کی سوانح اور ملفوظات کے بارے میں "بیان العارفین" کتاب لکھی اور اس کے اصل نسخے کی بنیاد پر ڈاکٹر داؤد پوٹہ مرحوم نے "شاہ کریم بلوی والے کا کلام" مرتب کیا جو ۱۹۳۷ء میں طبع ہوا، اس میں چار مقامات (ص: ۲۶، ۸۷، ۹۴ اور ۱۱۲) پر یہ نام "قاضی قاذن" لکھا ہوا ہے، ایک مقام (ص: ۲۸) پر "قاذن (قاضن)" اور ایک مقام (ص: ۲۶) پر "قاضن" ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سندھ کے جن بزرگوں کے پیش نظر قاضی صاحب کے اشعار تھے انہوں نے ان کا نام "قاذن" لکھا ہے جو صحیح ہے۔ "قاذن"، محض "قادن" ہی کی دوسری صورت ہے۔ فارسی میں 'دال' کو 'ذال' کر کے پڑھا جاتا ہے (مثلاً استاد اور استاذ) اور یہ اصول لغت میں بھی تسلیم شدہ ہے نیز سندھی میں بھی یہ اثر قبول کیا گیا ہے (مثلاً خدمت اور خدمت)

(۳) ہم نے اپنے ایک مضمون "قاضی قادن بے تالے جی وضاحت" (ماہنامہ پیغام، مارچ ۱۹۷۹ء، محکمہ اطلاعات سندھ کراچی) سے شائع شدہ) میں اس مسئلے پر مزید تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

(۴) 'تاریخ معصومی' فارسی متن ص: ۲۰۰-۲۰۲ (سندھی ترجمہ، ص: ۲۲۸-۲۳۰) نیز دیکھیے 'تحفۃ الکرام' سندھی ترجمہ، ص: ۳۵۳

(۵) 'بیان العارفین' میں شاہ کریم نے انہیں غالباً اسی وجہ سے "قاضی قادن دربیلاہ والے" کہا ہے۔ دیکھیے 'بیان العارفین' سندھی ترجمہ، ص: ۲۶۱، از ڈاکٹر عبدالغفار سومرو، طبع اول ۱۳۲۲ھ/۲۰۰۲ء (مترجم)

شہر دریلہ (موجودہ ڈھرو ضلع نوشہرو فیروز) میں بھی کچھ وقت رہے (۱) جہاں کے ایک مجذوب مست درویش کا ان سے آتنا سامنا ہوا جس کی نظر اور توجہ سے وہ حقیقت کی طرف مائل ہوئے (۲)۔

میر محمد معصوم بکھری تاریخی اعتبار سے قاضی قادن کے قریب تر مصنف اور ان کے ہموطن ہیں اس وجہ سے ان کے حوالہ جات بھی کافی مستند ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ قاضی نے ”بڑی عمر میں“ اپنے عہدہ قضا سے استعفیٰ دے دیا (۳)۔ اُس زمانے میں ”بڑی عمر“ کے اندازے کے پیش نظر قدرے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحب نے پچھتر سے اسی برس کی عمر میں استعفیٰ دیا

(۱) ”شاہ کریم ہلوی وارے جو کلام“ تصحیح ڈاکٹر داؤد پوٹہ، طبع ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء، ص ۱۱۲-۱۱۳

(اس مجذوب مست شخص کے ساتھ قاضی قادن کی ملاقات کی تفصیل شاہ کریم نے یوں بیان فرمائی ہے: قاضی قادن اپنے دور کے بڑے عالم اور عقلمند انسان تھے۔ ان کا تعلق کٹر علاقہ میں دریلہ شہر سے تھا۔ ایک دن انہوں نے سنا کہ کوئی ملاستی درویش مسجد کی محراب میں ننگا ہو کر قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سویا ہوا ہے۔ قاضی صاحب ڈوہ اٹھا کر اس کے اوپر آکھڑے ہوئے تاکہ اسے ماریں۔ جب وہ اس ملاستی مجذوب کے پاؤں کی طرف سے کھڑے ہو کر دڑہ مارنے کے لئے لپکے تو دیکھا کہ اس طرف اس مجذوب کا سر ہے، اسی طرح انہوں نے دوبارہ کوشش کی تو سر کی جگہ پر اس کے پاؤں نظر آئے، دوبارہ پاؤں کی طرف گئے تو وہاں بھی انہیں سر نظر آیا، اسی طرح جب بھی پاؤں کی طرف جاتے تو وہاں سر نظر آتا۔ یہ صورت حال دیکھ کر بہت حیران و پریشان ہوئے۔ اتنے میں اس درویش نے قاضی صاحب کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ: پاؤں جدھر چاہو ادھر کرو، لیکن اپنا دل سنبھالو! یہ سن کر قاضی صاحب نے دڑہ ہاتھ سے پھوڑ دیا اور خدا کے طلبکاروں میں شامل ہو گئے، اس وقت قاضی صاحب نے یہ شعر پڑھا:

جو بکھی جا بکایوس، سُو عوس اندو بر

تہان ہو، تہوس، سندھی ہریان پیچری۔

جوگی نے مجھے بیدار کر دیا ورنہ میں تو اس سے پہلے نیند (خواب غفلت) میں تھا، اس کے بعد ہی میں راہ محبوب پر چلنے لگا ہوں۔“

بیان العارفین کے مطبوعہ قلمی نسخہ میں دوسرا مصرع ”تہان پوہ پیوس، ہریان سندھی پیچری“ واضح طور پر لکھا ہوا نظر آرہا ہے، ڈاکٹر سومر صاحب نے کہیں سے تصحیح کر کے اسے ”تہان پوہ تہوس، ہریان سندھی پیچری“ لکھا ہے اور دیکھنے فارسی متن، ص: ۳۳۳ (مترجم)

”بیان العارفین“ سندھی ترجمہ، ص: ۲۶۲-۲۶۳، از ڈاکٹر عبدالغفار سومر، طبع اول ۱۳۲۲ھ/۲۰۰۲ء

(۲) تاریخ معصومی، فارسی متن، ص: ۱۲۰

(۳) قاضی عبداللہ بن قاضی ابراہیم۔ آپ مخدوم عبدالعزیز ابہری ہروڈی کے شاگرد تھے، اصل دریلہ کے باشندے تھے۔ شاہ بیگ افغون کے تسلط سندھ کے کچھ عرصہ بعد باغبان اور راؤت میں رہے۔ شاہ حسن افغون کے دور میں ۹۳۲ھ میں ہجرات چلے گئے وہاں سے مدینہ شریف ہجرت کر گئے اور وہاں ہی وصال فرمایا۔ دیکھیے: تاریخ معصومی، مطبوعہ بمبئی، ۱۹۳۸ء، ص ۲۰۲-۲۰۳، تخریجہ اکرام سندھی ترجمہ، ص ۲۹۷، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، طبع پنجم ۲۰۰۳ء، تاریخ سندھ حصہ دوم، ص: ۱۰۳ (مترجم)

ہوگا۔ میر محمد معصوم ایک اور سندھی عالم ”در بیله کے شیخ عبداللہ متقی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ سنہ ۹۴۷ھ میں گجرات چلے گئے اور وہاں قاضی عبداللہ (۱) کی صحبت میں جا کر رہے، (اور بعد میں) مدینہ منورہ میں قاضی قادن کی صحبت میں رہنے لگے (۲)۔

اگر شیخ عبداللہ متقی در بیله سے (۳) روانہ ہو کر ۹۵۰ھ کے لگ بھگ مدینہ منورہ میں قاضی قادن کی صحبت میں رہے ہوں تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی قادن نے ۹۴۷-۹۵۰ھ کے عرصہ میں عہدہ قضا سے استعفیٰ دیا اور ۹۵۰ھ کے لگ بھگ ان کی عمر کم از کم ۸۰ برس تھی۔ میر معصوم لکھتے ہیں کہ ”قاضی قادن نے ۹۵۸ھ میں وفات پائی“ اس کی تصدیق میر علی شیر خان نے بھی ’تحفۃ الکرام‘ میں کی ہے (۴)۔ اس لئے کافی وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ قاضی قادن نے کم از کم ۸۸ برس کی عمر میں سنہ ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) میں وفات پائی، اس لحاظ سے ان کی ولادت سنہ ۸۷۰ھ/۱۴۶۵ء تسلیم کی جاسکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قاضی قادن کی ولادت و تربیت جام نظام الدین عرف جام نندہ کے عہد (۸۶۶-۹۱۹ھ) میں ہوئی اور ارغونوں کے ہاتھوں سندھ میں سمر حکومت کے خاتمہ کے سال ۹۲۷ھ میں ان کی عمر کم از کم ستاون (۵۷) برس تھی۔ یہ بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ جام فیروز کے عہد میں شاہ بیگ کے حملوں تک قاضی قادن بہت اثر و رسوخ والے تھے اور غالباً بکھر کی قضاء ان کے حوالے تھی۔

طبقات اکبری کے مصنف نے لکھا ہے کہ شاہ بیگ ارغون نے بکھر کا قلعہ قاضی قادن سے لیا (۴) اگر یہ حوالہ درست ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ جام فیروز کے ایام میں قاضی قادن بکھر میں مقیم تھے اور غالباً وہاں کے قاضی تھے یا بہت اثر و رسوخ والے تھے کہ شاہ بیگ کے حملے کے وقت وہاں کے رہنے والوں کی امان و سلامتی کی خاطر شہر کو سنبھالا اور محاصرہ کے وقت کچھ شرائط پر قلعہ شاہ بیگ کے حوالے کیا۔ یہ واقعہ غالباً ۹۲۵ھ کے اواخر کا ہے، جب شاہ بیگ نے پوری تیاری کے ساتھ سندھ پر لشکر کشی کی تھی۔ غالباً اس کے بعد قاضی قادن بکھر سے اپنے اہل و عیال کو لے کر ٹھٹھہ آئے مگر وہاں سے شاہ بیگ نے بھی ٹھٹھہ کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر ۱۱ محرم ۹۲۶ھ (۲ جنوری ۱۵۲۰ء) میں شاہ بیگ نے دریا عبور کیا اور ’ساموئی‘ کے میدان میں جنگ ہوئی، جس میں بالآخر افواج سندھ کے

(۱) تاریخ معصومی فارسی متن، ص: ۲۰۴

(۲) شیخ عبداللہ متقی در بیله سے ۹۴۷ھ میں گجرات گئے تھے۔ دیکھیے: تحفۃ الکرام سندھی ترجمہ، ص: ۲۹۸ (مترجم)

(۳) تاریخ معصومی فارسی متن، ص: ۲۰۲، نیز ’تحفۃ الکرام‘ (سندھی ترجمہ سندھی ادبی بورڈ)، ص: ۳۵۳

(۴) ’طبقات اکبری‘ جلد ۳، ص: ۵۱۷



سہ سالار دریا خان شہید ہوئے اور شاہ بیگ نے ٹھٹھہ پر قبضہ کر لیا۔ ۱۱ محرم سے ۲۰ محرم تک ارغون افواج نے ٹھٹھہ کو خوب لوٹا (۱) اس عرصے میں قاضی قادن کے اہل و عیال بھی دوسروں کے ساتھ قید ہو گئے اور وہ نہایت پریشانی میں انہیں تلاش کرنے لگے۔ بالآخر شاہ بیگ کے پیش امام حافظ محمد شریف کی معرفت قاضی صاحب نے ایک عرضداشت بھیجی جس سے متاثر ہو کر شاہ بیگ نے فوج کو پوری طرح قابو میں رکھا اور قاضی قادن کو اختیار دیا کہ وہ جسے چاہیں اسے آزاد کروائیں (۲)۔ ممکن ہے کہ یہ پہلی مرتبہ قاضی قادن کا شاہ بیگ سے تعلق قائم ہوا ہو، لیکن شاید قاضی قادن پہلے بکھر میں شاہ بیگ سے مل چکے تھے، جس کی وجہ سے شاہ بیگ نے ان کی سفارش فراخ دلی سے قبول کی۔

اس کے بعد قاضی قادن نے سندھ سے جام فیروز اور دوسروں کی طرف سے شاہ بیگ اور مرزا شاہ حسن سے صلح و مفاہمت کی خاطر موقع بموقع کوششیں کیں اور شاہ بیگ کا بھی ان پر اعتماد تھا۔ حادثہ ٹھٹھہ (محرم ۹۲۶ھ) کے بعد غالباً قاضی قادن نے اپنا اہل و عیال بکھر کی طرف روانہ کر دیا اور جس وقت شاہ بیگ ٹھٹھہ سے سیوہن روانہ ہوا تو اس نے قاضی قادن کو بھی اپنے ساتھ لیا، درمیان میں ٹٹٹی کے پاس دریا خان (۳) کے بیٹوں نے شاہ بیگ کے مقابلے کے لئے

(۱) بقول مصنف 'تاریخ طاہری' "آخر شاہ حسن ٹھٹھہ میں داخل ہو کر حرمات نصیبوں کے قتل عام پر اتر آیا۔ مغل سپاہ (ان کی حاملہ) عورتوں کے حمل ضائع کروا کر بیڑوں پر چڑھا کر شہر کے کئی کوچوں میں بھرا کر، تمام لوگوں کو دکھا کر انہیں ڈراتے رہے، جو بھی ان کے سامنے آجاتا بغیر کسی تفتیش اور رحم دلی کے اسے تلواروں سے نکلے نکلے کر دیتے۔ فیروز۔ نامیروز۔ (ناکام و نامراد) ننگے پاؤں گجرات کی طرف بھاگ گیا۔

سہ عورتیں اپنے بیٹے نعل میں دبا کر دریا میں جا کر ڈوب مریں، جو لوگ باقی بچ گئے مغلوں نے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر قید خانے میں ڈال دیا۔ وہ ایسے ذلیل و خوار ہوئے کہ خدا کسی مومن یا کافر کو بھی یہ دن نہ دکھائے، یہ بربادی نہ صرف شہر کے لوگوں تک محدود رہی بلکہ تمام ملک تاجت میں آگیا۔ "خرابی سندھ" کی تاریخ بھی اسی دن سے اخذ کی گئی اور اس طرح سہ آخرین حکومت ختم ہو گئی۔" تاریخ طاہری، سندھی ترجمہ، ص: ۷۰، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، طبع دوم ۱۹۹۵ء (مترجم)

(۲) اعجاز الحق قدوسی نے تاریخ معصومی، ص: ۱۱۳ کے حوالے سے لکھا ہے کہ: "۔۔۔۔۔ اس نے اس خط کے بعد شہر میں عام منادی کرادی کہ اب اہل ٹھٹھہ کے مال و عیال کو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ پھر شاہ بیگ نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر قاضی قادن کے حوالے کیا اور اپنے آدیوں کو ان کے ساتھ کر کے کہا کہ وہ اسیران جنگ میں سے جس آدمی کی طرف اشارہ کریں وہ آدمی ان کے حوالے کر دیا جائے۔" تاریخ سندھ جلد دوم، ص: ۲۷، مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء (مترجم)

(۳) یہ وہی دریا خان ہے جسے آج بھی اہل سندھ "دولہ دریا خان" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ دراصل جام نندا کے وزیر لکھنیر کا غلام تھا، جو اصل میں سید زادہ تھا، اپنی خدا داد صلاحیت اور ذہن رسا کے بدولت جام نندا کا وزیر بنا اور اسے "مبارک خان" کا خطاب ملا، نہ صرف یہ بلکہ جام نندا اسے اپنی اولاد اور رشتہ داروں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ جام نندا کے بعد اس کے بیٹے جام فیروز کی نالائقیوں کے نتیجے میں شاہ بیگ نے ۹۲۲ھ میں سندھ پر لشکر کشی کی اور سیوہن کی طرف باغبان علاقہ کو تاخت و تاراج کیا، وہاں سے لوٹ مار کرتا ہوا ۱۱ محرم ۹۲۳ھ کو ٹھٹھہ پہنچا، جس کا مقابلہ دریا خان نے کیا۔ جب شاہ بیگ اسے شکست نہیں دے سکا تو اس کی طرف صلح کا پیغام بھیج کر مکاری سے گرفتار کر کے مروادیا۔ (خص از تاریخ سندھ، حصہ دوم، ص: ۲۳۰-۲۳۶، مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۸۵ء، نیز تاریخ طاہری سندھی ترجمہ، ص: ۶۸-۶۹، ۳۰۶-۳۰۷) (مترجم)

بڑا لشکر تیار کیا ہوا تھا جس پر شاہ بیگ نے قاضی قادن کو بھیجا کہ وہ انہیں جا کر سمجھائے اور صلح کی کوشش کرے مگر شاہ بیگ کے ساتھ رفاقت کی وجہ سے ان کا قاضی موصوف پر اعتماد نہیں رہا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے قاضی قادن کی ملاقات سے انکار کر دیا (۱)۔ اس کے بعد غالباً قاضی قادن شاہ بیگ سے رخصت ہو کر بکھر روانہ ہوا۔ ۹۲۷ھ کے آخری نصف میں جس وقت شاہ بیگ قلعہ سیوہن کی مرمت و حفاظت سے فارغ ہو کر بکھر کی طرف روانہ ہوا تو بکھر پہنچنے سے تین منزل پہلے ہی قاضی قادن اس سے آکر ملا اور عزت و آبرو سے سرفراز ہوا (۲)۔ بکھر سے ایک منزل فاصلہ پہلے ہی جام فیروز کی طرف سے شاہ بیگ کے لئے تحفے تحائف پہنچے (۳)، جو غالباً قاضی قادن کی معرفت پیش ہوئے۔ شاہ بیگ کے بکھر پہنچنے کے بعد قاضی قادن اپنے بھائیوں سمیت اس سے آکر ملے، اس دوران دھار پچہ سرداروں کی سرکشی کے بارے میں شاہ بیگ نے ان کی رائے معلوم کرنا چاہی؛ قاضی قادن نے کہا کہ: ”یہ سرکش لوگ ہیں اور سختی کے بغیر امن قائم نہیں ہوگا“ (۴) جس پر شاہ بیگ نے ان سرداروں کو قتل کرنے کا حکم دیا (۵)۔

قاضی قادن ملک میں امن و امان اور صلح کے خواہاں تھے، اسی سلسلہ میں انہوں نے اپنی رائے دیانت داری سے پیش کی نیز اہل سندھ اور مغلوں کے درمیان صلح و مفاہمت کے لئے انہوں نے بہت کوشش کی۔ شاہ بیگ کی وفات (۲۲ شعبان ۹۲۹ھ / اگست ۱۵۲۲ء) کے بعد جس وقت مرزا شاہ حسن جام فیروز سے خفا ہو چکا تھا، اس وقت بھی مفاہمت کے لیے قاضی قادن حافظ رشید خوش نویس کے ساتھ، جام فیروز کی طرف سے مرزا شاہ حسن کے پاس تحفے تحائف لے کر گئے (۶)۔ مرزا شاہ حسن کے عہد میں قاضی قادن نے بکھر کا عہدہ قضا قبول کیا؛ وہ تقریباً ۹۳۰ھ سے ۹۴۷ھ-۹۵۰ھ تک بکھر کے قاضی رہے اور نہایت دانائی اور دیانت داری سے فیصلے کئے۔

(۱) تاریخ معصومی، فارسی متن، ص: ۱۱۶-۱۱۷

(۲) تاریخ معصومی، فارسی متن، ص: ۱۲۱

(۳) تاریخ معصومی، فارسی متن، ص: ۱۲۱

(۴) اس موقع پر تاریخ معصومی نے قاضی قادن کا شاہ بیگ کو دھار پچوں کے متعلق دیا گیا مشورہ نقل کیا ہے، جس میں قاضی قادن نے نہایت ہی لطیف پیرائے میں شاہ بیگ کو نہ صرف ان سرداروں کے قتل کرنے کا مشورہ دیا بلکہ اپنے وطن کے متعلق ستعاروں میں جس پالیسی کو آئندہ مرتب کرنے کا اسے مشورہ دیا وہ غیر حب الوطنی اور اہل وطن سے بے وفائی کی وہ مثال ہے جس نے ان کے دامن کو باوجود ان کے تقدس اور صاحب علم و فضل ہونے کے تاریخ میں ہمیشہ کے لئے داغدار کر دیا۔

”تاریخ معصومی میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ: زمین ایں ولایت سیلاب است۔ خار بسیار دریں زمین می روید۔ بل خاکہ کی ہمیشہ در دست باید گرفت۔ یعنی یہ ملک سیلابی ہے اور یہاں کانٹے بہت پیدا ہوتے ہیں اس لئے کانٹے صاف کرنے کا ہتھیار ہمیشہ ہاتھ میں رکھنا چاہئے۔“ دیکھیے: تاریخ سندھ، حصہ دوم، ص: ۴۰ (مترجم)

(۵) تاریخ معصومی، فارسی متن، ص: ۱۲۳

(۶) تحفۃ الکرام، سندھی ترجمہ (سندھی ادبی بورڈ، ص: ۱۲۷)

اس کے بعد ضعیفی کی وجہ سے انہوں نے عہدہ سے استعفیٰ دیا اور بکھر کی قضا ان کے بھائی قاضی نصر اللہ کے حوالے ہوئی۔ ۹۳۷ھ - ۹۵۰ھ کے لگ بھگ وہ حج پر روانہ ہوئے اور غالباً مدینہ منورہ میں ہی ۹۵۹ھ/۱۵۵۱ء میں وفات پائی (۱)۔

قاضی قادن کے اشعار اور ان میں سمائے ہوئے فکر و معنی کو سمجھنے کے لئے ان کی قابلیت، شخصیت اور ارادت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ میر محمد معصوم لکھتے ہیں کہ ”قاضی قاضن حافظ قرآن، قرأت و تجوید کے ماہر، حدیث، تفسیر اور اصول فقہ کے عالم تھے۔ انشا پر دازی میں اپنے دور کے پیشوا تھے۔ علم ریاضی سے بھی اچھی طرح واقف تھے اور انجینئری میں مہارت رکھتے تھے۔ تصوف سے باخبر تھے اور سلوک و طریقت کی راہ میں بہت ریاضتیں کیں۔ سیر و سفر بھی بہت کئے اور حرمین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ سید محمد جونپوری، جو کہ ”میراں مہدی“ کے لقب سے مشہور تھے، ان کے مرید اور معتقد تھے، اسی وجہ سے علماء شریعت ان پر طنز و ملامت کرتے تھے۔ جب قاضی کے عہدے پر فائز ہوئے تو انہوں نے نہایت احتیاط، امانت و دیانتداری سے فیصلے کئے“ (۲)

میر معصوم کے مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ قاضی قادن ذہین، عالم، نیک سیرت اور صاف دل صوفی تھے۔ یہی عکس ہمیں ان کے اشعار میں بھی نظر آتا ہے۔ سلوک و طریقت میں ان کی بزرگی و برتری کی وجہ سے ان کے اشعار دوسرے درویشوں اور بزرگوں کی زبان پر ورد و وظیفہ ہو گئے اور اسی وجہ سے وہ اشعار محفوظ بھی رہے۔ ان کی وفات کے وقت (۹۵۸ھ) شاہ کریم بلوی والے کی عمر پندرہ برس تھی۔ شاہ کریم نے قاضی قادن کے اشعار بزرگوں سے سنے اور ان سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں اپنی محافل سلوک میں پڑھا۔

ان کے ملفوظات ”بیان العارفین و تنبیہ الغافلین“ میں بہت سارے اشعار بغیر نام کے دیے گئے ہیں اور نہیں کہا جاسکتا کہ کون سے اشعار کس کے ہیں؟ سات اشعار ایسے ہیں جن کے لئے بتایا گیا ہے کہ یہ قاضی قادن کے ہیں۔ لیکن کچھ اور اشعار بھی قاضی قادن ہی کے ہیں۔ مثلاً ایک شعر وہی ہے جسے غوثی کی کتاب ”گلزار ابرار“ میں ترجمہ کی صورت میں دیا گیا ہے (۳)۔ بیان العارفین کے مختلف مخطوطات میں [جن کے تقابلی مطالعہ کے بعد ڈاکٹر داؤ پوتہ مرحوم نے

(۱) تاریخ معصومی، فارسی متن، ص: ۲۰۱-۲۰۲

(۲) تاریخ معصومی، فارسی متن، ص: ۲۰۰-۲۰۲، نیز دیکھیے: تختہ الکرام سندھی ترجمہ، ص: ۳۵۳

(۳) غوثی نے قاضی کے اشعار ۱۶۰۲ء کے لگ بھگ برہان پور میں سندھی علماء سے سنے۔ اس نے چار اشعار کا ترجمہ دیا ہے جو ذیل میں دیے گئے اشعار (۸۰۶، ۸۱۱) ہیں۔

’بیان العارفین‘ کا ایک معیاری متن شائع کیا (۱)۔

قاضی قادن کے اشعار قدرے مختلف تلفظ سے دیے گئے ہیں۔ جن کے پیش نظر ان اشعار کو یوں پڑھا جاسکتا ہے:

۱- کَنَزَ قَدَوْرِي، کَافِيَانُ كِي كُونَه پَرَّ هَنُوم (۲)

سو ہاڑھہ ٹی کو پیو (۳) جٹان ہرین لدوم  
[کنز، قدوری اور کافیہ سے میں نے کچھ بھی نہیں پڑھا؛ وہ پڑھنا (پڑھنے کا طریقہ)  
دوسرا ہی ہے، جس سے میں نے اپنے محبوب کو تلاش کر کے حاصل کر لیا۔]

۲- لَوکان نَحُوْ صَرَفُ، مَوْنِ مَطالَعِ سَہَرین (۴)

سو ٹی پیڑھٹو سو پڑھان، سو ٹی سو حرف  
[لوگوں کے لئے تو صرف اور نحو کا مطالعہ کافی ہے، لیکن میرا مطالعہ میرا محبوب ہے  
میں تو بار بار وہی ’حرف‘ (محبوب) پڑھتا رہتا ہوں۔]

۳- سِیْئِي سِیْلَ تِنَامَ، پَرَّهٹا جِي پاٹ لَی (۵)

اگر اگیان اپری، واگوتی ورنام (۶)  
[جو حرف میں نے اپنے لئے پڑھے تھے وہ میرے لئے کانٹے بن گئے  
وہ حرف سامنے ابھر کر مجھ بن کر پلٹے۔]

۴- سَچَن منجھہ هٹام، مَوْنِ وِیْئِي وَا تَنّا (۷)

ہیڈان هوڈانھن هتّا، هِیْئِیْن جَاڑ وڈام (۸)

(۱) عمر بن محمد داؤد پوتہ ڈاکٹر ”شاہ کریم بلوی دارے جو کلام“ حیدرآباد میں طبع اور بمبئی سے شائع شدہ، سنہ ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء۔  
یہ سات اشعار وہی ہیں جو ”بیان العارفین“ میں قاضی قادن کے نام سے ذیل کے صفحات پر درج ہیں: ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۶، ۸۸، ۹۳ اور ۱۱۳ البتہ ایک شعر (ذیل میں دیے گئے اشعار میں نمبر ۸ اور بیان العارفین میں نمبر ۷) قاضی قادن کے نام کے بغیر ہے۔ لیکن غوثی نے اسے اردو ترجمہ میں درج کیا جس کا سندھی ترجمہ یوں ہے: ”سینی زبانن ہر ’لا‘ سان تنہنجی نفی کئی ونی آہی تہ بہ تون اجان تائین پنہنجی اثبات جی ہویان آہین“ یعنی تمام زبانوں میں ’لا‘ کے ذریعے تیری نفی کی گئی ہے مگر جی تو اب تک اپنی اثبات کے درپے ہے (دیکھیں: نگراں ابرار کا اردو ترجمہ ’اڈکار الابرار‘ مطبوعہ آگرہ، ۱۳۲۶ھ، ص: ۲۷۵)

(۲) اصل نام ’کافیا‘ ہے، ’کافیان‘ یعنی ’کافیہ‘ کتاب سے۔

(۳) اصل میں ایک تلفظ ہارٹی پیو کو، اور دوسرا تلفظ سو ہاڑھین کو پیو، ہے، ’ہاڑھہ‘ یعنی پڑھنا یا پڑھنے کا طریقہ۔

(۴) دوسرا تلفظ: من مطالع

(۵) دوسرا تلفظ: پڑھنام جی ہانان

(۶) دوسرا تلفظ: ورنام

(۷) دوسرا تلفظ: مَوْنِ اُٹپی وِٹا اولٹا

(۸) دوسرا تلفظ: ’نہی یا ’ہنٹڑی‘ اور ’چار‘

[ساجن میرے اندر میں تھا، اور میرے بیٹھے بیٹھے غائب ہو گیا  
حالانکہ میں ادھر ادھر بے مقصد ٹوٹتا رہا۔]

۵۔ سائر ڈیٹی لَت، اوچی نیچی بوڑٹی (۱)  
ہیکائین (۲) ھکُ ٹٹو، وینی سپ جھَتَ  
ترجمہ: دریا نے ایک دم تمام نشیب و فراز ڈبو دیے،  
ہر طرف ایک جیسا ہو گیا، اور تمام اطراف گم ہو گئے

۶۔ ’لا‘ لاهیندی کن کی، ’لا‘ مورہین (۳) ناہ  
’باللہ‘ ری ہریان، کَت نہ ڈسی (۴) کی پٹو  
[لفظ ’لا‘ کہہ کر کس کس کا انکار کرے گا، ’لا‘ دراصل ہے ہی نہیں  
بخدا، محبوب کے علاوہ دوسرا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔]

۷۔ جوگی جاگایوس، سٹو ہوس (۵) نند م  
تھان پوہ ٹیوس، سندی ہریان (۶) پیچری  
[جوگی نے مجھے جگادیا، میں تو نیند میں سویا ہوا تھا  
اس کے بعد ہی میں، اپنے محبوب کی راہ پر آیا۔]

۸۔ توکی توڑائین، ’لا‘ سین لاٹائون  
اجان پٹ اٹون، واریو وجھین وچ م  
[تمام زبانوں میں ’لا‘ تیری نفی کی گئی ہے]

(۱) دوسرا تلفظ:	ہوڑی	(۲) دوسرا تلفظ:	ہیکائی، ہیکائی
(۳) دوسرا تلفظ:	مورائین، مورانہین	(۴) دوسرا تلفظ:	کٹ نہ ڈسی
(۵) دوسرا تلفظ:	ہُسی	(۶) دوسرا تلفظ:	ہریان سندی

ہمارے سامنے اس وقت ڈاکٹر عبدالغفار سومرو کی تحقیق و ترجمہ اور تشریحی حوالہ جات کے ساتھ مع قلمی اصل نسخہ فارسی مطبوعہ موجود ہے، ہم اس سے یہی ساتویں شعر ذیل میں نقل کر رہے ہیں تاکہ مرحوم ڈاکٹر داؤد پوت صاحب کے پیش نظر ان تینوں قلمی نسخوں اور اس موجودہ مطبوعہ قلمی نسخہ میں ان اشعار میں موجود چند ایک الفاظ کے تلفظ اور ترتیب کا فرق واضح ہو۔ جیسا کہ ڈاکٹر بلوچ صاحب نے بھی لکھا ہے کہ ان اشعار میں شعر: ۸: قاضی قادن کے نام سے منسوب نہیں ہے البتہ غوثی صاحب نے برہانپور کے سندھی علماء سے شنید کی بنیاد پر اپنی کتاب ”گلزار ابرار“ کے اردو ترجمہ ”اذکار ابرار“ میں اسے بصورت ترجمہ درج کیا ہے۔ (مترجم)

(بتایا اگلے صفحہ پر)

پھر بھی تو اب تک اپنی اثبات کے درپے ہے۔]

مندرجہ بالا اشعار جو کہ 'بیان العارفین' (۱) اور 'گلزار ابرار' کے مطابق ہیں، وہ درج ذیل وجوہات کے لحاظ سے نہایت اہم ہیں:

ایک تو یہ کہ یہ اشعار پختہ قدیم ماخذ، سندھ کے بڑے بزرگوں (شاہ کریم اور برہانپور کے

ملاحظہ فرمائیں "بیان العارفین و تنبیہ الغافلین"، مطبوعہ جمعاون: حکومت سندھ، محکمہ اوقاف اور علامہ قاضی رسالہ تحقیقی منصوبہ، اشاعت اول ۱۳۳۲ھ/۲۰۱۱ء، تحقیق و ترجمہ اور تشریحی حوالہ جات از ڈاکٹر عبدالغفار سومرو (مترجم) ڈاکٹر عبدالغفار سومرو صاحب نے اپنے ترجمہ میں ان اشعار کو لکھتے وقت بارہ مقامات پر بعض الفاظ کا تلفظ قلمی مطبوعہ نسخہ سے جداگانہ لکھا ہے۔ اور ایسا کرنے کی انہوں نے کوئی وجہ بھی درج نہیں بتائی۔ ذیل میں سومرو صاحب کے جداگانہ تلفظ کو ہر شعر کے سامنے الگ کالم میں درج کر رہے ہیں اور قلمی نسخے کے اس اصل تلفظ کو پہلے کالم میں خط شیدہ کر کے ظاہر کر رہے ہیں:

اشعار	ترجمہ اور متن	سومرو صاحب کے تلفظ میں فرق
۱۔ کنز قدوری <u>کانیا</u> ، کی کونہ پڑھنوم	۵۵، ۴۱	کانیان
سو پاڑھ ٹی کی بیو، جیائن پرین لڈوم	۵۵، ۴۱	کو۔ جٹان
۲۔ لوکان نحو صرف، میں مطالع سپرین	۵۶، ۴۱	مون
سوئی پڑھنوم، سوئی پڑھان، سوئی سو حرف	۵۶، ۴۱	سو پڑھان
۳۔ سیئی سیل ٹیام، پڑھیا جمی پاں لہ	۵۸، ۴۳	
آکر آگیان ایری، واگو ٹی وینام	۵۸، ۴۳	وریام
۴۔ سجن منجہہ <u>ہوام</u> ، مون وینی واء ٹیا	۷۰، ۵۲	ہنام
ہیڈان ہوڈان ہڈا، ہیئن جاڑ وڈام	۷۰، ۵۲	
۵۔ 'لا' لاہیندی کَن کی، 'لا' <u>مورہین</u> ناھ	۱۷۶، ۱۳۳	موراہین
باللہ ریدہ پریان، کت م ڈسی <u>کین</u> بیو	۱۷۶، ۱۳۳	نہ ڈسجی کی
۶۔ سائر ڈیٹی لت، اوچی نیچی ہوڑٹی	۱۷۷، ۱۳۳	
ہیکائین ہیک ٹیا، وینی سپ جہت	۱۷۷، ۱۳۳	ٹنو
۷۔ جوگی جاگایوس، سُو ہوس نندہ ہر	۲۶۳	
تہان ہوہ <u>پیوس</u> ، پریان <u>سندی</u> پیچری	۲۶۳، ۳۳۳	تیوس،

سندی پریان

(۱) ہماری رائے کے مطابق 'بیان العارفین' میں چند دوسرے اشعار بھی قاضی قادون کے موجود ہیں، اگرچہ وہ ان کے نام سے درج نہیں کیے گئے۔

سندھی علماء) کے زبانی بیان کیے گئے ہیں اس لئے یہ زیادہ قابلِ بھروسہ ہیں۔ بلندی فکر اور حسن معنی کے لحاظ سے بھی وہ اعلیٰ اخلاقی و وجدانی شاعری کی بہترین مثال ہیں۔ فنی لحاظ سے ہمیں ان اشعار میں 'بنیادی' دوہرے مطلع والے سندھی شعر سے لے کر 'مکمل' سندھی شعر تک ارتقاء کی تمام صورتیں ملتی ہیں۔ مثلاً پہلا شعر 'بنیادی' ترتیب والا ہے، جس کا قافیہ دونوں مصرعوں کے آخر میں آیا ہے۔ دوسرے شعر سے لے کر پانچویں شعر تک ایک نئی فنی تبدیلی کی ویسی ہی مثال موجود ہے، یعنی کہ پہلے مصرعے میں قافیہ آخر کے بجائے درمیان میں لایا گیا ہے۔ چھٹے شعر میں قافیہ پہلے مصرعے کے آخر میں اور دوسرے کے درمیان میں لایا گیا ہے۔ ساتویں شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ آخر کے بجائے درمیان میں لایا گیا ہے، جو ایک جدید نزاکت ہے۔ یہ فنی نزاکتیں جن کی وجہ سے شعر میں اندرونی ترنم پیدا ہوا، وہ غالباً سماع کی موسیقی کے سلسلے سے پیدا ہوئیں۔ آخری نزاکت کی پہلی مثال قاضی قادن کے دورِ عروج سے پہلے شیخ عبداللہ کی چوہڑی کی محفل سماع میں گائے گئے شعر میں ملتی ہے (۱)۔

جس سے گمان پیدا ہوتا ہے کہ یہ فنی نزاکتیں پہلے ہی شروع ہو چکی تھیں لیکن ان کی تمام مثالیں قاضی قادن کے علاوہ کسی دوسرے شاعر کے اشعار میں ایک ساتھ نہیں ملتیں۔ قاضی قادن کے یہ تمام اشعار شاہ کریم کے زبانی دستیاب ہوئے ہیں اسی وجہ سے وہ مجموعی طور پر 'لاڑی زبان' (زیریں سندھ) کے لہجہ میں ہم تک پہنچے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان خالص سندھی ہے اور ان میں آئے ہوئے الفاظ و بیان کی ترتیب بہت گہری ہے۔ لیکن جیسا کہ قاضی قادن بکھر ہی میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے اس لئے ان کی زبان بھی اسی خطے کی ہو سکتی ہے؛ یعنی ان اشعار کی اصل زبان اس دور کی 'سرے والی سندھی زبان' ہوگی۔ اس حقیقت کی تصدیق تازہ شائع شدہ کلام کے ذخیرہ سے ہوتی ہے جو قاضی قادن کے نام سے ایک الگ باب کے تحت داود-پنہتی فقیروں کی ایک کٹیا میں رکھے ہوئے قلمی پستک میں لکھا ہوا ہے (۲)۔ اس میں اور دیگر ایسے مخطوطوں میں اس باب کا عنوان اور خاتمہ اس طور لکھا ہوا ہے:

عنوان:

”کاجی کادن جی کی ساکی سنڈی“  
اور پی سادان کی ساکی ایکنی

(۱) دیکھئے: ص: ۱۸۳

(۲) دیوتاگری رسم الخط میں لکھی ہوئی یہ پستک ہندوستان کے صوبہ ہریانہ کے ضلع جھجانی کے گاؤں رانیلا میں داود-پنہتی بھٹ بھٹی داس کی کٹیا میں رکھی ہوئی تھی اس میں تقریباً اڑسٹھ ساڈھوں 'سنوں' کا کلام لکھا ہوا ہے۔ ایک باب کے تحت قاضی قادن اور دوسروں کے سندھی اشعار لکھے ہوئے ہیں، جنہیں دہلی کے سندھی ادیب 'ہیرا ٹھاکر' نے سندھی رسم الخط میں نقل اور اس پر غور و فکر کر کے "قاضی قادن جو کلام" کے عنوان سے دلی سے (پوچا پبلیکیشنز دہلی ۱۹۷۸ء) شائع کیا ہے۔

[قاضی قادن کا سندھی کلام اور دیگر فقیروں کا کلام جمع کر کے لکھا ہوا]

”ڈاکنی سندھی پاشاکی سرو ساذان کی ایکنی“

[جنوبی (جنوب طرف کے اشعار) سندھی زبان کے تمام درویشوں کے اکٹھے لکھے ہوئے]

خاتمہ:

”کاجی کادن جی کی ساکی سمپورن سما پتہ“

[قاضی قادن کا کلام مکمل ہوا]

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ اس باب کے تحت قاضی قادن اور دیگر فقراء کے اشعار ایک ہی جگہ لکھے گئے ہیں، لیکن بیشتر اشعار قاضی قادن ہی کے تھے کیونکہ اول و آخر میں قاضی قادن ہی کے نام کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ یہ ابھی صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ رانیلا والی پستک کب لکھی گئی، البتہ یہ پہلی پستک نہیں بلکہ کسی قدیم پستک کی نقل ہے۔ درویش دادو دیال (۱۵۴۳-۱۶۰۳ء) (۱)

(۱) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ شعبہ اردو کے استاد محمد حسن نے دادو دیال کا زمانہ سبت ۱۶۰۱-۱۶۶۰ بتایا ہے۔ ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ محسن فانی (اس سے مراد دبستان مذاہب کا مصنف ہے، حالانکہ اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ دبستان کا مصنف محسن فانی نہیں بلکہ ایرانی النسل کیخسرو اسفندیار ہے) کے بقول، دادو کپاس صاف کیا کرتا (یعنی دھنا) تھا، وہ اکبر کے زمانے میں گزرا ہے اور بارواڑ کے ایک گاؤں نارانا میں پیدا ہوا تھا۔ مسٹر ولسن (WILSON) کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن ولسن کا کہنا ہے کہ دادو احمد آباد میں پیدا ہوا اور عمر کے ۳۰ ویں سال یہیں سے فراتا گیا اور آخر دم تک وہیں رہا۔ مسٹر فرکوہار (Farquhar) اور اورٹر ل (TRAILL) نے اس کا سال ولادت ۱۵۴۳ء بتایا ہے اور لکھا ہے کہ وہ برہمن خاندان سے تھا اس کے برعکس مسٹر سدھارکر دویڈ (Sudharkar Dwivedi) کا کہنا ہے کہ وہ چمار یا موچی تھا، اس کا خاندانی پیشہ کنویں سے پانی نکالنے کے لیے چڑے کے ڈول (Mot) بنانا تھا، اس کا پہلا نام مہابلی (Mahabali) تھا، اپنی پہلی بیوی کے انتقال کے بعد اس نے دنیاوی امور سے قطع تعلق کر لیا اور (کبیر کے بیٹے) کمال کا چیلہ بن گیا۔ دادو نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ راجپوتانہ میں گزارا، اس نے اجمیر، دہلی، امبر اور دوسرے مقامات کی سیاحت کی۔ کہا جاتا ہے کہ دادو شہنشاہ اکبر کی خدمت میں بھی بار بار ہوا تھا۔ وہ ۱۶۰۳ء میں فراتا میں فوت ہوا، اس کے شاعرانہ مقولے پانچ ہزار اشعار پر مشتمل ہیں، جنہیں ابواب میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ہر باب میں کسی اہم مذہبی سوال کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ان اشعار کی زبان ملی جلی برج بھاشا اور راجستھانی ہے۔ بعض اشعار پنجابی میں ہیں۔ کچھ ریختہ میں اور چند گڑھی ہوئی فارسی میں۔

محمد حسن لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنا ایک الگ حلقہ قائم کیا جو دادو چنتی کے نام سے مشہور تھا اور ابھی تک بے پور کے قریب دادو چنتی پائے جاتے ہیں۔ ان کا انتقال بے پور سے ۲۰ میل کے فاصلے پر فراتا مقام پر ہوا ہے اور یہ جگہ ابھی تک دادو چنتیوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ دبستان مذاہب میں ہے کہ: اس نے اپنے پیروؤں کو بت پرستی سے منع کیا اور جلالی حیوانات کا گوشت چھوڑنے کا حکم دیا اور جاندار کو تکلیف دینے سے احتراز کیا لیکن عورت اور بیوی کو چھوڑ دینے اور دنیاوی کاموں سے کنارہ کش ہونے کا حکم نہیں دیا بلکہ لوگوں کو ترک اور تعلق کے بارے میں اختیار دے دیا، اہل ترک اور اہل تعلق دونوں قسم کے لوگ اس کے مرید ہیں۔ جب ان میں سے کوئی آدمی مرجاتا ہے تو مردہ کو چوپایہ پر سوار کر کے جنگل میں چھوڑ دیتے ہیں کہ اب یہی بہتر ہے کہ درندے اور چوپائے اسے کھا کر آمودہ ہو جائیں۔ دادو کی مذہبی تعلیمات کے بارے میں تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ص: ۳۸۳-۳۹۱ ملاحظہ فرمائیں (بقایا اگلے صفحے پر)



یقینی طور پر قاضی قادن کے اشعار سے متاثر ہوا، اور اس نے یہ اشعار یا تو اپنی زندگی میں لکھے اور لکھوائے، یا پھر اس کے پیروکاروں نے لکھے اور محفوظ کیے۔ رانیلا کی پستک کے علاوہ تین دوسری پستکیں بھی موجود ہیں جن میں ایک الگ باب کے تحت قاضی قادن اور دوسروں کے اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ جو سمبت سال ۱۷۴۵ء، ۱۸۰۲ء اور ۱۸۰۵ء میں لکھی گئیں۔ سب سے قدیم پستک دادو کے بڑے چیلے رجب (RAJJAB) نے سمبت ۱۷۴۵ء میں لکھی جو بے پور میں رکھی ہوئی ہے جس میں اس باب کے تحت ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) کے بجائے دو سو تینتالیس (۲۴۳) اشعار لکھے ہوئے ہیں (۱)۔ دادو دیال اور شاہ کریم ایک ہی دور کے تھے لیکن شاہ کریم وطن اور زبان کے اعتبار سے قاضی قادن کے زیادہ قریب تھے اس لئے ان کے ملفوظات 'بیان العارفین' میں قاضی قادن کے جو اشعار ہیں وہ زیادہ صحیح اور لائق تصدیق ہیں۔ ہم نے بیان العارفین میں درج قاضی قادن کے اشعار کی زبان، شاعری اور معنوی معیار کو پیش نظر رکھ کر رانیلا گاؤں کی کتیا میں رکھی ہوئی پستک کے باب کے تحت درج شدہ اور بعد میں دہلی سے "قاضی قادن جو کلام" کتاب میں مطبوعہ تمام اشعار کو بڑی سوچ بچار سے پرکھا اور اس پہلے 'پرکھ' (جس پر اب بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے) کے مطابق اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مجموعی ۱۱۲ اشعار میں سے زیادہ سے زیادہ ۷۷ اشعار ایسے ہیں جو قاضی قادن کے ہو سکتے ہیں (۲)۔ اشعار کے اس بڑے ذخیرے سے قاضی قادن کی سندھی زبان، یعنی سولہویں صدی عیسوی کے دور میں بکھر علاقہ کی سرے والی زبان کے یقینی اور پختہ آثار و علامات اور اشارے ملتے ہیں جن کی بنیاد پر ہم درج ذیل نتائج پر پہنچے ہیں:

۱- اس خطہ میں سندھی اور سرائیکی زبانیں ساتھ ساتھ رائج تھیں اور قاضی قادن نے غالباً کچھ اشعار سرائیکی میں بھی کہے۔ مثلاً:

ہر ہر فال کَریندیانِ راڈی گہنی وھا  
وَج پُچو سانوٹ سُنیان، لابی (لابے) لنگھن آ۔

(گزشتہ سے پیوستہ) دیکھئے:

- ۱- دبستان مذاہب، تصنیف نغسرو اسفندیار، اردو ترجمہ، ص ۲۲۳، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۲۰۰۲ء
- ۲- ہندی ادب کی تاریخ، تصنیف: محمد حسن، مطبوعہ انجوائیٹل پبلشنگ ہاؤس، دہلی طبع چہارم ۱۹۹۳ء، ص: ۶۸
- ۳- تمدن ہند پر اسلامی اثرات، تصنیف: ڈاکٹر تارا چند، اردو ترجمہ، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، طبع دوم جون ۲۰۰۲ء، ص: ۳۸۱-۳۸۲ (مترجم)

(۱) اس پستک کی نقل ہم نے دہلی میں شری راج رام شاستری کے پاس دیکھی تھی۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے ہمارا مضمون "قاضی قادن جا بیت، نشین تحقیق جی روشنی"، سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع شدہ رسالہ مہراں نمبر ۴، اکتوبر-دسمبر ۱۹۷۸ء، ص: ۱۱۲-۱۳۸

[فصل بونے کے موسم میں جھاڑ جھکار صاف کرنے اور بیج ڈالنے کے بجائے وسوسے کرنے اور شگون تلاش کرنے کی خاطر ہر وقت فال ڈالنے والوں (کا یہ حال ہو گیا کہ) فصل بونے کا وقت گزر گیا (جو اس طرح غفلت کرتے ہوئے) ساون کے موسم میں سو جاتے ہیں، ان سے جا کر کٹائی کے وقت (جب دوسرے لوگ نیا اناج پیستے اور کھاتے ہیں) بھوک اور فاقہ کی خبر پوچھو۔]

۲- اس دور کی 'سُرے' کی زبان میں سندھی اور سرائیکی کا فطری تعلق تھا: یعنی سرائیکی عبارات میں کچھ سندھی الفاظ (جیسا کہ مذکورہ بالا شعر میں 'وچ' = جا کر) اور سندھی عبارات میں کچھ سرائیکی الفاظ (جیسا کہ 'ڈونہیں' = دونوں) جڑے ہوئے تھے۔ قاضی قادن کے سندھی اشعار میں بھی سرائیکی زبان کی آمیزش کے آثار ملتے ہیں۔ مثلاً:

۱- تسان نہ اسان جیتري = اوہان کی نہ اسان جیتري (آپ کو ہمارے جتنا نہیں)

۲- سپی چیان تکیان = سپ زبانوں تکیوں (سب زبانیں تیز)

۳- راڈی اجاڑین = ہوکیل ہوک برباد کن (اگائی ہوئی فصل برباد کریں)

۴- سچن ڈچن ڈیک کی = سچن کی (ظاہری طرح) دشمن واری حالت ہر ڈسی کری (ساجن کو) ظاہری طرح) دشمن کی حالت میں دیکھ کر

۵- لفظ 'آء' (= میں) کے بجائے 'مان' (مان = میں) کا لفظ 'سُرے' والی زبان میں موجودہ 'صورتوں' اور 'حالتوں' کے مطابق استعمال ہوتا تھا۔ مثلاً:

'مان کی سچن گڈیو' = مون کی سچن گڈیو (مجھے ساجن ملا)

'جتی ہونن مان ہرین' = جتی منہنجا ہرین (جہاں میرے دوست ہوں)  
قاضی قادن نے 'آئون' (= میں) فقط 'آپی' (آپے = خود) کے معنی میں اسم کے طور پر استعمال کیا ہے۔ قاضی قادن کے اشعار میں لفظ 'کائی' (کا تھے = کہاں، حرف ظرف) بھی آجکل کی زبان والا ہے۔

۴- 'جمع' کی صورت بھی ہو ہو موجودہ صورت 'ہی' 'آن' والی تھی، جیسا کہ قاضی قادن کے اشعار میں 'جمع' کی درج ذیل صورتیں استعمال ہوئی ہیں:

زیران = زیرون (زیر جمع کا صیغہ) بانھان = بانھون (بازو، جمع)

زیران = زیرون (زیر جمع کا صیغہ) دانھان = دانھون (چٹ و پکار)

آیتان = آیتون (آیتیں) لیھان = لیھون (لکیریں، محبتیں، لکڑی کے تختے، دل میں ترس، لحاظ)

کتیبان = ننڍڙا ڪتاب (ڪتابچي)      ڀريان = ڀرين (محبوب، جمع ڪا صيغہ)  
 سپريان = سپرين (ساجن، دوست)      ٻائيڇيان = ٻائيڇيون = اوليون  
 ڀران = مٿا (نمر، جمع)      ٻيڙي جون (ڪشتي ڪي چڙو)  
 ڇيان = ڇيون (زبانين)      مڪريان = مڪريون = ٻيڙيون (ڪشتياں)  
 مھان = منھن (رُخ، ڪھ، چھرہ)

۵- هم دوسرے باب ڪے آغاز ميں، ’فتح نامہ‘ ميں موجود ’برہمن خاندان‘ ڪے دور ڪي زبان ڪي اضافي تراڪيب ڪے مطالعہ سے اس نتيجہ پر پئنجي هيں ڪہ: ”اس دور ميں شايد حروفِ اضافت جداگانہ استعمال ميں نہيں آئي تھي“ (ص: ) قاضي قادن ڪے اشعار ڪي زبان سے اس نتيجہ ڪي پوري تصديق هوتي هے ڪيونڪہ قاضي قادن ڪے اتي سے زيادہ شعري ذخيرہ ميں ’جو‘، ’جي‘، ’جا‘، ’جون‘ ڪے حروفِ اضافت انتهائي قليل بلڪہ نہ هونے ڪے برابر هيں۔ ان ڪے بجائے قبل از اسلام دور ڪي مشترڪ ترتيب ڪے ساتھ ذيلي اضافي تراڪيب موجود هيں۔

رب ڀرتيان = رب جا ڀرتل      (= رب ڪے حوالے) (’ڪلام مطبوعہ دہلي‘ شعر نمبر ۱۵)

ڪنولان ڪر = ڪنولن گلن جي ڀرگهور (= ڪنول ڪے پھولن ڪي پرورش) (ايضاً، ۱۹)  
 جر سالور = جر جا سالور      (= ڀانے ڪے مينڌڪ) (ايضاً، ۱۹)  
 ڀريان ڀور = ڀرين جا ڀور      (= محبوب ڪي يادس) (ايضاً، ۵۰ جهاں پر ’ڀريان جا ڀور‘ لکها هوا صحيح نہيں هے)  
 سمر تات = سمر جي تات      (= سامان سفر ڪي ياد آوري) (ايضاً، ۸۰)  
 ترهي تات = ترهي جي تات      (= سهارے ڪي ياد آوري) (ايضاً، ۸۱)  
 مون سيڻ = منهنجي سيڻ      (= ميرے تعلق دار) (ايضاً، ۲۵-۲۶)  
 مون سيڻ = منهنجي سيڻ      (= ميرے تعلق دارون نے) (ايضاً، ۳۲)  
 مون هت = منهنجي هت      (= ميرے ٻاڻھون ميں) (ايضاً، ۷۵)  
 تو در = تنهنجي در      (= تيرے دروازے پر) (ايضاً، ۵۵)  
 لا هوتين = لا هوتين جو      (= سنڀاسيون ڪا) (ايضاً، ۱۵)  
 آڪڙين = آڪڙين جو      (= آنڪھون ڪا) (ايضاً، ۲۷)

اس قدر زيادہ تعداد ميں مشترڪ اضافي تراڪيب سے ظاھر هے ڪہ قاضي قادن ڪے دور تڪ ڀرے والي سندھي زبان ميں جداگانہ حروفِ اضافت ڪا سلسلہ شروع نہيں هوا تھا۔

۶۔ جداگانہ حرف جڑ، مثلاً: کی (کھے=کو)، مان (مان=سے)، لاء (= کے لئے)، وٹ (وٹ=پاس، کے پاس، قریب)، تی (تے=پر) اگرچہ استعمال ہوئے ہیں لیکن ان کی تعداد کے مقابلے میں 'مشترکہ تراکیب جڑ' کی تعداد زیادہ ہے۔ مثلاً:

جیان = جتان کان (جہاں سے)

لوکان = لوک لاء (دنیا کے لئے)

تھان = تنھن کان (اس سے)

آکاسان = آکاس تان، کان (آکاش سے)

سجٹان = سجٹن کی (سموں کو)

پاٹان = پاٹ لئی، پاٹ مان، پاٹ جو (پنھنجو) (اپنے لئے، اپنے سے، خود کا، اپنا)

کیٹان = کین (اٹیں یا ان سے)

سیٹان = سیٹن کی (تعلق داروں، رشتہ داروں کو)

پیچری = پیچری تی، ہر (گھڑی پر، میں)

صرافین = صرافن وٹ (صرافوں کے پاس)

پیر = پیر سان (بہر کے ساتھ)

ڈونگرین = ڈونگرن ہر (پہاڑوں میں)

۷۔ 'جان ئی' (جان ئی = جڈھن کان = جب سے) اور 'تان ئی' (تان ئی = تڈھن کان = تب سے) کی تراکیب وہی ہیں جو موجودہ شمالی سندھی زبان میں استعمال ہوتی ہیں۔

جان ئی پاران پڈرو، بڈاٹون سو سڈ

مون ہنیڑو تان ئی کیو سپریان سان گڈ

(جب سے ارواح نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے "الست برکم" کا فرمان سنا میں نے تب

سے ہی اپنا دل مالک سے لگالیا)

۸۔ اس دور میں کچھ خاص الفاظ استعمال میں آتے تھے جو اب استعمال نہیں ہوتے مثلاً

مٹن = مڑن - گڈ تین (جمع ہوں، اکٹھے ہوں)

میٹی = مڑیٹی - سپ (سبھی، سب)

تگتا، تگتان = تن کان (ان سے)، یہ لفظ دراصل ('تن

کنا' یا 'تن گنا' کا خفیف مشترکہ تلفظ ہے۔ پرتک کا اصل تلفظ 'تگتان' ہے، لیکن صحیح تلفظ تگتان

ہے۔ ہائیچی ج ہائیچیان۔ پانی میں کشتی کو چلانے کے لئے اولی جمع اولیون = چپو۔

قاضی قادن کے اشعار سے اس دور کی سندھی زبان کے الفاظ، اصطلاحات اور نحوی تراکیب کے ان آثار کے علاوہ زبان میں اعلیٰ فکر اور گہرے تصورات، مختلف نفسیاتی کیفیات اور دیگر نئے موضوعات کے بیان کی بڑھتی ہوئی صلاحیت کی تصدیق ہوتی ہے۔

شاعری کے اعلیٰ اخلاقی مضامین اور عوامی شاعری کے موضوعات کو ملانے کا سلسلہ اگرچہ پہلے سے شروع ہو چکا تھا مگر وسیع پیمانے پر ان کا سنگم پہلی مرتبہ قاضی قادن کے اشعار میں ملتا ہے: انہوں نے عام قصوں اور زندگی کے عام مشاغل کے قالب میں اعلیٰ فکر و معانی کو سودیا اور خواص کی فکر خاص کو عوام کے عام ذوق کے ساتھ پیوستہ کر دیا۔ سندھی شاعری میں اس رجحان ساز بنیاد کو قاضی قادن نے اس قدر پختہ کر دیا کہ ان کے بعد آنے والے بڑے بڑے شعراء نے انہی بنیادوں پر شعر و ادب کی عمارت تعمیر کی اور موضوعات کی وسعت سے سندھی زبان میں قوتِ بیان کو عروج پر پہنچا دیا۔ قاضی قادن سندھی کلاسیکی شاعری کے باوا آدم تھے۔ انہوں نے اپنے خالص سندھی اشعار میں توحید و یقینِ کامل، اعلیٰ اخلاق و سچی چاہت و محبت کا درس دیا اور کئی نئے معنوی مضامین اور عام موضوعات کو اپنے اشعار میں بیان کیا؛ اور توحید و یکتائی، وحدت و کثرت، پیار و محبت اور اعلیٰ انسانی اخلاق جیسے معنوی اور نفسیاتی گہرے نکات کو زندگی کے عام ماحول اور مشاغل اور عام رائج باتوں اور افسانوں کی مثالوں کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی۔ موجودہ تحقیق کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ سرکنڈے اور کنول، مہران اور ساگر، موتی اور ہنس، کنارہ اور ٹھاٹ، ساحل اور سرکنڈا، بیڑا اور سمندر، رہبر اور معلم، زخمی اور طبیب، اونٹ اور اس کی الٹی عادت، چولہا اور آگ، غلط راہ رو اور خطا کار، ٹنگے اور پیسے، خرچی باز اور شیر، سورے اور خنجر کا کھیل، جوگی اور درویش، سسئی اور قالہ اور مورڑو ملاج کے چھیرے بھائیوں اور ان کے والد اباہیو۔ ان سب کی مثالوں کو قاضی قادن نے اپنے اشعار میں ذکر کیا اور ان کے متعلق اشاروں اور علامات کے لئے موزوں الفاظ اور اصطلاحات استعمال کیں۔ ان کی یہی مثالیں آگے چل کر اعلیٰ شاعری کا اہم موضوع بنیں۔

### نتائج:

سمہ دور کے بارے میں مذکورہ بالا سلسلہ وار اور قدرے تفصیلی جائزے کے بعد ہم درج ذیل نتائج پر پہنچتے ہیں:

(۱) سمہ دور میں عربی تعلیمی زبان رہی اور فارسی سرکاری دفتری اور کاروباری زبان کے طور پر استعمال ہونا شروع ہوئی۔ سمہ قبائل کی خالص سندھی زبان نے 'معیاری سندھی زبان' کی صورت میں ترقی کی۔

(۲) سہ دور میں سندھی زبان کی سرحدیں جنوب-مشرق میں کچھ اور گجرات کی طرف اور شمال میں بہاولپور اور ملتان کی طرف پھیلیں اور ان سرحدوں پر سندھی زبان کا دیگر پڑوسی زبانوں، خصوصاً گجراتی، بلوچی اور سرائیکی کے ساتھ میل جول شروع ہوا۔ مغرب کی طرف کوہستان اور لسبیلہ میں، جنوب کی طرف کچھ میں 'سندھی زبان' کے دو مقامی لہجوں یعنی 'کوہستانی اور بیلہ کی زبان' اور 'کچھی زبان' کی تشکیل ہوئی۔

ملتان کے جنوبی حصے کی زبان پر سندھی کا گہرا اثر پڑا، جس کی وجہ سے سرائیکی کا 'سندھی-سرائیکی' لہجہ وجود میں آیا جو جنوبی سندھ میں بھی رائج ہوا۔ بلوچستان کے مغربی اور مشرقی خطے کی بلوچی پر بھی سندھی زبان اثر انداز ہوئی اور اس آمیزش کی وجہ سے 'مغربی' اور 'مشرقی' بلوچی میں سندھی 'صوتیات' اور الفاظ داخل ہوئے۔ مغربی بلوچستان اور کرمان کی طرف مخصوص مقامی بستیوں میں آباد سندھی قبائل کے 'جدگالی' (۱) لہجے نے جنم لیا۔

(۳) ابتدائی سہ دور، سومرہ دور کی طرح سندھی زبان کے قصوں اور معتموں، کہانوں اور پیشین گوئیوں کا رومانی دور تھا جس میں سندھی شاعری بڑھ کر جوان ہوئی نیز روایتی قصوں، کہانیوں کے ذریعے زبان میں بیان کی صلاحیت بھی بڑھتی رہی۔

(۴) سومرہ دور کی طرح سہ دور کے آغاز میں سندھی زبان کی لسانی خصوصیات اور ادبی روایات سومرہ دور والی ہی رہیں۔

(۵) سندھی نثر میں قوتِ بیان اور قصہ خوانی کی بڑھتی ہوئی صلاحیت کے باعث، سہ دور میں سہ سرداروں کی سخاوت اور بہادری کے نئے قصے اور عشقیہ داستانیں رائج ہوئیں اور 'معموں' کے ذریعے بھانڈوں اور بھانٹوں نے سندھی میں قصہ خوانی اور داستان گوئی کو ایک 'ادبی فن' کے درجے پر پہنچایا۔

(۶) نثری داستانوں کے ساتھ، سہ دور میں سندھی شاعری نے معموں، رجز اور شعر کی صورت میں ترقی کی۔

درویشوں کی خانقاہوں اور صوفی بزرگوں کے سماع کی محافل اور صحبتیں اعلیٰ سندھی شاعری کے ابھرنے کے لیے ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوئیں۔ سہ دور میں سندھی شاعری تاریخ کی روشنی میں نکھری اور اسی دور سے سندھی شاعری کے تاریخی دور کا آغاز ہوا۔

(۷) سہ دور میں قاضی قادن کے کلام میں 'سندھی شاعری' ہیئت و فن کے لحاظ سے تکمیلی

(۱) جدگال: ایک ذات یا قوم، جو اصل سندھی ہے، کلاچ، قلات، کرمان اور ایرانی کرمان کے صحرائی علاقے میں رہتے ہیں۔ (مترجم)

صورت کو پہنچی۔ اور اس کی بنیادی ترتیب میں قافیوں کی ہیر پھیر سے تبدیلی آئی اور پہلا 'سندھی شعر' جس کے دونوں مصرعوں کے درمیان قافیہ آیا وہ سنہ ۹۰۰ھ/۱۴۹۳ء کے لگ بھگ شیخ عبدالجلیل چوہڑی کی محفلِ سماع میں پڑھا گیا۔ گویا فنی لحاظ سے 'سندھی شاعری' میں تبدیلی سہ دور میں رونما ہوئی اور تقریباً نوویں صدی ہجری کے آخر میں وہ تکمیلی صورت کو پہنچی۔ فنی ترتیب اور معنوی لحاظ سے 'شاعری' کے نمونے کی تمام ارتقائی منازل قاضی قادون کے 'اشعار' میں ملتی ہیں۔

(۸) الف اشباع کا قافیہ (۱) پہلی مرتبہ سہ دور میں سنہ ۸۹۱ھ/۱۴۸۶ء میں پیر مراد شیرازی ٹھٹھوی کے دعائیہ مگر موزوں مصرع - "اللہ او پاتہی ڈیہی وڈی جمارا" - میں ملتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ الف اشباع کی ابتدا سہ دور ہی میں ہوئی۔

(۹) قاضی قادون کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ سندھ کے شمالی خطے میں 'بیسرے' والی سندھی زبان 'رانج تھی' جس کی کچھ خاص لسانی خصوصیات بھی تھیں۔

(۱۰) اس دور میں سندھی اور سرائیکی کا ایک دوسرے سے زیادہ تعلق قائم ہوا اور شمالی سندھ میں یہ دونوں زبانیں گویا ایک ہی ملک کی زبانیں قرار پائیں۔ قاضی قادون نے غالباً سرائیکی میں بھی اشعار کہے اور سندھ میں وہ سرائیکی زبان کے پہلے شاعر قرار پائے۔

(۱) یہ عربی لفظ ہے۔ اس کا مادہ 'شع' ہے، جس کے معنی ہیں: سیر ہونا، پیٹ بھرا ہونا - اصطلاح قواعد میں اشباع کہتے ہیں حرکت کو کھینچ کر پڑھنا کہ اس سے حرف پیدا ہو جائے۔ اور اصطلاح شعر میں اشباع کہتے ہیں۔ شعر میں زبر، زیر اور پیش کو پڑھنے میں لمبا کرنا کہ زبر بڑھ کر "الف" اور زیر بڑھ کر "ی" اور پیش بڑھ کر "و" ہو جائے۔ جیسے پیر مراد شیرازی کے مصرعہ میں آخری لفظ "جمار" کی زبر کو لمبا کر کے "الف" کی آواز میں 'جمارا' پڑھا گیا ہے۔ یا مشہور نعتیہ قصیدہ، قصیدہ مُردہ شریف میں لفظ کُلیہم کے 'م' پر زیر کو لمبا کر کے پڑھا جاتا ہے، جس سے "کُلیہی" (ی) کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ (مترجم)

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا  
عَلَىٰ حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

## باب ششم

سندھی اور فارسی کے بڑھتے ہوئے تعلق، سندھی اصطلاحات اور نثری جملوں کی وضاحت، سندھی کے ادبی و ثقافتی دائرے کی وسعت، روایتی ادب اور سندھی شاعری کے تحریری ذخیرہ میں اضافہ کا دور (ارغون، ترخان اور ابتدائی مغلیہ دور: ۱۵۲۰-۱۵۹۰ ع)

ارغون (۹۲۷-۹۶۲ھ/۱۵۲۰-۱۵۵۵ ع)، ترخان اور ابتدائی مغل دور (۹۶۳-۱۰۰۰ھ/۱۵۵۶-۱۵۹۰ ع) سندھ نیز ہندوستان میں فارسی زبان کی وسعت اور اثر و رسوخ کا دور تھا۔ فارسی زبان سرکاری دفاتر، انتظامی امور، خط و کتابت، تعلیم و تصنیف، ادب اور شاعری کی زبان کے طور پر وسیع پیمانے پر استعمال ہونے لگی۔ دوسری طرف مقامی ملکی زبانیں بھی اپنے تاریخی اور ارتقائی تقاضاؤں کے تحت اس دور میں عوامی اور مقامی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے زیادہ نمایاں طور پر ابھریں۔ بہ نسبت دیگر زبانوں کے سندھی پہلے ہی اپنے تاریخی اور ارتقائی اعتبار سے ایک اعلیٰ سطح پر پہنچ چکی تھی؛ اسلئے فارسی کے اثر و نفوذ کے باوجود، سندھی کی انفرادیت و افادیت قائم رہی۔ مقامی طور پر سندھ میں، فارسی اور سندھی کے مابین عمل اور رد عمل کا سلسلہ شروع ہوا، جس وجہ سے سندھی کی اہمیت میں اضافہ ہوا، سندھی اور فارسی الفاظ و اصطلاحات کا باہمی تبادلہ ہوا، اور فارسی عبارات اور ادب کا ایک دوسرے سے میل ہوا۔ سندھ کے سماع اور راگ کے سلسلے، جو اس سے پہلے والے دور میں پنجاب اور دہلی تک اثر انداز ہو چکے تھے، وہ اس دور میں مزید وسیع ہوئے، بلکہ عروج کو پہنچے۔ سندھی 'اشعار' اور 'قوانی' کے علاوہ سندھی نغمات اور راگوں کا اثر مشرق خواہ شمال ہندوستان (برہانپور، دہلی، آگرہ) تک پہنچا، جسکی وجہ سے زبان کی ثقافت کا دائرہ مزید وسیع ہوا؛ جنوب کی طرف سندھی زبان کا ٹھیاواڑ اور گجرات تک پہنچی اور سندھی الفاظ گجراتی زبان میں رائج ہوئے۔ اس دور میں سندھی - سرائیکی کا ملاپ ہوا، نیز سندھی اور ہندی کی ادبی آشنائی کیلئے راہ ہموار ہوئی۔

سندھ میں سندھی زبان کی اپنے علاقے اور مقامی ماحول میں بعض اہم سماجی، اخلاقی اور علمی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے سندھی 'زبان' کے مطالعے کی طرف خاص توجہ ہوئی۔ ایک طرف دینی



علماء نے سندھی مسلم عوام کی موت، شادی بیاہ، قسم ناموں، طلاق ناموں، دلی مدعاؤں اور اظہار عقیدہ کے مسائل کو سمجھنے سمجھانے کی خاطر سندھی میں رسی طور پر استعمال ہونے والے الفاظ و اصطلاحات کو فقہی طور پر پڑھنا اور پرکھنا شروع کیا تو دوسری طرف سندھ کے صوفی بزرگوں اور درویشوں نے اپنے سندھی شاعری کے ذریعے عوام کی روحانی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے سلسلہ کو فروغ دیا۔

اس باب میں درج بالا ان رجحانات اور سلسلوں پر روشنی ڈالی جائیگی جو اُس دور میں سندھی کی لغوی اور ادبی اہمیت، جغرافیائی وسعت، اور سندھی شاعری کے مستند ذخیرہ اور سندھی زبان کے تحریری سرمائے کی ترقی اور اس میں اضافے کیلئے کار آمد ثابت ہوئے۔

فارسی اور سندھی کا بڑھتا ہوا تعلق:

یہ دور پورے ہندوستان میں فارسی زبان کی وسعت اور فوقیت کا دور تھا۔ اس دور میں فارسی کا ادبی، ثقافتی اور تحریری سرمایہ اپنے عروج کو پہنچا۔ مغلیہ سلطنت میں فارسی شعر و ادب کا بڑے شوق سے مطالعہ شروع ہوا اور ہر صوبے نے اسکی وسعت اور اضافے میں بھرپور حصہ لیا۔ سندھ کے عالموں، ادیبوں اور شاعروں نے بھی اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی بدولت فارسی کے علمی اور ادبی سرمائے میں اضافہ کے لیے نمایاں کارنامہ سرانجام دیا؛ فارسی زبان و ادب کے مطالعہ، شعر و شاعری اور تصنیف و تالیف میں سندھ کے علماء اور شعراء نے بڑا نام پیدا کیا۔ اسکے علاوہ اس دور میں سندھی زبان بھی اپنے تاریخی ارتقاء کے مطابق ہر لحاظ سے ایسی منزل پر پہنچ چکی تھی کہ باوجود فارسی کے اثر و نفوذ اور افادیت کے، سندھ میں سندھی کی اپنی حیثیت اور افادیت کم ہونے کے بجائے مزید بڑھنے لگی۔ ادبی اور لسانی لحاظ سے فارسی اور سندھی کا باہمی عمل اور رد عمل شروع ہوا: سندھ کے بارے میں فارسی زبان میں کتابیں لکھی گئیں؛ سندھ کے افسانوی موضوعات اور سندھ کا مقامی ماحول فارسی شاعری اور ادب کا حصہ بنے؛ سندھی الفاظ فارسی عبارات میں استعمال ہونے لگے، بلکہ فارسی تصنیفات میں سندھی اشعار اور عبارتوں کے پیوند بھی لگے۔

(الف) سندھ کے تاریخی اور ادبی مواد کا فارسی نثر اور نظم میں ظاہر ہونا:

آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی)، سہ دور حکومت میں سندھ میں فارسی کا استعمال بڑھنے لگا۔ ارغون، ترخان دور میں سرکاری دفاتر اور دستاویزات کے علاوہ تعلیمی نظام بھی باقاعدہ طور پر فارسی میں شروع ہوا۔ مغل دور میں یہ سلسلہ مزید وسیع اور مستحکم ہوا۔ اسی دور میں سندھ کے متعلق، خصوصاً سندھ کی تاریخ اور سوانح کے سلسلہ میں فارسی کتابیں لکھی گئیں۔ میر معصوم کی 'تاریخ سندھ'، میر طاہر محمد سیانی کی 'تاریخ شہر ٹھٹھ' یعنی تاریخ طاہری، اور اکی بیگھاری کا

’بیگلارنامہ‘، یوسف میرک کی ’مظہر شاہجہانی‘، سید عبدالقادر کی ’حدیقتہ الاولیاء‘، ’تذکرۃ المراد‘ اور ’تحفۃ الطاہرین‘ وغیرہ معلوم و مشہور ہیں۔ دوسری طرف فارسی کے علمی، تعلیمی اور ادبی رجحانات کا سندھی کی ادبی روایت و لغت پر اثر پڑا۔ چونکہ اس دور میں سندھی کی اپنی انفرادیت قائم ہو چکی تھی، اس لئے خاص طور پر سندھ میں سندھ کی ادبی اور ثقافتی روایت اور سندھی لغت کا اثر فارسی تحریروں اور تصنیفوں پر پڑنا شروع ہوا؛ سندھ کے حالات و حکایات خواہ افسانے اور داستانیں فارسی نثر اور نظم میں قلمبند کی گئیں، نیز سندھی الفاظ و اصطلاحات کو فارسی تحریروں میں استعمال کیا گیا۔

دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) میں جب ترخانوں نے سندھ کو ہمیشہ کیلئے اپنا وطن بنایا تو انہوں نے سندھ کی ادبی روایت کو فارسی میں منتقل کرنا شروع کیا۔ شاہ قاسم خان (شاہ زمان) کے بیٹے میر ابو القاسم سلطان نے لیلیاں۔ چنیسر کی داستان کو شاعر ’ادار کی بیگلاری‘ سے فارسی مثنوی میں منظوم کروایا۔ جسے ”چنیسرنامہ“ نام دیا گیا۔ اسکے بعد مغل دور میں یہ سلسلہ مزید بڑھا: عمر۔ ماری کے قصہ کو دہلی میں اکبر بادشاہ کے سامنے گایا گیا؛ ٹھٹھہ کے شاعر مقیم نے مول۔ میندرہ کی داستان کو فارسی میں منظوم کیا اور میر محمد معصوم نے سسئی۔ مٹھوں کی داستان کو مثنوی ’حسن و ناز‘ میں بیان کیا؛ میر طاہر محمد نیسانی نے لیلیاں۔ چنیسر کے قصہ کو ’ناز و نیاز‘ کے عنوان سے فارسی نثر میں بیان کیا، نیز دیگر قصوں مثلاً سیف الملوک، عمر سومر و اور گنگا، عمر ماری، اور دودو سومر و اور سلطان علاؤ الدین کے قصہ کو اپنی تاریخ میں مختصر طور پر بیان کیا (۱)۔

(ب) سندھی الفاظ و اصطلاحات کا فارسی عبارات میں استعمال:

سندھ کی ادبی روایت سے نہ صرف سندھی افسانے اور داستانیں فارسی نظم اور نثر میں قلمبند ہوئیں بلکہ ان کے ساتھ سندھی الفاظ بھی مقامی فارسی تصانیف میں زیر بحث آئے: سندھی جملے اور عبارات فارسی تحریروں میں مستعمل ہونے لگے، جن میں سے کچھ کے معنی و مفہوم کی وضاحت کی گئی۔ اس قسم کی تصانیف کی نمایاں مثال وہ تاریخی کتابیں ہیں جو گیارہویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) میں تصنیف ہوئیں: خاص طور پر میر طاہر محمد نیسانی کی ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) میں تصنیف کردہ تاریخ طاہری؛ نیز اسی کے لگ بھگ ’ادرا کی بیگلاری‘ کا ’بیگلارنامہ‘ جو شاہ قاسم خان بیگلار کی سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ مگر اسکے ساتھ اس دور کے کچھ تاریخی واقعات بھی اس میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ میر طاہر محمد ٹھٹھہ کے سادات خاندان سے تھے اور پیدائشی طور پر سندھ کے تھے

(۱) دیکھیے راقم کی تصحیح اور تشریح کے ساتھ شائع کردہ سید طاہر محمد نیسانی مثنوی کی ”تاریخ بلدہ تھہ المروغ بہ تاریخ

ان کی مادری زبان بھی سندھی تھی۔ دوسری طرف ”ادرا کی بیگھاری“ خاندان بیگھار سے وابستہ تھے جو تقریباً ایک صدی قبل دسویں صدی ہجری میں سندھ میں آیا تھا۔ ممکن ہے کہ ”ادرا کی“ سندھ ہی میں پیدا ہوا ہو یا بالکل چھوٹی عمر میں یہاں آیا ہو: بہر حال اس نے زندگی کا معتد بہ عرصہ سندھ ہی میں بسر کیا۔ میر طاہر محمد خواہ ادرا کی دونوں فارسی زبان کے ادیب و شاعر تھے اور انھوں نے اپنی کتابیں بھی فارسی میں لکھیں۔ مگر اس دور میں سندھی ثقافت اور سندھی لغات کی اہمیت کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے اپنی تاریخی کتابوں میں سندھ کی ادبی روایات کا تذکرہ کیا اور اسکے ساتھ اپنی فارسی عبارات میں سندھی الفاظ اور جملے استعمال کئے نیز بعض الفاظ کے معنی فارسی میں لکھے۔

- ۱- تاریخ معصومی: فارسی متن صفحہ ۳۱۸ (مرتب کردہ مرحوم ڈاکٹر داؤد پوتہ): کن کوٹ (کھن کھوت) = کن گوت، دائیندی (کن گوت = دانہ بندی)
- ۲- تاریخ طاہری میں سندھی الفاظ: ان الفاظ میں سے کچھ کے معنی بھی سمجھائے گئے مثلاً (۱):

نار (صفحہ ۲۷، ۱۱۲): ٹھنڈے کی زبان (سندھی) میں باریک ’نالے‘ کو کہتے ہیں۔

رین (= رن صفحہ ۴۲، ۱۰۲، ۶۷): یعنی فارسی میں ’چول‘ (بیاباں)

ماہ سقرو جمعو (ماہ سکھر و جمعہ) (۵۲): یعنی مہینے کا پہلا جمعہ

ماہ سقرو سومار (ماہ سکھر و سوموار) (۵۳): یعنی مہینے کا پہلا پیر کا دن

خان واہ (۵۸): ’واہ‘ یعنی ’نالہ آب‘ (= پانی کی چھوٹی نہر)

روح ذیل دیگر سندھی یا سندھی میں مستعمل الفاظ، فارسی عبارات میں لائے گئے:

چرخہ (۳۰) = چرخو

تیکہ ، تیکہ (۳۲، ۴۴) = ٹکڑو۔ (ٹکو = نشان، زیور)۔ محسوس ہوتا ہے کہ اصل لفظ ’تیلہ‘ تھا جسے کاتبوں نے غلطی سے ’تیکہ‘ یا ’تیکہ‘ کر کے لکھا، ’تیلہ‘ یعنی ’تیلہ‘ بمعنی ’تیلو‘ (۲) صاحب تیکہ (۲۴۰): صاحب تیکہ یا صاحب نشان۔ اگر اصل میں ’صاحب تیلہ‘ ہو تو پھر ’صاحب تیلہ‘ یا ’تیلے کا مالک‘۔ یہ سب سے بڑے گدی نشین سردار یا حاکم کا لقب تھا۔ مگر الہ کا ’جام ہالہ‘، ’صاحب تیلہ‘ تھا۔

(۱) الفاظ کے سامنے لکھا ہوا عدد تاریخ طاہری کے مطبوعہ فارسی متن کے صفحات کو ظاہر کرتا ہے۔ (فارسی متن راقم کا مرتب کردہ اور سندھی ادبی بورڈ کا شائع شدہ ہے)

کپرو (کپرو) (۵۳): ’کپیرہ‘، ’کپیرہ‘ (ایک تالاب کا سندھی نام یعنی ’تالاب شیریں‘ (= دودھ کی طرح میٹھا تالاب) (۲) (تیلو = تخت، مند، رعب، جمل۔ مترجم)

- کتاری (۶۴) = کتاری (کتاری)
- برچی (برچی) (۶۴) = بنچی (برچی)
- جری بوتی (۶۸) جڑی بوتی
- سوا لک (سوا لکھ) (۷۰) = 'سوالاکھ' (کا عطیہ جو کہ لاکھ دیتا تھا)
- چوکی (۷۶، ۸۰، ۱۱۲، ۲۳۵) = سرکاری طور پر مقرر کردہ پہرہ
- پہرہ (۷۶) = پہرہ
- کاچھی (۱۰۲) = کاچھی، یعنی علاقہ، گچھ کے
- دہہ (۱۰۸، ۲۵۷) = ڈبہ، کنستر
- جہروکہ (۱۱۸) = جہروکو (جہاں پر حاکم بیٹھ کر رعیت کا سلام لیتا تھا)
- سکرتوت (۱۲۶) = 'شکرتوت'، معنی عام بازاری آدمی
- رین (۱۲۷، فارسی لفظ 'جوبار' کے ساتھ لایا گیا ہے) = 'رین'، پھیلی نہر سے پہلے قدرے نیچے کی طرف دریا کی ایک اہم خودرو نہر کا منبع
- دوندی (۱۲۹) = ڈونڈی (کشتی کی ایک قسم)
- لاہرہ (۱۳۰) = لہرو یا لاہری (کشتی کی قسم)
- لنہ (۱۳۷) = لتو (کاغذ یا کسی دوسری چیز سے بنا ہوا گول تیکا جو ہندو بھرنے یا کسی اور سوراخ بند کرنے کیلئے استعمال ہو)
- ناپہ (۱۳۴) = "ٹھٹھہ علاقہ کی زبان میں 'نٹم نیلوفر' کو کہتے ہیں، اصل معنی اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں۔ نیلوفر پھول میں سے ایک چھوٹا پھل ہوتا ہے۔ جسکے اندرونی گودے کو 'مٹھال' کا گائبہ کہتے ہیں؛ دوسرا گل نیلوفر، جس سے ایک بڑا سا گم (کنول گنہ کی جڑ) پیدا ہوتا ہے۔ جسکے گندھے ہوئے دانوں کے گودے کو 'ناپو' کہتے ہیں۔
- ہوم (۱۵۹) = ہندوؤں کا 'ہون' (۱)
- لاکو (لاکو) (۱۸۸) = بخت آور، عمدہ سندھی لقب (جو اکبر بادشاہ کیلئے استعمال ہوا ہے)
- گھری (۲۰۶) = گھری (وقت کا ایک مقرر حصہ)
- پہر (۲۰۶) = پہر (وقت کا ایک مقرر حصہ)
- توبرہ (۲۲۳) = توڑا، توڑا، (گھوڑے کو اناج کھلانے کا تھیلا)
- کھٹ (۲۳۶) = کھٹ = چار پائی

(۱) آگ کی پوجا، ہندوؤں کی ایک خاص عبادت، جس میں منتر پڑھتے ہوئے آگ میں کھجور ڈالا جاتا ہے۔

دیکھیے فیروز اللغات اردو، ص: ۱۳۵۸ (مترجم)

گات (۲۳۷) = گھاٹ

۳۔ بیگلرنامہ میں (۱) درج ذیل سندھی الفاظ یا نام فارسی عبارات میں لائے گئے ہیں:

رانا (۷۰) رانو = رانا

رانائی (۶۹) = رانا، ٹھاکر ہونا (لقب)

گونہ (۱۰۵، ۱۳۷) = گونہی، گونی غلہ = اناج کی پوری

لاہرہ (۱۰۶، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۵) مرزا محمد باقی کی 'لاہرہ' کشتی

لودر (۱۲۰-۱۲۱) = لوڑھ کنول، کلا کی جڑ (۲)

جواہری (۱۲۰) = جوار (اناج کی قسم)

رین (۱۲۶) = رین دریا پھیلی نہر سے پہلے قدرے نیچے کی طرف دریا کی ایک اہم خود

رونہر کا منبع

توبرہ (۱۳۸) = توپڑا، توپڑہ (گھوڑے کو اناج کھلانے کا تھیلا)

مرگھ (۱۳۸، ۱۶۰، ۱۸۸) گھوڑے کا نام

جونجار (۱۵۹) = جھونجھار (بہادر، سورما، بہادری کا لقب)

ویر (۱۶۷) = پیر (بدلہ، خون وغیرہ کا)

کبوتر (۱۹۳) = کبوتر، گھوڑے کا نام

دونده (۲۰۰) = ڈونڈی (کشتی کی قسم)

طراز (۲۰۱) = تراز (کشتی کی قسم)

کیدارہ (۲۱۶) = کیدارو (گھوڑے کا نام، یعنی 'جنگ' یا 'جنگی')

لک سوا لک (۲۲۲) = لاکھ سوا لاکھ

بھت، چارن (۲۲۲) = بھٹ، چارن (بھانڈ، گویا)

لاڑ (۲۳۳) = لاڑ (سندھ کے پانچ طبعی خطوں میں سے ایک خطہ کا نام، جو سندھ کا جنوبی

حصہ ہے اور نشیبی علاقہ ہے۔ جنوب)

توبہ (۲۷۰) = ٹوبو (پانچ سیر اناج ناپنے کا ایک برتن)

کاسم (۲۷۰) = کاسو (غلہ بھرنے کا ایک پیانہ، خروار کا ساٹھواں حصہ، تقریباً سولہ سیر کا

ہوتا ہے)

(۱) راقم کی تصحیح سے شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء

(۲) اگر 'ز' پر زیر ہو تو اسکے معنی ہیں وہ لاشی جسکے سرے پر آہنی کڑے لگے ہوئے ہوں، اور اگر 'ز' پر پیش ہو تو اسکے معنی ہیں لاش، جنازہ، قبر نیز کنول کا پھل جو ترکیاری کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ از انسواء پچلی کی ایک خاص قسم کو بھی کہتے ہیں۔ (مترجم)

۴۔ مظہر شاہجہانی میں درج ذیل سندھی الفاظ فارسی عبارت میں لائے گئے ہیں:

کن کوٹ (کھن کھوت) = گن گوت یا کن۔ گوت اور دانہ بندی (ایک بیگہ پر پانچ من)

ماری (۶۰) = ماڑی (مکان کی اوپر والی منزل، کوٹھا)

گانہ (۶۰) = گھانہ، گھانٹو (گھانہ، گھانو = کولھو)

مد (۶۹) = مد (لادنے کا سامان، اسباب کا ڈھیر)

چپر (۶۹) = چھپر

تر (۶۹) = تر، تر ہو (گھاس پھوس اور لکڑیوں سے بنایا ہوا چھپر جس سے کشتی کا کام لیا جائے، لٹھوں کا ٹھاٹھ جو کشتی کا کام دیتا ہے)

کم و لور (۷۰) = گم اور لوڑھ (نیلوفر یا کنول گندے کی جڑ اور ایک خاص قسم کی مچھلی)

بد (۷۰) = بدھ (ایک قسم کی ترکاری۔ کنول کے پودے کی سوراخ دار جڑ)

بد (۷۱) = پڈ (ایک قسم کی گھاس جو جھیلوں میں ہوتی ہے)

دیر (۷۱) = ڈیر گاہ (ایک قسم کی گھاس جو پانی میں ہوتی ہے)

گورا، کارا (۸۷) = گورے اور کالے

کاسہ (۱۸۲) = غلہ بھرنے کا ایک پیانہ، خروار کا ساٹھواں حصہ

توبہ (۱۸۲) = ٹوبو (پانچ سیر اناج نانپے کا ایک برتن)

شیمہ (۲۱۲) = شینہن (شیر)

اسم محرفہ

دیراؤں (۷۵) = ڈیراٹون (ڈیریچہ قوم والوں کا علاقہ)؟

دنی پسایہ □ = ڈنی پسایو (دھنی پسایو۔ آدمی کا نام)

گرننگ □ = گرنگ (بہت بڑا، عظیم، بھاری، وزنی)

جاگلہ = چاگلہ

کاجہ = کاجہ، کاجو (کاجہ، کاجہ، کاجو)

(رج) سندھی اشعار کا فارسی میں ترجمہ ہونا:

اکبر اور جہانگیر کے دور میں تقریباً ۹۹۸-۱۰۲۲ھ (۱۵۹۰-۱۶۱۳ء) کے درمیان محمد غوثی

گجراتی ماٹھی نے، قاضی قادن کے کچھ اشعار کا فارسی میں ترجمہ کیا، جنہیں قاضی قادن کی سوانح

کے ساتھ انہوں نے اپنی کتاب 'نگار ابرار' میں شامل کیا۔ محمد غوثی سنہ ۹۹۰-۱۵۸۱ء میں گجرات

سے اور وہاں کے مشہور عالم وجہ الدین گجراتی کے پاس تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے گجرات

میں بزرگانِ سندھ کے حالات و واقعات بھی سنے ہوں گے۔ لیکن انہیں اس سلسلے میں مزید معلومات اس وقت حاصل ہوئیں جب وہ گجرات سے برہانپور پہنچے جہاں پر حکیم عثمان بن عیسیٰ سندھی (۱) سے علمِ ریاضی کی تعلیم حاصل کی۔ برہانپور اور اسکے آس پاس اس وقت سندھی علماء اور بزرگوں کا بڑا اثر و رسوخ اور نام تھا، اور انہوں نے اس وقت تک یقیناً سندھ اور سندھی زبان سے اپنا موروثی رشتہ برقرار رکھا ہوگا۔ محمد غوثی سنہ ۹۹۴ھ/۱۵۸۶ء تک وہاں رہے اور اس عرصے میں انہوں نے درویش لدھو (لاڈ) سندھی سے سندھ کا مقبول عام راگ 'کافیاں' سنیں، جس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اسکے علاوہ توحید و تصوف کے خیالات پر مشتمل قاضی قادن کے اشعار بھی وہاں کے سندھی بزرگوں سے معنی سمیت سنے، جن سے وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ قاضی قادن کی بزرگی اور درویشی کے تذکرہ کے ساتھ ان کے چار سندھی اشعار کا فارسی میں ترجمہ بھی درج کیا۔ ان کی کتاب 'گلزار ابرار' فارسی میں ہے جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی، البتہ اس کا اردو ترجمہ سنہ ۱۳۳۶ھ میں 'اذکار ابرار' کے نام سے آگرہ سے شائع ہوا ہے جس میں قاضی قادن کے ان اشعار کا اردو ترجمہ موجود ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے تین اشعار تو وہی ہیں جنہیں تقریباً اسی دور میں شاہِ کریم نے بھی اپنی مجالس میں پڑھا اور بیان کیا، البتہ چوتھا شعر

(۱) شیخ فاضل علامہ عثمان بن عیسیٰ بن ابراہیم صدیقی بوبکانی سندھی برہانپوری، سیوہن سے چھ میل مغرب میں 'بوبک' نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ مخدوم عبدالکریم میران ابن علامہ یعقوب بوبکانی کے تلامذہ ارشد سے تھے۔ ازاں وہ آپ مولانا وجہ الدین علوی سے علوم تصوف کا درس لیتے رہے، فقہ اصول اور عربی قاضی محمود موری اور منطق و حکمت شیخ حسین بغدادی کے پاس پڑھی۔ سنہ ۹۸۴ھ میں آپ برہانپور تشریف لے گئے تو بادشاہ وقت محمد شاہ ابن مبارک شاہ فاروقی نے آپ کو درس اور فتویٰ نویسی کے اعلیٰ منصب پر مامور فرمایا اور برہانپور سے باہر زرخیز اراضی کا ایک موضع آپ کے نام کر دیا۔ ۹۸۳ھ سے ۱۰۰۸ھ تک آپ درس و تدریس فتویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ آپ کے شاگردوں میں بلند پایہ محدثین و مفسرین، یگانہ آفاق مشائخ اور اہل تصانیف کی اکثریت ہے۔ جن میں سے شیخ محمد غوثی، قاضی نصیر الدین بن شیخ سراج محمد بنانی، شیخ صالح سندھی، مختصر الوقایہ کے شارح اور عادل شاہ فاروقی ۹۸۴ - ۱۰۰۵ھ کے عہد میں برہانپور کی مسند قضا پر محکم قاضی عبدالسلام سندھی اور حضرت شیخ یوسف بنگالی کے شاگرد اور داماد شیخ شکھ جی اور مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ بحد اللہ برہانپوری وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ آپ کی تصانیف میں سے تفسیر بیضاوی کا حاشیہ اور صحیح بخاری کی شرح بہت مفید کتابیں ہیں۔ اکبر بادشاہ نے خاندانی کسب کے لیے برہانپور اور قلعہ آسیر کے اطراف اپنی افواج پھیلا دیں، ان دنوں آپ اپنی جاگیر کی موضع پر گئے ہوئے تھے، اس شورش کی وجہ سے آپ برہانپور واپس نہ آ سکے اور اپنے موضع ہی میں مقیم رہے۔ چونکہ اس وقت ملکی نظام معطل ہو چکا تھا۔ اس نواح کے رہزنی پیشہ کوٹیوں نے مسلح ہو کر اس موضع پر تاخت کی اور مال و متاع لوٹ کر ماہ شعبان سنہ ۱۰۰۸ھ میں آپ کو اپنے متردہ ساتھیوں سمیت شہید کر ڈالا۔ دیکھیے:

(۱) 'برہانپور کے سندھی اولیاء' ص: ۲۱۶-۲۲۱ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، طبع دوم ۱۹۸۷ء

(۱۱) 'نزهة الخواطر'، جلد پنجم، ص: ۲۹۳-۲۹۴ تصنیف سید عبدالحی حسنی، مطبوعہ طبیب اکیڈمی، ملتان، ۱۳۱۲ھ/۱۹۹۲ء

(۱۱۱) مقدمہ، المتانة فی الصرامة عن الخزانة، ص: ۳-۴، حاشیہ نمبر ۲، از علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، کراچی، طبع اول ۱۳۸۱ھ-۱۹۶۲ء (مترجم)

نیا ہے، جسے گزارا برابر کے مصنف نے درج کیا ہے۔

اصل اشعار اور ان کا ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

۱۔ [کنز اور قدوری پڑھنے سے معرفت کی مہک ذرہ برابر بھی حاصل نہیں ہوئی اور حصول

مطلب جو ہوا تو اس عالم کے پردے ہوا۔]

اصل شعر:

کنز قدوری، کافیا، کی کونہ پڑھنوم

سو پار ٹی کو ہنو جٹان پیرین لدوم

۲۔ 'لا' کس کوئی کرتا ہے، جب ماسوائے حق، ہستی ہی نہیں رکھتا۔]

اصل شعر:

'لا' لاهیندی کن کی، 'لا' مورہین ناہ

باللہ ری پریاہ، کت نہ ڈسی کو ہنو

۳۔ [ترجمہ: ہم جس کے مشتاق ہیں، اگر غور سے دیکھا جاوے تو وہ ہم ہی ہیں۔]

اصل شعر:

سجن منجہم، ہٹام، مون وینی واء تیا

ہیڈان ہوڈان ہٹزا، ہیٹین جاڑ وڈام (۱)

۴۔ [تمام زبانوں میں کل 'لا' سے تیری نفی کی گئی ہے اور تو ہنوز اپنے اثبات کے درپے

ہے۔]

اصل شعر:

توکی توڑائین، 'لا' سین لاثائون

ایا پن 'آئون' وارنو وجہین وچ ہر

محمد غوثی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قاضی قادن کے گہرے معانی پر مشتمل

بہت سارے اشعار سنے، کیونکہ وہ کہتا ہے کہ: (قاضی قادن کے) اس قسم کے خیالات (پر مشتمل

اشعار) اسقدر زیادہ ہیں کہ انہیں احاطہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ (دوسرا یہ کہ) ہر بیان کا حقیقی

لطف اسکی اصل زبان ہی سے مخصوص ہے، اور ترجمہ میں وہ لطافت قائم نہیں رہ سکتی (۲)۔

(۱) بیان العارفین و تنبیہ الغافلین کے مطبوعہ قادیان میں، پہلے مصرعہ میں لفظ 'نوم' ہے، جسے ڈاکٹر عبدالغفار سومرو صاحب نے 'ہنام' اور دوسرے مصرعہ میں 'ہنین' کے بجائے 'ہنین' کر کے لکھا ہے۔ دیکھیے: ڈاکٹر سومرو صاحب کی تحقیق، ترجمہ اور

تشریحی حوالہ جات کے ساتھ مطبوعہ بیان العارفین و تنبیہ الغافلین، ترجمہ، ص: ۵۲ اور متن ص: ۷۰ (مترجم)

(۲) 'ادکار الابرار' اردو ترجمہ، نگار ابراہیم مطبوعہ آگرہ ۱۳۳۶ھ، ص: ۲۵، اس کتاب کا کس اسلامک فاؤنڈیشن کی طرف سے

سنہ ۱۳۹۵ھ میں لاہور سے شائع ہوا ہے۔



(د) فارسی اور سندھی کی مشترکہ عبارات پر مشتمل کتابیں تصنیف ہونا:

اس دور میں سندھی کی اہمیت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ بعض فارسی کتابیں سندھی عبارات اور اقتباسات کے ساتھ مخلوط کر کے لکھی گئیں یہ سلسلہ کب شروع ہوا؟ اسکے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن غالباً گیارہویں صدی ہجری (سترہویں صدی عیسوی) سے اسکا آغاز ہوا۔ بعض مخصوص کتب کے مضمون و موضوع اس بات کے متقاضی تھے کہ مزید وضاحت کی خاطر کچھ مقاصد و معانی کو سندھی زبان میں بیان کیا جائے۔ اس قسم کی کتابیں سندھی مصنفین ہی نے تصنیف کیں اور ان میں سے آج تک جو کتابیں معلوم ہوئی ہیں ان میں سے 'بیان العارفین' اور 'منہاج المعرفة' قابل ذکر ہیں۔

بیان العارفین:

میاں شاہ کریم اپنی زندگی میں مختلف مواقع پر اور مجالس میں اپنے مریدین اور حاضرین مجلس کو کچھ نصیحتیں کرتے تھے۔ ان عمدہ نصائح، وضاحتوں اور تشریحات کو آپ کی وفات (۱۰۳۲ھ) کے چھ سال بعد سنہ ۱۰۳۸ھ میں ان کے مرید محمد رضا ٹھٹھوی نے تلاش و تفتیش کے بعد جمع کیا۔ میاں شاہ کریم گفتگو تو سندھی میں کرتے تھے لیکن چونکہ اس دور میں کتابیں فارسی میں لکھی جاتی تھیں اس لیے محمد رضا نے بھی اپنے مرشد کے ملفوظات کو 'بیان العارفین' (عارفوں کا بیان) کے نام سے فارسی نثر میں لکھا۔ نصائح اور تشریحات میں میاں شاہ کریم موقع بموقع اپنے اور دوسروں کے سندھی اشعار پڑھتے تھے نیز دوسروں کی طرف سے پوچھے گئے اشعار کے معانی و مطالب بھی سمجھاتے تھے۔ محمد رضا نے شاہ کریم کے ان اقوال و بیانات کا فارسی میں ترجمہ کیا، مگر چونکہ سندھی اشعار کی ایک خاص اہمیت تھی اس لیے اس نے ان کے فارسی ترجمہ کے ساتھ وہ اصل سندھی اشعار بھی اصل صورت میں درج کیے۔ موجودہ معلومات کے مطابق 'بیان العارفین' پہلی کتاب ہے جو سندھی اشعار کے پیوند کے ساتھ گیارہویں صدی ہجری کے نصف اول میں فارسی نثر میں تصنیف ہوئی اور آئندہ کیلئے اس قسم کی دیگر تقنیفات کے لیے ایک مثالی کتاب قرار پائی۔

منہاج المعرفة:

گیارہویں صدی کے آخر میں 'انجم کوٹ' کے عالم و عارف شاہ لطف اللہ قادری نے سنہ ۱۰۸۳ھ (۱۶۷۳ع) میں تصوف و طریقت کی رموز کو سمجھانے کے لیے ایک خاص کتاب 'منہاج المعرفة' کے نام سے لکھی۔ شاہ لطف اللہ عربی و فارسی کے بڑے عالم تھے اس لیے انہوں نے اس وقت کے علمی ماحول کی مناسبت سے اپنی کتاب بھی فارسی نثر میں لکھی اور اسے بیس ابواب میں

تقسیم کیا؛ اسکے ساتھ انہوں نے 'بیان العارفین' کی طرح یہ بھی مناسب سمجھا کہ ہر باب میں کوئی ایسا سندھی شعر، ضرور شامل کیا جائے جو متعلقہ باب کے مضمون کا اہم مقصد پورا/ واضح کرتا ہو۔ اس طرح گیارہویں صدی ہجری میں لکھی گئی یہ دوسری کتاب ہے جس میں فارسی نثر اور سندھی اشعار کی آمیزش ہے۔

سندھی الفاظ، اصطلاحات اور جملوں کے معنی و مقصد کو سمجھنے کی طرف توجہ:

عرب - اسلامی دور میں کم از کم چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) سے - جب عربی سہری دونوں زبانیں ساتھ ساتھ استعمال ہونے لگیں اور عربی کے ساتھ سندھی کی علمی حیثیت مسلم ہوئی - سندھ کے علماء نے دینی فرائض، شرعی احکامات، نماز اور ادعیہ خیر کے لئے عربی کے ساتھ ہم معنی عمدہ سندھی الفاظ، جملے اور عبارات استعمال کرنا شروع کیں۔ یہ سلسلہ سومرہ اور سہ دور میں روز افزوں رہا، یہاں تک کہ ارغون - ترخانی دور میں سندھ کے سب سے بڑے عالم، شرعی قوانین کے عارف اور نقیبی ماہر مخدوم جعفر بوبکائی (i) نے طلاق کیلئے سندھی میں عام مستعمل الفاظ اور جملوں کے معنی اور مقصد کا شرعی قانون کی روشنی میں جائزہ لینا شروع کیا۔ طلاق کا مسئلہ ایک سماجی مسئلہ تھا اس لیے سندھ کے علماء نے اس پر مختلف طریقوں سے غور کیا: بعض نے سخت سزا یعنی مضبوط طلاق کی تائید کی تاکہ گھریلو جھگڑے کے وقت مرد حضرات اپنی بیویوں کے لیے ایسے الفاظ استعمال ہی نہ کر سکیں۔ مگر اکثر علماء نے انسانی کمزوری کے پیش نظر غصہ کے وقت زبان سے ادا کردہ کسی لفظ یا کھائی ہوئی قسم کو جذباتی تصور کیا اور تین مرتبہ طلاق دینے کو ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کے مساوی قرار دیا۔

(الف) طلاق کیلئے استعمال ہونے والے سندھی الفاظ و اصطلاحات:

مخدوم جعفر بوبکائی نے اس موضوع پر ایک خاص کتاب "حَلُّ الْعُقُودِ فِي طَلَاقِ السُّنُودِ" (اہل سندھ کے طلاق کے مسائل کا حل) نامی کتاب لکھی، اور اپنی دیگر کتابوں میں بھی (۲) انہوں نے طلاق کے لیے استعمال ہونے والی سندھی اصطلاحات، مثلاً "بھڈی" اور "بھڈیم" (چھوڑ دی، میں نے چھوڑ دی) کی وضاحت کی اور اپنی طرف سے اسکے متعلق شرعی فیصلہ عربی میں تحریر کرتے ہوئے ان سندھی الفاظ و اصطلاحات کو استعمال کیا۔ آپ نے لکھا کہ:

(۱) موجودہ ضلع دادو میں 'بوبک' شہر کے مشہور عالم، استاد، فقیہ مخدوم جعفر بن مخدوم میران بن یعقوب، جنہوں نے دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) کے آخر میں وصال فرمایا۔

(۲) مخدوم صاحب نے اپنی کتاب "المصانعة فی مرمعة الخزنة" (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ) میں بھی اس مسئلے پر روشنی ڈالی۔

”ان قال لموطونثه جهڈی، جهڈی، جهڈی او ’جهڈیم‘ ثلاث مرات و اراد بالتكرير التأسيس دون التاكيد لايقع الا الواحدة“ (۱)

اگر کسی شوہر نے اپنی بیوی کیلئے کہا کہ (میں نے یہ) ’چھوڑ دی، چھوڑ دی، چھوڑ دی‘ یا تین مرتبہ اس نے یہ کہا کہ ”میں نے چھوڑی، میں نے چھوڑی، میں نے چھوڑی“ مگر اس طرح دہرا دہرا کر کہنے سے اگر اسکا مقصد اپنی بات پر زور دینا اور اسے واضح کرنا (تائیس) تھا، نہ کہ (طلاق دینے کی خاطر اپنے) ارادہ کو پختہ کرنا (تائید)، تو اس صورت میں یہ ’ایک طلاق‘ (کے اعلان کے برابر) ہوگا۔

از روئے شرع پختہ طلاق تب ہوگی، جب کوئی شوہر سوچ سمجھ کر ٹھنڈے دماغ سے تین مرتبہ طلاق دینے کا اعلان کرے۔ مگر بعض لوگ غصہ کی وجہ سے ایک ہی سانس میں تین مرتبہ ”ہھڈیم، ہھڈیم، ہھڈیم“ کہہ دیتے اور بعد میں پشیمان ہوتے تھے۔ مخدوم جعفر نے مندرجہ بالا وضاحت کی کہ ایسی حالت میں یہ اعلان تین مرتبہ نہیں، بلکہ ’ایک مرتبہ‘ کے برابر ہوگا: یعنی کہ یہ طلاق (صریح) نہیں ہوگی، بلکہ اسے طلاق بائن، (پہلے اظہار والی طلاق) کہا جائیگا۔

مخدوم جعفر نے ایک سماجی اور نفسیاتی مشکل کو شرع کی روشنی میں عملی طور پر حل کیا تاکہ جذبات سے مغلوب ہو کر تین مرتبہ ’ہھڈی‘ یا ’ہھڈیم‘ کہنے سے کسی کا گھر نہ اجڑے اور خانگی زندگی تباہ نہ ہو۔

زبان اور لغت کے لحاظ سے قابل غور بات یہ ہے کہ اصل عربی لفظ ’طلاق‘ کے معنی ہی ہے ’چھوڑنا‘ اور اس زمانے میں سندھ میں بھی ’طلاق‘ دینے یا کسی دوسری اصطلاح کے بجائے خالص سندھی اصطلاح (ہھڈن) [چھوڑ دینا یا چھوڑنا] استعمال ہوا۔ سندھی الفاظ و اصطلاحات کے معنی و مفہوم پر علمی، فقہی اور شرعی بحث کی یہ ابتدا تھی جو دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) میں ہوئی اور رفتہ رفتہ زیادہ وسیع ہوئی۔ مخدوم جعفر کے بعد سندھی علماء مختلف موضوعات سے متعلق سندھی کے نثری فقروں، جملوں اور عبارات کو زیر بحث لائے۔ ان مباحث اور وضاحتوں کا تعلق اسکے بعد کے کلھوڑہ اور تالپور امیروں کے دور سے ہے، مگر جیسا کہ موضوع ایک ہی ہے، ہم اسے ذیل میں مختصر بیان کرتے ہیں تاکہ سندھی بیدار مغز علماء کی اپنی مادری زبان کی اصطلاحات اور عبارتوں کی طرف دی جانے والی توجہ کا اندازہ کیا جاسکے، نیز اس دور سے سندھی کے نثری فقروں کے زیر بحث آنے کی تاریخ مرتب کی جاسکے۔

(۱) مخدوم جعفر کے یہ اصل الفاظ مخدوم محمد ہاشم نے اپنی کتاب ”تعمام العنایة“ میں اسی طرح درج کئے ہیں۔ یہی عبارت مختلف بیاضوں میں نقل ہوئی ہے، اور کہیں پر ان الفاظ کو ’ہھڈی‘، ’ہھڈی‘، ’ہھڈی‘ یا ’ہھڈیم‘ کی صورت میں لکھا گیا ہے۔

مندوم جعفر کے بعد سندھ کے دیگر علماء نے بھی اپنی تحریروں، فتاویٰ اور بیاضوں میں سندھی الفاظ، اصطلاحات اور عبارات پر لغت اور معنی نیز شرعی حکم کی رو سے بحث کی، اور اس طرح تقریباً دسویں صدی سے تیرہویں صدی تک کے چار سو سالہ طویل عرصے میں سندھی الفاظ و اصطلاحات، نثری فقرے اور عبارات زیر بحث رہے۔  
مندوم حامد اکبری (۱):

مندوم حامد، مندمو محمد ہاشم سے پہلے اور مندمو جعفر بوبکائی کے بعد غالباً گیارہویں صدی (کے نصف آخر؟) میں ہو گزرے ہیں۔ مندمو حامد پہلے فقیہ و عالم تھے جنہوں نے مندمو جعفر سے اختلاف کیا۔ ان کے فتویٰ کے مطابق اگر کسی شخص نے شریعت کی 'بڑی قسم' کھائی تو وہ تین مرتبہ طلاق کے مساوی ہوگا نیز اگر اس نے تین مرتبہ سخن ( وعدہ، عہد، قول اور اقرار) کیا تو وہ بھی 'طلاق صریح' کے برابر ہوگا (۲)۔

اس سلسلے میں مندمو حامد اپنے ایک خاص "رسالہ" اور دیگر تحریروں میں درج ذیل سندھی الفاظ اور جملوں کو زیر بحث لائے:

۱- اگر غصہ میں کسی نے اپنے بیٹے سے کہا کہ:

تَکَرَّ مَانِه کِی طلاق آھی (۳)  
(تکر ماڑنہ کھے طلاق آہے)

[اصل رسم الخط: تَکَرَّ مَانِه کھے طلاق آھے]

(گویا کہ تیری ماں کو طلاق ہے)

اس جملے میں مندمو حامد نے لفظ 'تکر' کے معنی بتاتے ہوئے کہا کہ: لفظ 'تکر' سندھی زبان میں عربی لفظ 'تکائن' (= گویا کہ) کے مساوی ہے۔

۲- کچھ لوگ قسم اٹھاتے وقت لفظ 'طلاقوں' (یعنی طلاقیں) (اصل لفظ: طلاقن) استعمال

(۱) مندمو حامد 'اٹھم کوٹ' کے تھے، جس وجہ سے کبھی کبھار انہیں "ساکن قلعہ اٹھم" لکھا گیا ہے۔ "قلعہ اٹھم" یا 'اٹھم کوٹ' کو آج کل "اگھا ماٹو" کہا جاتا ہے۔ اس تاریخی شہر کے آثار موجود ہیں جن میں شاہی جامع مسجد کی کئی دیواریں اور مندمو محمد اسماعیل سومرہ کا مزار قابل ذکر ہیں۔

(دوایح) ہو کہ "اٹھم کوٹ یا اگھا ماٹو" حیدرآباد سے تیس میل جنوب مشرق کی طرف واقع تھا، جسے "اٹھم لوہانہ" نے تعمیر کر دیا تھا۔ دیکھیے: تعلیقات معہوی فارسی ص ۳۱۴ بحوالہ تاریخ سندھ حصہ دوم ص ۴۲ حاشیہ نمبر ۱۔

"قدیم سندھ، ان جا مشہور شہر ۶ ماٹھو" طبع سوم، ص: ۸۸ (مترجم)

(۲) "اگر تر وے ملز اہل اس دیار گفت کہ سوگند کلان است اگر فلان کار کنم" بعد فعل امر علوف علیہ زوجہ او بہ سہ طلاق مطلق گرد" (مندوم حامد اکبری)

(۳) ماٹو از بیاض منسوب مندمو محمد ہاشم ٹھٹوی۔ جو کہ سندھ یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

کرتے تھے جیسا کہ: تجھے طلاقیں ہوں؛ مخدوم حامد نے سمجھایا کہ:  
 سندھیوں کی اصطلاح میں لفظ 'طلاق' دو خواہ جمع (کے عدد) کے معنی میں آتا ہے (اس  
 لیے لفظ 'طلاق' کہنے سے لازمی طور پر تین، عدد مراد نہیں لیے جائینگے)۔  
 مخدوم رحمت اللہ ٹھٹھوی:

اگر کسی شخص نے بیوی سے لڑائی کے وقت غصہ میں آکر تین مرتبہ کہا کہ: تو کی چڈنم،  
 تو کی چڈنم، تو کی چڈنم (تو کے چھڈیم تو کے چھڈیم تو کے چھڈیم = تجھے میں نے چھوڑ دیا،  
 تجھے میں نے چھوڑ دیا، تجھے میں نے چھوڑ دیا) (۱) [اصل رسم الخط یوں ہے: تو کی چھڈنم تو  
 کی چھڈنم تو کی چھڈنم] ایسی صورت میں تین طلاقیں ہوگی یا ایک؟ مخدوم رحمت اللہ ٹھٹھوی  
 نے اسکا یہ جواب دیا کہ یہ تین طلاقیں ہوںگی اور طلاق صریح ہوگی۔  
 حافظ احمد:

انہوں نے اپنی تحریر میں یوں وضاحت کی کہ: لفظ 'چھڈی' (اصل: چھدی) سندھ کے کچھ  
 علماء کی رائے کے مطابق 'طلاق صریح' کے برابر ہے، مگر اکثر علماء کے فتویٰ کے مطابق ایک طلاق  
 بائن کے برابر ہے، جیسا کہ (مخدوم جعفر بوبکائی کی کتاب) 'محل العقود' میں ہے۔ البتہ ٹھٹھہ کے  
 علماء اور فضلاء کا معمول اس طرح ہے کہ: اگر کوئی شخص ایک مرتبہ 'چھڈی' کہے تو اسے انوسر نو نکاح  
 کرنا پڑیگا، اور اگر تین مرتبہ ('چھڈی') کہے تو پھر طلاق صریح ہوگی۔  
 مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (وفات ۱۷۷۲ھ/۱۷۶۰ء):

مخدوم صاحب نے اس مسئلے سے متعلق ایک تفصیلی رسالہ لکھا (۲) اور دیگر تحریروں میں  
 بھی اسے واضح کیا۔ مخدوم صاحب نے اپنے رسالہ میں یہ سوال اٹھایا کہ: اگر کوئی سندھ کا باشندہ  
 اپنی بیوی سے تین مرتبہ کہے کہ: مون فلائی چڈی (میں نے فلاں عورت چھوڑی) [اصل رسم  
 الخط: من فلائی چھڈی] تو اس صورت میں کیا لازم آئیگا؟ آپ نے اسکا جواب یوں دیا کہ: سارا  
 دارومدار کہنے والے کی نیت اور ارادہ پر ہے۔ اگر اس کی نیت تین طلاقیں کی تھی تو یہ صریح طلاق  
 ہوئی اور اگر اسکی ایسی نیت نہ تھی تو پھر ایک 'طلاق بائن' ہوگی۔ یہ اس لئے کہ لفظ 'چھڈی' ایک  
 'کسائیہ' ہے اور 'طلاق بائن' کے برابر ہے۔ (کتاب "تمام العنایہ")۔

سنہ ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ء) میں مخدوم محمد ہاشم کی ایک تحریر میں بھی ان الفاظ پر بحث کی گئی

(۱) سندھ یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ 'بیاض' سے اخذ کردہ، سید علی محمد شاہ (وفات ۱۹ محرم ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء) دائرہ والے نے  
 اپنی 'بیاض سندھی' میں مخدوم رحمت اللہ کی خود نوشتہ تحریر سے عبارت نقل کی ہے جس میں سندھی الفاظ کا رسم الخط تو کسی جہنم  
 (تو کے چھڈیم) ہے۔

(۲) اس رسالے کا نام 'تمام الغایہ فی الفرق بین الصریح والطلاق بالکتاب' ہے۔

ہے۔ اس وقت سوال یہ کیا گیا تھا کہ سندھی مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے لئے تین مرتبہ کہے کہ: ”میں نے فلاں چھوڑ دی، میں نے فلاں چھوڑ دی، میں نے فلاں چھوڑ دی“ [اصل الفاظ تحریر میں یوں ہیں: من فلانی چھٹھی من فلانی چھٹھی من فلانی چھٹھی] تو اس حالت میں اس پر کیا لازم آئے گا؟ مخدوم صاحب نے جواب میں فرمایا کہ: اگر اس نے تین طلاق کی نیت کی تو طلاق پختہ ہوگی اور عورت دوسرے سے نکاح کرے گی۔ لیکن اگر اس نے کسی بھی مرتبہ پر (یعنی یہ لفظ کہتے وقت) ایسی نیت نہیں کی تو پھر طلاق بائن واقع ہوئی اور از سر نو نکاح پڑھا جائیگا۔ یہ اس لئے کہ: سندھی زبان میں کنایات (الفاظ کے معنوی اشارات) کو ’عربی کے کنایات‘ کی طرح ہی فہم کرنا پڑے گا۔ سندھیوں کی زبان میں لفظ ’چھٹھی‘ [اصل: چھٹھی] ’کنایہ‘ ہے، صریح ( واضح معنی والا) لفظ نہیں۔ سندھی زبان میں اس قسم کی دوسری کئی مثالیں موجود ہیں (۱)۔

مخدوم غلام مجر اور مولوی عبدالرحیم:  
انہوں نے بھی ایک شخص اسماعیل کے درج ذیل الفاظ پر فیصلہ دیا۔ اسماعیل نے اپنی بیوی کو غصہ سے کہا تھا کہ:

’توکی طلاقن قنوکیم‘ (۲)  
(تو کہے طلاقن پھٹو کیم)

[یعنی مطلقہ! میں نے تجھے چھوڑ دیا۔]

(ب) سندھی میں قسم کھانے کی صورت میں طلاق کا فیصلہ:

بعض لوگ قسم کھا لیتے تھے، جس وجہ سے ناجاتی پیدا ہوتی تھی جسے روکنے کے لئے ابتدا میں عالموں نے طلاق کا فیصلہ دیا، لیکن بعد میں ایسے الفاظ پر مزید غور و فکر کے بعد زیادہ مستفادہ شرعی فیصلے کئے گئے۔ مخدوم حامد اٹھی نے کسی شخص کی طرف سے اٹھائی گئی ایسی قسم کے بارے میں شرعی فیصلہ دیا: ”مون کھی وڈو سنھن آھی جی ہی چائنٹ تنھنجی لنگھان“۔

[اسکا اصل رسم الخط یوں ہے: منکھی وڈو سہ آھی جی ہی چائنٹ تنھنجی لنگھیان] (میرے پر بڑا حیف ہے اگر میں تیری یہ چوکھٹ عبور کروں) (یعنی کسی نے اپنے کسی رشتہ دار عزیز کو غصہ سے کہا کہ: مجھے بڑی قسم ہے کہ آج کے بعد تیری یہ چوکھٹ عبور کر کے تیرے

(۱) اصل عبارت یوں ہے: فی کتابیات لغة یكون حکم کتابیات العربیہ ..... ان لفظ چھٹھی فی لسان اہل السنہ

کتابیہ لا صریح ..... ولہذا نظائر کثیرہ فی اللسان السنیدیہ -

(۲) اصل رسم الخط یوں ہے: ’توکی طلاقن پھٹو کیم‘

گھر نہیں آؤنگا۔ 'بڑی قسم' سے اس زمانے میں مراد بڑی شرعی قسم ہوتی تھی۔ جس شخص نے ایسی قسم کھالی اور پھر اس قسم کو توڑ دیا تو، اس پر طلاق واجب ہو جاتی۔ مخدوم حامد اٹھی سے پوچھا گیا کہ: اگر کوئی شخص اپنے ساتھی کو غصہ کی وجہ سے یہ کہے کہ: "مون کی سنہ وڈو آھی" (مجھے بڑی قسم ہے) [اس کا اصل رسم الخط یوں ہے: منکھی سہ وڈو آھی] جو تیرے گھر کھانا کھالوں، اور بعد میں وہ کھانا کھالے اور قسم توڑ دے تو اس پر طلاق لازم آئے گی یا نہیں؟ یا کوئی شخص یوں کہے کہ: "مون کی سنہ جو سنہ آھی" [اس کا اصل رسم الخط یوں ہے: منکھی شرع جو سہ آھی] (مجھے شریعت کی قسم ہے) جو فلاں کام کر لوں، بعد میں اس شخص نے وہ کام کر لیا تو اس پر کیا فتویٰ لاگو ہوگا؟

یا اگر کوئی شخص کہتا ہے:

"مون پیر ہانجی چڈی" [مون پیر پانچھی چھڈی]

[اصل رسم الخط یوں ہے: مون پیر ہانجی چھڈی۔ (پیر معنی بیوی) یعنی میں اگر فلاں کام کروں تو میں نے اپنی بیوی چھوڑی] تو اس پر کیا فتویٰ لاگو ہوگا؟

مخدوم حامد اٹھی نے اسکا یہ جواب لکھا کہ: مرحوم شیخ احمد کے بیان اور مرحوم ضیاء الدین کی تحریر کے مطابق 'شرع کی قسم' اٹھانے سے 'طلاق بائن' واقع ہوگی۔ 'چھوڑ دی' کہنے سے بھی علماء درہیلہ کے فتویٰ کے مطابق ایسا ہی (طلاق بائن) ہوگا، لیکن علماء ٹھٹھ کے فتویٰ کی رو سے 'طلاق صریح' واقع ہوگی۔ (۱)

مخدوم عثمان معلوی (وفات ۲۰ ذی الحج ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۵ء):

مخدوم عثمان میاروی نے سندھی میں کھائی گئی ایسی قسم پر مزید غور و فکر کیا اور اس کے متعلق اپنے فتویٰ میں ایک شرط یہ عائد کی کہ اس قسم کے قول یا قسم سے طلاق تب لازم آئے گی جب شہر نے اپنے الفاظ کو خصوصی طور پر اپنی بیوی کے ساتھ متعلق کیا ہو، بصورت دیگر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ مثلاً "اگر کسی مرد نے سندھی زبان میں کہا کہ: مجھے تین طلاقیں اگر میں یہ کام کروں" (۲)

اور پھر اس نے وہ کام کر لیا تو طلاق لازم نہیں ہوگی کیونکہ اس نے (ان الفاظ میں) طلاق کو اپنی بیوی کے ساتھ متعلق (منسک) نہیں کیا [یعنی بیوی کا اس نے ذکر نہیں کیا]۔

(۱) اصل الفاظ یوں ہیں: "از تقریر مرحوم احمد و تحریر مرحوم ضیاء الدین مفہوم شد کہ مراد از 'مؤکد شرع' طلاق بائن و از 'چڈی' نزد علماء درہیلہ ہمیں مراد است و نزد علماء جتہ طلاق صریح۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ الفقیر حامد"

(۲) اصل عبارت یوں ہے: "لوقان الزوج باللفظ السندیہ 'مون کی تہی طلاقون جی ہی کم کر بان' ثم لعل ذالک الفعل لم يقع الطلاق لانه لم یصف الطلاق الی الامراة"

میاں عبدالواحد متعلوی:

بعد میں علماء شیری نے مخدوم عثمان کے فیصلہ کو قائم رکھا اور میاں عبدالواحد نے اپنی درج ذیل عبارت میں تفصیل کے ساتھ سمجھایا کہ اس قسم کے الفاظ کہنے سے قسم لاگو ہوگی اور نہ ہی طلاق واقع ہوگی:

جیکو چوء تہ جي فلانو کم کئم تہ منکي مصحف چکندو  
کم متي کم منٺيا مصحف کم الحمد کم کلمو آہ تہ  
کرن سان ان کمجي قسم نہ پوندو پر سببانہ  
تعظيم ڏين مصحف کم الحمد ک کلميجي کنھڪار  
ٿندو تنھڪري اگيا اللہ تعاليٰ جي سچ سان توبہ استغفار ڪري ۱۲ میان عبدالواحد متعلوي  
میاں عبدالواحد کا یہ فتویٰ اڈیرو لعل کے مشہور عالم سید علی محمد شاہ (وفات ۱۹ محرم  
۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء) نے اپنے قلمی 'بیاض سیدی' میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ اصل  
عبارت کا رسم الخط یہی تھا یا سید علی محمد شاہ نے اسے اس طرح لکھا۔ البتہ موجودہ رسم الخط میں یہ  
عبارت اس طرح ہوگی:

جیکو چوي تہ جي فلاٺو کم کيم تہ مون کي مصحف چکندو ک مون تي،  
ک مون پٺيان، مصحف ک الحمد ک کلمو آہ تہ کرن سان ان کم جي قسم نہ پوندو  
پر سببان نہ تعظيم ڏين مصحف ک الحمد ک کلمي جي گئھگار ٿيندو۔ تنھڪري  
اڳيان اللہ تعاليٰ جي سچ سان توبہ ۽ استغفار ڪري۔ (۱)  
مخدوم عبدالواحد نے مزید وضاحت اس طرح کی کہ:

قسم کی تین اقسام ہیں: ایک لغو، دوسری غوس، تیسری منعقد۔ قسم کی اس پہلی قسم کی رو  
سے قسم نہیں ہوگی۔ اسی طرح دوسری قسم کی رو سے بھی قسم واقع نہیں ہوگی لیکن اس تیسری قسم کی  
قسم دلانے والا دوزخی ہے اور اس میں توبہ و استغفار لازم ہے۔ اور اقسام قسم کی تیسری قسم کی رو

(۱) مصحف چکندو مصحف چکھیرا = قرآن شریف جلایا: ک = یا، مون تي = میرے اوپر، میرے خلاف: مون پٺيان =  
میرے پیچھے، میرے خلاف: استغفار = بخشش کے لیے دعا۔ '۱۲' کے عدد سے مراد یہ ہے کہ یہاں پر اصل عبارت ختم ہوئی یا  
مکمل ہوئی۔

(جو شخص کہے کہ اگر فلاں کام میں نے کیا تو مجھے مصحف چکھیرا یعنی بجائے گا یا مجھ پر یا میرے خلاف مصحف یا  
الحمد یا کلمہ ہے تو اس کام کے کرنے سے اس پر قسم لازم نہیں آئیگا البتہ مصحف یا الحمد یا کلمے کی تعظیم نہ کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار  
ہوگا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے خلوص دل کے ساتھ توبہ و استغفار کرے۔)



سے تمام صورتوں میں یہ قسم واقع ہو جائے گی (۱)۔ [بیاض سیدی] مندرجہ بالا عبارات کے رسم الخط خواہ ان میں استعمال شدہ الفاظ و اصطلاحات سندھی رسم الخط اور عام زبان کے مطالعہ کے لحاظ سے اہم ہیں؛ مگر اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ سندھی علماء نے فتاوے اور شرعی فیصلے پہلے عربی میں، اس کے بعد عربی اور فارسی میں اور بالآخر سندھی میں لکھنے شروع کیے۔ سندھی نثر کی یہ ادائیگی عبارتیں تھیں جو کہ ضبط تحریر میں لائی گئیں۔

(ج) سگائی کے وقت، کہہ گئے جملے:

مخدوم عبدالواحد سیدستانی کی بیاض میں درج ذیل سندھی گفتگو اور اس کے متعلق مخدوم صاحب کا شرعی فیصلہ لکھا ہوا ہے کہ: مخدوم جعفر بوبکانی کی کتاب 'ممتانہ' (۲) کی تصدیق کے مطابق درج ذیل صورت میں نکاح کا حکم لاگو ہوگا۔

لڑکی کے والد نے سندھی زبان میں نوجوان سے کہا کہ: ”ابا یار مہنجا سہی ملک تہنجی“  
 ”من کرنی ساکی“ [ابا یار منہنجا، شی (نیائی) ملک تہنجی مون کرنی سا کی]  
 [میرے بیٹے! جو چیز (بیٹی) تیری ملکیت میں دینی تھی وہ دے دی۔]  
 سامنے سے اس نوجوان نے بھی سندھی زبان میں یوں جواب دیا کہ:

”من مٹی تی، جی“

[= میں نے اپنے سر تسلیم کی]

تب لڑکی کے والد نے دوبارہ اس نوجوان کے ماں باپ سے سندھی میں کہا کہ:

”ہارِ وسپاہ“

[ہاں وسپہا = اب یقین آیا]

مندرجہ بالا گفتگو واقعی دو فریقوں کے درمیان ہوئی یا مخدوم صاحب نے اسے بطور مثال

(۱) اصل میں ہیکڑو (ہیکڑو = ایک) کے بجائے 'ہیکرو' ہے۔ پیم = دوسرے میں؛ ڈآرندر = دلائے والا؛ دوزم = دوزخ میں؛ تہی قسم = تیسری قسم

(۲) اس کتاب کا مکمل نام "الممتانہ فی مرمۃ الخزانۃ" ہے۔ یہ کتاب فقہی ابواب پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے۔ دراصل یہ کتاب ہجرات کے مشہور حنفی عالم قاضی بکن التوتی ۹۲۰ھ کی کتاب "خزانۃ الروایات" کی تصحیح و تفسیر ہے۔ کیونکہ قاضی بکن کی خزانۃ الروایات احناف کے نزدیک غیر معتبر روایات کی وجہ سے غیر مستند کتاب تصور ہوتی تھی۔ علامہ بوبکانی نے اس سے کثرت روایات نکال کر اور غیر معتبر مسائل کو حذف کر کے ان کی جگہ پر "مفتی بھا" مسائل اور قوی روایات درج کر کے علماء کے نزدیک اسے تحقیق اور مستند کتاب بنادیا۔ جس کے بعد سندھ کے بڑے بڑے علماء مثلاً مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی، قاضی محمد اکرم نصرپوری اور مخدوم عبدالواحد سیدستانی وغیرہ نے اس کتاب سے استشہاد کیا۔ یہ کتاب علامہ غلام مصطفیٰ قاضی صاحب کی تحقیق اور تعلیقات اور مسموطہ مقدمہ کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ، کراچی کی جانب سے سنہ ۱۳۸۱ھ تا ۱۹۶۳ء میں شائع ہو چکی ہے۔ (مترجم)

پیش کیا البتہ یہ الفاظ مخدوم صاحب ہی کے دور کے ہیں یعنی ان کے سالِ وفات (دسویں صدی ہجری کے آخر) سے پہلے کے ہیں، جن پر شرعی نقطہ نظر سے سوچا گیا اور فیصلہ دیا گیا۔

(د) وہ الفاظ جن کے کہنے والے کو مسلمان تسلیم کیا جاسکے:

سندھ کے اکثر قبائل پرانے وقتوں سے ہی اسلام قبول کر چکے تھے، باقی دیگر غیر مسلم قبائل میں سے بھی بعض تمام کے تمام کنبے یا کچھ تنہا افراد اسلام قبول کرتے رہے۔ ابتدا میں لوگ اسلام کا اقرار کس طرح کرتے تھے وہ معلوم نہیں، لیکن مغلیہ حکومت کے آخر سے لے کر تالپور امراء کے دور (یا اس سے بھی بعد) تک ایک طریقہ یہ تھا کہ غیر مسلم شخص کسی بھی طرح سندھی میں بالواسطہ طور پر ایسا اظہار کرتا تھا جس سے اس کے اپنے ارادے کے ساتھ مسلمان ہونے کی تصدیق ہوتی تھی، لیکن اس طرح کی نیت و ارادے کی تصدیق کرنے کے لیے سندھ کے علماء نے غیر مسلم کے ان کہے ہوئے جملوں پر غور و خوض کیا تاکہ صرف سچی نیت ہی سے اس طرح کے جملے کہنے والا شخص اسلام میں داخل شمار ہو۔ اس سلسلے میں درج ذیل قسم کے سندھی الفاظ اور جملے کم از کم بارہویں صدی ہجری/سترہویں صدی عیسوی سے زیر بحث رہے۔

☆ ایک ہندو شخص نے آکر بتایا کہ فلاں گاؤں کے ہندوؤں سے میں نے بات کی اور میں نے انہیں بتایا کہ:

اَوَانْ وَاَنِکِیْ وَاَنِیْ کَا جُدا آہیان

[= اوهان (جی) وائکی وائی کان جدا آہیان] تمہارے ہندو اہ گروہ سے میں جدا ہوں۔

مندرجہ بالا جملے میں لفظ ”وائی“ کی تشریح کی گئی کہ: سندھی زبان میں اس کے معنی ’زمرہ‘ یا ’جماعت‘ ہے (۱)۔

☆ ایک سوال پوچھا گیا کہ: ایک مسلمان نے دورانِ گفتگو یہ کہا کہ: آسمان اور زمینیں خدا اور خدا کے رسول

کی ہیں۔ جس پر وہاں بیٹھے ہوئے ایک غیر مسلم نے کہا کہ:

”اَوُنْ پَن اُنْہِم جُوہ آہیان“

[= آئون پن انہین (انہن بنھی) جوئی آہیان]

(میں بھی انہی دونوں کا ہوں)

(۱) ’بیاض ہاشمی‘ (راقم کی لاہریری کالمی نثر)

اس صورت میں ان الفاظ کہنے سے اسے مسلمان کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ: ایسی صورت میں فقط شرعی ثبوت کے بعد ہی اسے مسلمان کہا جاسکتا ہے۔

مزید یہ کہ اس جملہ میں موجود لفظ 'انہیں' (انہم) کے مفہوم کی یوں وضاحت کی گئی کہ: سندھی زبان میں لفظ 'انہیں' اسم اشارہ خواہ ضمیر دونوں کے لئے مشترکہ طور استعمال ہوتا ہے اور اسم اشارہ 'ذات' یا

'وصف' دونوں پر صادق آتا ہے (۱)۔

☆ اگر کوئی غیر مسلم شخص کسی مسلمان سے مخاطب ہو کر درج ذیل الفاظ کہے تو کیا وہ مسلمان ہوا یا نہیں؟

”تہ آء پانر تابع پیغمبر جو آہیان“

[= آء پان تابع پیغمبر جو آہیان = کہ میں خود پیغمبر کا تابع ہوں]

☆☆☆

آن تو جھرو آہیان دیری شہر مین

[= اُن (آء) تو جھڑو آہیان دیری جی شہر مہر]

[= میں تجھ جیسا ہوں دیرہ شہر میں]

☆☆☆

یمان منجو جاء آہی [= ایمان منہنجو جاء آہی]

[= ایمان میرا ٹھکانے ہے]

☆☆☆

بی ایمان تَن آہی آء ساُن ایمان آہیان

[= بی ایمانہ تون آہین آء ساُن ایمان آہیان]

[= بے ایمان تو ہے میں ایمان سے ہوں]

☆☆☆

اَنَا راھو آو آوتہ آو دھری

اَنَا راھو آو اُنر آو آوتہ

(۱) اصل عبارت یوں ہے: ”لن لفظ 'انہم' فی لسان السنڌیة مشترک بین اسم الاشارة والضمیر و اسم الاشارة اخذ فیہ الذات مع الوصف“ بیاض عبدالواحد سیوہانی، لائبریری سندھ یونیورسٹی

[= آء راھو یا اونو یا ڈاھری آھیان، آء راھو یا انڑیا اونو آھیان]

[= میں راھو یا اونو یا ڈاھری ہوں]

[میں راھو یا انڑیا اونو ہوں]

☆☆☆

’دعا کجاء تا اللہ تعالیٰ منکي پن ایمان جي سلامتي ڏي‘

[= دعا کجاء تہ اللہ تعالیٰ مون کي بہ ایمان جي سلامتي ڏئي]

[= دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ایمان کی سلامتی عطا فرمائے]

کسی غیر مسلم کی زبان سے اس قسم کے الفاظ ادا ہونے کی صورت میں علماء کے درمیان اختلاف رہا۔ ہنگو رجب کے مخدوم عبدالرؤف اور بعض دیگر علماء کی نظر میں ایسا شخص مسلمان ہو چکا۔ لیکن اکثر علماء اس سے کلی طور پر متفق نہیں ہوئے۔ ’بوبک‘ کے مخدوم حامد، نصرپور کے علامہ عبدالرحمن نے (اس طرح کے الفاظ کہنے والے کی نیت و ارادہ کے ثبوت کے لئے) مزید تشریح کی، نیز مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے فتویٰ دیا کہ اس قسم کے ادا کیے گئے جملوں کی صورت میں الفاظ کے مقصد کو متعین کرنا ضروری ہوگا (کہ کہنے والے کا اصل مقصد یا ارادہ کیا ہے)۔

ملتان اور اس سے بھی اوپر پنجاب تک سندھی زبان کے ثقافتی دائرہ کا وسیع ہونا:

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سہ دور میں سندھ کے قوالوں اور ذاکروں نے ملتان سے لے کر پنجاب میں لاہور تک اپنے دلپذیر نعمات سے محافل سماع برپا کیں اور وہاں کے اہل دل صوفیاء اور بزرگوں کے حلقوں کو سندھی زبان سے روشناس کرایا۔ سندھ میں سماع کا سلسلہ سومرہ دور میں ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) سے شروع ہوا اور آئندہ تین سو برس میں وہ اپنے عروج کو پہنچا۔ سندھ کے قوالوں اور ذاکرین نے سہڑھی منظوم اصناف ’انبات‘ (اشعار) اور ’قوانی‘ یا سندھی موسیقی کے نعمات خصوصاً ’کافی راگ‘ کو محافل سماع کے ذریعے سندھ اور ملتان کے مرکزی خطہ اور اوپر کی طرف پنجاب تک مشہور و متعارف کروایا۔ انہوں نے غوث بہاؤ الدین زکریا اور شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر (۱۲۷۵-۱۳۶۵ ع) کی محافل سماع میں نقشہ سرائی کی۔ امیر خسرو جو کہ کم از کم پانچ برس (۶۷۸-۶۸۳ھ) ملتان میں رہے، وہ بھی وہاں کی محافل سماع سے متاثر ہوئے اور انہوں نے سندھی قوالوں کے گائے ہوئے ”کافی راگ“ کو دہلی تک پہنچایا۔ اس کے بعد سلسلہ سماع غوث صاحب کے جانشینوں، خلفاء اور محققین کے حلقوں میں جاری رہا اور آئندہ دسویں برس تک ذاکرین اور قوال ہی اس کے سالار رہے۔

پندرہویں/ سولہویں صدی عیسوی میں انہوں نے لاہور میں شیخ عبدالجلیل اور ان کے جانشینوں کے حلقوں میں محافل سماع پائیں اور فارسی کے ساتھ سندھی کلام گایا۔ اسی دور میں کچھ سندھی بزرگوں اور درویشوں نے مشرقی ہندوستان میں برہانپور کو آباد کیا تھا جہاں پر انہوں نے سماع کا سلسلہ قائم کیا۔ وہاں کے ایک ذاکر درویش ’لاڈ‘ یا ’لدھو سندھی‘ (۱۵۲۳-۱۵۹۸ء) سندھی کافیاں ایسے سوزگداز سے گاتا کہ نہ صرف خود بے خود ہو جاتا بلکہ سامعین بھی محو و سرور ہو جاتے تھے۔ اسی دور میں قاضی قادن کے اشعار سندھ سے باہر برہانپور تک مشہور ہوئے۔

اسی دور میں سندھ میں سماع کا سلسلہ وسیع ہوا اور دسویں گیارہویں صدی ہجری (۱۵/۱۶ویں صدی عیسوی) کے عرصے میں وہ عروج کو پہنچا۔ ’ہالہ کنڈی‘ کے بھٹی بزرگ، حضرت بہاول الدین زکریا کے خلفاء و مریدین تھے، جو سماع کا بڑا ذوق رکھتے تھے یہاں تک کہ درویش مخدوم احمد بھٹی نے سال ۹۳۶ھ/ ۱۵۳۰ء میں سماع کے سوز و گداز میں ہی وصال فرمایا۔ ٹھٹھہ میں سید میاں علی شیرازی ثانی (۸۹۱-۹۸۱ھ/ ۱۴۸۶-۱۵۷۳ء) محافل سماع کے سالار تھے اور مکی کی خانقاہوں پر سماع کراتے تھے۔ دوسری طرف میاں شاہ کریم (۹۴۳-۱۰۳۲ھ/ ۱۵۳۷-۱۶۲۳ء) کے حلقہ میں سندھی ذاکرین اور قوالوں نے سندھی اشعار، کافوں اور کلام کو بڑے سوز و گداز سے گایا؛ ایک مجلس میں میاں شاہ کریم ان کے سماع و سرود سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بطور قدر دانی اپنی دستار اور چادر اتار کر قوال کو پیش کر دی۔ اسی دور میں میر محمد معصوم بکھری کے بڑے بھائی میر محمد فاضل نے سندھی کافی کو دہلی اور آگرہ کی طرف متعارف اور مشہور کرایا اور وہاں کے درباری گوئیوں کو سندھ کے ’کافی راگ‘ سے روشناس کرایا۔ ’ذخیرۃ الخوانین‘ (سال تصنیف: ۵۱-۱۶۵۰ء) کے مصنف شیخ فرید بکھری نے لکھا ہے کہ میر محمد فاضل ’سندھی زبان کی قافی نہایت عمدہ گاتے اور اس میں انہیں مقبولیت حاصل تھی‘ (۱)۔ ظاہر ہے کہ ’قافی‘ سندھی زبان کا ’شعر‘ خواہ ’راگ‘ تھا۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ ساتویں سے گیارہویں صدی ہجری (تیرہ سے سترہویں صدی عیسوی) کے چار سو سالہ طویل عرصے میں سندھی ’شعر‘ اور ’قافی‘ نظم یا سندھ کا ’کافی‘ راگ، سندھ اور ملتان سے بہرِ شمال کی جانب پنجاب (لاہور) تک، مشرق کی جانب برہانپور تک، اور وسط ہندوستان میں دہلی اور آگرہ تک مشہور ہوئے۔ ’ذخیرۃ الخوانین‘ کے سندھی مصنف کے علاوہ ۱۶/۱۷ویں صدی میں باہر کے دوسرے مصنفین و منتقدین نے بھی تسلیم کیا کہ سندھ کا خاص راگ ’کافی‘ ہے اور یہ نہایت شیریں اور پر سوز راگ ہے۔ مصنف خیر غوثی جنہوں

(۱) شیخ فرید بکھری: ’ذخیرۃ الخوانین‘ پاکستان ہسٹاریکل سیرائی کراچی، ۱۹۶۱ء جلد اول، ص: ۱۰۱۔ ’شعر زبان سندھی از قسم کافی بہ کمال فصاحت، کثرت و قبولیت داشت‘

نے اپنی کتاب ”گلزار ابرار“ (سال تصنیف: ۱۷۰۵-۱۶۱۳ء) میں شیخ ’مدھو سندھی‘ کے برہانپور میں سوز و گداز سے ’کافیاں‘ گانے کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ: ’کافی‘ سندھ کے مقبول راگوں میں سے ہے؛ (۱)۔ ابوالفضل نے اپنی مشہور کتاب ’آئین اکبری‘ میں راگ کے متعلق ایک تحقیقی باب لکھا ہے؛ اور ہر ملک اور ہر صوبے کے مخصوص مقامی راگ کا نام دیا ہے، اس نے واضح طور پر تحریر کیا ہے کہ ’کافی‘ خاص سندھ کا راگ ہے جس میں مہر و محبت کا جادو سما یا ہوا ہے (۲)۔

۱۳ویں سے ۱۷ویں صدی عیسوی تک سندھی ’اشعار‘ اور ’قافیوں‘ نیز سندھی راگ ’کافی‘ کی یہ دیس بدیس شہرت صوفی علماء اور اہل دل درویشوں کی محافل سماع کے ذریعے ہوئی، نیز ان کے حالات زندگی اور ملفوظات میں سماع اور راگ، کلام اور قافیوں، اشعار اور دوہوں کا ذکر آیا ہے۔ ’سندھ کا راگ کافی‘ اس دور میں اس قدر مشہور و مقبول ہوا کہ اس کا اثر نہ صرف سندھ اور پنجاب کے مسلمان صوفیاء اور درویشوں پر پڑا بلکہ دیگر پیشوایان عقائد پر بھی اس کا اثر ہوا۔ مثلاً ایک طرف لاہور کے صوفی درویش سید شاہ حسین (۱۵۳۹-۱۵۹۳ء) (۳) نے اپنے جذبات و

(۱) ”اذکار الابرار“ اردو ترجمہ ”گلزار ابرار“ مطبوعہ آگرہ، ۱۹۳۶ء، ترجمہ کے اصل الفاظ یوں ہیں: ”کافی سندھ کے مقبول راگوں میں سے ہے“، ص: ۲۴۳

(۲) ”ڈانچہ در سندھ گویند“ کافی، نام بود درو بسا افسون مہر و محبت [دیکھئے آئین اکبری، تصحیح ایچ لکھن، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۷ء، جلد سوم، ص: ۱۲۴]

(۳) آپ کے والد کا نام شیخ عثمان تھا، جو لاہور کے نکسالی دروازے سے باہر ”فل بجھ“ محلے میں سکونت پذیر تھے اسی محلے میں سن ۱۵۸۵ھ/۱۱۸۳ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے جد اعلیٰ ”نکس رائے“ یا باختلاف روایت ”نکس رائے“ قوم ’دھڑی‘ نے فیروز شاہ تغلق کے عہد (۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) میں اسلام قبول کیا۔ بعض حضرات کے بقول آپ ذات کے ’جلاہا‘ تھے آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے محلے کی مسجد کے امام حافظ ابوبکر سے حاصل کی، دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا، بعد میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابیں بھی پڑھیں اور مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ بہلول دریائی (حضرت امام بری شاہ لطیف کے مرید اور خلیفہ، چنیوٹ ضلع جھنگ میں مدفون) سے بیعت ہوئے، جنہیں سیاحت کے دوران مشہد (ایران) میں حضرت سیدنا امام رضا کے مزار سے شاہ حسین کو لاہور آکر بیعت کرنے کا حکم ملا تھا۔ چھتیس برس کی عمر میں مشہور عالم شیخ سعد اللہ لاہوری سے تفسیر مدارک پڑھنے گئے، آیت مبارکہ: و ما الحيوة الدنيا الا لہو و لعب کی تفسیر پر پہنچتے ہی آپ پر مجذوبانہ کیفیت طاری ہو گئی اور اپنی تمام کتابیں مسجد کے کنویں میں ڈال کر کتب سے باہر آ گئے اور ایک طویل عرصے تک مجذوبیت اور بے خودی کی کیفیت میں رہے، اس کے باوجود بھی عوام و خواص انہیں خدا رسیدہ ولی سمجھتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس دور کے فاضل اہل علامہ عبدالحکیم سیکوٹی بخشی تفسیر بیناوی نے آپ سے مرید ہونے کی درخواست کی لیکن شاہ حسین نے انہیں ہاتھ جوڑ کر یہ کہتے ہوئے ٹال دیا کہ: مولانا! کیوں مجھے شہر میں خود کرنا چاہتے ہیں!

ڈاکٹر سید نذیر احمد نے ایک روایت یہ بھی لکھی ہے کہ شاہ حسین زندگی کے آخری ایام میں اس جذب اور سرمستی سے دوبارہ سلوک کی طرف لوٹ آئے تھے اور شریعت کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔ آپ نے جمادی الثانی ۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء میں وصال فرمایا اور آپ کے نو مسلم مرید ماحولال آپ کے جانشین ہوئے، آپ کا مزار باغبان پورہ لاہور میں مرجع خلافت ہے۔

دیکھیے: ’لاہور میں اسلام کے سفیر‘ ص: ۱۲۱-۱۲۲

’پنجابی زبان و ادب‘ ص: ۱۰۸-۱۱۲

خیالات کا اظہار 'کافیوں' کے ذریعے کیا تو دوسری طرف بھگت بابا گرو نانک نے اپنے کلام میں 'کافی' نظم اور راگ کو اختیار کیا اور سندھ کی روایت کی رو سے اس نظم کو سندھی محاوروں (لہجوں) میں رچنے کی کوشش کی۔

### سکھ گروؤں کے کلام میں سندھی الفاظ اور فقرے:

'آد گرنٹھ' یا 'آد بیڑ' جسے 'ٹھری گرو گرنٹھ' بھی کہا جاتا ہے، سکھوں کی پوتر پوتھی (مقدس کتاب) ہے۔ جسے سکھوں کے پانچویں گرو ارجن دیو نے اکبر بادشاہ کے دور میں سبت ۱۶۶۱ (۱) مطابق ۱۶۰۳ء میں مرتب کیا: یعنی کہ اس میں اس نے گرو نانک اور اس کے بعد کے دیگر تین گروؤں، دیگر بھگتوں، ڈوموں کا اور اپنا کلام جمع کیا۔ گرو نانک (۱۳۶۹-۱۵۳۹ء) سمہ دور کے آخر میں تھا، لیکن اس نے سمہ دور کے اختتام کے ۱۹ سال بعد ارغون دور میں انتقال فرمایا۔ اس کے جانشین، یہاں تک کہ گرو ارجن، جس کا کلام 'گرو گرنٹھ' میں شامل ہے، وہ بھی تاریخ سندھ کے مطابق ارغون-ترخان دور ہی میں ہو گزرا۔ اس لحاظ سے 'گرو گرنٹھ' میں جمع کردہ کلام کا ذخیرہ بھی اس دور کا یا اس سے بھی پہلے کا ہے، کیونکہ 'بھگت' جن کا کلام گرنٹھ کے 'بھوگ' (۲) کے حصے میں شامل ہے ان میں سے کچھ پہلے ہو گزرے ہیں؛ کبیر اور بابا فرید کو بھی بھگت لکھا گیا ہے اور ان کا کلام 'بھوگ' کے حصے میں شامل کیا گیا ہے۔

'گرو گرنٹھ' میں شامل کلام میں سنسکرت، ہندی، راجھستانی، پنجابی وغیرہ زبانوں کے الفاظ، اصطلاحات، فقروں اور مصرعوں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے، مگر اس کے کچھ حصوں میں سرائیکی اور دوسرا منظوم کلام بھی شامل ہے جس میں سندھی الفاظ اور فقرے موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس دور میں سندھی اور سرائیکی زبانوں کی اہمیت کے پیش نظر ہی گرو نانک اور دوسروں نے سرائیکی اور سندھی رنگ میں کلام کہنے کی کوشش کی۔ گرو نانک سے دو اڑھائی سو سال پہلے کا دور مسلم صوفیاء اور درویشوں کے اثر و رسوخ کا دور تھا، جس میں لوگوں کی روحانی و اخلاقی تربیت کی خاطر ذکر و سماع (راگ) کے سلسلے جاری رہے؛ اسی دور میں سندھی ذاکرین نے 'قافیاں' اور اشعار گائے، اور صوفی درویشوں کی محافل سماع کے ذریعے سندھی اشعار اور قافیاں یا سندھ کا راگ 'کافی' اور دیگر نعمات ملتان سے اوپر پنجاب تک مشہور ہو گئے۔ گرو نانک پر بھی صوفی درویشوں کے اسی ماحول کا اثر ہوا۔ "جنم ساکھی" میں درج سکھوں کی ایک روایت کی رو سے، گرو نانک خود علاقہ

(۱) اصل الفاظ یوں ہیں: "سوچی پتر پوتھی دا تنکرا راگان کا سمت ۱۶۶۱ مٹی پادو ودي ایکم بوتھی لک پھچنی" یعنی کہ سبت ۱۶۶۱ کے ماہ بھادوں میں پوتھی لکھ کر مکمل ہوئی۔

(۲) پرشاد = تہرک، نذر، دیوتاؤں پر چڑھاوا (مترجم)

شکارپور میں آیا تھا (۱)۔ اگر یہ روایت درست ہے تو پھر شمالی سندھ میں آنے اور وہاں کچھ ایام قیام کرنے کے دوران گرو نانک سندھ کی قافیوں، کلاموں اور سندھ کے راگوں سے متاثر ہوا۔ 'گرو گرنتھ' کے کلام میں بھی فکری لحاظ سے سندھ کے راگ کی روایت کا اثر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ مثلاً 'کانی' جو کہ اصل میں خالص سندھی نظم 'قانی' ہے جس سے 'کانی' راگ پیدا ہوا (۲)، وہ 'گرو گرنتھ' میں دی گئی بعض نظموں کے لیے بطور عنوان لائی گئی ہے؛ دوسرا یہ کہ جن اکتیس راگوں کے نام 'گرو گرنتھ' میں آئے ہیں، ان میں سے کم از کم چودہ راگ ایسے ہیں جو یا تو سندھ-ملتان کے علاقے میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے، یا انہی علاقوں میں زیادہ مقبول ہوئے۔ ان میں سے ماجھ، بھاگڑا (وہاگڑو)، سورٹھ، دھنا سری اور پر بھاتی بطور خاص سندھ کے راگ ہیں؛ دوسری طرف سُرسری راگ، سارنگ، آسا، تلنگ، جیتھری، بلاول، رامبکی اور بسنت سندھ اور ہند کے وہ مشترک راگ ہیں جو سندھ خواہ ہند میں مقبول ہوئے اور عام رائج ہوئے (۳)۔

ذیل میں 'آد گرنتھ' یعنی 'گرو گرنتھ' میں شامل گرو نانک اور گردارجن کے کلام میں سے کچھ نظمیں دی جاتی ہیں، جن میں سرائیکی کی آمیزش سے سندھی الفاظ اور فقرے استعمال کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بابا فرید کے دوہوں (جن کی ترتیب میں خالص سندھی 'شاعری' کا اثر نمایاں ہے) کے زیر اثر سکھ گروؤں نے بھی اپنے بعض دوہوں میں 'وسطی قافیہ' کی ترتیب اختیار کی ہے۔

### ☆ گرو نانک کی قافی:

'گرو گرنتھ' کے حصہ چہارم میں (جو اکتیس راگوں کے عنوان سے مزین ہے) 'راگ مارو' کے اختتام پر 'کانی' کے عنوان سے گرو نانک کے نو عدد دوہے درج ہیں جن میں سے پہلے دو 'مطلع' کے طور پر اور اس کے بعد سات دوہے گویا مصرعوں کے طور پر لائے گئے ہیں۔ ان دوہوں کی لڑی کا عنوان 'کانی' محض رسی ہے، اور غالباً سندھی 'کانی' کے سننے ہوئے نام کے تتبع

(۱) ساکھی نمبر: ۱۶۶ میں بتایا گیا ہے کہ: "پھر گرو نانک شکارپور کی سرزمین میں آئے وہاں نورنتر (۲) نامی قبائلی (قصاب) ذات کا ایک شخص بکریاں چرا رہا تھا، اسے دعا دی۔ داؤد نامی شخص ایک نالیچ بن کر لے آیا اسے گرو نے کہا کہ: یہ کئی کے بچوں (پٹوں) پر ڈال دو کہ وہ سردی سے مر رہے ہیں اور انہیں پوری اور طیدہ (چورما) بھی کھلاؤ تو تمہاری آس برآئے۔ داؤد کی یہ آس تھی کہ: میرے گھر اولاد زیادہ ہو اور میں سکھی ہو جاؤں۔ گرو نے اس سے کہا کہ سادھوؤں کی خدمت کرتے رہو۔" [نسب ٹوٹ ڈوڑی جنم ساکھی سمت نانک شانی ۵۴ بھائی بالا والی، بکری ۱۹۹۶، جے۔ ایس سنت سنگھ اینڈ سنز، تاجران کتب، چوک نئی لاہور، بار سوم (۱۹۳۹ء)۔]

(۲) دیکھیے ہماری کتاب "سندھی موسیقی، جی مختصر تاریخ" مطبوعہ شاہ عبداللطیف بھٹ شاہ ثقافتی مرکز، بھٹ شاہ حیدرآباد



میں ہے، کیونکہ 'مطلع' کے بعد لائے گئے دوہوں کے قوافی 'مطلع' والے دوہوں کے قافیوں سے نہیں ملتے۔ مگر چونکہ مقصد سندھی صنف 'کانی' کو لانا تھا، اس لئے اس کی زبان میں بھی سندھی الفاظ اور فقرے استعمال کیے گئے۔ ذیل میں اس 'کانی' کا مطلع اور اس کے بعد لائے گئے سات دوہوں میں سے پانچ دوہے درج کیے جاتے ہیں (۱)۔

”مارو کانی محلہ، گھر ۲“

(مطلع)

- ۱- آوو وچو دُبُنْہی کِیتی مِتْر کریو
  - ۲- ساڈن یوئی نہ لہی (۲) وادی کیون تیری (۲) ہو
  - ۳- میڈا مَن رَنا آپہی (۲) پرنال
  - ۴- ہون گھول، گھمانی کِیتی (۲)، ہک پوری ندر نہال
- (مصرعے)

- ۵- پیٹھڑی ڈھاگپئی، ساہڑی کیون جاء
- ۶- میگل اوگن منڑی، بن پر جھور مراء
- ۷- بھیتڑی پر سملان، ساہڑی گھر واس
- ۸- سک سرند سھاگپئی، پر پایا گن تاس
- ۹- لیٹ نہالی پت کی، کا پڑ انگ بٹاء
- ۱۰- پر مٹی ڈھاگپئی بن ڈکی ریٹ وھاء
- ۱۱- کیتی چکو ساڈڑی، کیتی ویس کریو
- ۱۲- پر بن جو بن باد گیم، وھڈی جھور بندی جھوریو
- ۱۳- تو پاؤن تو جیہیان، مو جیہیان کتیاں
- ۱۴- نانک نہ ویچڑی، تین سچی رتیزیاں

(۱) ہم نے ابتداء میں یہ متن فارسی-اردو خط میں ”آڈرنتھ“ کے مطبوعہ متن (طالع سنگھ برادرز، بازار مانی سیور، امرتسر) میں پڑھا اس کے بعد ۱۹۶۳ء میں، چند گرو پونیورسٹی کے بھائی ہرنام سنگھ ’شبان‘ راقم سے لندن میں ملے اور ’سٹی-پنچول‘ کے بارے میں اپنے متعلقہ ڈاکٹریٹ کے لیے کچھ نوٹس تک مسلسل معلومات حاصل کرتے رہے۔ اس عرصہ میں ”آڈرنتھ“ کے ’گرمبھی‘ متن (ہڑے سائز کے چودہ سو تیس صفحات پر مشتمل ”آدھری گرو رنتھ صاحب کا“ سنہ ۱۸۹۲ء مطبوعہ لاہور) میں سے اس ’کانی‘ خواہ ذیل میں آئے ہوئے دیگر نظموں کے تلفظ اور معنی کے بارے میں اس سے تصدیق کی گئی، اگرچہ بعض محالی کے متعلق ابھی تک کامل اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ یہ ’کانی‘ آڈرنتھ کے صفحات نمبر ۱۰۱۴-۱۰۱۵ پر موجود ہے۔

(۲) یائے مجہول کے ساتھ ہے۔ (مترجم)

الفاظ کے معنی:

- ۱- بٹھی - ڈومنی عورت (؟) کتی متر کریو = کتنے رشتہ دار بنائے
- ۲- ڈومنی = خبر؛ وادی = رنڈوہ، بیوہ، اکیلی عورت؛ کیون ڈیری ہو = کیسے صبر کرے
- ۳- گھول گھمائی = قربان جاؤں؛ کنبی کیتی = پرزے پرزے کر دیا؛ ہک پوری = ایک گھڑی؛ ندر = نظر؛ نہال = نظر کر، دیکھ
- ۵- پیٹڑی ڈھاگٹی = پیارے (شوہر) کی جدائی، بیوگی
- ۶- میگل = غافل
- ۷- پھیٹڑی پر = محبوب کا پیغام یا قاصد؛ سملان = مجھے یاد آتا ہے
- ۸- سک سرند = سکھ والی؛ گئی تاس = سُھاؤ کا خزانہ
- ۹- لیق = لحاف؛ نہالی = بچھائی؛ کاپڑ انگ بٹاء = کپڑے بدن پر پہنے
- ۱۰- رین = رین = رات
- ۱۱- کتی = کتنے؛ ساڈڑی = طعام
- ۱۲- جو بن باد گیم = جو بن میرا برباد ہو گیا؛ وھڈی = بڑے؛ جھوریندی جھوریو = درد نے زخمی و بے قرار کر دیا
- ۱۳- تو پاون = تجھے راس آئیں؛ توجیہان = تجھ جیسی؛ موجیہان کتیان = مجھ جیسی کتنی]

مطلع کا ترجمہ:

- ۱- آجا کر ڈومنی عورت نے کتنے رشتہ دار بنائے
- ۲- سادھوؤں نے خبر گیری نہیں کی، اکیلی (بیوہ) عورت کس طرح صبر کرے
- ۳- میرا من اپنے محبوب کے ساتھ رنج بس (مانوس ہو) گیا ہے
- ۴- پُرزے پُرزے ہو کر قربان ہو جاؤں، ایک لمحہ کے لیے نظر اٹھا کر تو دیکھ مصرعوں کا ترجمہ:
- ۵- شوہر کی دھیاری سسرال کیسے جائے
- ۶- غافل، خراب لچھنوں میں گرفتار، بغیر محبوب کے گھٹل کر مر جا

- ۷۔ سرال کے گھر لباس پہن کر مجھے محبوب کا پیغام یاد آتا ہے
- ۸۔ سکھ والی سہاگن نے محبوب کے سُہاؤ (خصلت) کا خزانہ پالیا
- ۹۔ ریشمی لحاف بچھا کر بدن پر کپڑے پہنے
- ۱۰۔ محبوب کی طرف سے بدقسمت، منحوس کی رات دکھی بسر ہوتی ہے
- ۱۱۔ کتنے ہی طعام چکھو، کتنے ہی لباس پہنو
- ۱۲۔ محبوب کے بغیر میرا شباب برباد ہو گیا، بڑی بے قراری نے غمگین کر دیا
- ۱۳۔ تجھے تھہ جیسیاں راس آئیں، مجھ جیسی کتنی ہی ہیں
- ۱۴۔ ناک انہیں کوئی فراق نہیں جنہوں نے راتیں سچے مالک کے ساتھ گزار دیں

اس 'کافی' میں مطلع اور مصرعوں کی بنیادی ترتیب موجود ہے مگر اس میں ایک تو مطلع کی بناوٹ مختلف ہے؛ دوسرا یہ کہ مطلع اور مصرعوں کے اوزان اور قافیے ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ گویا ہر مصرع کا وزن مختلف ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سندھ اور ملتان تک محافل سماع اور سندھی ذاکرین کے ذریعے قافیوں اور اشعار کا غلطہ شمالی پنجاب تک پہنچا، اس لیے اس نظم میں کسی حد تک 'کافی' کے مطلع اور مصرعوں کی ترتیب کو اختیار کیا گیا؛ نیز اسے سندھ اور ملتان کی سرائیکی-سندھی زبان کی آمیزش سے آراستہ کیا گیا۔ سرائیکی کے ساتھ درج ذیل الفاظ اور فقرے ایسے ہیں جو آج تک سندھی میں استعمال ہو رہے ہیں۔

وایدی = واندھی = بیوہ؛ نہال = نہار = دیکھ؛ جھور مرآء = جھری مر = گھل کر مر جا؛  
 پھیٹڑی پر سنیران (سملان) = محبوب کا پیغام مجھے یاد آتا ہے، ساھرڑی گھر واس، = ؛  
 ویس کر یو = لباس پہن کر، سرال کے گھر لباس پہن کر؛ وہڈی جھوریندی جھوریو =  
 ڈے جھورنڈے (درد) جھوریو = بڑے درد نے زخمی و بے قرار کر دیا۔

☆ گرو ارجن کے سلوک: (۱)

گرو ارجن (۱۵۶۳-۱۶۰۶ء) کے بعض سلوکوں میں بھی سندھی الفاظ اور فقرے شامل

ہیں:

(۱) سلوک: اے سنکرت میں شلوک کہتے ہیں جس کے معنی ہیں کہادت، کہت، شعر، قطعہ، شعر کا ٹکڑا، گیت، دوبہ، رباعی، مصرعہ، نظم، شعر گوئی، شاعری، دوسطری شعر۔ اور سلوک کے معنی ہیں محبت، قرب، رغبت، راحت، پاسخاطری، ساگی، طریقت، فقیری وغیرہ

دیکھیے: جامع سندھی لغات، جلد چہارم، ص: ۱۶۳۵

(الف) راگ جیتسری کے وار (۱) 'سلوکاں نال' میں بیس 'پوڑیاں' (۲) ہیں اور ہر 'پوڑی' کے آخر میں 'سلوک' ہیں جن میں سے پہلا سنسکرت میں اور دوسرا سرائیکی-سندھی رنگ میں رچا ہوا ہے۔ بطور مثال ان میں سے ذیل کے آٹھ اشعار دیے جاتے ہیں (۳)۔

۲: (۲) (۴) مُک تَلی (۵)؛ پیر اپری (۵) وسندو کو تَڑی تاء

نانک سو ڈَئی کیون وساریو، اڈری جس دی تاء

[مُنہ نیچے، پاؤں اوپر (بچہ ماں کے پیٹ میں) رہتا ہے گندی سی جگہ پر (جب اس کا جنم اس طرح سے ہوتا پھر) ناک! اس مالک کو کیوں بھلایا، جس کے نام نجات سے ہے۔]

۳: (۲) هَب رَنگ مانی (۵) جس سنگ، تیسو لانی (۵) نہ

سو سہ بند نہ ویرو، نانک جن سندر رچیا دہ

[جس کی وجہ سے سب رنگ (تفتیں) حاصل کر رہا ہے، اس سے لو لگا اس مالک (سہ) = شوہر) کو ایک (بند = گھڑی) لمحہ بھی مت بھلاؤ، اے ناک! جس نے سندر صورت (دہ = بدن) بنائی ہے۔]

۴: (۲) تَڑیا سا پریت، جولانی پین سٹو

نانک سچی پریت، سائیں سیتی رتیا

[وہ پریت ٹوٹ گئی جو دوسروں سے لگائی، ناک! سچی پریت (ان کی جو) مالک کے

ساتھ رچ بس گئے۔]

اور سلوک کے معنی ہیں برتاؤ، طرز عمل، رویہ، صوفی۔

دیکھیے: 'جواہر اللغات' اردو، ص: ۴۴۳

راہ روی، نیک روی، راستہ، طریقہ

دیکھیے: 'فرہنگ عامہ' ص: ۳۴۳

اور فیروز اللغات میں ہے کہ اس لفظ کے عربی میں معنی ہیں راستہ چلنا، راہ طے کرنا۔ اور اردو میں معنی ہیں برتاؤ، طرز عمل، رویہ، دوستی، محبت، امداد، بھلائی، نیکی، نیک روی، حق تعالیٰ کا تقرب چاہنا، تلاشِ حق۔

دیکھیے: فیروز اللغات اردو، ص: ۸۰۷

حمید اللہ شاہ ہاشمی پنجابی زبان کے مشہور افسانہ نگار کے تحت "شلوک" کے متعلق لکھتے ہیں: بزرگوں اور صوفیائے کرام کے اداؤں کو "بول" یا "شلوک" کہتے ہیں۔ بیت کے اعتبار سے یہ بیت (دو مصرعوں یا دو سے زیادہ مصرعوں کا شعر) یا شعر ہیں جن میں روایتانہ خیالات بیان کیے جاتے ہیں۔

دیکھیے: پنجابی زبان و ادب، ص: ۹۳-۹۴ (مترجم)

(۱) وار = کسی کی تعریف کا گیت، مہجمن۔ (مترجم)

(۲) پوڑی = شعر کا رکن، مصرع کی دو چار لفظی سطر۔ (مترجم)

(۳) پہلا ہندسہ 'پوڑی' کے عدد کو ظاہر کرتا ہے اور بریکٹ والا عدد 'سلوک' کا ہے۔

(۴) ۲ (۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری 'پوڑی' کا دوسرا نمبر سلوک

(۵) یا نئے مہجول کے ساتھ ہے۔ (مترجم)

۵: (۲) اِیْدَن کیتو مُوگھٹا، پوری دَنیم پاء

مَن وَسَنڈُو سِج سُه، نانک هَبی دَکِڑی اَلاہ

[میں نے ایندھن بہت جمع کیا، آگ اسے میں نے کم دکھائی، مَن سچے مالک کے ساتھ  
آباد ہوا تو اے نانک! سب دکھ ختم ہو گئے۔]

۱۰: (۲) پیکندڑو (۱) کِی پُل، تمان دِسَم سُهٹا

اینا لہندڑو ملہ، نانک ساٹ نہ جلی مایا

[دیکھنے کی بھول، کہ اندران بھی مجھے خوبصورت نظر آیا، وہ آدھی قیمت بھی حاصل نہیں  
کرے گا، اے نانک! دولت ساتھ نہیں چلے گی۔]

۱۱: (۲) لگڑا سونہ، مَن منجھاء رتیا

وڈڑو سِج ٹوک، نانک متڑا سو ڈٹی

[ایسا عشق و محبت ہوا کہ اندر ہی سے مَن (عشق الہی میں) رنگین ہو گیا۔]

سامان سچ کا میں نے سودا کیا، اے نانک! وہ مالک بہت میٹھا ہے (میں نے یہ سچ کا  
سودا پسند کیا)

۱۳: (۲) سیتڑا مَن منجھاء، پلک نہ تیوی پاٹرا

نانک آسڑی نیانی، سدا پیکندو سِج ڈٹی

اندر میں (ایسا) مَن اختیار کر کہ ایک لمحہ کے لیے بھی رازِ فاش نہ ہو، نانک! ہمیشہ سچ  
کے مالک کو دیکھنے والا ہی آرزو پوری کرے گا۔

۱۵: (۲) قِیم نہ سَکَن پاء، سَک مِتی ہو پارِی

نانک سا ویلڑی پروان، جت ملندڑو ماء پری

[قیمت نہ دے سکوں، وہ تخمینہ (اندازے) سے باہر ہے: نانک! وہ اچھی گھڑی (موقعہ)

ہوگی جہاں میرا محبوب ملیگا۔]

(ب) راگ 'ماروجی وار' (۱) کے تحت کچھ 'سلوک' دیے گئے ہیں ان میں بھی  
سرایکی-سندھی رنگ موجود ہے۔

(۱) پیک (پیکھن) کے معنی ہیں دیکنا اور پیک (پیکھ) کے معنی ہیں دیدار یا ملاقات۔ یہ الفاظ سندھ میں پرانے دور سے  
مستعمل تھے، جیسا کہ شاعر امید علی شاہ کے درج ذیل شعر (شاہ عنایت جو کلام، سر دھن ساری، فصل ۵، شعر ۲/ب) سے ظاہر ہے

آہدانی اُجرو، سَنڈ مِ سونہی شیخ

اسانہنجو امید علی چٹی آہی پر سان پیک

وجیو ڈھاڑی ڈیک، کونریجی قتال کی

آگے اسی کلام کے کچھ اور بھی فقرے آئے ہیں، مثلاً چڈیو ہب آپ، (محمد یو ہب آپ = ساری خود ساری  
چوڑی)، وکر = سودا گری کا مال، رکنڈڑ رب آپ (رکنڈڑ رب، آپ = رب خود رکھے گا)۔

مثلاً:

- ۱- تُو چَو سڄڻ مڏيا، ديشي سيس اُتار  
نڀڻ مَهنجي ترسدي، ڪڙ پسي ديدار  
[تُو ڪهه تُو ميرے ساڄن، تجھے اپنا سراتار ڪرڻ ڏوڻ  
ميرے ٽن ترس رهي ٿي ڪب تيرا ديدار ڪرڻ گ-]
  - ۲- نيهو مَهنجو تُو نال، بيا نيهو ڪوڙا وي ڊيڪ  
ڪڙ پيوگ ڊراوئي، ڇڙ پري نه ڊيڪ  
[ميرا عشق تيرے ساٿه ٿي، دوسرا عشق ڇوٽا دکھاو ٿي  
ڪپڙے اور عيش ڏراوئي ٿي، ڇڙ پري نه ڊيڪھا جائے-]
  - ۳- اُئي جھالو ڪٽڙي (۱)، هون پسي توء ديدار  
ڪاڄل، هار، تمول رس، بن پسي (۲) هب رس چار  
[صبح سویرے اٿھ ڪر تيرا ديدار ڪرڻ ڪر ٿا هون  
ڪاڄل، هار، پان ڪي بغير (محبوب) ڊيڪھا سب بیکار ٿي-]
  - ۴- جي تُو بتر آساڏا، هڪ پوري نه ويڇوڙ  
ڇيو مَهنجو توء موڙيا، ڪڏ پسي جاني توڙ  
[اگر تو همارا بتر (مخلص، دوست) ٿي تُو اڪي لمحہ بهي ڇڏي ڪر نه جا  
مير اتون موه ليا، وه نه جانے ڪب محبوب کو ڊيڪھے گا-]
- راقم نے ’گردگرنه‘ میں سے مندرجہ بالا چار سلوک منتخب ڪے تھے، ان ڪے بعد ’خالصه ٹريڪٽ  
سوسائٽي‘ امرتسر ڪي جانب سے گر ڪمهي میں ”ڏکھن مارو وار-مجله ۵“ ڪے عنوان سے شائع ڪر ده اڪي ڪتابچہ  
سے ماخوذ درج ذيل سلوک نظر سے گزرے، وه بهي سنڌي-سرائيڪي رنگ میں رپے ہوئے ٿي (۱)-
- ☆ جا مو پسي هب مير، پري مَهنجو نال  
هي ڊگ لاهيا، نانڪ ندر نهال  
[جييسے ہی میں نے اپنے اندر میں ڊيڪھا (جھانکا) تو (وہاں) مير محبوب ميرے ساٿه تھا،  
اسي ڊيڪھنے نے اے نانڪ! سارے دکھ ختم ڪر ديے-]

(۱) آڏرگرنه: راگ مارو ڪي وار، نلده ۵: ڏکھن ۵، ص: ۱۰۹۴

(۲) يائے مجبول ڪے ساٿه ٿي- (مترجم)

(۳) يه ڪتابچہ بھالي لاهي سگھ ايند ستر نے وزير ہند پريس امرتسر سے طبع ڪر داڪر شائع ڪيا- ہم نے يه ڪتابچہ اپنے دوست محترم  
عين الحق فريد کوئي ڪے ٻاں لا بور میں مؤرخہ ۲۷ جولائي ۱۹۷۸ء کو ڏيڪھا، انھنوں نے بتايا ڪر میں نے يه سلوک اسي ڪتاب ڪے  
لئے ٿي- نيس ڪها ڇا سگھ ڪر يه آڏرگرنه- گردگرنه ڪے متن میں هو بهو اسي طرح لکھے هوئے ٿي يا ان ڪا تلفظ ڪسي اور طرح بهي  
هو سگھ ٿي- ’جنم ساڄي‘ میں بهي اسي قسم ڪا ڪلام موجود ٿي، مگر ده ’آڏرگرنه‘ میں موجود نيس ٿي-

☆ کھڑ پیوگ بکار ای ھی ھی چار

خاک لوڑیدا تن کی، جو رتی دیدار

[کپڑے عیش بیکار، یہ تمام کے تمام کچھ بھی نہیں

انہیں خاک چاہئے (مزید کیا چاہئے) جو لوگ دیدار سے (مالا مال) رنکین ہو گئے۔]

☆ جائو وسندو منجھی، پچائو کو ھی کڑو

تی تنی پڑدا نہی، نانک جی گور پیتیا

[یوں سمجھو کہ وہ من میں ہی بستا ہے لیکن اُسے پہچانتا کوئی ایک ہی ہے، اے نانک! وہ

ان لوگوں سے پوشیدہ نہیں جنہوں نے گرو کو پرکھا، یا گرو کو دان دیا۔]

☆ لوٹن لوٹی ڈٹ، پیاس نہ بچھی مو گھٹی

نانک سی آکڑیان بیانی، جنی دسندو مو پری

[میں نے کوئی پڑو دیکھا مگر میری زیادہ پیاس نہیں بجھی، نانک! وہ آنکھیں دوسری ہیں

جن سے میرا محبوب دیکھا جاسکے۔] (۱)

’ماروجی وار‘ کے لفظی معنی ہیں ’مارو کی تعریف‘ اور اصطلاحی معنی ہیں ’ساجن کی تعریف‘

(ڈھولا-مارو کے لحاظ سے) یا ’محبوب کی تعریف‘ (رہن سہن کے لحاظ سے)؛ دوسرا معنی ہے ’مارو

(=سادہ لوح، غریب) آدمی کی تعریف‘ یا ’مارو (سادہ لوحوں، غریبوں کے) دلس کی تعریف‘،

کیونکہ اس کے بعد دوسرا لفظ ’کسئی‘ (ڈکنے) ہے، یعنی ’جنوبی‘ یا ’جنوبی ملک کے‘۔ ایک لحاظ سے

پنجاب سے نیچے جنوبی ملک سندھ ہی ہے۔ بہر حال اس دور میں سندھ اور سندھی زبان کی اہمیت

شمال میں پنجاب تک مسلم ہوئی اور سندھی زبان جاننے کا دائرہ مزید وسیع ہوا جس کا ثبوت

’آدگرنھ‘ میں آئے ہوئے مذکورہ بالا الفاظ، فقروں نیز ’کافی‘ عنوان کا استعمال ہے۔

سندھی زبان اور ادبی ثقافت کا علاقہ کچھ سے نیچے جنوب کی طرف

کاٹھیاواڑ اور گجرات تک وسیع ہونا:

گچھ ملک، سندھ اور کاٹھیاواڑ-گجرات کا درمیانی دہانہ/بندرگاہ تھا۔ تاریخی دور سے قبل

جب سندھو ندی کی مشرقی شاخ ’کوری کی خلیج/کھاڑی‘ میں گرتی تھی، اس وقت ’مون جو دڑو‘

(مردوں کا ٹیلہ) کی قدیم سندھی تہذیب گجرات تک پہنچی، جس کے آثار وہاں ’لوٹھل‘ سے ملے

ہیں۔ تاریخی لحاظ سے آٹھویں صدی عیسوی سے سندھ اور گچھ دونوں ایک ہی اسلامی تہذیب کے

(۱) ستر بھیر دل نے اس شعر کو یوں لکھا ہے:

لوٹن لوٹی ڈٹ، پیاس نہ بچھی مون گھٹی

نانک سی آکڑیان پین، جن دسندو مان پری

دیکھیے: ”سندھی بولی جی تاریخ“، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، طبع ششم ۲۰۰۴ء، ص: ۲۱۵ (مترجم)

مرکز بنے، نیز کچھ کے تجارتی، سیاسی اور سماجی تعلقات سندھ کے ساتھ مضبوط ہوئے۔ سومرہ دور میں سندھی اقوام، بالخصوص سندھ کے سہ قابل نے کچھ کو اپنا مسکن بنالیا اور بعد میں سہ دور تک پورے کچھ کی مقامی زبان سندھی بن گئی اور وہاں کے مقامی ماحول میں سندھی زبان کا کچھ محاورہ/لہجہ ایک نئی صورت میں نمودار ہوا۔

سہ دور میں سندھی کی عوامی روایات، قصے اور کہانیاں سندھ اور کچھ کے بھائوں اور بھانڈوں کے ذریعے کچھ اور کاٹھیاواڑ تک پہنچیں اور مقامی طور پر بھی وہاں سندھی اشعار اور مٹے (چلیپائی، یا کہانی میں مویق کے دوہے) منظوم ہوئے۔ سندھ کے لوہانوں (لوہانہ ایک ذات کا نام ہے) کے 'برہم بھانڈ' اور سندھ کے سمنوں کے 'ڈوگر بھانڈ' اور ان کے علاوہ مسلمان ڈھاڈھی (۱) اور مراٹھی ہمیشہ کے لئے کچھ میں رہائش پذیر ہو گئے جنہوں نے وہاں سندھ کی ادبی روایت اور سندھی ثقافت کو مشہور و متعارف کرایا اور سندھی زبان تمام کچھ میں رائج ہوئی اور وہاں کے مقامی کچھ محاورہ/لہجہ کی صورت میں بولی جانے لگی۔ کچھ سندھی لاڑی سندھی کے زیادہ قریب ہے۔

چودھویں صدی عیسوی کے تقریباً درمیانی عرصے میں کچھ میں ستوں کی ایک شاخ 'جاڑیجوں' کی سرداری کا سلسلہ شروع ہوا اور آخر کار جاڑیجہ راؤوں نے 'بھنج' (بیج) (۲) کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ ایک شجرہ نسب کے مطابق جام 'رتہ رائیڈھن' کے تین بیٹے تھے: اوٹھو، جس کی اولاد میں سے بھنج کے راؤ پیدا ہوئے؛ دوسرا 'دیڈو' جس کی اولاد سے جاڑیجوں کی ایک اور اہم شاخ نکلی؛ تیسرا 'گجن' جس کی نسل سے 'جام نگر' کے جام پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۵۳۷ء میں گجن کی اولاد سے جام راول نے اپنے چچپروں میں سے 'بھنج' کے 'راؤ ہمیر جی' کو قتل کر دیا، جس وجہ سے اس نے کچھ کو خیر آباد کہا اور سنہ ۱۵۳۹ء میں کاٹھیاواڑ اور ہالار کے علاقہ میں ایک نیا شہر 'نواں نگر' کے نام سے جا کر قائم کیا، جو بعد میں جام راول اور اس کی اولاد میں سے 'جاموں' کے لقب کی نسبت سے 'جام نگر' کے نام سے مشہور ہوا۔

اس طرح سولہویں صدی عیسوی میں سندھی بولنے والے جاڑیجہ جاموں نے اپنا سیاسی اثر و رسوخ کاٹھیاواڑ تک وسیع کر دیا اور سندھی زبان کچھ سے بھی آگے ہالار اور وہاں کے اہم شہر جام نگر تک پہنچ گئی۔ اس دور میں اور اس سے قبل سندھ اور کچھ کے سندھی بولنے والے دیگر قبائل مثلاً سہ، سومرہ، بلوچ، جوئیچہ، میمن اور خوجے وغیرہ انجار، رادھن پور، پالھن پور اور آگے کاٹھیاواڑ اور گجرات (بڑودہ) تک پہنچ گئے، اور ان کے ساتھ سندھی زبان بھی وہاں پہنچی۔ ارغونوں سے

(۱) ڈھاڈھی: مراٹھوں کی ایک ذات کا نام ہے۔ گماج اور چوتار پر گانے والے فقیروں کی ذات۔ دیکھیے: جامع سندھی لغات،

جلد سوم، ص ۱۲۸۲ (مترجم)

(۲) 'بھنج'، کچھ کا اہم شہر اور دارالحکومت تھا۔ (مترجم)



حکومت کھانے کے بعد سندھ کے حکمران جام فیروز اور اس کے قریبی رشتہ داروں وغیرہ نے ہمیشہ کے لیے چاکر احمد آباد کو بسایا۔

کچھ- کاٹھیاواڑ اور گجرات میں رہنے والے سندھی قبائل نیز سندھ اور کاٹھیاواڑ کی بحری تجارت اور سندھی ملاحوں کے ذریعے کئی سندھی الفاظ گجراتی میں رائج ہوئے۔ مثلاً (۱)۔

سندھی	گجراتی	اردو معنی	سندھی	گجراتی	اردو معنی
پلو	پلا	عمدہ	کیہہ (دز، رنی)	کیہ	گر، دھول
ویلو	بیلا	ایک وقت کا کھانا، روٹی، کھانے کا وقت	ڈانتڑی	درانتی	درانتی
		حافظ، عقل، ہوش	ماڑی	ماڑی	کوٹھا
		مٹھی	گڈی	گڈی	گڑیا، پٹلی
سُرت	سرت	رشک، حسد	ماسی	ماسی	خالہ
مُٹ	مُٹ	زبان	بنرو - بنری	بنرا	دولہا - دلہن
رِیس	رِیس	حد، انتہا	کَل	- بنری	کھال، چڑی، پالن ہار
جِیب	جیب	لاج	پالٹھار	کل	پیراک، تیراک
انت (چیہم)	انت	جزیرہ، ٹاپو	تارو	پالٹھار	کپڑا
ہت (لج)	ہت	تجارت، اسباب	لتو، لتا	تارو	تعویذ، گلے
ہیت	ہیت	تجارت	تانت، تانیت	لتا	زیور
وُنج	بنج	ہڈی		تانت	
			رَتو (ہاڑھو)		سرخ
ہڈو	ہاڈ		تتو (گرم)	راتا	گرم
				ناتا	

(۱) ۱۹۳۸ء-۱۹۴۱ء تک کیا چار سال کا عرصہ بی ای کی تعلیم کی غرض سے جمونا گڑھ میں قیام کیا، اس عرصہ میں کہتے ہی الفاظ کا پتہ پڑا جو سندھی اور گجراتی میں مشترک تھے۔ دیکھیں ”مکانات جعفری“ تصنیف اشرف ندوی پبلشر بمبئی ۱۹۶۳ء۔

پتہ (سَد)	پتہ	اُس طرف، اِس	مُو جھ، بھجھ، مہم	کارو (لوٹ وارو)	کارا	کھاری، شور،
بار (ہریون)	بار	قبولیت، منت،	موشی، چوپایہ	ماندو	ماندا	تھکا ہوا، بے حال،
کنارو)	کنار	نذر	شہرت، دبدبہ	سدا	سدا	تھکاوٹ
دور	دور	بغل، پہلو	توتو (نقصان)	ٹوٹا	ٹوٹا	سے چور
باس	باس	کچھ، پہلو، پیٹ	ڈھتو	دھوتا	دھوتا	سدا، ہمیشہ
هاك	هاك	نمک	ناتو	ناتا	ناتا	نقصان، خسارہ
كچ (بغل)	كچ	شلوار	گھڑو - گھڑی	گھڑی	گھڑی	نواسا
كُك	كُك	نام	سائین	سائین	سائین	ناتا، تعلق
لوٹ	لوٹ	سایہ	ڈوئی	ڈوئی	ڈوئی	مڈکا، سیوچ، ٹھلیا
سُٹ	سُٹ	قسم	اتکل (انداز)	اتکل	اتکل	جناب، صاحب، مالک
نان۔ نانؤ	نانؤ	عورت	تکڑی	تکڑی	تکڑی	لکڑی کا چچہ
چان۔ چانؤ	چانؤ	بخت، نصیب،	ان	ان	ان	اندازاً، تقریباً
سُٹھن	سُٹھن	مقدّر	کھرو	کھرو	کھرو	پیشانی پر پہننے کا ایک
مانی	مانی	کھانی				زیور
پاگ	پاگ	کھال، جلد چڑا				اناج
کنگھ	کنگھ					کبر، نونیز
چم	چم					

لغات اور الفاظ کے علاوہ کچھ کے پھانڈوں، گوئیوں اور ڈھاڈھیوں نے سندھ کے عوامی  
س کہانیوں، پمیلیوں/معمول اور اشعار کو کچھ، ہالا راور اس سے بھی آگے کاٹھیاواڑ اور گجرات  
، پہنچایا، اور اس طرح سندھی کے ثقافتی دائرہ کو اس ویس میں وسعت دی۔

راج عرف فقیر پُران ناتھ کے سندھی سلوک (۱):

مہر راج، جارتیجہ جاموں کے شیر تھوٹاں ٹکڑ (جام نگر) میں ۱۶۱۸ء میں پیدا ہوا۔ وہ جام

پران ناتھ سے متعلق احوال، دہلی کے داتا ادیب سرکواں پنہا انداس دولت رام سے بذریعہ خطوط دستیاب احوال اور انہی  
یک مبلوہ مضمون "۱۳-۱۷ صدی جو سندھی سنت کوئی" (جو کہ پہلے بھارت کے اخبار "ہندوستان" میں مورخہ ۳ جولائی  
کو چھپا اور بعد میں ایک مستقل کتابچہ کی صورت میں شائع ہوا) سے اخذ کیا گیا، نیز بعد میں راتم کے دورہ دہلی (آخر  
۱۹۷۱ء) کے دوران "پران ناتھ پر چار مرکز" سے دستیاب ہوا۔

کے دیوان (بڑے وزیر) کیسٹوٹھا کرکا بیٹا تھا۔ اس کی والدہ سندھی تھی جس کا نام 'دھن-بائی' تھا، اس لئے مہر راج کی مادری زبان 'سندھی' تھی۔ اس کی ذہنی اور مذہبی تربیت بھی سندھ کے ایک سادھو سنت نے کی، جس کا اصل نام 'دیو چندر' تھا جو بعد میں 'سامی بنجانند' کے نام سے مشہور ہوا۔

دیو چندر سندھ کے ترخان حکمرانوں کے دور میں سنہ ۱۵۸۱ء (۱۱-اکتوبر) کو عمر کوٹ میں پیدا ہوا، لیکن بعد ازاں ۱۶۰۶ء میں وہاں سے نقل مکانی کر کے ہمیشہ کے لئے نواں نگر (جام نگر) میں سکونت پذیر ہو گیا۔ مہر راج کی سندھ کے اس سنت کے ساتھ دوستی اور محبت ہو گئی، یہاں تک کہ وہ اس کا چیلہ بن گیا اور اسے اپنا گرو تسلیم کر لیا۔ سندھی زبان میں سندھ کے صوفیوں اور سنتوں کے سلوک اور اشعار، کہاوتیں اور نصیحتیں اس نے پہلے پہل اپنے سندھی گرو سے سنیں جن کا نوجوان مہر راج پر بڑا اثر ہوا۔ بعد میں وہ اپنے سندھی گرو کی معرفت سندھ کے بعض تاجروں کے ساتھ بصرہ (عراق) گیا جو اس زمانے میں تجارتی مرکز تھا۔ وہاں اس نے عربی سیکھی اور کسی اللہ والے کی صحبت میں قرآن شریف بھی پڑھا۔ اس کی واپسی کے بعد سامی بنجانند (دیو چندر عمر کوٹی) ۷۴ برس کی عمر میں ۱۶۵۵ء (۵-ستمبر) کو جام نگر شہر میں فوت ہو گیا، جہاں ان کی یاد میں 'کھیجرا' مندر قائم ہوا۔ اس وقت مہر راج کی عمر ۳۷ برس تھی۔ گرو کے سدھارنے کے بعد مہر راج نے اپنے خالق سے لو لگا کر فقیری کی راہ اختیار کر لی اور گرو کے آستانے کو آباد کیا اور خود 'پران ناتھ' کے لقب سے مشہور ہوا۔ سندھ میں ٹھٹھہ کی طرف اس کی آمد و رفت رہتی تھی۔ سنہ ۱۷۶۷-۶۸ء میں جب وہ سندھ آیا تو مسلسل دس ماہ تک ٹھٹھہ میں سکونت پذیر رہا، اور بھائی لال داس اس کا چیلہ بنا جس نے بعد میں اس کی سوانح حیات بھی لکھی۔ سامی پران ناتھ (مہر راج) ۲۹/جون ۱۶۹۴ء کو فوت ہوا۔

سنت پران ناتھ خدا کی وحدت کا قائل، موحد درویش تھا، اس نے اپنے پیچھے گویا کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا، جو آج تک جام نگر شہر میں محفوظ و موجود ہے۔ اس درویش نے ۱۸۷۵ء سلوک کہے، جو گجراتی، سندھی، ہندی اور ہندوستانی میں ہیں۔ ہندی میں ایک بڑی کتاب 'قیامت نامہ' لکھی، جس کا عربی میں خلاصہ بھی تحریر کیا۔ عربی زبان (مگر ہندی رسم الخط) میں تصنیف کردہ یہ 'قیامت نامہ' بھی موجود ہے۔ ستر برس کی عمر میں سنہ ۱۶۸۸-۸۹ء میں اس نے 'سندھی بانی' (۱) کہی جس میں ۵۸۳ اشعار اور ۱۶ رباعیاں شامل ہیں۔ کاٹھیاواڑ میں سندھی شعر کا اتنا بڑا ذخیرہ،

(۱) یہ لفظ سنسکرت کے لفظ "دانی" کا بگاڑ ہے، جس کے معنی ہیں آوازہ صدا، بولی، تعریف، ستائش۔ اور "بانی" کے معنی ہیں وعظ، تقریر، فقیروں کی صدا، گرو کے منہ سے نکلا ہوا بول، خدا کی تعریف۔ ربائی طرز کے ہندی گیت۔

دیکھیے: جامع سندھی لغات، جلد اول، ص: ۳۶۰

فیروز اللغات اردو، ص: ۱۷۵، ۱۳۰۴ (مترجم)

اُس دور میں سندھی ادب و ثقافت کے وسیع دائرہ کا ایک نمایاں نشان اور تاریخی یادگار ہے۔  
 'سندھی بانی' جو کہ طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے (۱) اس میں شامل کلام کی ترتیب اور زبان سے ظاہر ہے کہ یقیناً وہ اُسی دور کی ہے، نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ پران ناتھ نے اپنی 'سندھی وانی' صوفیانہ رنگ میں کہی ہے۔ ذیل میں دیئے گئے اشعار کا مرکزی موضوع، ارواح کا اپنے رب سے جدا ہونے کے بعد درد و فراق، اپنی کوتاہیوں کا اعتراف اور مالک سے رحم اور دیا کی طلب ہے۔  
 'سندھی وانی' کے اشعار سندھی زبان کے خالص 'کچھی محاورہ/لہجہ' میں ہیں اور اسی لہجہ میں کہے گئے ہیں؛ مگر وہ دیوناگری رسم الخط میں لکھے گئے ہیں، اور بعض مقامات پر (دیوناگری رسم الخط کی وجہ سے یا خود کاتب کی اپنی تحریر کی وجہ سے) کچھ الفاظ صحیح طرح سے نہیں لکھے ہوئے۔ مثلاً 'تھ' کے تلفظ کو 'تھہ' کر کے لکھا گیا ہے، جیسا کہ 'اتھن' یا 'متھہ'، حالانکہ کچھی لہجہ کے مطابق بھی ان الفاظ کا تلفظ 'اتھن' یا 'تھن' اور 'متھہ' ہے، اسی طرح 'کے' کو 'کے' لکھا گیا ہے۔ بعض مقامات پر کچھ ہو بہو (یعنی وہی) الفاظ مختلف صورتوں میں لکھے گئے ہیں، مثلاً: 'چوکان'، 'پچان' اور 'پوان'، 'ڈنیون'، اور 'ڈنو'؛ 'نہن' اور 'انی'؛ 'عرش' اور 'عرس'؛ 'فرمان' اور 'قرمان' (پھرمان)  
 'سندھی وانی' کے دس اشعار (۲) اصل تلفظ کے مطابق مگر ضروری اصلاح کے ساتھ ذیل میں دیئے جاتے ہیں تاکہ اس دور میں علاقہ کچھ کی 'سندھی زبان' کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ کی ٹی درستیوں کو نیچے حاشیہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

سندھی زبان کے کچھی لہجہ کے مطابق اشعار کا اصل رسم الخط:

آخر وِرا اُننِ جِی، آئینِ رُوحین (۳) چَڈیجا راندِ  
 اُتی وِجِ عرشِ جِی، کَوڈِ کَری (۴) مِڑونِ کاندِ (۵)

☆☆☆

دَئی مُوہِجِی رُوحِ جا، ہانٹِی چُونانِ کینِ کَری  
 رُوحِ کِی دِنو ہرِ ڈیہڑو، چٹو سو دِلِ ڈری (۵)

☆☆☆

(۱) "شری مہاشی پران ناتھ پر نیت" سندھی وانی (معنی سمیت): "شری سندھ داس کے دوران لکھی ہوئی اور اصل نسخہ کی بنیاد پر ترجمہ شدہ۔ ایڈیٹر شری ماتا پدر جانیوال، ریڈر ہندی بھاگ اللہ آباد یونیورسٹی؛ طابع "شری پران ناتھ پراکش" شری کرشن پرنٹری مندر، سختی ٹکڑ دہلی۔ اس میں کل ۵۸۳ اشعار اور ۱۶ رباعیاں شامل ہیں۔

(۲) سورگباشی جڑا داس دولت رام نے از راہ مہربانی 'سندھی وانی' کے ابتدائی بیس اشعار میرے ٹھاکر کے ہاتھوں دیوناگری سے عربی رسم الخط میں تحریر کروا کر ارسال کیے، جن میں سے ذیل میں دیئے گئے اشعار کے نمبر یہ ہیں: ۱۶، ۱۵، ۸، ۷، ۲، ۱، ۵، ۹، ۱۶، ۱۸

۲۰ اور ۱۹، ۱۸

(۳) پہلے مصرعہ میں 'روحین' اور دوسرے مصرعہ میں لفظ 'کَری' یا 'بہول' کے ساتھ ہے۔ (مترجم)

(۴) اصل آئین (آئین) اتھن (اتھن)، اتھی، (اتی) اتھی (اتھی) اور 'عرس' (عرش) ہے۔

(۵) اصل میں 'روح' کِی 'ڈنیون' (روح کے ڈنیون)



تو لکيو فرمانَ ۾، مونَ عرشِ دلِ مومِنِ  
 سي سَئي وينَ فرمانَ جا، مونَ چي جُهلي دلِ رُوحَن (۱)  
 لاڙ (جنوبي سنڌ) کي سنڌي لجه کي مطابق ٻي اشعار ذيل کي طور پر پڙه  
 جائين گے، اگرچہ ’ویرا‘، ’چومان‘، ’ڏيکارني‘، ’روهندس‘ اور ’مهمير‘ کي تلفظات بهي زيرين علاقہ  
 لاڙ ميں اب تک رائج هيں۔ دوسري طرف ’اُئين‘ (آپ) اور ’آن‘ (آپ) ’بالائي علاقہ لاڙ‘ ميں  
 زياده رائج هيں۔ ’چڏيجا‘ يا ’چڏجاڻو‘ ٻالھ کي آس پاس والي علاقہ ميں زياده بولي جاتو  
 هيں۔ منگي (مانگي)، هے (هي=يہ) اور ’ارواھين‘ (ارواحون) ان تيؤں الفاظ کا تلفظ شمالي سرے  
 والي زبان ميں کچھ زياده هي ہے۔ اگرچہ ’ارواھين‘ کا تلفظ کوہستان اور بيلہ کي زبان ميں بهي موجود  
 ہے۔

مندرجہ بالا اشعار علاقہ لاڙ کي لجه ميں اور ان کا ترجمہ:

۱- آخر وير اٿڻ جي، آئينَ رُوحَ چڏيجا راندِ  
 اٿي وڃ عرش جي، ڪوڏ ڪري ملون ڪانڌ  
 [آخر اُٿتو وقت اے روح! تو کھيل ڪوڊ چھوڙ دينا  
 عرش کي درميان کھڙے ھو ڪر جذب و محبت سے گلے ملیں۔]

۲- ڏٺي منهنجي رُوحَ جا، هاڻي چوان ڪيئن ڪري  
 رُوحَ کي ڏٺو پرڏيهڙو، چئو سو دل ڌري  
 [ميري روح کي مالڪ! اب ميں کس طرح ڪھوں!  
 آپ ہی نے تو روح کي جلاوطن ڪر ديا (فراق ديا)  
 آپ ہی دل سے سوچ ڪر انصاف ڪريں۔]

۳- مون منگي آن ڏيڪاري، نه ڪريان ڳالھ ڪيھي  
 هاڻي چورائين ته چوان ٿي، ڳالھ ڳري ٿي پيئي  
 [ميں نے مانگي آپ نے دکھائي، ميں ڪيا ڪچھ ڪھوں  
 اب ٿو ڪھلواتا هے تو ڪھتي هوں ڪہ بات بہت بھاري ھوئي!۔]

۴- ترسائين ته ترسان، مون کي مون منجهان ڪي نه سريو  
 سڀ ڳالھيون آن جي هت ۾، ڄاڻي تيئن ڪريو

(۱) اصل دونوں سطروں ميں ’فرمان‘ ’عرش‘ (عرش)، ’مومن‘ (مومنين)، دوسري سطر ميں ’موجو‘ (=مون جو)

[تُو روکے تو رک جاؤں، مجھے خود سے کچھ بھی نہ بن پڑا  
تمام باتیں (اختیارات) آپ کے ہاتھ میں ہے جس طرح آپ چاہیں کریں۔]

۵- سیکارٹین تہ سِکان، مون ہر سکھ نہ کین  
رہندیس تیھی حال ہر، آئین رکندا جین  
[آپ سکھائیں تو میں سیکھوں، مجھ میں تو سیکھنے کی طاقت ہی نہیں  
میں تو اسی حال میں رہوں گی جس میں آپ مجھے رکھیں گے۔]

۶- ھنٹین چڑھائین تون، تہ سپ سک ھنٹون جھلی  
جی سک ڈٹین مہر کری تہ ہنو کیر ہلی  
[تُو اگر دل میں بسالے تو دل تمام سکھ حاصل کر لے  
اگر تُو مہربانی کر کے سکھ دے تو دوسرا کون روکے۔]

۷- تون رسائین تہ رسن، توکی پسن نین  
کوڈ ٹنی کنن کی، تنھنجا سٹن منڑا وین  
[اگر تُو پہنچا دے (وصال کرا دے) تو پہنچ جائیں، نین تجھے دیکھ لیں  
کانوں میں خوشخبری پہنچے، تیری شیریں باتیں (طعنے اور کوسنے) سنیں۔]

۸- ویاہری وت اوڈڑی، متی ڈنوَ پردیہ  
ڈسان نہ سٹان گالھڑی، کینن کریان چوان کنھن کی  
[مجھے بالکل نزدیک بٹھا کر پھر آپ نے مجھے جلاوطن کر دیا  
دیکھتی ہوں نہ سنتی ہوں کیا کروں کس سے کہوں؟]

۹- جی ارواحین عرش جیون، سی سپ مون ڈانہ نہارین  
آٹون پسان آن ے ڈونہ، ہی بینیون جر ہارین  
[عرش پر موجود روحیں میری طرف دیکھ رہی ہیں  
میں آپ کی طرف دیکھتی ہوں اور یہ (ارواح) آنسو بہا رہی ہیں۔]

۱۰- تو لکیو فرمان ہر، مون عرش دل مومن  
سی سٹی وین فرمان جا، منھنجی جھلی دل روحن  
[تو نے اپنے فرمان میں لکھا ہے کہ مومنوں کا دل میرا عرش ہے  
فرمان کے یہ بول سن کر ارواح نے میرا دل تمام لیا۔]

راجھستانی علاقوں تک سندھی زبان و ثقافت کا اثر و نفوذ:

سندھ کی مشرقی اور جنوب - مشرقی سرحدیں صدیوں سے راجھستانی سرحدوں کے ساتھ متصل رہی ہیں۔ عرب دور حکومت میں ایک عرصے تک یہ خطے سندھ کی حکومت کے ساتھ ملحق تھے: یعنی جیسلمیر، باہر میر سے لے کر نیچے ماروڑا کے مرکزی شہر بھیلماں تک سندھ کی ثقافت کا اثر ہوا۔ طبعی لحاظ سے بھی سندھ کے مشرقی اور جنوب - مشرقی خطوں خواہ پڑوسی راجھستانی خطوں کے حالات ایک جیسے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کے دھندوں، پیشوں اور رہن سہن میں یکسانیت رہی۔ سندھ کی کئی قومیں اور قبائل ان خطوں میں جا کر بس گئے اور راجھستان کے ٹھاکروں، سوڈھوں اور بھٹیوں نے آکر سندھ کو آباد کیا۔ اس سے ایک تو دونوں طرف کی اقوام و قبائل کے درمیان گہری میل جول ہوئی دوسرا سندھی اور راجھستانی زبان کے ملاپ سے ایک نئی زبان کو جنم ملا، جسے آج ہم 'ڈھاکئی' کہتے ہیں۔ دونوں طرف کی قوموں کے قدیم ملاپ کا اہم مرکز سندھ میں شامل وہ اراضی تھی جسے 'کھاوڑ' کہا جاتا ہے۔ موسمِ برسات میں اس اراضی میں گھاس بہت ہوتا تھا اور قدیم دور سے راجھستان کی طرف کے بھاگوان لوگ بھی ہر سال ساون رت میں مویشی لاکر کھاوڑ میں آکر رہتے۔ سندھ میں کھاوڑ کی موہی برسات اور ہریالی اور آسودگی کی یادیں آج تک دعاؤں کے ساتھ چلتی ہوئی آئی ہیں:

یَتَ وِٹو، پَتَ وِٹو، وِٹو کاوڑ کارو  
سک وسی ٹی سنڈڑی، پیرن جو پاڑو  
قادر کامارو، والی تون وسائین  
(ڈھٹ وٹو، پٹ وٹو، وٹو کھاوڑ کھاوڑ (۱))

سکھ وے تھی سندھڑی، پیرن جو پاڑو  
قادر کامارو، والی تون وسائین (۱)

[ریگستان میں بارش ہوئی، بیابان (پارکر) میں بارش ہوئی، کھاوڑ اور اس کے گاؤں کھاوڑ میں بارش ہوئی، پیر فقیروں کا پڑوس سر زمین سندھ شاد آباد ہوئی۔ اے مولا! کامارو کو تو شاد آباد رکھ۔]

کھاوڑ کی طرف بھاگوانوں کے اس تاریخی کوچ اور آپس کی میل ملاقات اور سکونت سے وہاں نئی 'ڈھاکئی زبان' وجود میں آئی؛ جو آج تک کھاوڑ کی خاص زبان ہے؛ اور وہ 'کٹھنے' میں بھی



رائج ہے۔ 'کھاوڑ' کا تمام علاقہ اونچا تھا، اس لئے 'پُٹ' (= نشیبی) کے مقابلہ میں اسے 'ڈھٹ' کہا گیا۔ لیکن یہ اس علاقے کا صفاتی نام تھا؛ اصل نام کھاوڑ ہی ہے، جو قدیم دور سے لے کر تالپور دور تک سندھ میں شامل رہا (۱)۔

تقسیم کے وقت تک اس علاقہ میں مرکزی بڑے قبائل درج ذیل آباد تھے: (ہندوؤں میں سے) سوڈھا ٹھاکر، (مسلمانوں میں سے) سمبھ، راہوما، ٹھڈیا، سنگراسی (مسلمان)، ڈوہٹ (مسلمان) اور بعض دیگر قبائل۔ 'ڈھانکی زبان' کا بنیادی ڈھانچہ سندھی ہی ہے، لیکن اس کے لباس میں راجستانی رنگ بھرا ہوا ہے۔

'ڈھانکی زبان' قدیم دور سے سندھ اور راجستان کی ثقافتوں کو ملانے والی درمیانی کڑی ہے۔ کچھ راجستھانی کہاوٹیں اور ضرب الامثال، حکیمانہ اقوال اور عوامی افسانے ڈھول - مارٹی وغیرہ ڈھانکی ہی کے ذریعے سندھ میں رائج ہوئے: دوسری طرف سندھ کی مثالیں اور کہاوٹیں، داستانیں اور افسانے بلکہ بیت اور شعر راجستھان کی طرف رائج ہوئے۔ راجستھان کے علاقے میں آباد سندھی اقوام و قبائل نے سندھی زبان کو وہاں مشہور و متعارف کیا۔

سندھ کے اولیاء اور درویشوں کے کلام کا راجستانی خطوں کے ان فقیروں، بھگتوں، سادھوؤں پر اثر ہوا جو تپتیا اور بھگتی عقائد کے پیروکار اور خالق کی وحدت کے قائل اور موحد تھے۔ خاص طور پر سندھ کے بڑے عالم و عارف اور صوفی قاضی قادن (۱۳۶۵-۱۵۵۱ء) کے کلام کا، راجستان کے درویش دادویال (۱۵۴۳-۱۶۰۳ء) پر بڑا اثر ہوا۔ دادویال نے نہ صرف قاضی قادن کے ابیات سے متاثر ہو کر خود سندھی وائی اور اشعار کہے بلکہ اس کے پیروکار بھگتوں اور فقیروں نے قاضی قادن کے اشعار راجستان اور راجستھان سے باہر تک مشہور کر دیے۔

### دادویال کا سندھی کلام:

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ قاضی قادن کے اشعار سندھ اور سندھ سے باہر ہند میں بھی مشہور ہوئے اور ان میں پنہاں، خالق کی وحدانیت، انسانی اخلاق کی بلندی، سچی محبت اور سچائی کے اسباق کا بڑا اثر ہوا۔ قاضی قادن کے ان بے مثال اشعار کو سندھ میں خاص طور پر میاں شاہ

(۱) سندھ میں تحصیل عمرکوٹ کے دو تپوں میں سے دینور کا نصف اور کپلور کا کچھ حصہ، تحصیل کچہر کا جنوب - مشرقی کچھ حصہ، تحصیل چھاچھرو کا گڈھڑ و سرکل یعنی تین چنے: پانرو، ڈاہلی اور خود گڈھڑ - سندھ سے باہر ہندوستان کی سمت میں جیسین در، سُدورد، گرباب اور راسر کا حصہ - آج کل ڈھانکی زبان درج ذیل حدود کے درمیانی خطہ میں بولی جاتی ہے۔ اگرچہ وہ خاص طرح سے کھاوڑ کی اہم زبان ہے۔ شمال میں 'ہڈو بانرو' (بڈھو بانرو) جہاں جودھپور، جیسلمیر اور سندھ کی سرحدیں ملتی ہیں، جنوب میں بکھاسر (تحصیل سنگر پارکر) مشرق میں جیموٹن پہاڑ (ہندوستان) اور مغرب کی طرف عمرکوٹ۔

کریم، راجستھان میں دادو دیال اور مشرق ہندوستان میں برہانپور کے رہنے والے سندھی بزرگوں نے مشہور کیا۔

دادو کے متعلق 'دبستان مذاہب' کے مصنف لکھتے ہیں کہ وہ ایک 'نداف' یعنی روئی دھنے والے (دھنا) کے گھر میں پیدا ہوا۔ عام روایت کے مطابق وہ احمد آباد میں پل بڑھ کر جوان ہوا اس کا اصل نام داؤ دیار تھا اور سامہر کے درویش شیخ بدھن صوفی کی دعا سے صاف دل صوفی بن گیا۔ رفتہ رفتہ اکثر ہندو سادھو اور سنت اس کی عقیدت میں آئے اور اپنے عقیدہ کی رو سے اسے ہندو سمجھنے لگے نیز مسلمان بھی اس کے حلقہ میں داخل تھے اور بنگال میں مسلمان بھی اسے مانتے ہیں۔ دادو کے مریدین میں رجب پٹھان نامی ایک شخص بڑا درویش صفت تھا جس کے اشعار بہت مشہور ہیں۔

میاں شاہ کریم (۱۵۳۸-۱۶۲۳ء) اور دادو دیال (۱۵۴۳-۱۶۰۳ء) ہم عصر تھے۔ اس دور میں سندھ سے باہر بھی کچھ اور درویش مثلاً قاضی محمود (گجرات) احمد، کالو، ہلو، سمن اور دوسرے (۱) بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ ان درویشوں کے دوہے اور اشعار سندھ میں مقبول اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کے زمانے تک مشہور رہے: وہ دوہے اور اشعار خود شاہ صاحب نے بھی پڑھے یا ان کے روپرو پڑھے گئے اور بعد میں شاہ صاحب کے رسالہ کے سر "میراگ ہندی" کے تحت لکھے گئے۔ اس سر کے تحت دادو دیال، سمن اور کالو کے دوہے ان کے نام سے دیے گئے ہیں۔ ہم نے احمد کے ہندی - آمیز دوہے اور درویش دادو کے کچھ سندھی اشعار کافی عرصہ پہلے سے تھے لیکن اس وقت یہ یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ دادو دیال نے بھی سندھی میں شعر کہے ہوں گے۔ دادو دیال اپنے وقت کا ایک بڑا بھگت اور درویش کوئی تھا، اس نے بہت سارے اشعار کہے جنہیں اس کے چیلوں نے جابجا مشہور کر دیا؛ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس کے بعد کئی اور لوگوں نے بھی ان کے نام سے دوہے بنا کر مشہور کر دیے۔ ان کے اصل صحیح کلام کو صرف ان کے دوہوں کی ترتیب اور اسلوب بیان ہی کے ذریعے کسی حد تک پرکھا جاسکتا ہے۔ سندھ میں دادو دیال کے مشہور اشعار اکثر ان کے نام سے ہی شروع ہوتے ہیں۔ مثلاً شاہ صاحب کے رسالہ کے سر "میراگ ہندی" کے تحت دیے گئے ان کے یہ دو شعر:

۱- دادو دعویٰ چوڑی، بن دعویٰ دن کت  
کتی سودی کرگہی، اس پاساری کی ہت

(۱) ان اشعار کو تحریر کرتے ہوئے فی الوقت یہی نام ذہن میں آ رہے ہیں، حالانکہ ہم نے اندرون سندھ کی مجالس و محافل میں دوسرے درویشوں کے دوہے بھی سنے ہیں۔

[دادو دعویٰ چھوڑ دے، بن دعویٰ دن کٹ

کتنے سودے کر گئے، اس پنساری کے ہٹ]

۲- دادو دعویٰ چھوڑ دی، تو ہو وی خیر کا خیر  
ناکسی کی دوستی، ناکسی کا بیر

[دادو دعویٰ چھوڑ دے، تو ہووے خیر کا خیر

نا کسی کی دوستی، نا کسی کا بیر]

دادو دیال پر قاضی قادن کے کلام کام بڑا اثر تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قاضی قادن ہی دادو دیال کے روحانی رہبر تھے۔ اگرچہ قاضی قادن پہلے ہو گزرے مگر ان ہی کے انمول اشعار نے دادو دیال کو خالق کی وحدانیت کی طرف زیادہ مائل کیا اور اس نے فقیری اور درویشی اختیار کر لی، اس لئے اس نے اپنا کلام قاضی قادن کے اشعار سے متاثر ہو کر ہی کہا۔ دادو دیال کے دوہے اور دوسرا کلام سندھ میں (تیس چالیس برس پہلے) اور اس سے بھی زیادہ راجستھان کی طرف زیادہ رائج تھا۔ کچھ کتابوں میں ان کا کلام قلمبند بھی ہو چکا ہے (۱) اور حال ہی میں ہندوستان کے ہریانہ صوبے کے گاؤں رائیلا میں دادو پنہتی بھگت ہریداس کی قائم کردہ منٹھ سے تقریباً ۶۹ فقیریوں درویشوں کا کلام قلمی صورت میں ملا ہے، جس میں قاضی قادن، دادو دیال اور دوسروں کا کلام مختلف عنوانات کے تحت لکھا ہوا ہے۔ قاضی قادن کے کلام کے باب کے تحت بھی کچھ اشعار دادو دیال اور دوسرے شاعر درویشوں کے شامل ہیں، جن سے ظاہر ہے کہ دادو دیال نے قاضی قادن کے کلام سے متاثر ہو کر اشعار کہے۔ قاضی قادن کا ایک شعر تھا:

اکیون آکاسا، فوجون کری اَلتِیُون

سوڑھی گلی منجھاہ، سوچھی پری لہندیون

[آنکھیں آسمان سے (محبوب کو دیکھنے کے لیے) مل کر جوش و جذبہ سے اتری ہیں، وہ تنگ گلی میں سے بھی انہیں ڈھونڈھ لیں گے۔]

جس پر دادو دیال نے شعر کہا:

دادو! اکیون پسٹ کی پری، اَلتِیان منجھہ

جتی بیشو ما پری نہاریندو ہنجھہ (۲)

(۱) مثلاً پرشورام چتر ویدی کی کتاب ”دادو مرنٹھا ولی“ (مطبوعہ ناگری پرچارک سبھا) اور شری ناگ کی کتاب ”سجرات کے سنتوں کی دانی“

(۲) دیکھیے اسی باب میں دادو دیال کے اشعار۔

[اے دادو! محبوب کو دیکھنے کے لیے آنکھیں اندر (وہاں پر) اُتریں

جہاں پر میرا محبوب ہنس (جیسا خوبصورت) کھڑا ہوا دیکھ رہا ہے۔]

اسی باب کے تحت کچھ اور بھی اشعار غالباً دادو دیال ہی کے ہیں، جن پر ہم آئندہ روشنی ڈالیں گے (۱)۔ دادو دیال غالباً سندھ میں کافی عرصہ رہے اور انہیں سندھی زبان سے اچھی واقفیت تھی۔ انہوں نے اکثر کلام راجستانی، ہندی زبانوں میں کہا تاہم سندھی میں بھی کافی اشعار کہے۔ چونکہ وہ کثیر الکلام اور اکثریتی مذہب کا مشہور شاعر اور درویش ہو گزرا ہے، اس لئے دیگر مشہور شعراء کی طرح اس کے کلام میں بھی بعد میں باہر کا (خارجی) کلام خلط ملط ہو گیا: یعنی اس کے بعد دوسروں نے ان کا نام استعمال کر کے دوہے، اشعار بلکہ سندھی 'وائیاں' بھی ان ہی کے نام سے مشہور کر دیں (۲)۔ دادو دیال کے کچھ ابیات ذیل میں دیئے جاتے ہیں:

۱- دادو! جھاتی پائی پس پری، ہانٹی لاء مَ ویر

ست سیوٹی ہلیو، پوے پسندون کیر

[دادو! جھانک کر محبوب کو دیکھ، اب دیر مت کر

تمام قافلہ چلا گیا، بعد میں کسے دیکھ گا]

۲- دادو! غافل چو وتین، منجھین رب نہار

منجھیتی پئی پاٹ جو، منجھیتی ویچار

[دادو! کیوں غافل رہتا ہے، اندر میں رب کو دیکھ

اندر ہی میں خود کا مقصود ہے، اندر ہی میں غور و فکر کر]

۳- دادو! غافل چو وتین، آھی منجھہ اللہ

پری پاٹ جو پاٹ سین، لھی سیوٹی ساء

[دادو! غافل کیوں رہتا ہے، اللہ اندر میں ہے

اپنا محبوب اپنے ساتھ ہے، ہر ایک لذت حاصل کرتا ہے۔]

(۱) دونوں اشعار کیلئے دیکھیے "قاضی قادن جو کلام" مطبوعہ دہلی ۱۹۷۸ء، ص ۶۰، ۱۱، قلمی پبلیکیشنز کی "وائیاں" جس سے یہ اشعار لیے گئے ہیں، اس میں یہ دونوں شعر ایک دوسرے کے آگے پیچھے لکھے ہوئے ہیں: یعنی قاضی قادن کے شعر کے بعد گویا اسی معنی میں دادو دیال کا شعر لکھا ہوا ہے۔

(۲) یہ اشعار ہمیں ہندوستان سے ہیرے شاکر سے دستیاب ہوئے، ہیرے سے ہمیں دادو دیال کے کچھ سندھی ابیات اور وائیاں بطور نمونہ موصول ہوئیں۔ اشعار کی ترتیب اور زبان دادو دیال والی ہی تھی؛ لیکن 'وائیاں' جن میں نام تو دادو دیال کا تھا، ان کی زبان زیادہ سے زیادہ ستر سال پہلے کی محسوس ہو رہی تھی۔

۴- دادو! جین تیل تلن ہر، جین گنڈ قلن  
 جین مکئ کیر ہر، تین رب دھن  
 [دادو! جس طرح تیلوں میں تیل اور پھولوں میں خوشبو ہوتی ہے  
 جس طرح دودھ میں مکھن ہوتا ہے، ویسے ہی رب (انسان کے اندر) رہتا ہے]

بہر حال سندھ کے صوفی بزرگوں کی برکت سے، بیرون سندھ کے درویشوں پر ان کا اثر ہوا، یہاں تک کہ بعض بھگتوں اور درویشوں نے سندھی زبان کے الفاظ اور جملے اپنے کلام میں استعمال کیے، اور کچھ درویشوں نے دادو دیال کی طرح سندھی زبان سے اچھی خاصی واقفیت حاصل کی اور اس میں کلام کہا۔ دادو دیال کے سندھی کلام کے ذریعے، سندھی زبان اور اس کا ادب و ثقافت، خاص طرح سے راجستانی علاقوں تک پہنچے اور معروف ہوئے۔

زبان کے روایتی ادب کے ذخیرہ میں اضافہ:

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ سومرہ دور میں سندھی زبان کے قصوں، کہانیوں کے ادب کی بنیاد مضبوط ہوئی۔ سمر دور میں صرف نوری اور جام تماچی کی نئی عشقیہ داستان کا اضافہ ہوا؛ مگر اس کے ساتھ دلیروں، سخی لوگوں اور عشاق کی چھوٹی بڑی باتوں کو از سر نو اٹھایا گیا اور واقعات کو گانے اور قصہ خوانی کے فن کو عروج پر پہنچایا گیا۔ یہ ادبی اور فنی روایت اپنی جاذبیت اور عام مقبولیت کی وجہ سے سمر دور کے بعد بھی جاری رہی۔ 'واقعات گانے' کے فن کی ترقی سے کچھ نئی باتیں اور نئی داستانیں پیدا ہوئیں اور کچھ گزشتہ داستانیں مزید مشہور ہوئیں۔ ان میں سے 'ہتموں اور دولہہ دریا خان' اور 'بوینا اور جراڑ' کی عشقیہ داستانیں اور 'بڈامانی پُرو' کی دلیری کا کارنامہ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

دولہہ دریا خان اور ہتموں راٹھوڑ:

روایتی طور پر یہ داستان اپنے آثار و علامات کی بنیاد پر جام نظام الدین کے دانشمند اور دلیر سپہ سالار دریا خان کی شخصیت سے متعلق ہے۔ ممکن ہے کہ دریا خان نے راٹھوڑ قبیلے کی ہتموں نام کی حسین لڑکی کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے شادی کی ہو اور دریا خان کی زندگی ہی میں وہ بہت مشہور ہو گئی ہو۔ لیکن سنہ ۹۲۷ھ (۱۵۲۰ء) میں جب دریا خان ارغون لشکر سے بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوا تو ہر جگہ اس کی دھوم مچ گئی اور وہ شہرت کے بام عروج کو

پہنچ گیا۔ اس کی شہادت کے بعد اس کی ذاتی خویوں اور باتوں اور اعلیٰ کارناموں کو اس طرح بیان کیا گیا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ افسانے بن گئے (۱)۔

دریا خان کا ہتھوں کے ساتھ شادی کا قصہ خاص طور پر عوام میں ایک دلپذیر داستان کی صورت میں معنوں کے ذریعے گایا جانے لگا (۲)۔ مثلاً

گاہر! گاہا ڈہرا تنہنجا ھڈی سائی گاہ  
کے چوڑیلن چوٹیا، کے مٹی اٹن ماء  
نکی چوڑیلن چوٹیا، نکی مٹی اٹن ماء  
سی کٹن مچن مچ کری جن جام ندی جو داء

[اے گاہر! تیرے پچھڑے اس قدر ہریالی ہوتے ہوئے بھی کمزور کیوں ہیں، کیا لمبے بالوں والی عورتوں نے انہیں نچوڑ لیا ہے، یا ان کی ماں مر گئی ہے؟ لمبے بالوں والی عورتوں نے انہیں نچوڑا ہے نہ ہی ان کی ماں مری ہے وہ کیسے موٹے ہوں جنہیں جام نہ کا خوف ہو۔]

ساقی عورت اور میخوار:

ساقی عورت اور میخواروں کی داستان میں قدیم ایرانی نے فروشوں اور میخانوں کے ماحول کا تخیل سمایا ہوا ہے (۳)۔ یہ قصہ کسی قدیم دور سے ہی سندھ میں رائج تھا، لیکن میخانہ کے ماحول اور رے خواروں کی نفسیاتی کیفیت کی مشکل ترتیب کی وجہ سے یہ بات عوام میں کوئی زیادہ مشہور نہیں ہو سکی۔ ارغون - ترخان - مغلیہ دور میں فارسی شاعری کے عروض کی وجہ سے مئے اور میخانہ،

(۱) جیسا کہ دریا خان کی ابتدائی زندگی کے متعلق کوئی بھی یقینی تاریخی بیان موجود نہیں، اس لئے نہ صرف عام افراد کے لئے بلکہ خاص لوگوں کے لئے بھی اس کی ابتدائی زندگی ایک افسانہ ہے۔ اتنی بڑی تاریخی شخصیت کے متعلق اب تک صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون تھا اور کہاں کا تھا؟ ایک گمنام لڑکے کا وزیر اور سپہ سالار ہونا اس دور کے عوام کے لئے ایک معجزہ تھا۔ سادات یا کسی دلی شخص کے علاوہ کوئی بھی اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا، اس لئے اسے سید زادہ کہا گیا اور اس کی طرف کرامات منسوب کی گئیں۔ ”ڈولہہ دریا خان اور ہتھوں“ کی داستان کے ذریعے یہ راز آشکار کیا گیا کہ وہ سید کبیر شاہ کا بیٹا اور شاہ جلالی کا پوتا تھا۔ یہ داستان اس قدر مشہور ہوئی کہ ’تاریخ طاہری‘ کے مصنف کو بھی گمان ہوا کہ دریا خان سید زادہ تھا۔ قصہ اور افسانوی دائرہ سے ہٹ کر دیگر زیادہ وسیع روایات کے مطابق وہ لاشاری قبیلہ کا ایک نہایت ذہین لڑکا تھا جس نے لاشاری قبائل کی طرف سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ٹھہر آکر پہلے پہل وزیر کے پاس نوکری کر لی تاکہ آگے چل کر وہ اپنی ترقی و کامیابی کے ذریعے وزیر اور جام آف سندھ کو لاشاریوں کا طرفدار بنا سکے اور ان کی مدد سے لاشاریوں کے مخالف فریق رند بلوچوں (جو اپنے نوجوان بھرگ کے ذریعے ارغونوں کو اپنا حمایتی اور طرفدار بنا رہا تھا) کو شکست دے سکے۔

(۲) اس قصے کی روایت اور دریا خان کی تاریخی حیثیت پر ہم نے لوک ادب سلسلہ کی انیسویں کتاب ”مشہور سندھی قصا: سندھ جاعشقیہ داستان-۱“ (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۳ء) کے مقدمہ ص ۲۱-۲۶ اور متن ص ۲۲۹-۲۵۲ پر مزید روشنی ڈالی ہے۔

(۳) اس داستان اور معنوں کے متعلق دیکھیے لوک ادب سلسلہ کی انیسویں کتاب ”مشہور سندھی قصا: سندھ جاعشقیہ داستان-۱“ (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۳ء) مقدمہ ص ۲-۳۰ متن ص ۳-۲۰

بہر مغال اور ساقی، صراحی اور پیالہ، مئے نوشی اور مدہوشی کے موضوعات کچھ زیادہ ہی نمایاں رہے۔ اس موضوع کی روز افزوں مقبولیت کے پیش نظر ”سندھی اعلیٰ شاعری“ میں بھی یہ موضوع معنوی صورت میں رائج ہوا۔ اس کی پہلی شہادت اس دور کے کامل درویش اور بڑے شاعر میاں شاہ کریم (وفات ۱۰۳۲ھ/۱۶۲۳ء) کے بیان کردہ درج ذیل شعر سے ملتی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ داستان اس دور میں مشہور ہوئی:

متارکا گپیرو، گرت نہ بدن گوڈ

آیا اگلی ہوڈ، سرڈنو سرو پین

[باہمت جوان تہد میں کمر کے ساتھ رقم باندھ کر نہیں چلتے لیکن صحنِ میخا میں سر کی بازی

لگا کر شراب پیتے ہیں۔]

بوینا اور جراث:

اس قصے کے کرداروں کے ناموں مثلاً نظام اور جام شہزادہ، صالح یا سالم وزیر، نادر پہلوان اور ترک بادشاہ سے ظاہر ہے کہ یہ قصہ اس پچھلے دور کا ہے۔ نظام کا بیٹا جراث تھا اور بوینا ڈاہری سردار مارکہ کی بیٹی تھی۔ ان کی شادی کی علامت، یعنی ترکوں اور ستوں کی رشتہ داری کی علامت، ارغون-ترخان مغلیہ دور کی ہے اور اس لحاظ سے یہ داستان اسی آخری دور میں مشہور ہوئی (۱) اور اسے معنوں کے ذریعے گایا گیا۔ مثلاً

مارک ۽ جلال، کڈون کین کوئیون

یا واگون تیک لگیون، یا گوری گل بانھون

[مارکہ اور جلال نے کبھی گڑھے نہیں کھودے تھے (کدال نہیں چلائی تھی)

وہ یا تو گھوڑوں پر باگیں ٹیکے رہتے، یا گوریوں کے بازوؤں پر لیٹے رہتے۔]

☆☆☆

اکیون تنھنجون کام کھیون، آھن بنا کات

سچ چوڑی جلالیا، کنھن سرھٹین رات؟

[تیرے جادو گرین شب بیداری کی وجہ سے خون کی طرح سرخ ہیں

جلال! کچی بات بتا، رات کہاں پر تھا۔]

ٻڌاماني پٺرو:

ٻڌاماني پٺرو (۲) سنڌه کي ڪاڇي (سنڌه اور گجھ کي سرحد کي پاس) ڪا ايڪ سورما سردار  
تھا۔ اس کي قلعہ پر کسی ’مغل‘ نے چڙھائی کی۔ اس نام سے گمان ہوتا ہے کہ یہ چڙھائی  
ارغون-ترخانوں یا مغلوں کے دور میں ہو سکتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ داستان اسی دور میں پروان  
چڙھی اور اسے معماؤں کي ذریعہ ڏیا گیا (۳)۔ مثلاً

ٻڌاماني پٺرو، اڄ گھرجين آءُ

مائي جي ۽ ماءُ، پيئي وڃن ٻان م

[ٻڌام کي دولها! آئي آڄ تيري ضرورت ہے

سوتيلي اور حقيقي ماں دونوں زندان میں جاري هيں۔]

پٺرو نے جواب ڏيا: (۳)

نڪي پٺرو تو ڄاڻو، نڪي تو وٽ هو ۽

پوءِ مائي جي ميهڻو، ڇي لاءِ ڏٺو (۴)

[پٺرو نے تجھ سے جنم لیا نہ ہی تیرے پاس تھا

پھر تو نے سوتیلی ماں کا طعنہ کیوں ڏیا۔]

سنڌي شاعري کي مستند تحريري ذخيره میں اضافہ:

اس دور میں سنڌي شاعري کي تحريري ذخيره يعني اس دور کي معلوم اور مشهور شعراء کي  
زباني اور تحريري اشعار کي ذخيره میں ٻڌا اضافہ ٿيو۔ ميان شاهه ڪريم نہ صرف اس دور کي ايڪ  
بڙي ولي اور شاعر تھے بلڪه اس دور يا اس سے قبل کي سنڌي اشعار کي بڙي راوي بهي تھے۔  
ان کي ملفوظات میں ابيات کا محفوظ ذخيره، اس دور کي سنڌي زبان کي ايڪ مستند دستاويز ہے۔  
جس پر ہم آئندہ تفصيلي روشني ڏاڻيس گے۔ سنڌه سے ٻاهر بهي اس دور میں دادو ديال اور پيران ناتھ

(۱) ’پٺرو‘ اس کا نام تھا اور ڪاڇي کي جس سرزمين (جگه) پر وہ رهتا تھا اس کا نام ’ٻڌام‘ تھا، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ’ٻڌام‘ اس  
کي ذات تھی، جيڪي ٻڌه سے اُٿي ’ٻڌاماني‘ ڪها جاتا ہے۔

ڏيکھي: ”ڪهاڻن سان ڪالهيون“، ص: ۹۰ (مترجم)

(۲) تفصيل کي لاءِ ڏيکھي لوڪ ادب سلسلہ کي سٽائيسويس ڪتاب ”لوڪ ڪهاڻيون۔ ڪهاڻن سان ڪالهيون“ مطبوعہ

سنڌي ادبي بورڊ ۱۹۶۳ء مقدمہ ص ۹-۸ اور متن ص ۱۲۲-۱۲۱

(۳) ”ڪهاڻن سان ڪالهيون“ مقدمہ، ص: (ط) پر يہ جواني شعر ’پٺرو‘ کي سڱي والده کي زباني بتايا ڪيا ہے۔ (مترجم)

(۴) ڇي لاءِ - ڇا لاءِ (ڪس لاءِ)



دو ایسے فقیر اور سادھو تھے جنہوں نے دوسری زبانوں کے ساتھ سندھی میں بھی اپنا منظوم کلام چھوڑا، ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ سندھ سے باہر کی روایات کے ذریعہ دستیاب ہونے والے سندھی ابیات کے ذخیرہ کو ہم بعد میں زیر بحث لائیں گے۔ یہاں ہم اس دور میں سندھ کے ان باقی شعراء کا ذکر کریں گے جن کے نام یا ابیات مستند روایت کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔ اگرچہ وہ تمام ابیات بالکل معاصرانہ تحریرات میں محفوظ نہیں ہیں کہ ان کی زبان کی ترتیب و ساخت کو صحیح طرح سے پرکھا جاسکے تاہم مجموعی طور پر وہ سندھ کی مستند روایات کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں اور اسی لئے موجودہ متن کے اعتبار سے بھی اس دور کی زبان، شاعری اور فکر کے آئینہ دار ہیں۔

### ☆ راجو ستیہ دل:

درویش راجو ستیہ دل کے متعلق میر علی شیر قانع تحفۃ الکرام میں لکھتے ہیں کہ جب بھی انہیں کوئی بات یا معاملہ درپیش آتا تو وہ: ”کھڑے ہو کر سر اور الحان میں کوئی سندھی شعر کہتے اور جو کچھ کہتے وہ وقوع پذیر ہو جاتا تھا“۔ اس درویش نے ۱۷۷۹ھ میں وفات پائی (۱)۔

اگر وہ عمر رسیدہ تھے تو ان کی ولادت اور بلوغت غالباً سہ دور میں ہوئی ہوگی؛ اور ممکن ہے کہ وہ خوش شعر پڑھتے تھے ان میں سے کچھ ان کے لڑکپن کے یاد کردہ اور سہ دور ہی کے ہوں۔ البتہ ان کے وہ اشعار تحفۃ الکرام میں بھی نہیں دیے گئے اور نہ آج تک کسی دوسرے ماخذ کے ذریعہ معلوم ہو سکے ہیں۔ البتہ اس دور کے دوسرے شعراء کے اشعار تحریر میں موجود ہیں۔

### ☆ مخدوم نوح:

مخدوم صاحب اپنی ولایت کے اوائل دور میں مشاہدۃ الہی کے متعلق یوں سمجھنے لگے تھے کہ ”گویا وہ ذات حق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ ان کی یہ بات سن کر مخدوم جعفر بوبکانی ان کے یہاں تشریف لے آئے اور انہیں یہ ذہن نشین کرایا کہ مشاہدات الہی کا تعلق ظاہری آنکھ سے نہیں بلکہ اندر کی بینائی سے ہے۔ مخدوم جعفر نے اس بات کو مزید وضاحت سے سمجھانے کی غرض سے مخدوم موصوف سے کہا کہ: ”آنکھیں بند کر کے پھر توجہ کریں۔ مخدوم نوح نے یوں ہی کیا تو انہیں اندرونی توجہ کی بدولت مزید مشاہدہ نصیب ہوا اور انہوں نے مخدوم جعفر کی بیان کردہ تمام حقیقت کو محسوس کر لیا، بعد میں مخدوم نوح دوسرے لوگوں کی ہدایت کی خاطر بطور مثال کہا کرتے تھے کہ:

”نہ آيو جعفر، تہ نوح ٿيو ڪافر“

(نہ آتے جعفر، تو نوح ہوتے کافر)

مخدوم نوح نے اسی حقیقت کو اپنے اس شعر میں یوں بیان فرمایا کہ:

اہتیان تہ اندیون، پوریون پیرین پسن

آہی اکٹین، عجب پر پسن جی

[آنکھیں وا کرتا ہوں تو اندھی ہو جاتی ہیں، بند کرتا ہوں تو محبوب کو دیکھتی ہیں

محبوب دیکھنے کے لئے آنکھوں کی بھی عجیب ریت ہے۔]

مخدوم نوح نے غالباً اپنی زندگی آخری دنوں میں مریدین و معتقدین کی ہدایت کے لئے

کچھ اشعار بھی کہے، مثلاً:

ماک نہ پائیو ماڑھٹا، پیپی جا پریات

روٹی چڑھی رات، ڈسی ڈکون کی (۱)

[اے لوگو! صبح صادق کے وقت پڑنے والی اوس کو تم شبنم مت سمجھو

وہ تو دکھی انسانوں پر رات کے آنسو ہیں جنہیں بہا کر وہ چلی گئی۔] (۲)

مخدوم صاحب نے اپنے آخری ایام علالت میں بھی کچھ اشعار کہے، جو زیادہ مشہور ہیں۔

اپنی علالت کو مہلک مرض سمجھتے ہوئے اور بعض اپنے رفیقوں اور پیاروں کی جدائی کو محسوس کرتے

ہوئے درج ذیل اشعار کہے:

نہ سی جوگی جوہر، نہ سا سگھی چانٹ

کاپڑین کنوات، وڈی ویل پلانیا (۳)

[اب تو وہ: گی بھی نہیں رہے اور نہ ہی چوکھٹ، جو کہ مضبوط تھی

سناپیوں نے اپنے اونٹ سویرے (رات کے پچھلے پہر) ہی تیار کر لیے۔]

اپنے ایک چہیتے معتقد 'ابا بکر لکھاری' کے نام پیغام کے طور پر شعر کہا کہ:

(۱) یہ شعر حضرت پیر سید محمد راشد روئے دہنی کے خلیفہ محمود نظامانی کڑیوالا نے نقل کیا ہے۔

(۲) حضرت سید محمد راشد روئے دہنی سے اس شعر کی تفریح یوں منقول ہے: جس وقت رات اختتام پذیر ہوتی ہے تب وہ طالبان خدا کے فراق میں روتے ہوئے چڑھ جاتی ہے۔ لوگ اسے شبنم کہتے ہیں مگر وہ شبنم حقیقت میں رات کے وہ آنسو ہوتے ہیں جنہیں طالبان خدا کی جدائی میں وہ بہاتے ہوئے جاتی ہے۔ دیکھیے: ملفوظات حضرت روئے دہنی، جلد اول، ص ۲۳۳، باب چہارم، فصل ۷ (مترجم)

(۳) یہ شعر ۱۹۶۵ء میں منعقدہ ایک محفل میں ہمیں فقیر محمد ہاشم سحرانی نے سنایا اور بتایا کہ انہیں یہ شعر فقیر حاجی محمد صوفی کے ہم مجلس صوبہ بل فقیر بنگالی نے سنایا تھا۔

ابابکر آء ، سامی سفر ہلیا

تھان پوءِ متا، سِکین سناسین کی (۱)

ترجمہ: اے ابابکر! آجائے، درویش سفر پر جانے والے ہیں

مبادا سنیا سیوں (درویشوں) کو بعد میں ترستار ہے۔

یہ شعر جب ابابکر نے سنا تو اپنی طرف سے پیغام کے طور پر کہلوا بھیجا کہ:

اچان ٹو اچان، کجائو کاجری جی جتا

تھان پوءِ متا، سکان سناسین کی (۱)

[آتا ہوں آتا، کچھ دیر انتظار کر لینا]

مبادا سنیا سیوں (درویشوں) کو بعد میں ترستارہ جاؤں۔]

مخدوم نوح صاحب نے بروز جمعرات بتاریخ ۷/ ذی القعد ۹۹۸ھ (۱۵۹۰ء) کو وصال

فرمایا۔ اس لحاظ سے آخری تینوں اشعار آپ کے ماہ وصال ہی کے ہو سکتے ہیں۔ البتہ آپ کا پہلا

شعر اس سے پہلے اور تقریباً ۹۵۰-۹۹۸ھ کے درمیانہ عرصہ کا ہو سکتا ہے۔

☆ میاں سید علی ثانی شیرازی کا شعر:

اس سے قبل پیر مراد شیرازی کے تذکرہ میں (ص ۱۷۸ پر) بیان ہو چکا ہے کہ جام ندہ

کے عہد میں سید علی ثانی (بن سید جلال بن سید علی شیرازی اول) سنہ ۸۹۱ھ/ ۱۴۸۶ء میں پیدا

ہوئے تو ان کے نانا پیر مراد شیرازی نے انہیں منظوم فقرہ میں یوں دعا دی:

”اللہ، او پاتی ڈینی وڈی چمارا“

[اے فرد خانہ! اللہ تجھے بڑی عمر عطا فرمائے۔]

میاں سید علی ثانی کی نہ صرف ولادت بلکہ ان کی تمام تربیت سہ دور میں ہوئی، کیونکہ سہ

حکومت کے اختتام کے سال (۹۴۷ھ) ان کی عمر تقریباً چھتیس برس تھی۔ میر معصوم لکھتے ہیں کہ سید علی

ٹھٹھہ کے بڑے برگزیدہ بزرگوں میں سے تھے علم، زہد اور سخاوت میں اپنی مثال آپ تھے؛ اور مکی کی

خانقاہوں پر محافل سماع کراتے تھے، انہوں نے سنہ ۹۸۱ھ (۱۵۷۳ء) میں وفات پائی (۲)۔

(۱) یہ دونوں اشعار عام طور پر مشہور ہیں۔

(۲) تاریخ معصومی (فارسی متن ۲۱۶) میں تاریخ وفات کا مادہ ”فات الحاتم ببجودہ“ لکھا ہوا ہے جس سے سنہ ۹۸۱ھ برآمد ہوتا

ہے۔ ڈاکٹر داؤد پوٹہ مرحوم نے ایک قلمی نسخہ کے مطابق متن میں سن وفات ۹۷۱ھ درج کیا ہے جو کہ درست نہیں۔ تھتہ

الناحیرین (قلمی) کے مطابق بھی آپ نے ۹۸۱ھ میں وفات پائی۔

”معارف الانوار“ کے مصنف نے سال وفات ۹۴۲ھ لکھا ہے اور یہ سن بھی غلط ہے کیونکہ تاریخ معصومی کا درج کردہ مادہ

صاف ظاہر ہے۔

’معارف الانوار‘ کے مصنف محمد صالح ولد بکلا زکریا ٹھٹھوی نے لکھا ہے کہ: میاں علی ثانی نے جب دوسری بار حج پر جانے کا قصد فرمایا تو علماء کرام اور دیگر حضرات آپ کے ہاں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ آپ اس سال ارادہ حج ملتوی فرمادیں۔ آپ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی مگر اس موقع پر حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے اپنا ہی ایک سندھی شعر پڑھا کہ:

سرتین سانگ سکن جو، مون کی رویو رھائین  
آء ٹی ہلان هوت ڈی، تان هو واریو وھارین  
وریتین ورن سین، وینون گھر گھارین  
کھنڈا ٹیون کارین، کانہ ہلائی کیچ ڈی (۱)

[سکھوں کو اپنے سکھ کا خیال ہے، روتے ہوئے مجھے روک لیتی ہیں  
میں ساجن کی طرف چلنے کی کرتی ہوں تو وہ لوٹا کر بٹھا دیتی ہیں

سہاگن عورتیں اپنے سہاگوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے زندگی بسر کر رہی ہیں  
تھکے ماندے لوگوں کو خراب کرتی ہیں، محبوب کے دیس کی طرف کوئی بھی نہیں بھجواتی۔]  
تاریخ معصومی میں ہے کہ میاں سید علی ثانی ایک عالم و بزرگ ہونے کے ساتھ سماع کے بھی شائق تھے۔

آپ مکلی کی خانقاہوں پر سماع کراتے تھے۔ ’معارف الانوار‘ کے مصنف نے صاف طور پر لکھا ہے کہ جن علماء وغیرہ نے آکر ان سے گزارش کی تھی، آپ نے انہیں اس شعر کے ذریعے جواب دیا اور وہ شعر آپ نے ہی کہا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ میاں سید علی ثانی ایک عالم و برگزیدہ اور سندھی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کا یہ شعر تقریباً ۹۳۰-۹۶۵ء کے عرصے کا ہو سکتا ہے، کیونکہ اسی عرصہ کے دوران ہی ان کا حج کے لئے جانا قرین قیاس نظر آتا ہے۔ ان کے ایک ہمعصر اللہ ڈنو درس ان سے بیت بازی کرتے تھے لیکن اللہ ڈنو درس کے ان اشعار کے متعلق آج تک کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ (۲)۔

(۱) ’معارف الانوار‘ کے قلمی نسخہ سے اخذ کردہ۔ اصل عبارت یوں ہے: ”ٹینڈا ٹیون کھارین“ جسے یوں پڑھا جائے گا: ”تہ پندان ٹیون کھارین“ (یعنی چلنے سے انہیں خنکارتی اور تھکاتی ہیں) لیکن اسے غالباً اصل میں اسی طرح پڑھا جاتا تھا جس طرح اوپر لکھا گیا ہے۔

(۲) دیکھیے ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوہ کا مضمون ”سندھی قدیم شاعری“ رسالہ ’نئی زندگی‘ ماہ ستمبر ۱۹۵۸ء

☆ مخدوم میاں ونہیو چاہیو: (۱)

تحفہ انکرام میں میر علی شیر قانع نے انہیں اپنے دور کے مشائخ و اولیاء کبار میں ”صاحب حال و قال“ بتایا ہے۔ ۱۰۰۱ھ میں آپ نے وفات فرمائی آپ کا سالِ وفات ’مات فی عشق‘ (عربی میں) اور ’در عشق جاں سپرد‘ (فارسی میں) کے تاریخی مادوں سے نکلتا ہے۔ آپ ٹنڈو اللہ یار سے ٹنڈو آدم کی طرف جانے والی پختہ سڑک کے متصل مغرب کی طرف مدفون ہیں، جہاں پر بعد میں بیگمار خاندان کے سربراہان بھی مدفون ہوئے۔ آپ کا درج ذیل شعر ہمیں ولہاری بزرگوں کے کتب خانہ کے باقی ماندہ کاغذات میں سے ایک ورق پر لکھا ہوا ملا، جس کے پیچھے بطور تصدیق لکھا ہوا تھا کہ:

”کلام مخدوم ونہیو“

ذکن سین (مر) گھار، نیباہو نہ سکڑا

جھڑی تھڑی حال، لنگھی ویندا ڈینھڑا

[دکھوں کے ساتھ (کاش) زندگی گزار دے، کچھ بھڑا کرنے والے نہیں جیسے تیرے حال

میں دن بیت ہی جائیں گے۔]

☆ مخدوم قاضی عثمان دریلائی:

میر معصوم نے ”تاریخ سندھ“ میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب سے بڑے عالم تھے اور انہیں تمام علوم پر دسترس تھی۔ ازاں سوا بڑے پرہیزگار، متقی، نہایت متواضع اور معصوم صورت تھے، کسی سے کبھی نذر و نیاز قبول نہیں کیا، آپ کی بڑی درسگاہ تھی، اپنی زندگی اساتذہ اور شاگردوں کے ساتھ بسر کی اور ان کی خاطر تواضع اور خدمت میں گزار دی۔ سنہ ۱۰۰۲ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔

مخدوم عثمان کا شعر بھی ہمیں ولہاری بزرگوں کے کتب خانہ کے باقی ماندہ کاغذات میں سے ایک ورق پر لکھا ہوا ملا جسے موجودہ رسم الخط میں یوں لکھا پڑھا جاسکتا ہے:

جیکین لہیو سو پس، ان - لہیو کونہ مری

گالھیون ان جل و علی وھیٹیون، هن گولی کونھی وس (۲)۔

(۱) نام: ونہیو، اور ذات: چاہیو ہے۔ (مترجم)

(۲) یہ دونوں شعر خطی ورق کی فوٹو اسٹیٹ کے ساتھ ماہنامہ ”نئی زندگی“ اگست - ستمبر ۱۹۸۱ء میں پہلی مرتبہ راقم کے مضمون میں شائع ہوئے۔





[جو لکھا ہوا ہے اس کا مشاہدہ کر، بن لکھے کوئی نہیں مرتا  
اس جل و علی ذات کے اختیار کی باتیں اس کثیر کے اختیار میں نہیں۔]  
☆ شاہ خیرالدین اور ان کے ہم عصر درویش کے اشعار:

شاہ خیرالدین قادری طریقت کے ولی سکھر میں مدفون ہیں۔ ۹۱۱ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے، لیکن آخر الامر سکھر میں سکونت پذیر ہوئے جہاں پر سنہ ۱۰۲۷ھ میں وصال فرمایا۔ عام روایت ہے کہ ایک درویش آپ کے ہاں آتا جاتا تھا، جو ایک سال حاضر نہیں ہوا۔ شاہ خیرالدین نے اس کے متعلق استفسار فرمایا تو معلوم ہوا کہ دریا خوردی کی وجہ سے درویش کی خانقاہ ریت میں دب گئی ہے۔ یہ سن کر شاہ خیرالدین گھوڑے پر سوار ہو کر اس جگہ پہنچے اور جب اوپر سے ریت اور مٹی ہٹائی گئی تو اس درویش کی کوشڑی نظر آئی۔ دروازہ کھول کر دیکھا تو درویش صحیح سلامت سجدہ میں پڑا ہوا نظر آیا یہ دیکھ کر شاہ خیرالدین اس سے مخاطب ہوئے:

نہ تو کعبو، نہ تو قبلو، رہین تو منجھہ سجود  
ویساری پاٹ کھی، ملین سان دریا  
[تو کعبہ ہے نہ قبلہ، (پھر بھی) تو سجدہ میں رہتا ہے  
خود کو بھلا کر دریا سے ہم آغوش ہو گیا ہے۔]  
یہ سن کر درویش نے جواب دیا کہ:

کوہ کندو تن قبلو، جن سجاتو سلطان  
پرین اسین پاٹ، سجود کرھون کن کھی  
[قبلہ ان لوگوں کو کیا کرے گا جنہوں نے 'سلطان' کو پہچان لیا  
ہم خود ہی محبوب ہیں، سجدہ کسے کریں۔]

وصال کے وقت شاہ خیرالدین کی عمر ۱۱۵ سال تھی۔ مذکورہ بالا روایت کے مطابق انہوں نے تقریباً اسی (۸۰) برس کی عمر تک گھوڑے پر سواری کی ہوگی، اس اعتبار سے یہ اشعار اندازاً ۱۵۸۲/۹۹۰ء کے ہو سکتے ہیں (۱)۔

(۱) "اب تاریخ سند" میں خدا واد خان نے یہ شعر اسی طرح دیے ہیں۔ (دیکھیے "اب تاریخ سند" راقم کی تصحیح سے فارسی متن ص ۱۵۰، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ۱۳۷۸/۱۹۵۹ء) لیکن یہ شعر مقامی طور پر مشہور رہے ہیں اور بعض دیگر روایات کی رو سے ان کے پڑھنے میں اختلاف ہے۔ تذکرہ لطیفی (حصہ اول، ص ۷۳) میں بتایا گیا ہے کہ "رسالہ فنیۃ امیہ" اگست ۱۹۲۳ء میں ان کی یہ گنگٹواں طرح درج ہے:

سوال: نہ توں کعبو، نہ توں قبلو، رہین منجھہ سجود  
جواب: کوہ کندا قبلہ، جن سجاتو سلطان  
پرین اسین پاٹ، کریون سجدو کنھن کھی.



## ☆ مخدوم عثمان انگھم کوٹی:

میاں شاہ کریم نے بیان فرمایا ہے کہ: مخدوم محمد اسماعیل سومرہ، فقیر بھی تھے اور غنی بھی، آپ کے ہاں بھینسیں کثرت سے ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ مخدوم اسماعیل کی بیٹی نے مخدوم عثمان سے، جو اس دور کے زیرک شخص تھے، پوچھا کہ ہماری لونڈیاں دودھ بلوتے وقت پاؤں کو اکڑا کر متھانی/بلوئی چلاتی ہیں تو اس وقت وہی کے کچھ قطرے پاؤں کو لگ کر دوبارہ اسی برتن میں گرتے ہیں، کیا وہ قطرے پاک ہیں؟ مخدوم عثمان نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا:

چاری پَلّے چکے ہر، پُچی باربر وٹ

ان اھڑی احتیاط سین، قنٹ پچاٹا قنٹ (۱)

[چاروں پلو کچھڑ میں لت پت ہیں اور پوچھتا ہے کبوتر کی بیٹ

کے بارے میں ایسی احتیاط پر بار بار لعنت ہو۔]

مخدوم محمد اسماعیل سومرہ انگھم کوٹ (موجودہ اگھامانہ) کے رہنے والے تھے اور وہاں ہی سنہ ۹۹۶ھ (۱۵۸۸ء) میں وصال فرمایا۔ مذکورہ بالا قصہ ان کی زندگی کے درمیانی دور ۹۵۰-۹۷۰ھ) کا ہو سکتا ہے، جس زمانے میں ان کے گھر میں کثرت سے دودھ بلویا جاتا تھا اور خود ان کی بیٹی بھی دودھ بلوتی تھی۔ مخدوم عثمان شاید ان کے کوئی عزیز رشتہ دار تھے جن سے ان کی بیٹی نے یہ سوال پوچھا اور انہوں نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا۔ اس قصہ کی علامت سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ شعر مخدوم عثمان کا اپنا کہا ہوا ہے۔

## ☆ میاں شاہ کریم کے ایک ہمعصر درویش کا شعر:

ایک دن شاہ کریم سوار ہو کر اپنے مریدین کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک ایسے شخص سے ان کا آئنا سامنا ہو گیا جو درویشی، مجاہدہ نفس اور ترک لباس کی وجہ سے مشہور تھا۔ لیکن اس وقت اس کے بدن پر سفید لباس اور سر پر بڑی دستار تھی۔ شاہ کریم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ: تو وہی ہے جو پہلے تھا؟ وہ شخص شاہ کریم کا مطلب سمجھ گیا اور اس نے یہ شعر پڑھا:

قَتیون کَر قَزکیون، وَر وَنگائی پاء

جَا تَنَ اندر کاء، سا معلوم محبوب کی (۲)

[چھوٹی پگڑی باندھنا ترک کر، ٹیڑھے ہی پیچ باندھ

تن من میں جو (روگ) عشق ہے، وہ محبوب کو معلوم ہے۔]

(۱) شاہ کریم بلوئی دارے جو کلام ۱۹۳۷ء، ص ۱۱۰-۱۱۱

(۲) ایضاً ص ۲۰

ظاہر ہے کہ یہ شعر میاں شاہ کریم کی وفات (۱۰۳۲ھ) سے کم از کم تیس برس پہلے کا ہے، جن زمانے میں شاہ کریم گھڑسواری کرتے تھے۔

☆ میاں شاہ کریم کے ایک اور ہمعصر کا شعر:  
میاں شاہ کریم سے ان کے مریدین نے پوچھا کہ: فلاں شخص یہ شعر پڑھتا ہے، ہمیں حیرت ہے اور اس کے معنی نہیں سمجھ پا رہے:

واہی و جیم چال ہ کین سین کین سٹیان

یلو کری پال تہ اکین سین اندو ٹیان (۱)

[کاش گونگا بن جاؤں اور زبان سے بہرا ہو جاؤں

خدا پاک مہربانی فرمائے تو آنکھوں سے اندھا ہو جاؤں۔]

یہ شعر میاں شاہ کریم کے وصال (۱۰۳۲ھ) سے پہلے کا کہا ہوا ہے۔

شاہ کریم کے زبانی بیان شدہ اشعار اور ان کی زبان:

شاہ عبدالکریم (۹۴۴ھ/۱۰۳۲ھ-۱۵۳۸-۱۶۲۳ء) اپنے دور کے صاحب الفتح صاف دل صوفی اور ولی شخص تھے، ان کا اخلاق و کردار اسلامی تصوف و طریقت کا روشن آئینہ تھا۔ وہ اپنے مریدین و معتقدین اور دوسروں کی رہنمائی و ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً عمدہ نصیحتیں کرتے اور موقعہ اور موضوع کی مناسبت سے بہترین سندھی مثالیں بطور شعر سناتے تھے۔ آپ کے وہ ”ملفوظات“ (نصائح، ہدایات اور مثالی اشعار) آپ کی وفات کے چھ سال بعد سن ۱۰۳۸ھ میں آپ کے ایک وانا، ویندار اور مرید صادق محمد رضا ٹھٹھوی نے ”بیان العارفین و تنبیہ الغافلین“ کے نام سے کتابی صورت میں قلمبند کیے۔ دیگر ہدایات اور نصائح کے ساتھ ان میں جو اشعار تھے وہ محمد رضا اور دوسرے مریدین نے خود شاہ کریم سے ان کے زبانی سنے تھے۔

محمد رضا نے ’بیان العارفین‘ فارسی میں لکھی، اس کے بعد اس کے سندھی میں بھی تراجم طبع ہوئے۔ خوش قسمتی سے ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم کو خود محمد رضا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اصل ’بیان العارفین‘ (فارسی) دستیاب ہوگئی، جس سے انہوں نے تقابل کر کے سندھی اشعار کو اپنی مرتب کردہ کتاب ”شاہ کریم بلودی وارے جو کلام“ میں شامل کیا، جس کے حوالہ جات اس سے قبل باب پنجم میں آچکے ہیں۔ اس کتاب میں ایک سو سے زائد اشعار شامل ہیں، جن میں سے ۹۴ اشعار (کسی اور ثبوت نہ ہونے کی بناء پر) ڈاکٹر صاحب نے مرحوم شاہ کریم کی طرف منسوب کر کے لکھے

ہیں مگر ان کے ساتھ انہوں نے یہ بھی واضح طور پر لکھا ہے کہ:

”یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ ان ۹۴ اشعار میں سے کتنے شعر شاہ کریم کے ہیں؛ کیونکہ بیان العارفین کے مصنف نے سواء چند ایک مقامات کے کہیں پر بھی وضاحت سے نہیں بتایا کہ یہ اشعار خود شاہ کریم کے ہیں۔“ (۱)

داؤد پوتہ صاحب کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ، یقین سے نہیں کہا جاسکتا، کہ بیان العارفین میں کون سے شعر خود شاہ کریم کے ہیں؟ کتاب میں ایک سو تین مکمل اشعار (۲) اور دو مصرع درج ہیں۔ ان میں سے موجودہ معلومات کی بنیاد پر خواہ ہماری اپنی سوچ بچار کے مطابق کم از کم ۱۵ اشعار یقینی طور پر دوسروں کے ہیں (۳) اور باقی ماندہ ۸۸ اشعار اور دو مصرعوں میں سے بھی سب کے متعلق یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ شاہ کریم ہی کے ہیں (۴)۔ البتہ ان میں سے اکثر اشعار میاں شاہ کریم کے ہو سکتے ہیں، خاص طور پر وہ اشعار جو میاں شاہ کریم نے دوسروں کے اشعار کے جواب میں کہے، وہ یقیناً انہی کے ہیں۔ بہر حال یہ تمام اشعار

(۱) 'شاہ کریم بلوی دارے جو کلام دیکھیے مقدمہ کے طور پر ڈاکٹر داؤد پوتہ کا نوشتہ 'شاہ کریم بے زندگی جو احوال' ص ۲۶-۲۷  
(۲) ڈاکٹر داؤد پوتہ نے جن مکمل اشعار اور مصرعوں کو نمبر شمار دیا ہے وہ کل ۹۴ ہیں، لیکن انہوں نے ان میں سے ایک شعر کو دو مرتبہ شمار کیا ہے۔ درحقیقت شمار نمبر ۱۵ اور ۸۱ ایک ہی شعر ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ نمبر شمار دیے ہوئے اشعار ۹۱ اور دو مصرعے، کل ۹۳ عدد ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۲ عدد دوسرے سندھی اشعار بھی ہیں جو درج ذیل صفحات پر موجود ہیں۔ (صفحات: ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۱، ۳۶، ۶۱، ۶۹، ۸۳، ۸۸، ۹۴، ۱۱۱ اور ۱۱۳)

(۳) ان میں سے سات اشعار قاضی قادن کے نام سے ہیں (دیکھیے: 'شاہ کریم بلوی دارے جو کلام' ص ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۶، ۸۸، ۹۴ اور ۱۱۳) نیز ایک شعر (شعر نمبر ۳۰) دہلی سے مطبوعہ قاضی قادن کے اشعار کے ذخیرہ میں (نمبر ۳۳) موجود ہے؛ اور ایک شعر (نمبر ۷۸) محمد غوثی گوالیاری نے اپنی کتاب 'مکمل ابرار' میں بصورت ترجمہ قاضی قادن کے نام سے درج کیا ہے؛ ایک اور (شعر نمبر ۴۸) شعر پراڈ ذات/قوم کے شاعر کا ہے جس میں اس کا نام بھی موجود ہے؛ ایک اور (ایضاً ص ۱۱۱) شعر خمد عثمان اٹھکی کا ہے؛ باقی چار دوسرے شعر (ایضاً ص ۲۰، ۶۱، ۶۹ اور ۸۳) ایسے ہیں جن میں سے ایک شعر تو راہ چلتے ہوئے شاہ کریم کے ایک شناسا شخص نے ان کے سامنے پڑھا اور تین اشعار دوسرے شعراء کے ہیں جن کے معنی کے متعلق آپ کے مریدین نے آپ سے سوال کیا تھا۔

(۴) بیان العارفین میں درج وہ اشعار جن کے متعلق بتایا گیا ہے کہ: "پھر آپ نے یہ (ایک یا دو) شعر پڑھے، وہ اکثر شاہ کریم ہی کے ہیں؛ دوسرے وہ اشعار جو کسی بات کے اختتام پر صرف 'شعر' کے عنوان سے درج ہیں ان میں سے کچھ اشعار دوسروں کے بھی ہو سکتے ہیں۔ ہماری سوچ کے مطابق ان اشعار میں سے دو چار شعر ایسے ہیں جو شاید کسی اور کے ہیں۔ ابتدائی شعر نمبر ۱ پہلے کا ہو سکتا ہے، کیونکہ قاضی قادن کا ایک شعر گویا اس شعر کے معنوی جواب کے طور پر کہا ہوا ہے۔ شعر نمبر ۱۷ غالباً قاضی قادن ہی کا ہے، کیونکہ قاضی قادن ہی نے 'کھاہوڑیوں' (فقیروں کے ایک گروہ) کے معنوی مضمون کا آغاز کیا، جس پر ان کا اپنا ایک شعر (دہلی سے مطبوعہ کلام، شعر نمبر ۳۶) بھی گواہ ہے۔ دوسرا یہ کہ اس شعر میں 'کھاہوڑیاں' لفظ جمع کی صورت میں شاہ کریم کی لاڑی زبان کے مطابق نہیں بلکہ شالی سندھ کی قاضی قادن کی زبان (یعنی لہجہ اور انداز) کے مطابق ہے۔ شعر نمبر ۷۷ قاضی قادن کا ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے بعد والا شعر نمبر ۸۷ بھی قاضی قادن کا ہے جس کی غوثی نے بھی تصدیق کی ہے۔ شعر نمبر ۲۸ بھی غالباً کسی اور کا ہے، کیونکہ اس میں موجود لفظ 'سے' کے معنی شاہ کریم نے سمجھائے ہیں۔

(اور مصرعے) مریدین نے میاں شاہ کریم کے روبرو ان کی وفات (۱۰۳۲ھ/۱۶۲۳ء) سے قبل ان کی زبانی سنے، جنہیں بعد میں محمد رضا نے رجب ۱۰۳۸ھ (۱۶۲۹ء) میں لکھا۔

میاں شاہ کریم ٹھٹھ علاقہ کے رہنے والے تھے اور محمد رضا بھی ٹھٹھ میں رہتے تھے اور جن دیگر افراد سے محمد رضا نے وہ اشعار سنے اور لکھے وہ بھی اکثر اسی علاقہ کے باشندہ تھے۔ شاہ کریم نے اپنی زندگی کے آخری تیس بتیس سالوں ہی میں یہ اشعار بطور نصیحت و ہدایت اپنے مریدین کے روبرو پڑھے ہوں گے اور ان کے مریدین کو بھی اتنے ہی عرصہ میں پڑھے ہوئے اشعار یاد رہ سکے ہوں گے۔ اس لئے کافی وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان اشعار کی زبان (لہجہ اور انداز) اور پڑھنے کا طریقہ جو ہم تک تحریراً پہنچا ہے وہ تقریباً (۱۰۰۰-۱۰۳۸ھ (۱۵۹۱-۱۶۲۹ء) کے دور کی سندھی زبان ہے، جو لاڑ (جنوبی نشیمن سندھ) خصوصاً ٹھٹھ پرگنہ میں رائج تھی۔ 'بیان العارفین' میں درج قاضی قادن اور بعض دیگر شعراء کے اشعار بھی اسی زبان کے تلفظ کے مطابق ہی بیان ہوئے اور لکھے گئے ہیں۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ 'بیان العارفین' میں درج شدہ تمام اشعار سولہویں صدی کے اواخر اور سترہویں صدی کے نصف اول کی 'لاڑی سندھی' کی پختہ دستاویز اور مستند مثالیں ہیں۔ سندھی زبان اور شاعری کا یہ قدیم ترین اور بڑے میں بڑا ذخیرہ ہے، جو اس دور کی 'معاصرانہ' تحریر و کتابت میں ہم تک پہنچا ہے۔

ان اشعار کے مطالعہ سے اس دور کی لاڑی سندھی زبان کے بارے میں بالعموم اور ٹھٹھ علاقہ کی زبان کے متعلق بالخصوص درج ذیل نتائج قائم کیے جاسکتے ہیں:

(الف) باوجود اس کے کہ سندھ میں عربی و فارسی تعلیمی سلسلہ رائج تھا اور ان زبانوں میں اولیاء اللہ اور علماء کا علم و آگہی بھی عمدہ تھی (۱) سندھی زبان خالص صورت میں لکھی اور بولی جاتی تھی۔ 'بیان العارفین' میں درج ایک سوتین اشعار اور دو مصرعوں کے بڑے ذخیرہ میں، جن میں علم و فکر کے بڑے گہرے خیالات پوشیدہ ہیں، صرف تقریباً ۲۷ عربی الفاظ (۲) اور تقریباً چار فارسی الفاظ (۳) استعمال ہوئے ہیں۔

(۱) شاہ کریم کو فارسی کی اچھی خاصی تعلیم حاصل تھی، انہیں مولانا روم کی 'مثنوی' اور 'دیوان کبیر' کے اشعار بر زبان یاد تھے۔ وہ مریدین کے ساتھ اپنی مجالس میں قرآن پاک کی آیات اور فارسی اشعار پڑھتے تھے۔ ان کا سنایا ہوا ایک فارسی شعر غالباً ان کا اپنا ہی تھا جسے محمد رضا نے صحیح طرح سے نہیں لکھا اور وہ اصل میں شاید یوں تھا:

گر دست من جہیست، ولی چشم من پُر است

دریای دل من است کہ آن پُر از گوہر است

(۲) ان کے علاوہ چار پانچ الفاظ عربی ہی سے نکلے ہوئے مگر سندھی (رسم الخط) صورت میں ہیں، جاب (جواب)، ہو (ہو)، مجازی حقیقت، سلامی۔ اس کے علاوہ تین عربی کتاہوں کے نام بھی ہیں مثلاً: کنز، قدوری اور کافہ۔

(۳) دم، دابغ، نابودی اور نادی۔ ایک اور لفظ 'ملو' (مثلاً) سندھی صورت (رسم الخط) میں استعمال کیا گیا ہے۔

(ب) زبان جس طرح بولی جاتی تھی اسی طرح لکھی اور پڑھی جاتی تھی: یعنی عوام اور پڑھے لکھے لوگوں کی زبان میں فرق نہیں تھا۔ اسی فرق نہ رکھتے ہی کی وجہ سے علماء اور خواندہ لوگوں نے زیادہ تر الفاظ ویسے ہی لکھے جیسے تمام عوام میں وہ بولے جاتے تھے۔ عربی اور فارسی الفاظ کے ساتھ بھی 'غلط العام' کا اصول لاگورہا، جس پر درج ذیل مثالیں گواہ ہیں:

جَابُ مَ ذِي = جواب مَ ذِي (جواب مت دے)

سَجَنُ سَاتِ هِيكَزِي = سجن سأت هیکڑی (ساجن ساعت ایک)

واڻي وڃيم ڇال = واڻي وڃيم شال (خدا کرے کہ میں گونگا بن جاؤں)

(ج) ہم اوپر دوسرے باب کے تحت بعض قدیم سندھی فقروں اور جائوں کی زبان کے مطالعہ کی بنیاد پر کہہ آئے ہیں کہ اس دور کی سندھی زبان میں طویل حروف علت (آ، او، ای) اور 'اضافت' یا 'جر' کے جداگانہ حروف (جے، کھے، میں وغیرہ) کا سلسلہ موجود نہیں تھا۔ اس دور میں بھی طویل حروف علت کے تلفظات کے بجائے چھوٹے حروف علت زیر، زبر، پیش ہی کے تلفظات (زیادہ نہ سہی مگر کچھ نہ کچھ) باقی رہے، جداگانہ حروف اضافت (جو، جی، جے وغیرہ) اور حروف جر (کھے، میں وغیرہ) کے بجائے مشترکہ ترتیب کی اضافی اور جری تراکیب بھی اس دور کی زبان میں زیادہ رائج اور نمایاں رہیں۔

☆ طویل تلفظات کے بجائے چھوٹے تلفظات کی مثالیں:

لُھُ = لوہُ (لوہا)

هٺد = هُونْد (مؤنٹ صفت ہے، ہونے کی حالت، موجودات، ملکیت، دولت، طاقت، نیز حرف تمنا ہے، کاش، کیا ہی اچھا ہو)

تُهَان = توہان = توري (آپ = تیرے بغیر)

سُھون = سونھون (صفت مذکر ہے اس کے معنی ہیں راستے کا واقف، راستہ دکھانے والا، رہنما، پیشوا، واقف، جاننے والا)

سَرَّے = سریوے، سَرِيئي (حاصل ہو، ملے، بسر ہو، تجھے حاصل ہو، تجھے بسر ہو)

ڏھُ = ڏِيھُ (دیس، ملک سنسکرت زبان کا لفظ ہے)

☆ جداگانہ حروف جر کے بجائے مخفی مشترکہ ترتیبیں:

جداگانہ حروف جر 'کھے'، 'کھان'، 'مان'، 'وٹ' کے بجائے اس کی مخفی مشترکہ ترتیب (جری

تراکیب) زیادہ رائج تھی (۱)، جیسا کہ تمام ذخیرہ میں جداگانہ حرف جر ٹہی، (کھے) کی ترتیب کی تقریباً دس مثالیں اور مشترکہ ترتیب کی تقریباً پچیس درج ذیل تراکیب موجود ہیں:

جٹان = جتان کان (جٹاں کھان = جہاں سے)  
 پاگن = پگن کی (پگن کھے = پاگوں کو)  
 لوکان = لوک کان (لوک کھان = دنیا سے، جہاں والوں سے)  
 چگیرن = چگیرن کی (چگھیرن کھے = بہادروں کو)  
 تٹان = تنھن جاء کان (تنھن جاء کھان = اس جگہ سے)  
 اویساھن = اویساھن کی (اویساھن کھے = لنگر کی زنجیر باندھنے کے کھونٹوں کو)  
 پنپورا = پنپور کان، مان (پنپور کھان، مان = پنپور سے)  
 اکینٹون = اکین کان (اکین کھان = آنکھوں سے)  
 تہان = تنھن کان (تنھن کھان = اس سے)  
 ڈوھنٹون = ہنہی کان (ہنہی کھان = دونوں سے)  
 لوک (ٹہی) = لوک کی ٹہی (لوک کھے تھئے = دنیا کو ہو، جہاں والوں کو ہو)  
 ورنام = مون کی ورنا، مون تی ورنا (مون کھے ورنا، مون تے ورنا = میری طرف واپس ہوئے، مجھ پر لوٹے)  
 کنڈی (پچن) = کنڈی کی، کنڈی وت پچن (کنڈھی کھے، کنڈھی وٹ پچن = کنارے پر پہنچنا)

جاگا یوس = مون کی جاگا یو (مون کھے جاگا یو = مجھے بیدار کیا)

سنبوینن = سنبوین کی (سنبوین کھے = لوہے کے بڑے سوں والوں کو)

سونهٹی = سونھٹی (سہٹی) کی (سونہٹی (سہٹی) کھے = سونٹی کو)

چوڑی = توکی چون (تو کھے چوڑن = تجھے کہیں، بولیں)

گوری = گوری کی (گوری کھے = گوری، حسین کو)

وسرٹوس = ہن کی وسرٹو (ہن کھے وسرٹو = اُسے بھولا)

جیدین = جیدین کی (جیدین کھے = سہیلیوں کو، ہم عمروں کو)

(۱) یعنی جملہ میں 'کی' (کھے = کو، طرف)، 'کان' (کھان = سے، از) وغیرہ کے جداگانہ حرف جر بہت کم استعمال ہوتے تھے، اس کے بجائے ٹہی حرف جر کی مشترکہ ترکیب زیادہ رائج تھی مثلاً 'ذیبہ کان' (دیس سے) کہنے کے بجائے 'ذیبھان' (دیس سے) اور 'گوری کی' (گوری کو) کہنے کے بجائے 'گوری' (گوری کو) استعمال ہوتا تھا۔ (مترجم)

کُنا = کُن (ہائی جی) کان، مان (کُن (پانی جے) کھان، مان = بھنور، گرداب (پانی کا) سے)

سیٹڑین = سیٹڑین (کمانن) کی (سیٹڑین (کمانن) کھے = چھوٹی کمانوں کو)  
آرا = آر (ہائی جی) کان، مان (آر (پانی جے) کھان، مان = (گرداب، بھنور) پانی کا) سے، دریا کے بہاؤ سے)

گھاتوئن = گھاتوئن کی (گھاتوئن کھے = شکاریوں، مچھیروں، غوطہ خوروں کو)  
ماروئن = ماروئن کی، وٹ (ماروئن کھے، وٹ = دیہاتیوں، سادہ لوحوں، مسکینوں کو، کے پاس)

☆ 'سان' اور 'سین' حرف جر کی مخفی مشترکہ تراکیب:

حرف جر 'سان' اور 'سین' (بمخفی سے، ساتھ، مع، پاس، قریب) کی جتنی جداگانہ (تقریباً آٹھ) صورتیں ہیں اس سے کچھ زیادہ ہی (تقریباً دس) مخفی مشترکہ حرف جر 'سان' کی تراکیب استعمال ہوئی ہیں۔ مثلاً

(لگ گڈجن) لوکے = لوک سان (لوک سان = دنیا کے ساتھ، جہان والوں کے ساتھ)

کارین کین = کارن کنن سان (کارن کٹن سان = کالے کانوں کے ساتھ)

نیابی = نیابی سان (نیاپے سان = پیغام کے ساتھ)

ھیجا = ہیج سان، مان (ہیج سان، مان = چاہت سے)

سَدین = سَدن سان (سَدین سان = خواہشات کے ساتھ)

ڈوہ = ڈوہ سان، ہر (ڈوہ سان، ہر = جرم کے ساتھ، میں)

کَریندی = کَرن سان (کَرن سان = کرنے سے)

مانکین = مانکن سان (مانکن سان = سفیدی مائل سیاہ آنکھوں سے)

کَرہیندی = کَرہن (کاوڑجن) سان (کَرہن سان = ناراض ہونے سے)

ہارین = ہارن سان، ہارن وارا (ہارن سان، ہارن وارا = نشانات اور اوصاف کے

ساتھ، نشانات والے)

☆ حروف اضافت کی مشترکہ اضافی تراکیب:

حروف اضافت (جو، جی وغیرہ) کی جداگانہ (تقریباً گیارہ) صورتوں کے مقابلے میں

درج ذيل (تقريباً ۲۷) مشترڪه اضافي تراڪيب استعمال کي گڏي پڻ:

اڱڻ هوڏ = اڱڻ جي هوڏ (آنگن کي شرط رکھڻا/ضد ڪرڻا)

پڪڻان = پڪين جو (پرنڊوڻ کا)

ٻاڻياري سر = ٻاڻيھاري جي سرتي (پاني والي کي سر پر)

ٻرين ٻر = ٻرين جي ٻر (پرڻيم کا دستور، رواج، رسم)

ماڱرڙيا ري مڇڙا = مانگريائي جا مڇڙا (پھڃيرون کي ذات 'مانگريائي' کي مگر مڇھ،

گھڙيال)

سائين سڏ = ملاھن جو سڏ (ملاھون کا بلاوا)

گھاتوڻ وياء = گھاتوڻ جو اولاد (شڪاريون/پھڃيرون/غوطه خوروڻ کي اولاد)

ڪوڙ ڪماڙئين = خراب ماڻھن جي ڪوڙ (گھٽائي) (خراب لوگوں کي ڪثرت)

ڏيئي وٽ = ڏيئي جي وٽ (چراغ کي پتي/فتيلھ)

چوري ٻاھت = چوري جو ٻاھت (چوري کا نيگ)

گھوتئين گھور = گھوتن جي گھور (دولھاوڻ/نوشاھوڻ/بھادروڻ/غازيوڻ کي بخشش،

نوشاھوڻ کي واري)

ٻاڳن ور = ٻڳن جا ور (دستار/پاڳ (جمع) کا پھيرا دينا، آڱا لينا)

ڳال مور = ڳالھ جو مور (مُنيڊ، بڻ) (بات کا آغاز، بڻ بنياد)

ڪھاڙ مھ = ڪھاڙي جو منھن (ڪھاڙي کا رخ)

چارئين چندا = چارڻن جي چندا (ڳٽئي) (گوٽوڻ کي نگرمندي)

ڪاڪ وٽن = ڪاڪ جي وٽن (ڪاڪ دريا کي درختوڻ)

توبھ تاء = توبھ جو تاء (توبھ کي گرمي)

ٻارير وٽ = ٻارير جي وٽ (ڪبوٽر کي بيٺھ)

ڪلاچي ٻار = ڪلاچي جي ٻار ڪان (ڪلاچي کي اُس طرف س)

گھروء = تنھنجو گھر (تيرا گھر)

پڪيان ٻير = پڪين جو ٻير (پرنڊوڻ کا ٻير)

مُھان = انھن جا مُنھن (ان کي منھ)

مران (مروٽان) = مروٽن جا (خزيروڻ کي)

قوڙاڻون = انھن جو قوڙاڻو (ان کا فراق)



مُوران = مورن (ماکوڑین) جو (چوٹیوں) (کوڑیوں) کا)

گھوٹین = گھوٹن جا (دولھاؤں کے)

تَرَکین = تَرَکین (بتکن) جو (چھوٹی پگڑیوں کا)

☆ 'جا' کے معنی میں 'کا' حرفِ اضافت کا استعمال:

بیان العارفین میں ایک شعر ملتا ہے جس میں 'جا' حرفِ اضافت کے معنی میں 'کا' حرفِ اضافت استعمال ہوا ہے اور یہ استعمال پہلی مرتبہ اسی شعر میں ملتا ہے:

متارکا گپرو، گرت نہ بدن گوڈ

آٹیا اگہن ہوڈ، سر ڈٹو سرو پین

[میخوار باہمت جوان تہد میں، کمر کے ساتھ رقم باندھ کر نہیں چلتے

لیکن صحنِ میخانہ میں سر کی بازی لگا کر شراب پیتے ہیں۔]

'متارکا' یعنی میخواروں کے، سندھی کی قدیم اصطلاح میں موالیوں اور میخواروں کو

'متارا' کہا جاتا تھا۔ یہ حرفِ اضافت 'کا' وہی ہندی والا 'کا' ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میاں

شاہ کریم یا کسی اور نے اسی دور میں ہی یہ لفظ استعمال کیا، کیونکہ 'کا' اور 'کی' (جا، جی اور جے)

کے حروفِ اضافت قدیم دور سے ہی سندھی کی بعض مخصوص معنوی صورتوں، خاص طور پر 'اراضی'

اور عام 'پیشہ' کی طرف نسبت (اضافت) میں زیادہ استعمال ہوتے تھے: اراضی کی مثالیں جیسا کہ

'سارکی' (دھان فصل کی اراضی)، اونکی (اونٹنی = اونٹ والوں کے قبیلہ کی اراضی) اسی

طرح ڈھری، رہڑی، گھونگی وغیرہ کی مثالیں ہیں۔ اور پیشہ کی طرف نسبت (اضافت) کی

مثالیں، مثلاً سونارکو (سنار کے پیشہ والا)، وادکو (وادھکو = بوہی/ترخان کے پیشہ والا)،

رازکو (راج، معمار کے پیشہ والا)، لوہارکو (لوہار کے پیشہ والا) وغیرہ۔

☆ حرفِ جر 'میں' کی مخفی مشترکہ تراکیب کا استعمال:

مخفی حرفِ جر 'میں' کی درج ذیل مشترکہ جری تراکیب (تقریباً ۱۶) کے مقابلہ میں

جداگانہ حرفِ جر 'میں' کی صورتیں زیادہ (تقریباً ۲۰) ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ 'میں' استعمال

کرنے کا رجحان اس دور میں کچھ زیادہ ہوا۔ مثلاً:

وَدین ہور = ہورم (بیقراری میں، شیخی، گھمنڈ میں)

مَن = من ہر (من میں)

پنجین دمین = پنجن درہمن ہر، سان (پانچ درہموں میں، کے ساتھ)

پَنڈَر = پندر (ظاہر) ہر (ظاہر میں)

کارین راتین = کارین راتین ہر (سیاہ راتوں میں)

اگنِی = اگنی ہر (آگن میں)

مَنہہ = منہن ہر (چھپھریا جھونپڑے میں)

چاچر = چاچر ہر (دور تک پانی ہی پانی میں، گہرے پانی کی جھیل میں)

سَد = سد ہر، تی، سان (بلاوے میں، پر، کے ساتھ)

وہی = وہی (جلدی) ہر، سان (جلدی میں، تیزی کے ساتھ)

اکین = اکین ہر (آنکھوں میں)

پَتر = پتر (ہاتھاری، ہنڈ) ہر (بچھے ہوئے بستر میں، بچھونے میں)

گہر = گہر ہر (گہر میں)

اُتر = اتر ہر، ڈانھن (شمال میں، شمال کی جانب)

ڈوہ = ڈوہ ہر، سان (جرم میں، جرم کے ساتھ)

لاہ = لاہ ہر، ڈانھن (لاڑ میں، لاڑ کی طرف، نشیب میں، نشیب کی طرف)

’ھ‘ سے مرکب تلفظ اور نون غنہ، نیز ہمزہ اور ’ی‘ کے تلفظات کا عدم استعمال:

باب دوم کے تحت ہم نتیجہ کے طور پر کہہ آئے ہیں کہ ابتدائی دور کی سندھی زبان میں ’ھ‘ سے ’مرکب تلفظ‘ نیز ’نون غنہ‘ ہمزہ (ء) اور ’ی‘ (طویل حرف علت) کے تلفظات نہیں تھے یا نسبتاً کم تھے۔ ان تلفظات کا استعمال گزشتہ قریبی دور میں زیادہ ہوا، اس کی تصدیق ’بیان العارفین‘ کے اشعار میں استعمال شدہ الفاظ کے تلفظ، یعنی کہ سولہویں صدی کے نصف اول میں عام رائج

’لاڑی زبان‘ سے ہوتی ہے۔ مثلاً

’ن‘ غنہ کا نہ ہونا، مثلاً:

تا = تان (جب، بعد میں، کی وجہ سے، اوپر سے)

مٹا = مٹان (اوپر، اوپر سے، ابتدا سے، اول سے)

ای = این (اسی طرح، ایسے)

پاء = پانہ (چاہو، سمجھو کہ؟ خیال میں لا، اچھا لگا؟)

جی = جین (جس طرح، جیسے)

ہیجا = ہیجان (شوق سے، چاہت سے، ناز غمزہ سے)

کِیَ = کینہ (کس طرح، کیسے)  
 مُنڈَ = منڈ (عورت، زن، نوجوان بیوی، کم عقل بیوی، سادہ صاف دل بیوی)  
 کِہ = کھنہ (کس، کس نے)  
 پائیو = پائیو (چاہا، سمجھا، خیال میں لایا)  
 مہ = مہنہ (رخ، منہ)  
 ہیڑو = ہیڑو (دل، قلب اسم تغیر)  
 مو = مون (میں، میں نے)  
 داہون = داہون (دہائیاں، فریادیں، شکایات)  
 مونٹا = مونٹا (مجھ سے)  
 سیاری = سیاری (یادگیری کر کے، خبر گیری کر کے، کوشش کرے)  
 پیری = پیرین (محبوب، دلبر)  
 کندي = کندی (تو کرے گا)

’ہ‘ کے ملاپ والے تلفظات کا نہ ہونا: مثلاً

اي = اہي (یہ، وہی (جمع) کُلین = کُلین (کاندھوں میں، پر)  
 موجي = منھنجي (میری، میرے) ماڑوئین = ماڑوئین (لوگوں میں)  
 کال = کالہ (بات، قصہ) ہیڈان = ہیڈان، ہیڈانہ (ادھر، اس طرف، اس پار)  
 کال = کالہ (گل (آئندہ) ہوڈان = ہوڈان، ہوڈانہ (ادھر، اس طرف، اس پار)  
 گن = گنہ (لے، پکڑ) ہاڑی = ہاڑی (پہاڑی سلسلہ ہاڑے کا)  
 ڈیاڑی = ڈھاڑی (دہاڑی) کڈین = کڈین (کب، کبھی، بعضے، گاہے)  
 پیرین = پیرین (اول، شروع میں، ابتدا میں)  
 ’ء‘ (ہمزہ) کے علاوہ الفاظ کا تلفظ کرنا، مثلاً:

چو = چٹو (کہہ، بول) چاری = چارٹی (چاروں)  
 ڈی = ڈٹی (دے) جین = جین (جیسے)  
 جی = جی (جی، جواب نہا، من، دل، طبیعت) ڈوہنون = ڈوہنون (گناہ کی وجہ

(سے)

’ہ‘ اور ’ن‘ غنہ دونوں کے علاوہ تلفظ کرنا:

تي = تنهن (اُس) جي = جڻهن (جس)  
 تي هيئن = تنهن ئي (اُس ئي) باجي = پنهنجي (اپني)  
 الفاظ کي يہ صورتين کافي قديم معلوم ہوتی ہیں، مگر سولہويں صدي کے نصف اول تک بھی موجود تھیں۔

☆ 'لاڙي زبان' کي خصوصيات۔ اس دور ميں لاڙي زبان کي خصوصيات درج ذيل الفاظ کے ذريعي ظاہر ہوتی ہیں:  
 ۱۔ فعل کے صيغوں ميں 'اين' کے بجائے 'اين' (الف کي زير کے بغير يعني يائے مجہول کے ساتھ) کے

تلفظات، جيسا کہ: وجھين، کرين، وهين. (وهين، کريں، وهين = تو ڏالے، تو کرے، تو بيٺے)

۲۔ کچھ خاص نحوی ساختين، مثلاً: اهي (اِهي) (= اسي)، پسجي (پئجي) (= دیکھے)  
 ۳۔ کچھ خاص مقامی تلفظات، جيسا کہ ھوٺڙا (= ھٺڙا) (ھٺڙا = تھے)، ھيڪڙي (ھڪڙي) (بھڙي =)

ايڪ، مونٺ، بهار (باھر)، آھنجائو (آھنجو) (آھنجو = تڪليف وھ)  
 سوين۔ گيارھويں صدي هجري (۱۶-۱۷ويں صدي عيسوي) ميں مجموعي طور پر شمال خواه جنوب ميں، يعني تمام سنڌھ ميں معمولي فرق کے علاوہ ايڪ جيسي زبان رائج تھي۔ ميان شاھ کريم کي 'لاڙي سنڌي' خواه قاضي قادن کي سرے والي سنڌي کي اپني اپني چند ايڪ خصوصيات کے مقابلہ ميں، دونوں ميں اختلاف کم اور یکسانيت زيادہ ہے، مثلاً

۱۔ دونوں زبانوں ميں ايڪ اھم مشترکہ خصوصيت يہ ہے کہ دونوں زبانوں ميں جداگانہ 'حرف جزيا' حرف

اضافت کے بجائے مشترکہ ترتيب کي اضافي اور جري تراکيب کثرت سے هيں۔

۲۔ دونوں زبانوں ميں سرايگي الفاظ موجود هيں، جيڪا کہ ايڪ ئي لفظ 'ڏون' (= دو) قاضي قادن اور ميان

شاھ کريم دونوں کے اشعار ميں موجود ہے:

ٿنڌ، مَ ٿا، ڪٿا، ٻوڏ چُونِي ڇِي ڇو  
 جي پائين پري مڙا: تہ ڏوهنوں ڳڻ پيا  
 [هر جگہ تيزي (غصہ) سے بات من کر، اگر وہ تجھے 'لغت' يا 'لغت' يعني کلمہ نفيرين بھی

کہیں، پھر بھی ٹو انہیں 'جی' کہہ، اگر محبوب سے ملنا چاہتا ہے تو دونوں ('ٹف' اور 'جی') سے، یعنی دونوں کو، احسان تصور کر (۱)۔]

(شاہ کریم بلوی وارے جو کلام: شعر نمبر ۴۲)

ڈوہنون = (ڈوہنٹوں = دونوں) (ٹف اور جی) سے، دونوں کو۔

سیچاٹا تی سینھن، ڈوٹنٹن و سن جھنگ ہر

سی کٹر کاون کیٹن، ماس جنھین کی لکیو

[ 'شہباز' اور 'شیر' دونوں جنگل میں رہتے ہیں

جن کے لیے گوشت کھانا لکھا ہوا ہو وہ گھاس کیونکر کھائیں گے۔ ]

(قاضی قادن جو کلام: شعر نمبر ۱۱)

ڈونٹن = دونوں (شہباز اور شیر)

۳۔ نہ صرف دونوں زبانوں کی عام لغات ایک جیسی ہے، بلکہ کچھ خاص الفاظ بھی دونوں

میں ہو، ہو اور اُسی ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں، جیسا کہ:

قاضی قادن شاہ کریم

سینٹان = سائن (ان کے ساتھ)

سینٹان

کیٹان = کین، سندن (انہیں، ان کا)

کیٹان

جی = توڑی، جیتوٹیک، جیکڈھن (خواہ، اگرچہ، اگر)

جی

کیربندو، کیرین، کیریندی = 'کرن' مان فعل جی ('کرنا' مصدر سے فعل)

(کندو، کن) (کندی) بین صیغ ہر ہن 'کرائن' کے دوسرے صیغوں میں

بھی 'ز' کو لانا = کریگا،

کریں، کرتے ہوئے)

(جو جیسے ہی)

جو (= جیکڈھن) = جو (جیٹن ٹی)

(تو بھی)

توے = تہ بہ

توے

(۱) ڈاکٹر عبدالغفار سومرو نے اپنی تحقیق، ترجمہ اور تشریحی حوالہ جات کے ساتھ شائع کردہ "بیان العارفین و تنبیہ الغافلین" کے ص: ۵۹ پر اس شعر میں 'ڈوہنون' کہا، 'کا ترجمہ کیا ہے کہ 'اپنے گناہوں کو' (گن) سبھاؤ' نکلی، بھلائی میں تبدیل کر۔ یہاں پر سومرو صاحب نے "ڈوہنون" کو 'ڈو' کے وزن پر (تغیر زبر یا پیش) ذوہ = گناہ پڑھا ہے، جبکہ بلوچ صاحب نے اسے پیش کے ساتھ (ڈون = دو عدد) پڑھا ہے کہ حقیقت کے قریب اور ظاہری قرائن کے موافق ہے۔ کیونکہ یہاں گناہ یا ثواب کا بیان مقصود نہیں بلکہ محبوب کی طرف سے خوشی اور ناخوشی کے اظہار کے لیے 'بوڈ' (تف اور لعنت) اور 'جی' کہنے کی بات ہو رہی ہے، اس لیے یہ لفظ 'ڈوہنون' = دونوں ہے۔ 'ڈوہنون' (وال منقوط پر زبر یا پیش) علاوہ درمیانی تلفظ (گناہوں) نہیں ہے۔ (مترجم)

جُو جُو ..... جانُ جانُ .... = جیستائیں، تیسٹائیں (جب تک، تب تک)  
 جانُ جانُ = تانُ تانُ (جب جب، جس جس وقت)  
 جان ٹی (جتان) جائیں (جتان) = جتان (جہاں سے)  
 تان ٹی (تتان) تائیں (تتان) = تتان، تڈھن کان (وہاں سے، اس وقت سے، تب سے)

معمولی فرق کے ساتھ کی چند مثالیں:

لاہو لاء = لاڑ، ڈکٹی (نشی، جنوب)  
 کاتھی، کیتی = کٹی (کہاں، کہاں پر)  
 زبان کے عمدہ استعمال اور تخلیقی فکر کے اضافہ کے لحاظ سے بطور نتیجہ ہم یوں کہیں گے کہ شاہ کریم کا مقام بھی بہت بلند ہے۔ قلب و نظر کی وسعت کے ساتھ ساتھ ان کا حافظہ بھی بہت تیز تھا۔ انہیں اپنے سے پہلے کے اولیاء اور درویشوں کی سوانح کا اچھی طرح علم تھا اور نثر خواہ نظم میں ان کے ناصحانہ اقوال اور کلام سے بھی وہ آگاہ تھے۔

ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم نے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے ان کے متعلق صحیح رائے قائم کی تھی کہ: ”انہیں اپنے سے پہلے کے شعراء کا اکثر کلام یاد تھا“ (۱)۔ خاص طور پر عارف شعراء کا کلام انہیں از بر تھا اور سب سے زیادہ انہیں قاضی قادون کے اشعار سے آگہی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہ کریم قاضی قادون کے عارفانہ فکر اور گہرے نکات سے زیادہ متاثر تھے، کیونکہ ان سے قبل قاضی قادون ہی نے پہلے پہل اپنے اشعار میں کئی نئے مضامین اور موضوعات پیش کیے اس کے بعد ان شعراء نے جو شاہ کریم سے پہلے ہو گزرے تھے، یا شاہ کریم سے بڑے تھے یا ان کے ہم عصر تھے، انہوں نے اپنے اشعار میں وہی اور بعض نئے موضوعات پیش کیے۔ مثلاً کمالوں (سے خواروں) کا موضوع قاضی قادون کے اشعار میں نہیں تھا، لیکن ان کے کسی دوسرے ہم عصر نے اس موضوع پر شعر کہا (۲)۔ شاہ کریم نے اپنے اشعار میں کم از کم چھ ایک جیسے انہی موضوعات (توحید، وحدت و کثرت، ساجن کی یاد اور عشق، سستی، گھاتو (پھیرے یا شکاری) اور ہنس پرندہ) کو بار بار دہرایا ہے، جن کی بنیاد پہلی مرتبہ قاضی قادون کے اشعار میں رکھی گئی تھی۔ اس کے علاوہ قاضی قادون کے معنوی نکات، خاص الفاظ اور فقرات کو شاہ کریم نے اپنے اشعار میں استعمال کیا، مگر اس کے ساتھ ساتھ زبان میں بڑھتی ہوئی بیان کی صلاحیت اور وسعت کی وجہ سے اور اپنی نظر و ذہانت

(۱) ”شاہ کریم بلوی دارے جو کلام“ بطور مقدمہ احوال زندگی، ص ۲۵

(۲) ”سر ڈیٹی ست جوڑ، کنہین پر کلارن سین“

کے ذریعے انہوں نے اپنے اشعار میں نئے آٹھ موضوعات (پانی بھرنے والی عورت، مارٹی، میٹوار، بھاگوان مالداروں کی خانہ بدوشی اور علاقہ کچھ میں مویشی چرانا، موئل، سخی اور داتا، لیلیاں اور سونٹی) اور دو نئے معنوی نکات (صوفی اور صلح، مجازی اور حقیقی عشق) آشکار کیے۔ قاضی قادن کے بعد اشعار میں اس قدر نئے موضوعات کو پہلی مرتبہ شاہ کریم ہی نے بیان کیا، جو ایک طرف اس دور میں سندھی زبان کی وسعت بیان کی واضح مثال اور دوسری طرف شاہ کریم کے عارفانہ فکر کا کمال بھی تھا۔

## سندھ سے باہر کی سندھی، سندھی-سرائیکی اور دیگر پڑوسی زبانوں کی آمیزش کی شاعری کا ایک اہم ذخیرہ:

سندھ سے باہر دادو دیال اور پران ناتھ اس دور میں دو بڑے درویش ہو گزرے ہیں، جنہوں نے دیگر زبانوں کے علاوہ سندھی ابیات اور سلوکوں کا بھی اپنے پیچھے ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا۔ ان میں سے پران ناتھ کے ابیات اسی دور کی تحریر میں محفوظ ہیں، اس لیے وہ اصل متن کے اعتبار سے زیادہ مستند ہیں۔ دادو دیال بڑے اثر و رسوخ والا درویش تھا، جس کے پیروکار بھی بہت تھے اور اس کا مذہب و فرقہ راجستھان اور دیگر اکثر علاقوں میں پھیلا۔

دادو دیال اور اس کے مذہب و فرقہ کے دیگر سادھوؤں اور فقراء کا شعر زبانی روایات کے ذریعے زیادہ مشہور ہوا اور جس وقت اسے لکھا گیا تو اس وقت بھی اسے زبانی روایات ہی کے رنگ میں لکھا گیا۔

اس طرح کا ایک خاص قلمی پُستک، داو-پننتی بھگت ہریداس کی قائم کردہ ایک کُلیا میں محفوظ ہے، جس کے ایک مستقل جداگانہ باب کے تحت خاص طور پر ”قاضی قادن اور دیگر درویش“ شعراء کے سندھی ابیات لکھے گئے ہیں۔ اس باب میں درج اشعار ”قاضی قادن جو کلام“ کتاب کے ذریعے زیور طباعت سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکے ہیں (۱)۔ اور وہ کل ۱۱۸ اشعار ہیں جن میں سے تین شعر درویش قاضی محمود گجراتی کے ہندی میں ہیں۔ باقی ۱۱۵ ابیات سندھی اور سرائیکی میں ہیں جن میں سے مطبوعہ کتاب کی فہرست کے مطابق ایک شعر دادو دیال کا، ایک شعر فرید کا اور ایک شعر محلو، یا بھو، نامی شاعر کا ہے۔ اس کے علاوہ باقی ۱۱۲ اشعار اور ہیں۔ ہم اپنی موجودہ معلومات کی بناء پر فی الحال اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان ایک سو بارہ (۱۱۲) اشعار میں سے زیادہ سے زیادہ ستمبر (۷۷) اشعار قاضی قادن کے ہو سکتے ہیں، باقی ماندہ پینتیس (۳۵) اشعار دوسرے فقراء اور سادھوؤں کے ہیں (۲)۔ اس اندازے

(۱) ہیروٹاکر: ”قاضی قادن جو کلام“ پوجا پبلیکیشن، دہلی، ۱۹۷۸ء

(۲) تفصیل کے لئے دیکھیے ہمارے مضمون: ”قاضی قادن جاہلیت، عجمین تحقیق جی روشنی میں“ رسالہ مہراں، جلد ۴، سندھی ادبی بورڈ

۱۹۷۸ء، ص ۱۱۲-۱۱۳؛ جلد ۱، ۱۹۷۹ء، ص ۱۱۶-۱۱۹

کے مطابق 'دادو' اور 'مٹلو' کے دو اشعار سمیت کل سینتیس (۳۷) اشعار اس کتاب میں دوسرے فقراء کے ہیں جن پر ہم یہاں غور و فکر کریں گے۔ قاضی قادن کے اشعار اور زبان پر ہم باب پنجم کے تحت گفتگو کر آئے ہیں (۱)۔

یہ اشعار کن شعراء کے ہیں؟ اور کس دور کے ہیں؟ اس کے متعلق عارضی طور پر ہی کچھ کہا جاسکتا ہے۔ یقینی طور پر صرف تین اشعاری ہی کے شاعر (دادو، فرید اور جلو) معلوم ہیں۔ کتاب "قاضی قادن جو کلام" کے مؤلف کی طرف سے پیش کردہ آثار کے مطابق البتہ ایک اور شعر بھی فرید کا ہو سکتا ہے۔ ایک اور شعر (۲) جس میں دادو کا نام ہے وہ اس نے قاضی قادن ہی کے شعر سے متاثر ہو کر کہا ہے۔

دادو کے اشعار کی زبان اور ترتیب منفرد ہے۔ ایسے اشعار جن پر قاضی قادن کے الفاظ و خیالات کا عکس ہے یا جن کی زبان و ترتیب خواہ اسلوب بیان 'دادو' کے اس شعر سے ملتے ہیں، وہ 'دادو' کے ہی ہو سکتے ہیں۔

سندھی اشعار کا یہ ذخیرہ کس دور کا ہے؟ قاضی قادن (وفات ۱۵۵۱ء) کے اشعار کا دور ہمیں یقینی طور پر معلوم ہے۔ شیخ فرید خور (۱۳۵۰-۱۵۶۳ء) اور دادو دیال (۱۵۴۳-۱۶۰۴ء) کے اداوار بھی معلوم ہیں۔ اگر شیخ فرید (۳) کے اشعار اس کی زندگی کے درمیانی دور کے ہوں

(۱) یہ باب پہلے طبع ہو چکا ہے جس میں اس مرحلہ پر ترمیم نہیں کی جاسکتی۔ جون ۱۹۷۹ء کے آخری ہفتہ دہلی جانا ہوا، وہاں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ دادو-پٹھویوں کی مختلف کنیاؤں سے "قاضی قادن سے متعلق باب" کے مزید تین قافی نئے ملے ہیں، ایک قافی نسخہ جو کہ بے پور کی مرکزی کنیا میں ہے وہ سنہ ۱۷۳۵ء کا تحریر کردہ ہے، اس میں "قاضی قادن" کے باب کے تحت ۲۳۳ اشعار ہیں۔ اس نئے ذخیرہ کے پیش نظر قاضی قادن کے تمام کلام (خواہ دیگر فقراء کے سندھی اشعار) کا صحیح اندازہ تب ہو سکے گا جب اس پورے ذخیرہ کی چھان بین کی جائے گی۔

(۲) یہ دونوں شعر درج ذیل ہیں:

۱- دادو آکيون پسڻ ڪي ٻرين، ٻري اُلتيان منجهه

جتي ٻيٺو مان ٻرين، ٺهاريٺو هنجوه

۲- گھڙين گھڙين گاريان، ٻهري لھان سجاھ

مون هيٺو گھڙيال جيون ڏکڻي ريٺ ٻھاء

دکھيے: قاضی قادن جو کلام، ص: ۲۲-۲۳ (مترجم)

(۳) شیخ ابراہیم فرید ثانی، حضرت بابا فرید گنج شکر اجدادی کے سلسلہ کے گیارہویں فرد اور مگدی نشین تھے۔ ان سے کچھ شلوک (دوہے) اور کافیاں منسوب ہیں جو انہی تک متنازعہ فیہ بنی ہوئی ہیں۔ "گورو گرنتھ" میں موجود "فرید" کے ان دوہوں کے متعلق بعض لوگوں کا گمان ہے کہ وہ شیخ ابراہیم فرید ثانی کے ہیں۔ لیکن زیادہ قابل اعتماد بات یہ ہے کہ وہ دوہے حضرت بابا فرید گنج شکر ہی کے ہیں، البتہ انہیں گرنتھ میں شامل کرنے کے لیے گورو تائب کی درخواست پر شیخ ابراہیم فرید ثانی نے استثناء کر کے بابا صاحب کی روح سے اجازت لے کر دی تھی۔ چونکہ گورو تائب فرید ثانی کے ہم عصر تھے اس لیے ان کی ملاقاتوں کا ذکر حدیث الاسراء میں ملتا ہے۔ جیسی رام مشتاق نے ارشادات فریدی میں گورو تائب اور شیخ فرید کے منظوم مکالمات کو درج کیا ہے، جس کا ایک نمونہ درج ذیل ہے:

گورو تائب: صاحب دیاں دودھان

فرید ثانی: صاحب کی دودھ

دکھيے: پنجابی زبان و ادب، باب سوم، ص: ۴۹، باب پنجم، ص: ۱۰۱، ۱۰۵ (مترجم)



اور اشعار کا یہ تمام ذخیرہ خود دادو دیال کی زبانی یا اس دور کی تحریر کے ذریعے بھگت ہریداس تک پہنچے ہوں تو اس صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ اشعار اندازاً ۱۵۰۰-۱۶۰۳ء کے عرصے میں کہے گئے ہیں (۱) رائیلا کی پستک میں قاضی قادن کے خواہ دوسرے تمام اشعار جس طرح لکھے ہوئے ہیں، اسی طرح ’قاضی قادن جو کلام‘ کتاب میں بھی دیے گئے ہیں۔ اس مطبوعہ صورت سے ظاہر ہے کہ اشعار کی اصل صورت (جس میں شعراء نے وہ شعر کہے) پر راجستانی اور پنجابی زبانوں کا رنگ ہے۔ اگر ان شاعروں کی مادری زبان سندھی یا سرائیکی تھی اور انہوں نے انہی زبانوں میں اشعار کہے، تو پھر وہ اشعار دادو دیال کے دور سے لے کر ہریداس کے دور تک راجستانی یا پنجابی بولنے والے بھگتوں کے زبانی یا تحریر کے ذریعے اس پستک تک پہنچے، اور اس دوران اشعار کے ایک شخص سے دوسرے شخص تک منتقلی کی وجہ سے ان کی اصل زبان پر راجستانی اور پنجابی کا رنگ چڑھتا گیا۔

اگر وہ تمام یا ان میں سے کچھ اشعار ایسے شعراء کے تھے جن کی ادوی زبان راجستانی تھی تو بھی ان میں استعمال شدہ سندھی یا سرائیکی پر راجستانی لہجہ کا اثر پڑنا ہی تھا۔ چونکہ اصل حقیقت اس وقت ہمارے سامنے واضح نہیں ہے اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ جس قدر ممکن ہو سکے اس قدر ان اشعار سے راجستانی - پنجابی رنگ اتار کر انہیں سندھی یا سرائیکی کی ممکن شکل میں استوار کیا جائے تاکہ ان اشعار میں استعمال شدہ اس دور کی اصل زبان کے متعلق زیادہ درست نتائج قائم کیئے جاسکیں۔ اسی وجہ سے ہم نے ذیل میں ان اشعار کی مطبوعہ صورت کو درست کر کے لکھا ہے، نیز انہیں زبان کی ترتیب، اسلوب بیان اور معنی کی مناسبت کے پیش نظر آٹھ شقوں میں تقسیم کیا ہے تاکہ کسی حد تک مختلف شعراء یا مختلف علاقائی زبانوں کا احتمالی اندازہ ہو سکے۔

ہر شعر کے نیچے دیا ہوا ہندسہ ’قاضی قادن جو کلام‘ کتاب میں اس شعر کے نمبر یا صفحہ نمبر کو ظاہر کرتا ہے (۲)۔

(۱) رائیلا کی پستک میں دوسرے ابواب کے تحت شیخ بہاؤ الدین اور شیخ فرید کے اشعار درج ہیں۔ شیخ بہاؤ الدین ذکر یا کلاں (وفات ۱۲۶۲ء) اور شیخ فرید مسعود شکر گنج کلاں (وفات ۱۲۶۵ء) پہلے ہو گزرے ہیں اور یہ اشعار غالباً ان کے ہم نام چھوٹے بزرگوں کے ہیں، جن میں سے شیخ فرید خورو (۱۲۵۰-۱۵۶۳ء) دادو دیال سے کچھ عرصہ پہلے ہو گزرا ہے۔ اگر اس کے یہ اشعار اس کی زندگی کے درمیانی دور یعنی ۱۵۰۰ء کے تسلیم کیے جائیں تو وہ اس دور کا سب سے قدیمی سال ہوگا۔ اگر اشعار کا یہ ذخیرہ سب سے پہلے دادو دیال کے زبانی یا تحریر کے ذریعے پچھلے دور تک پہنچا ہو تو پھر کہا جاسکے گا کہ یہ ذخیرہ اندازاً ۱۵۰۰-۱۶۰۳ء کے دور کا ہے اور اگر رائیلا کی پستک بھگت ہریداس نے ابتدا میں خود لکھی یا لکھوائی ہو تو پھر ممکن ہے کہ اس میں کچھ اشعار ایسے بھی ہوں جو دادو دیال سے لے کر بھگت ہریداس کی زندگی کے دور (۱۵-۸ویں صدی عیسوی) تک کہے گئے ہوں۔

(۲) ان اشعار کے رسم الخط اور معنی کے متعلق ہم نے اپنے مضمون ’قاضی قادن جا بیت، نین آحق جی روشنی‘ میں تفصیل سے لکھا ہے۔

(الف) قاضی قادن کے دور کے (؟) سندھی اشعار:

۱- وِجی آو کیر، کنھن ڈنومنھن لاھوتین

اچی کندو کیر، گالھیون رب پرتیان

[جا کر کون واپس آیا، جوگیوں، سنیا سیوں کا رخ کس نے دیکھا]

جو باتیں (معلومات و احوال) اللہ کی، یا اللہ تعالیٰ کے متعلق ہیں وہ کون آکر سنائے گا۔]

[نمبر ۱۵]

یہ شعر قاضی قادن کے دور کا یا اس سے بھی پہلے کا ہے۔ اس کی اصل صورت (رسم الخط) کیا تھی؟ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ موجودہ صورت میں باعتبار شعر کچھ خاص عمدہ نہیں ہے۔ قاضی قادن نے اس شعر کے جواب میں یہ شعر کہا:

ھن سر سندا ھنجھوٹا، اتي ئي آھين

گالھين رب پرتیان، جو منگی تنہ ڈین

[نمبر ۲۱]

[اس جھیل کے فُس یہاں ہی ہیں]

رب کی پسندیدہ باتیں جو بھی کوئی طلب کرے، اسے دیتے (بتاتے) ہیں۔]

۲- تون وِرتون ئي وِیر، جوگی سو جو جگ ہ

تون اسان جو پیر، سوڈی ڈین سریر ہ

[نمبر ۳۴]

[تو محسنوں کا بھی محسن ہے، جوگی وہی ہے جو سنار میں رہ کر جوگ لیتا ہے]

تو ہمارا مرشد ہے اپنے من اور وجود میں اس مالک کی شناسائی دیتا ہے۔]

یہ صاف سندھی میں کہا ہوا شعریوں لگتا ہے کہ قاضی قادن کے کسی معتقد نے خود قاضی قادن کے لئے کہا ہے۔

(ب) وسطی سندھ کے (؟) شاعر 'حلو' کا ایک عمدہ سندھی شعر:

سفر مٹی سپرین، اُپا سات لڈن

ھلن جون حلو چوی، گجھنوں گالھیون کن

[صفحہ نمبر ۴۵ اور ۶۰]

[ساجن سفر پر جانے کے لیے کھڑے ہو کر قافلہ تیار کر رہے ہیں]

’حاذ کہتا ہے کہ وہ جانے کے لیے خفیہ مشورے کر رہے ہیں۔۱  
 شعر کی خالص سندھی زبان اور عمدگی سے ظاہر ہے کہ شاعر سندھ ہی کا تھا۔ نام کا اصل  
 رسم الخط ’لُہو‘ ہے، لیکن ہمارے اندازے کے مطابق یہ نام ’مُلو‘ (= مٹھو) ہے یا ’مُلو‘ جو کہ ’حلیم‘ یا  
 ’عبدالحلیم‘ کا اسم تصغیر ہو سکتا ہے۔ شعر کی زبان اور اسلوب قاضی قادون کے دور سے بعد کے معلوم  
 ہوتے ہیں۔

(ج) سندھ کے شمالی خطہ (?) کے شعراء کے اشعار:

ذیل کے اشعار میں ’ذائین‘ (ذائین = تہن، وھنجن بمعنی غوطہ لگانا، نہانا، غسل کرنا)  
 [دھائین (غوطہ لگانا، نہانا)، راڈی (= پوکھی) راڈھی (= کھیتی باڑی)]، [محبان (جمع کی  
 حالت میں) الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ اشعار سندھ کے شمالی خطہ کے کسی شاعر (یا شعراء) کے  
 ہیں۔ یہ شعر قاضی قادون کے نہیں۔ کیونکہ ان کا معیار قاضی قادون کے اشعار والا نہیں ہے۔

۱- پتو قتو پیت ہر، ویدی ملان ماہ

ذائین ذائین ڈوڑ ہر، اللہ اوری آہ (۱)

[نمبر ۵۹]

[چٹا (زہرہ) پیٹ میں پھٹا ہے (یعنی دل بدن کے اندر پھٹا ہے) اور ملا گوشت کی چیر  
 پھاڑ کر رہا ہے اس نے مٹی میں غوطہ لگایا خدا تعالیٰ بہت قریب ہے۔۱]

۲- قاضی کت م ایترو، مت کیرو نی قیر

ہلاٹیندون ہوتلی مٹی کیندو کیر (۲)

[نمبر ۶۰]

[قاضی! اتنا مت کات، چرخ کی میخ (یا کھوٹا) اس قدر مت پھیر، پالان رکھتے وقت  
 (سفر پر جاتے وقت) پوٹلی کون رکھوائے گا۔۱]

(۱) ’ہیروٹھا کرنے‘ یہ شعر یوں لکھا ہے:

پتو قتو پیت ہر، ویدی ملان ماہ

ذائین ذائین ڈوڑ ہر، اللہ اوری آہ

دیکھیے: قاضی قادون جو کلام، ص: ۹۱، شعر نمبر ۵۹ (مترجم)

(۲) ’ہیروٹھا کرنے‘ یہ شعر یوں لکھا ہے:

قاضی کت م ایترو، مت کیرو نی ہیر

ہلاٹیندون ہوتلی مٹی کیندو کیر

دیکھیے: قاضی قادون جو کلام، ص: ۹۱، مطبوعہ روٹی پبلیکیشن، کنڈیارو طبع اول ۱۹۹۶ء، شعر نمبر ۶۰ (مترجم)

۳- جھڑی پائین (۱) ہڑی، تھڑی پاں پیرین  
پائین محبان چڈیو، تون نہ چڈ ڈٹی (۲)

[نمبر ۷۳]

[جولوگ ہاتھ پھیلا کر تجھ سے مانگتے ہیں، انہیں تو خود بھرتا ہے  
دوستوں نے پیار کرنا چھوڑ دیا، اے مالک! تو نہ چھوڑنا۔]

۴- توبہ کَرین باھڑی، باھڑی توبہ کَرین  
کیھی سادی ہٹ ہر، راڈی اُجاڑین

[۱۰۱]

[توبہ کرتے ہیں ٹھوکر کھا کر، ٹھوکر کھا کر توبہ کرتے ہیں  
کس قسم کے سادہ ہٹ (ضد اور اصرار) میں اپنی کھیتی اجاڑتے ہیں۔]

۵- توڑی وجی روم، ناہ نصیون اگرو  
مانی مٹی ٹوم، جین لکیا چن ہر (۳)

[نمبر ۱۰۶]

[خواہ روم ہی چلا جائے، نصیب سے مقدم یا زیادہ نہیں ہے

(وہی) روٹی پر لہن ملے گا، جس طرح قسمت میں لکھا گیا تھا۔]

(د) سندھی - سرائیکی اور پنجابی - ہندی کی آمیزش والے اشعار:

یہ اشعار سندھ کے علاقہ سرے (بالائی سندھ) اور ملتان کی سندھی - سرائیکی اور مشرقی

(۱) پائین میں یاے مجھول ہے۔ (مترجم)

(۲) 'ہیر دھا کر' نے یہ شعر یوں لکھا ہے:

جھڑی پائین ہڑی تھڑی پاں پیرین

بہن محبان چڈیو، تون نہ چڈ ڈٹی

اور اس کے دوسرے مصرع میں لفظ 'بہن' کا ترجمہ انہوں نے 'بہن' کیا ہے، جو کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے، کیونکہ قاضی  
قادر کے کلام پر 'سرائیکی زبان کے اثر کی وجہ سے 'بہن' یا 'بہن' = بیٹھنا واضح ہے، نیز مادہ 'بہن' دوست احباب کی جدائی اور  
نظر پھیرنے کی شکایت کے ساتھ 'بہن' کی بے رخی کا تذکرہ کچھ اچھا نہیں لگتا۔

دیکھیے: قاضی قادر جو کلام، ص ۹۵ (مترجم)

(۳) 'ہیر دھا کر' نے یہ شعر یوں لکھا ہے:

توڑی وجین روم، ناہہ نصیون اگرو

مانی وٹن ٹوم، جی لکیا چن م

دیکھیے: قاضی قادر جو کلام، ص ۱۰۳، شعر ۱۰۶ (مترجم)

پنجاب کی پنجابی - ہندی کی آمیزش والے ہیں۔ کچھ اشعار میں الفاظ اور جملوں کی ترتیب 'مگرو گرنٹھ' کے بعض اشعار والی ہے۔

☆ شیخ فرید خورد کے اشعار:

۱- گھڑین گھڑین گھاریاں، پھریں لھی سنجھا

مون ہیڑو گھڑیاں جیوں، ذکین رین وھا (۱)

[ص ۴۳، ۶۰]

الحہ بلجہ بسر کرتا ہوں، رات کے پہلے پہر گزرنے پر

میرا من گھڑیاں کی طرح، دکھوں میں رات بسر ہوتی ہے۔ ۱

۲- ڈیہہ لقا، سنجھا پشی، اگون آئی رات

کڑا پکاری پاتنی، پیڑا کپر وات (۱)

[نمبر ۷۷]

[دن ڈوبا، شام ہوئی، اس کے بعد رات آئی، دریا کے اس پار پہنچانے والا کھڑا پکار رہا

ہے کہ بیڑا کنارے کے گرداب میں جا پھنسا ہے۔]

☆ شیخ فرید کے علاوہ دوسروں (?) کے اشعار:

۱- جی جی ہول منن کیٹی، (۲) سو سو مجھ نہ تیان

اُس چنگی دیوان مین، سی مکر گیان

[نمبر ۱۱۱]

[جو جو قول و قرار میں نے کیئے تھے وہ مجھ سے ایفا نہ ہوئے میں وہ بھلاماںس ہوں جو ان

تمام قول و قرار سے پھر گیا۔]

۲- جتی (۳) سچ سنسار سان، سہ جا سائین سان ہوو

تو پتر ہی پیڑا تری (۳)، جہ تاء نیر نہ کوو

(۱) "مگرو گرنٹھ" میں شیخ فرید کے نام کے ساتھ یہ شعر ایک اور تلفظ میں موجود ہے۔

(۱) "مگرو گرنٹھ" میں شیخ فرید کے نام کے ساتھ دیا ہوا شعر یوں ہے:

فریدا، دکان سیتی ڈیہ گنیا، سولان سیتی رات کڑا پکاری پاتنی، پیڑا کپر وات  
فریدا! دکھوں کے ساتھ دن گیا، غلوں کے ساتھ رات پار پہنچانے والا کھڑا پکارے، بیڑا گرداب میں جا پھنسا

[ص ۳۵]

(۲) پہلے مصرعہ میں 'جی' 'جی' اور 'دیکھنی' 'یائے مہجول' کے ساتھ ہیں۔ (مترجم)

(۳) اس جگہ پر 'یائے مہجول' ہے۔ (مترجم)

[نمبر ۶۸]

[جہاں بھی سنسار میں سچ کا چلن ہوتا ہے وہاں مالک خود ٹھکانہ کرتا ہے، ظاہر ظہور تیرا  
بیابان میں بھی پیرا تیرا، خواہ پانی نہ بھی ہو۔]

۳- یُلی [یُلی] وی یُلی، یُلی تِگائون آئی  
بابا آدم آئی (۱) حوا یُلی، یُلی سپ دنیا ئی

[نمبر ۹۵]

[بھول گئے، وہ بھول گئے، ان کی یہ بھول زمانے سے چلتی آئی ہے  
بابا آدم اور حوا بھول گئے، ساری دنیا ہی بھولی ہوئی ہے۔]

۴- پیکا ساچانہ ٹئی، مَن مو تاهل کچ  
کَنین سٹیا نہ مَنیٹی (۱)، اک ڈنو سچ  
اس کی زبان سندھی آمیز سرائیکی ہے، زیادہ درست اسے یوں پڑھا جاسکتا ہے:

پیکا سچا نہ ٹیوی، مَن مو تاهل کچ  
کَنین سٹیا نہ مَنیٹی، اکین ڈنا سچ  
اٹوٹا ہوا نہیں بڑیگا، مَن کے موتی کی طرح ہے  
کانوں سنی بات پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے، آنکھوں دیکھا سچ۔]

۵- سچ پیارا سائینیان، سائین سچ سہاء  
سچی منگل نہ دھئی (۱)، سچی سِرپ نہ کاء  
سچ سمندان سر چڑھی، کوڑ ککائین باہ  
جڈھون کڈھون کوڑ کی ڈیندو سچ سزاء

[نمبر ۶۹]

[اللہ تعالیٰ کو سچ عزیز ہے، اسے سچ اچھا لگتا ہے۔ سچے کو منگل گرہن (جس کی آگ فنا  
کرنے والی ہوتی ہے) کی آگ بھی نہیں جلا سکی، سچے کو سانپ بھی نہیں کاٹ سکتا۔ سچ کا پیرا  
سمندر کے سینے پر چڑھتا ہے، جھوٹ خس و خاشاک کی آگ کی طرح ہے (جو ہوتی تو بہت تیز  
ہے مگر دریائیں نہیں ہوتی) ہمیشہ سچ جھوٹ کو سزایاب کرے گا۔]

۶- جو سائین سون سچ، تو پو کھڑا سترئی (۱)  
اُپا ئی کر نچ، توڑی ۲ گڑا پُلی (۱)

(۱) یہ تینوں لفظ یائے مجہول کے ساتھ ہیں۔ (مترجم)

[نمبر ۱۰۲]

[اگر مالک کے ساتھ سچا ہے، تو تجھے سوئے رہنے میں کیا ڈر ہے  
کھڑے ہو کر ناچتے رہو، خواہ جلتے ہوئے انگارے ہی کیوں نہ ہوں۔]

۷- سَچِی نِتی جَبابُ چَنی، سی سَچن کِت گَنی (۱)  
جَتی بال سریر م، تَتی چن پَنی (۱)

[نمبر ۷۶]

[دیران بستی جواب طلب کرتی ہے کہ وہ ساجن لوگ کہاں گئے، جسم پر جتنے بال تھے  
اتنے چھید ہو گئے/ پڑ گئے۔]

۸- کُوسین کُو پَل نیچِی (۱)، تَارِی بُدا ہی (۱)  
عقل غیب اللہ دا، اللہ ٹی اللہ ہی (۱)

[نمبر ۱۰۵]

[کونپلوں سے پھلیاں پروان چڑھ کر اناج کے ڈھیر بنتے ہیں، عقل اللہ کا غیب ہے، اللہ  
ہی اللہ ہے۔]

۹- بیتان سپی ڈھیلان، ایہی پیڑ نہ کا  
جنن وچن واجو ٹی، چاٹی ہک خدا

[نمبر ۷۷]

[درد سب ہی تکلیف دہ ہیں، ایسا درد کوئی نہیں  
جیسا کہ حواس باختہ اس نے کیا، ایک خدا ہی جانتا ہے۔]

۱۰- ہَسین کِت سَہجَڑی، رووٹ کِیوٹ ناہین  
پریان پسٹ جوگیان، اکین تو ناہین

[نمبر ۳۶]

[خوشی و تفریح میں ہنستی کیوں (؟) ہیں، روتی کیوں نہیں  
تیری آنکھیں محبوب کو دیکھنے کے لائق نہیں۔]

(ھ) دادو دیال کے اشعار:  
ذیل میں پہلا شعر دادو کے نام سے ہے، باقی دوسرے اشعار زبان، مضمون اور معنی کے

لحاظ۔ سہ دادو کے معلوم ہوتے ہیں۔ اشعار کی زبان میں سنڌي کے ساتھ ڏهاڻڪي-راجستاني کی آمیزش ہے۔ سنڌي عبارت کی ترتیب فطری نہیں، بلکہ ذاتی کوشش کا نتیجہ ہے، جس سے ظاہر ہے کہ شاعر کی اپنی 'مادری زبان' سنڌي نہیں۔

۱- دادو! آکيون پسڻ کي پري اُلتيان منجهه  
جتي بيٺو مان پرين، نهاري ٿو هنجهه  
[صفحہ ۴۳ اور ۶۴]

[دادو! محبوب کو دیکھنے کیلئے آنکھیں 'اندر' (من) میں جھکیں  
جہاں میرا محبوب کھڑا ہوگا اس طرح ہنس بھی دیکھے گا۔]

۲- ڏر پورا گر سي گهران، حقيقتان هنجهه  
ڪوڙين هنڌان ڪئن پڄڻ، سر پاڻي جي منجهه  
[نمبر ۱۴]

[اپنے دروازے پر ایسے گروؤں کا آنا چاہتا ہوں، جو حقیقی ہنس کی طرح ہوں اور تالاب میں رہ کر کروڑوں جگہوں سے موتی چنتے ہیں۔]

۳- اک اندر سريو، جاگي پس جواڻ  
منجهيئي مڪو ٿيو، منجهيئي ملتان (۱)  
[نمبر ۲۰]

[تیرے اندر ہی میں آنکھ ہے، بیدار ہو کر اے جواں نظارہ کر  
تیرے اندر میں ہی مکہ ہے، اندر ہی میں ملتان۔]

۴- شهباز باز ٿيو، پنڪي نه ماري  
اک ڪوڙي عرسِ به لڏي مناري  
[نمبر ۲۲]

[باز (معمولی انسان) شهباز (عارف کامل) بنا، اب وہ پرندے نہیں مارتا  
آنکھ ڌال کر عرش میں دیکھتا ہے اور منارہ پر جھولتا ہے۔]

(۱) پہلی سطر میں 'اک' (= آنکھ) کے بجائے 'انگ' (= جسم) مناسب ہوتا: یعنی اپنی جان یا اپنے آپ ہی میں سب کچھ ہے۔ لیکن یہاں پر 'اک' (آنکھ = آنکھ) لفظ غالباً اس لئے استعمال کیا گیا کہ قاضی قادن کا مصرع "ایک قصر در لگتہ" سندھ سے باہر دادو دیال کے پاس "تین قصر در لگتہ" کی صورت میں پہنچا۔ یہی وجہ ہے کہ رانیلا کی پستک میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ 'تین' بمعنی آنکھ ہے۔ بعد میں دادو دیال نے اپنے اشعار میں معنوی تصور کے طور پر استعمال کیا، جیسا کہ اس کے بعد والے دوسرے شعر میں بھی آنکھ کا تصور لایا گیا ہے۔ 'منجهيئي' کا لفظ راجستانی لہجہ کا ہے۔ سنڌي میں 'منجهيئي' ہوگا۔



۵- جنھین جانِ جُدا کِی، تُون مُہ تِنھین ہَسُ  
لَتاڑین لُٹن سین، اَلّی پَہر عَرَسُ

[نمبر ۲۲]

[جنہوں نے وجود گنوا دیا، تو ان ہی کا رخ دیکھ  
لتاڑتے ہیں لاتوں (پاؤں) سے آٹھوں پہر عرش۔]

۶- [پاٹا] پڑھندو پنی (۱) ویو، کوڑین لک قرآن (۲)  
لِکِی لوک نہ سگھیو، پاٹنی (۱) اندر پاٹ  
[نمبر ۲۳]

[دنیا کے لوگ پڑھتے رہتے تھے، کروڑوں لاکھوں مرتبہ قرآن  
لیکن انہیں معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ محبوب خود اندر میں موجود ہے۔]  
۷- تَن پُچی آسان، تُون آسین نہین پیچو  
پڑھتھار قرآن، نہین رتو رحمان سان

[نمبر ۲۴]

[تو نے ہم سے پوچھا، تجھ سے ہم نے نہیں پوچھا  
اے قرآن پڑھنے والا! تُو رُمن کے ساتھ نہیں رچا۔]

۸- سچی سائین سان، تون مَ کر کوڑی کوڑیان  
جی (۱) ترو منجھ ہیانو، وو سیوکی پرکنو  
[نمبر ۲۶]

[سچے مالک کے ساتھ، تو جھوٹی! جھوٹ، فریب مت کر  
جو تیرے اندر میں موجود ہے وہ سب کی پرکھ رکھتا ہے۔]

۹- سُو ھتو جاگ، راتڑین سپنہ وھاٹیان  
مَشَن ٹیوہ آیاگ، پَرین وِسارن مَ کر  
[نمبر ۸۹]

[تُو بہت سویا ہے، اب تو بیدار ہو (کیونکہ) رات بیتنے والی ہے  
تیرے سر پر بدبختی آگئی، محبوب کو بھلانے کی مت کر۔]

(۱) یاے بھول ہے۔ (مترجم)

(۲) مطبوعہ کتاب میں آغاز کا لفظ 'پاٹا' موجود نہیں ہے۔

۱۰- پرين وساري (۱) رت روئن، ڪٽي ري (۲) ڪارڻ (۳)

کُنْجَن راس وِجاءِ کِی، بُکُنْ توڑ پُون

[نمبر ۹۰]

محبوب کو بھلا کر خون کے آنسو روتے رہیں، اُن سنی کی وجہ سے

سونے کی یونجی ضائع کر کے، مٹھی بھر مٹی کے اوپر جا گرتے ہیں۔

(و) مشرق اور جنوب - مشرقی سندھ اور قریبی راجستھانی علاقوں کی زبانوں کی

آمیزش والے اشعار (؟):

یہ اشعار دادو دیال کے اشعار کے زیادہ قریب ہیں اور ممکن ہے کہ وہ دادو یا اس کے چیلوں کے ہوں۔ سندھی کے ساتھ ساتھ ان میں مغربی راجستھان زمانوں کی آمیزش کا شائبہ ہوتا

-4

۱- هَت ویا جهئن لُون، کستوری جهنگئن گهري

سچان دي صابون، اندر اچا نه ڪري

[نمبر ۹۸]

تو دکان سے نمک خرید کر اُلا ر میں کستوری طلب کرتا ہے

سچے لوگوں کے صابن سے اپنا اندراجلا نہیں کرتا۔]

اسے اگر درج ذیل طور پڑھا جائے تو معنی زیادہ واضح ہوں گے:

ہت وھائیں لوں، کتوری جھنگیں گھڑیں

سچان دي صابون، اندر اچا نه ڪرين!

انمک دکان سے خریدتا ہے لیکن کستوری جنگل میں سے طلب کرتا ہے

سچے لوگوں کے ضابن (محبت) سے اپنا من اجلا نہیں کرتا۔ [

بہر حال اس کا جو اصل تلفظ ہے وہ سرائیکی - راجستھانی آمیز ہے۔

۲- مَبَانُ مَحَلَّانُ مُنْدِيَانُ أَجْنِيَانُ چَلَن

هَتُون گَن بکري، جهنگين اُت منگن

(۱) یائے مجہول ہے۔ (مترجم)

(۲) یائے معروف ہے۔ (مترجم)

(۳) ”کُڈی ری کارن“ میں ’ری‘ بمعنی ’کہے‘ ہے۔ یعنی ’کُڈی کے سبب‘ (یعنی نہ سننے کی وجہ سے)

[نمبر ۹۹]

[کار پرداز لوگ، محلوں اور بازاروں میں معصوم لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں  
دکان سے بکری خرید کر اُلا ر میں اونٹ مانگتے ہیں۔]

۳- منجھین مانو ناہِ کی، پسن کی گھائی  
دُنی کَسُونِی (۱) رنگ جیون، ویندو ٹی واتی

[نمبر ۳]

[سرخ رنگ کا کپڑا دیکھنے میں تو گہرا ہوتا ہے، لیکن اسکے اندر میں کوئی مادہ نہیں ہوتا۔ دنیا  
بھی سرخ رنگ کے کپڑے کی طرح ہے، جو رنگ راہ چلتے پھیکا پڑ جاتا ہے۔]

۴- منن پیانِی (۱) سون، ہی جر ہوس جر کٹون  
ویو ورائی (۱) وَن، کَہ لہجی کارو تیو

[نمبر ۹۴]

[سورج کی کرنوں کی وجہ سے چمکتے پانی کو میں نے سونا سمجھ لیا۔  
(ہاتھ لگانے سے) اس کا اصل رنگ اثر انداز ہوا اور اس نے مجھے سیاہ بنا دیا۔]  
(ز) بالائی سندھ - اور متصل راجستھانی علاقوں کی زبانوں کی آمیزش والے  
اشعار (۲):

۱- جی لوژیندی نہ لہان، آلوژیندی (۱) یدیر  
توژي (۱) دَسَن سھنی (۱) اثبان تُل نہ پیر

[نمبر ۲۹]

[جن کی ضرورت ہے وہ ملتے نہیں اور جن کی ضرورت نہیں وہ ڈھیروں موجود ہیں  
پیر دیکھنے میں خوبصورت کیوں نہ ہوں لیکن وہ آموں کی برابری نہیں کر سکتے۔]

۲- سُونِی (۱) سرب نہ لوژیان، جی لوژیان تان لک

مون تنھان سندی بک، جنھین مستک مَنی ہَلِی (۱)

[مَن کے بغیر والا سانپ طلب (تلاش) نہیں کرتا، اگر ایسے سانپوں کی ضرورت ہوتی تو  
وہ لاکھوں موجود ہیں۔ مجھے ایسے سانپ کی طلب ہے جس کی پیشانی میں مَن کی چمک ہو۔]

(۱) یائے مجہول ہے۔ (مترجم)

۳- کاکد کالی (۱) اکرین، مٹن واپچندا آلدو

سجھن اچی اکرین، مٹن لوژیندو لڈو (۲)

[نمبر ۴۳]

[سیاہ حروف والے کاغذ پڑھ کر، تلاش کرتے ہوئے میں نے محبوب کو نہیں پایا (کیونکہ میں ظاہری حروف تک ہی محدود رہا) محبوب کورے کاغذ کی طرح (ظاہری علامت کے بغیر ہی صاف شفاف) میں نے (ظاہری حروف کو ترک کر کے اندر میں) تلاش کرتے ہوئے حاصل کر لیا۔]

رائیلا کے قلمی پستک میں قاضی قادن کے اشعار کے ساتھ لکھے ہوئے ان سینتیس اشعار کو ہم نے ترتیب و تفصیل کے ساتھ سات گروپوں میں تقسیم کیا ہے۔ شروع کے تین گروپوں کے اشعار کی ترتیب زیادہ صاف سندھی میں ہے اور غالباً وہ سندھ ہی کے شعراء کے ہیں۔ چوتھے گروپ کے اشعار شیخ فرید (خورد) اور اس سمت کے دیگر درویشوں کے ہیں اور ان پر بھی سندھی - سرائیکی زبانوں کا رنگ غالب ہے۔ پانچویں گروپ کے تحت درج اشعار غالباً دادو دیال کے ہیں۔ چھٹے اور ساتویں گروپ کے اشعار بھی دادو کے ہی سلسلہ سے ملتے ہیں اور ان پر سندھی - راجستھانی رنگ کچھ زیادہ ہی ہے۔ ان اشعار سے اس دور میں سندھ سے مشرق اور شمال کی طرف، سندھی نیز سندھی - سرائیکی زبانوں کی پہنچ - وسعت اور سندھی کے صوفیانہ فکر کے بڑھتے ہوئے اثر کا ثبوت ملتا ہے۔

نتائج:

۱- یہ دور فارسی زبان کے عروج کا دور تھا۔ سندھ اور ہند میں فارسی سرکاری دفاتر، انتظامی امور، خط و کتابت، تعلیم و تصنیف اور ادب و شاعری کی زبان تھی۔ چونکہ سندھی پہلے ہی سے اپنے تاریخی و ارتقائی اعتبار سے ایک اعلیٰ سطح پر پہنچ چکی تھی، اس لئے باوجود فارسی کے عمل اور اثر کے سندھی کی انفرادیت و افادیت قائم رہی۔ سندھ میں فارسی اور سندھی کے عمل اور رد عمل کا جو سلسلہ شروع ہوا اس میں سندھی کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوا۔

۲- اس دور میں سندھ میں مقامی طور پر بعض اہم سماجی، اخلاقی اور علمی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے سندھی زبان کے کچھ خاص نثری اصطلاحات، فقرات اور جملوں کے معنی و مفہوم کے بارے میں تحقیق شروع ہوئی۔

(۱) یائے مجہول ہے۔ (مترجم)

(۲) ہیرے ٹھا کرنے یہ شعر یوں لکھا ہے:

کاکد کالی اکرین، مٹن واپچندا، اٹی - ودو

سجھن اچی اکرین، مٹن لوژیندو لڈو

دیکھیے: قاضی قادن جو کلام، ص ۸۷ (مترجم)

۳- سندھ سے باہر سندھی زبان اور اس کی ثقافت کا دائرہ وسیع ہوا۔ شمال کی طرف ملتان سے اوپر پنجاب تک، جنوب میں گجھ، کاٹھیاواڑ اور گجرات تک، اور مشرق کی طرف راجستھانی علاقہ جات تک سندھی زبان کی ادبی ثقافت اثر انداز ہوئی اور وہاں کے کچھ مشہور درویشوں نے سندھی میں اشعار کہے اور اپنے کلام میں سندھی آمیز فقرے استعمال کیے۔

۴- سندھ کے روایتی ادبی ذخیرہ میں اضافہ ہوا اور خاص طور پر سندھی شعر کے تحریری سرمائے میں بڑا اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ سندھ سے باہر بھی سندھی، سندھی - سرائیکی اور ہندی - پنجابی - راجستھانی زبانوں کی آمیزش سے سندھی شعر کا اہم ذخیرہ وجود میں آیا۔

۵- اس دور میں سندھ میں عربی و فارسی سلسلہ تعلیم نیز اساتذہ اور علماء کی عربی اور فارسی میں مہارت کے باوجود سندھی زبان خالص صورت میں لکھی اور پڑھی جانے لگی: یعنی علماء نے خالص سندھی بولنا اور لکھنا شروع کی جس کی وجہ سے عوام کی زبان اور علماء کی زبان میں کوئی خاص فرق نہیں رہا۔ علماء اور پڑھے لکھے لوگ زیادہ تر الفاظ اور فقرے اسی طرح لکھنے لگے جس طرح وہ عام طور پر بولے جاتے تھے۔ کچھ عربی اور فارسی الفاظ بھی جس شکل و صورت میں زبان زد عام و خاص ہو گئے تھے، اسی شکل و صورت میں علماء اور شعراء نے انہیں استعمال کیا مثلاً جاب = جواب؛ سات ساتھ = ساعت؛ چال (چھال) = شال وغیرہ۔

شاہ کریم کے ملفوظات (بیان العارفین) میں ایک سوتین اشعار اور دو مصرعوں کے بڑے سارے ذخیرہ میں، جو کہ علم و فکر کے گہرے خیالات پر مشتمل ہے، صرف تقریباً ستائیس عربی اور چار پانچ فارسی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

۶- ترتیب کے لحاظ سے اس دور میں سندھی زبان کی پرانی اصل اہم خصوصیات قائم رہیں: یعنی

(الف) جداگانہ حروف جریا حروفِ اضافت کے بجائے مشترکہ ترتیب والی اضافی اور جری تراکیب زیادہ رائج ہوئیں۔

(ب) طویل حروفِ علت (ا، و، ی) کے تلفظات اور 'ھ' 'نون غنہ' اور ء (ہمزہ) سے مرکب تلفظات کم رہے اور خاص طور پر لاٹری زبان میں بہت ہی کم رہے۔

۷- اس دور میں سندھ کے مختلف حصوں کے مقامی 'لغات' اور 'محاورات' میں زیادہ یکسانیت پیدا ہوئی اور مجموعی طور پر شمال خواہ لاٹری میں، یعنی تمام سندھ میں، معمولی فرق کے علاوہ ایک جیسی زبان رائج ہوئی: مثلاً شاہ کریم کی 'لاٹری سندھی' اور قاضی قادن کی 'سریے والی سندھی' (یعنی بالائی علاقہ سندھ کی زبان) کی بعض جداگانہ خصوصیات کے باوجود دونوں میں نسبتاً زیادہ ہی مشترک ترتیبیں اور اصطلاحی یکسانیات ظاہر ہوئیں۔

## باب ہفتم

مادری زبان سندھی کے ذریعے تعلیم دینے اور سندھی میں درسی، علمی اور معلوماتی مواد کے منظوم ہونے کا ابتدائی دور

(مغلیہ دور ۱۵۹۰ء - ۱۶۸۰ء)

سندھ میں ایک باقاعدہ تعلیمی نظام کا سلسلہ، ہند کے دیگر تمام صوبوں سے پہلے عرب - اسلامی دور میں شروع ہوا۔ منصورہ، دیبل اور دیگر شہروں کی درسگاہوں کے علماء و اساتذہ کی تربیت سے بڑے بڑے محقق و مصنف پیدا ہوئے، جن کا ذکر مشہور عربی کتابوں میں موجود ہے۔ اس قدیم تاریخی تعلیمی پس منظر ہی کا نتیجہ تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، سندھ کی درسگاہوں کے بیدار مغز اساتذہ نے تعلیمی نظام، طریقہ تعلیم اور اساتذہ کی تربیت کے بارے میں سوچنا شروع کیا اور بالآخر دسویں صدی ہجری میں سندھ کے بہت بڑے محقق، عالم اور استاد مخدوم جعفر بوبکائی نے عربی میں ایک تفصیلی کتاب ”نہج العلم“ (پڑھنے پڑھانے کا طریقہ) لکھی، جس میں انہوں نے نصابی تنظیم، طریقہ تدریس، شاگردوں اور اساتذہ کی ذہنی نفسیاتی صلاحیتوں اور ذمہ داریوں، اور استاد - شاگرد کے تعلیمی تدریسی تعلقات کو تفصیل سے سمجھایا۔ تعلیم اور تعلیمی طریقوں کے بارے میں ہندوستان میں یہ پہلی کتاب ہے جو اس قدر پرانے دور میں لکھی گئی (۱)۔

(۱) موجودہ تحقیق کی رو سے، تمام وسط ایشیا، یعنی اُس وقت کے ایران، ترکستان اور ہندوستان میں فن تعلیم پر تصنیف ہونے والی یہ دوسری کتاب تھی۔ پہلی کتاب ”تعلیم المتعلم طریقۃ العلم“ کے عنوان سے برہان الدین زرنوئی نے بارہویں صدی عیسوی کے اختتام پر تصنیف کی۔

[حدائق الحنفیہ کے محشی نے نجم المؤمنین کے حوالے سے لکھا ہے کہ برہان الدین زرنوئی ۵۹۳ھ تک زندہ تھے۔ اس کے علاوہ حدائق الحنفیہ کے مصنف نے ان کی کتاب کا نام تعلیم المتعلم اور ان کا لقب برہان الاسلام لکھا، جبکہ عبدالقادر قریشی نے ان کا لقب برہان الاسلام اور ان کی کتاب کا نام تعلیم المتعلم طریق العلم لکھا ہے۔ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل مرغینانی صاحب ہدایہ موتی ۵۹۳ھ کے شاگرد تھے، اپنی اس کتاب تعلیم المتعلم کی فصل ثانی میں ان سے دو شعر بھی نقل کیے ہیں:

فساد کبیر عالم متہمک  
و اکبر منہ جاہل متمسک

ہما لفتۃ فی العلمین عظیمۃ  
لمن بہا فی دینہ متمسک

(بقہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مخدوم جعفر کے والد مخدوم یحییٰ عرف مخدوم میراں خود بھی ایک بڑے قابل عالم اور دانشور تھے، جنہوں نے مرزا شاہ حسن ارغوان، اپنے بیٹے مخدوم جعفر اور دوسروں کو ٹھٹھہ میں پڑھایا اور انہیں ہی پر سن ۱۳۹۹ھ (۱۵۳۳ء) میں وفات پائی۔ اسی سال کی مناسبت سے اور اس حوالہ کے اعتبار سے کہ مخدوم جعفر نے سن ۹۵۸ھ میں حج کیا، کہا جاسکتا ہے کہ مخدوم جعفر سن ۹۳۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے والد کی رہنمائی میں تعلیم مکمل کی اور غالباً بعد میں مکہ میں (۱۵۵۹ھ - محرم ۱۵۵۹ھ) مزید تعلیم حاصل کی۔ وہ جب سندھ واپس آئے تو اپنے والد کی طرح تعلیم کا بڑے باہر استاد کی حیثیت سے ٹھٹھہ میں تعلیم دینے لگے۔ مرزا عیسیٰ ترخان (وفات ۱۵۹۳ھ) کے ہاں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی، اور وہ ان کے ساتھ گزشتہ تاریخی حالات کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ غالباً مرزا عیسیٰ نے بھی مخدوم جعفر کے لیکچرز سنے، اس کا بیٹا اور دیگر مخدوم جعفر کے مدرسہ میں پڑھتے رہے۔ اپنی علمی قابلیت اور تجربہ کی روشنی میں مخدوم جعفر نے تعلیم و تدریس کے طور پر ترقی کی اہمیت محسوس کی، اور سن ۹۷۳ھ (۱۵۶۵ء) کے لگ بھگ اس موضوع پر کتاب ”بیہج الصلحہ“ لکھی۔ یہ کتاب عربی زبان میں تھی اور بہت زیادہ تفصیلی تھی، اور خاص تعلیمی اہمیت کے لیے لکھی گئی تھی۔ اس لیے بعد میں مخدوم جعفر نے عام اساتذہ کی رہنمائی کے لیے اسے فارسی میں مختصر کر کے ضرورت محسوس کی، اور ماہ صفر سن ۹۷۶ھ (اگست ۱۵۶۸ء) کو حاصل کیج کے عنوان سے اس کا خلاصہ یا اختصار لکھ کر مکمل کیا (۱)۔

ابتدائی عربی - اسلامی دور نیز سومرہ دور میں عربی ذریعہ تعلیم تھی لیکن سمہ دور سے ذریعہ تعلیم فارسی زبان بنی۔ اس لیے مخدوم جعفر نے بھی عام اساتذہ کی رہنمائی کے لیے ”حاصل المسند بہج“ کو فارسی زبان میں لکھا۔ آپ کی اس آسان کتاب نے سندھ کے علماء اور اساتذہ کی تربیت پر بڑا اثر ڈالا کہ انہوں نے تدریس کے طریقوں پر غور کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آئندہ

(مترجم: پیوستہ)

نیز آپ نے ابو حامد قوام الدین حماد بن ابراہیم بن اسماعیل بن احمد صفار بخاری (۳۹۳-۵۵۷ھ) سے علم حاصل کیا اور ان سے بھی علم کے متعلق ایک شعر امام ابو حنیفہ کا نقل کیا ہے:

من طلب العلم للعباد

فاز بفضل من الرشاد

فبالخسران طالبیہ

لنيل فضل من العباد

نیز محمد بن ابی بکر ابن ابراہیم جرئی المعروف امام زادہ (۳۹۱-۵۵۷ھ) سے علم حاصل کیا۔

دیکھیے: حدائق الحنفیہ: ۲۵۳، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۵، ۲۹۵

الجواہر المصیۃ، جزء اول: ۲۲۳-۲۲۵، ۲۸۳، جزء دوم، ص: ۳۶۳ (مترجم)

(۱) کتاب ”ابوالحسن جی سندھی“ کے لئے دیکھیے آٹھواں باب

تیسرے پانچ سو سالوں میں سندھ کی دستاویزوں کے تجربہ کار اور ماہر اساتذہ بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ سندھ کی تعلیم کا آغاز فارسی زبان سے ہوا۔ کہ بجائے ان کی اپنی مادری زبان سندھی سے کیا جائے۔ اس کی کتب کی تعلیم یا سالی کرنا، اور ان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی مزید استعداد و صلاحیت پیدا ہو۔

اور ان کے ذریعے ابتدائی تعلیم دینے کا نظریہ:

ہندوئیں اس نتیجے تک پہنچے اور تجربہ بلکہ انتہائی تعلیمی تحریک کا سن اور سال تو تحریری زبان عربی، لیکن انداز میں، سب سے پہلے یہ مخدوم جعفر کی تعلیمی کتاب ”حاصل النہج“ کے تقریباً تیس چالیس برس بعد گیارہویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) سے شروع ہوئی۔ کتب کی تعلیم مادری زبان سے دینا، اور ان کے اس نظریہ کی پذیرائی کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ سندھ کی زبان میں اعلیٰ قسم اور نئی نئی مواد قاضی قادن اور میاں شاہ کریم کے بے بہا اشعار کے پر ہر چیز پر دو جگہ تھا اور یہ نظم و نثر کی زبان ”اصل النہج“ (فارسی متن) انگریزی میں اس کا خلاصہ، مقدمہ اور مصنف کی سوانح اور فیضات سمیت، راقم کی تحقیق و تصحیح کے ساتھ سن ۱۹۶۹ء میں سندھ یونیورسٹی سے شائع ہوئی، مقدمہ، بیانات کے لیے ”حاصل النہج“ کا مقدمہ دیکھیے۔

معیاری نسخہ کہ ۱۰۲۲ھ تا ۱۱۱۳ھ سے پہلے ہندوستان کے عالم محمد غوثی گوالیاری نے قاضی قادن کے بعض اشعار کا فارسی زبان میں تراجم کیا۔ سندھ میں محمد رضا ٹٹوی نے سن ۱۰۳۸ھ میں میاں شاہ کریم کے اشعار میں موجود فقرہ کو کتاب ”بیان المعارفین“ میں فارسی کے ذریعے سمجھایا۔ سترہویں صدی میں ایسے اعلیٰ فہم و فکر کی موجودگی اور اس کی عام اشاعت نے، افادیت کے لحاظ سے سندھ کو فارسی کے ہم پلہ بنا دیا۔ یہی سبب تھا کہ گیارہویں صدی ہجری (سترہویں صدی عیسوی) سے ہی مادری زبان سندھی میں ابتدائی مکتبی تعلیم دینے کے لیے حالات سازگار ہوئے۔

آج تک عام طور پر یہی سمجھا گیا ہے کہ ٹٹو کے عالم میاں ابوالحسن ہی نے سندھی زبان میں پہلی درسی کتاب ”ابوالحسن جی سندھی“ لکھی، یہ خیال اس لیے پیدا ہوا کہ اس کتاب سے پہلے کی کوئی اور کتاب سندھی میں لکھی ہوئی نظر نہیں آ رہی تھی، لیکن اب ایک قدیم سندھی قلمی ذخیرہ کے دستیاب ہونے سے ثابت ہوا ہے کہ مادری زبان سندھی کے ذریعے تعلیم دینے کی تحریک او سندھی میں درسی و تعلیمی مواد تیار کرنے کی ابتداء ”ابوالحسن جی سندھی“ سے پہلے ہو چکی تھی۔ میاں ابوالحسن ایک بڑے عالم و استاد تھے اور وہ بھی اس نئی تعلیمی تحریک کے دوسرے دور کے



سربراہ تھے، لیکن اس تحریک اور اس تحریک کے زیر اثر سندھی درسی کتب لکھے جانے کی ابتداء غالباً ان کے اساتذہ کے دور (۱۰۰۰ھ - ۱۰۵۰ھ) میں ہوئی، جن کے تعلیمی نظریات اور درسی کتب سے متاثر ہو کر خود انہوں نے بھی سندھی میں ایک بہترین درسی کتاب تصنیف کی، جو بعد میں 'ابو الحسن جی سندھی' کے نام سے مشہور ہوئی (۱)۔

جن بیدار مغز سندھی علماء و اساتذہ نے فارسی کے بجائے مادری زبان سندھی کے ذریعے مکتبی تعلیم دینے کا نظریہ پیش کیا اور سندھی میں درسی کتابیں لکھ کر عملاً اس نظریہ کو مستحکم کیا ان کے ابتدائی منصوبوں اور کوششوں کے بارے میں اگرچہ اس دور کے تحریری حوالہ جات تو موجود نہیں ہیں، تاہم اس طرح کی تبدیلی کی وجہ سے بعد میں مختلف موضوعات اور عنوانات پر سندھی میں پڑھنے پڑھانے کے لئے جو درسی کتابیں یا کتابچے لکھے گئے اور بعد میں ایک ضخیم قلمی ذخیرہ کی صورت میں دستیاب ہوئے ہیں، وہ اس نئی تعلیمی تحریک کا واضح ثبوت ہیں۔

تعلیمی مقصد کے لئے سندھی میں درسی اور علمی کتابچوں کا تحریر ہونا:

مختلف عنوانات پر اس قسم کے انتالیس، منظوم موضوعات، کا ایک قیمتی ذخیرہ اب تک سلامت ہے جسے عزت بن سلیمان کاتب نے ۱۰۶۷ھ - ۱۰۶۹ھ (۱۶۵۵ء - ۱۶۵۷ء) کے تین سالہ عرصے میں نقل کر کے مکمل کیا۔ اس ذخیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے سندھی علماء و اساتذہ نے ان موضوعات کو محض تعلیمی مقصد کے لیے اس وقت کی عام رائج سندھی زبان میں منظوم کیا، تاکہ انہیں آسانی سے سکھایا اور پڑھایا جاسکے۔ ذیل میں ان انتالیس موضوعات کی فہرست دی جاتی ہے جنہیں مختلف علماء و فضلاء اور دیگر بیدار مغز لوگوں نے منظوم کیا۔ جن بنیادی موضوعات پر وہ منظومات تیار کیے گئے انہیں اوپر چورس بریکٹ میں ظاہر کیا گیا ہے اور نیچے ان موضوعات سے متعلق وہ منظومات، کاتب کے قائم کردہ اصل عنوانات کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ جہاں کہیں اصل 'عنوان' درج نہیں کیا گیا ہے وہاں پر مضمون کے مناسب عنوان چورس بریکٹ میں لکھا گیا ہے۔

[۱]

[خالق کی وحدت، کائنات کی تخلیق اور انسان کی پیدائش]

۱۔ جباری صفت خدائی

۲۔ آغاز تخلیق آدم علیہ السلام

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ اَنْ تَكُوْنُ لِيْ رَافِعًا لِّمَنْزِلَتِيْ  
 وَرَافِعًا لِّمَنْزِلَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَرَافِعًا لِّمَنْزِلَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَرَافِعًا لِّمَنْزِلَةِ  
 جِبْرِائِيْلٍ اَوْ نُوْزُوْا اَسْمَا كَالاَيُوْا اِلٰى عَفْوِ كَرَمِيْهِ تَبَّ سَدُوْ  
 اَسْمَا كِيْ اِسْلَامِيْ تَابَتْ لَوْ كَلِمَةُ دِيْنٍ فِىْ اِيْمَانٍ بِيْهِ هَلَهُ مَا نَدُوْ  
 تَعْلِيْجًا يَأْتُوْهُ اَوْ تَوِيْلًا يَأْتُوْهُ هَيَّا كِدْفُوْا نِشَاهُ مُسْلِمًا اَكُوْ  
 نَشِيْطًا سَرْخُوْا مَعِيْ اَوْ فَرِيْوْا كَدَا يَأْكُرِيْمُ تَوْبَانِيْ بَادَا اَيُوْ  
 كَرَامًا مَوْتِيْ اَسْمَا تَوَكَّدُوْا بِرَسْمِيْ سَاهُ كِنْفُوْا عِيْ يَأْكُرُوْ  
 مَوْنًا وَشَحِيْحًا كَلْمُوْ هَلَهُ مَا نَدُوْ سَمِيْحًا اَضْلَاهُوْ تِيْ كَلْمُوْ جِيْنُ بَلِيْقُوْ  
 يَحِيْثُوْ يَدَا جَنَّتِيْ رَهْ صَابُوْ هَيْنُوْ نَكْرًا جِيْ اَتْلُوْ نِيْ فَرَمَا يُوْ  
 اَمَّا قَالَا اِلَهَ اِلَهَ اَللّٰهُ عَمْدُ رَسُوْلٍ اِلَيْهِ خَالِصًا فَخَالِصًا دَخَلُ الْخَبَةِ  
 جِلْدُوْ حَسَابٍ وَلَا عَذَابٍ حَدِيْثًا عَمَّا وَرَدُوْا كَلِمَةُ بَهْرِيْهِ بِسْمِ اَبِيْ  
 جِبْرِائِيْلٍ هَيْنِيْ صِفَتِيْ مِمَّا تَكُوْنُ اِيْنُوْا يَسَارِيْ كَسُوْ تُوْزُوْ كَلْمُوْ دُوْ  
 اَسْمَدَانِ لَا اِلَهَ اِلَّا اَللّٰهُ وَفَوْهُ لَا يَشْرِكُ لَهُ وَاسْمَدَانِ مُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

حکمر اے الہی ۱۰۶۸

کامیاب و مالک و معصوم

سلمان

کاتب عزت بن سلیمان کے 1067-1069 ھ قلمی ذخیرے کا ایک عکس



- ۳۔ صفت جوہر آفرینش عالم و مہتر آدم علیہ السلام  
۴۔ نور نامہ حضرت رسالت پناہ، تیار کردہ 'آراوین' کا

[۲]

[نبی پاک ﷺ کی سوانح، تحریف اور معجزات]

- ۵۔ [نبی پاک کی سوانح □]  
۶۔ مدح رسول اللہ ﷺ، تیار کردہ 'عثمان' کی  
۷۔ معراج نامہ، تیار کردہ 'جمعہ' کا  
۸۔ وفات پیغمبر علیہ السلام  
۹۔ فاختہ اور بازار کا معجزہ  
۱۰۔ صفت ماہی و دریا

[۳]

[تعلیمی سلسلہ: درسی اور علمی کتابیں، موضوعاتی تشریحات اور وضاحتیں]

- [الف] توحید کا اقرار اور ایمان، اور کفر سے بچنا  
۱۱۔ [اللہم انی: توحید کا اقرار □] سندھی ترجمہ "ملا" کا کیا ہوا  
۱۲۔ [ایمان مفصل - ۱: آمنت باللہ □] سندھی ترجمہ "آدم کناڈ" کا کیا ہوا  
۱۳۔ [ایمان مفصل - ۲ □] سندھی ترجمہ "حاجی" کا کیا ہوا  
۱۴۔ [ایمان مفصل - ۳ □] سندھی ترجمہ "سگرڈنہ" کا کیا ہوا  
۱۵۔ [اللہ ربی: عقیدہ کا اقرار]  
۱۶۔ کلمات کفر اور حرام کام  
۱۷۔ کلمات کفر و بائگ نماز  
[ب] اسلامی شریعت کی تربیت کے لئے کتابیں  
۱۸۔ کتاب شریعت، 'صادق' کی تحریر کردہ  
۱۹۔ چار علوم، 'عثمان' کی تحریر کردہ  
۲۰۔ ساڈھیون چیمہ و بیہیون فرضن (ساڈھیوں جھ و بیہیوں فرضن) - یعنی سادھی چیمہ  
بیسیاں [۶۱/۲۰۰] فرانکس کی، مقصد ایک سوتیس فرانکس نامی کتاب، 'عثمان' کی تیار کردہ

۲۱۔ آب وہ درده (= دس گز چورس)

[ج] فقہ کے بارے میں علمی تحقیقی کتابیں]

۲۲۔ کتاب اساس المصلی، 'پسینو' کی ترجمہ کردہ

۲۳۔ کتاب نظامی از کیدانی، سندھی میں 'موسی' کی مختصر کردہ

[۴]

### اخلاقی تعلیم

[الف] اخلاقی تعلیم: نصیحت اور ہدایت]

۲۴۔ چند بیت ہندیات سنڈی (چند ناصحانہ سندھی اشعار)

۲۵۔ سی حرنی، 'موسی' کی منظوم کردہ سہ حرنی

۲۶۔ سی حرنی

۲۷۔ جھوٹ گہنا۔ جھوٹ زیور (کھوٹے اور جھوٹے زیور)

۲۸۔ قصہ عتاب زنان بد کردار ان، مصنف گھرنوین عمر

۲۹۔ صنعت مستزاد کی نظم (۱)

[ب] اخلاقی تعلیم: اچھے کاموں کی ترغیب کے لئے موت، قبر اور قیامت کی سختی کا بیان]

(۱) مستزاد: زیادہ کیا ہوا، اصطلاح شاعری میں ہر مصرع کے آخر میں وزن۔ سے زائد ایک کلمہ۔ (فرہنگ عامرہ ص ۵۷۷،

مطبوعہ مقدرہ قومی زبان اسلام آباد، طبع اول جون ۱۹۸۹ء)

مستزاد: بڑھا ہوا، ایک طرح کی نظم جس کے مصرع کے بعد وزن سے زیادہ ایک اور رکن ملا دیں۔ (اظہر اللغات اردو، ص ۶۹۲، مطبوعہ اظہر پبلشرز، اردو بازار لاہور)

مستزاد: زیادہ کیا گیا، بڑھایا گیا۔ وہ غزل جس کے ہر مصرع یا شعر کے بعد کچھ زائد کلمہ بڑھا دیا جائے۔ (جواہر اللغات، اردو، ناشر کتابستان پبلشنگ کمپنی اردو بازار لاہور، ص ۶۷۵)

مستزاد: زیادہ کیا ہوا، بڑھایا ہوا۔ وہ شعر جس کے ہر مصرع یا شعر کے بعد ایسا رکن (یا سرم کا پد) لگا ہوا ہو جو اس مصرع کے اول رکن اور آخر رکن کے برابر ہو۔ (جامع سندھی لغات، جلد پنجم، ص ۲۶۵۲، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد، ۱۹۸۸ء)

نثر اور اکبر آبادی صاحب لکھتے ہیں کہ: مستزاد اس نظم کو کہتے ہیں جس میں ہر مصرع یا ایک مصرع چھوڑ کر دوسرے مصرع کے بعد اسی وزن کا ایک کلمہ یا دو ایک کلمے وزن سے زیادہ ملا دیئے جائیں۔ دیکھیے: تعلیم البلاغت، ص: ۱۰۸، ناشر: مکتبہ فریدی کراچی، ۱۹۷۶ء

اور علامہ عبدالستار دہلوی "مصرف" برکاتی، نوری فیروز اللغات کے حوالے سے لکھتے ہیں: علم عروض کی اصطلاح میں وہ غزل جس کے ہر مصرع یا شعر کے بعد ایسا زائد کلمہ لگا ہو، جو اسی مصرع کے رکن اول اور رکن آخر کے برابر ہو۔ دیکھیے: فن شاعری اور حسان الہند ص ۷۴، ناشر مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات (انڈیا)

شاعری میں صنعت مستزاد کی بہترین مثال مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کی درج ذیل نعت ہے:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو، ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو، ترا آستان بتایا۔ تجھے حمد ہے خدایا

۳۰۔ 'کندھڑ' کی مناجات موت نامہ

۳۱۔ قصہ 'گور' (قبر کا) 'سید' کا کہا ہوا

۳۲۔ حشر نامہ

۳۳۔ [قیامت نامہ]

[ج] اخلاقی تعلیم: سزا و جزا کے بارے میں مثالی قصے

۳۴۔ قصہ جُمُجُمُ بادشاہ (۱)

۳۵۔ قصہ ابو حنم

[۵]

[عام مطالعہ: انبیاء کی تاریخ و قصص]

۳۶۔ [تاریخیں آدم علیہ السلام سے حضرت محمد ﷺ تک]

۳۷۔ مصیبت نامہ پیغمبراں، 'نورے' کا کہا ہوا

۳۸۔ قصہ مہتر یوسف علیہ السلام

۳۹۔ قصہ پیغمبر اسماعیل علیہ السلام، 'بیر' کا کہا ہوا

اس تمام ذخیرہ کے تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھی میں اتنے بڑے پرانے ذخیرہ کی تصنیف و تالیف کے بنیادی مقاصد اور ان کی تکمیل کے لئے اختیار کردہ طریقے درج ذیل تھے۔

(الف) مادری زبان سندھی کے ذریعے ابتدائی تعلیم دینا

(ب) ایسی تعلیم کے لئے سندھی میں درسی مواد مہیا کرنا

(ج) سیکھنے والوں کے شوق کو بڑھانے اور ان کے لیے آسانی پیدا کرنے کی خاطر

درسی اور مطالعاتی مواد کو آسان زبان میں منظوم کرنا۔

سندھ میں صدیوں سے اسلامی تعلیمی نظام رائج تھا جس میں ابتدائی مکتبی تعلیم کو بڑی اہمیت

[گزشتہ سے پیوستہ]

اس نعت کے پہلے مصرعہ میں "وہی رب ہے جس نے تجھ کو" رکن اول ہے اور "ہمہ تن کرم بنایا" رکن ثانی ہے اور دوسرے مصرعہ میں "ہمیں ہمیک مانگتے کو" رکن اول ہے اور "ترا آستان بنایا" رکن ثانی ہے۔ دونوں مصرعوں کے دونوں رکن کے برابر زائد کلوا "تجھے تم ہے خدایا" ہے۔ یونہی یہ پندرہ اشعار پر مشتمل تمام کی تمام نعت "صعوت مستزاد" کا شاہکار ہے۔ (مترجم)

(۱) 'جسم جمہ' دونوں 'جسم' کے پیش کے ساتھ، عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی پس سر کی کھوپڑی، لکڑی کا پیالہ، زمین شور میں، کھدا ہوا کواں۔ اس کی جمع تہائم ہے۔ دیکھیے: المنجد عربی اردو، ص ۱۶۳، قصہ تجو بادشاہ یعنی بادشاہ کی کھوپڑی کا قصہ۔ (مترجم)

حاصل تھی۔ مسلمان بچوں کے لئے ’مکتبی تعلیم‘ اصولی طور پر دینی تعلیم، فنی، جس میں قرآن شریف پڑھانے کے ساتھ توحید و رسالت پر ایمان پختہ کرنا، اسلام کے بنیادی ارکان میں سے بنیادی اصول پر ایمان اور روزہ کے فرائض سمجھانا، اور ادائیگی نماز کے لیے جسم، لباس اور نیت کی صفائی و طہارت رکھنا لازمی امر پر شامل تھے۔ ایمان اور ارکان شرع کے ساتھ تیسرا موضوع اخلاقی تعلیم تھا (۱)۔ مثلاً گناہ، بالا، جھوٹ، کد، پانچ حصوں میں شامل انتالیس عنوانات پر مشتمل موضوعات میں سے شروع کے چار حصوں کے تحت ۳۵ موضوعات نصابی اور درسی مقاصد کے لیے تصنیف کیے گئے۔ آخری پانچ میں حصہ کے تین موضوعات عام معلومات و مطالعہ کا شوق بڑھانے کے لئے تیار کیے گئے ہیں۔

تیسرے حصہ کے تحت جملہ ۱۳ موضوعات خاص طور پر ابتدائی تعلیمی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے درسی کتب کے طور پر تیار کئے گئے۔ اس بات کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگرچہ چل کر ان موضوعات کو درسی سلسلہ میں شامل کیا گیا اور بعض موضوعات، کی تو مزید اصلاح و توسیع بھی کی گئی (۲)۔

اس دور کے بیدار مغز علماء و اساتذہ نے نہ صرف اس درسی مواد کو اپنی زبان سے سنسکرت سندھی میں منتقل کیا بلکہ اسے منظوم بھی کیا، تاکہ شاگرد درسی مواد کو اپنی مادری زبان اور سلسلہ صورت میں آسانی اور دلچسپی سے پڑھ سکیں۔ درج ذیل مثالیں اس دور کے سندھی علماء اور اساتذہ کے اس نظریہ کو واضح کرتی ہیں، اور خاص طور پر حاجی نام کے عالم کا وضاحت سے بیان کیا، تصدیق ہوتی ہے کہ: ”بانہجی واء پروڑی سگھانی سکھن“ (’اپنی زبان میں آسانی سمجھ کر وہ جلدی سیکھ سکیں‘)۔

☆ [عنوان - ۲۰] ”ساڈھیون چھ دیہوں فرضن“ بیان کرتے ہوئے متبحر عالم و دانشور عثمان نے بتایا کہ علم حاصل کرنا سب کے لئے ضروری ہے، مگر عام لوگوں کے لئے (عربی کے بجائے) سندھی میں پڑھنا زیادہ آسان ہے:

عثمان چوہ علم رے عقل مور نہ کوہ

سندھی ابوچھن کھی گھٹو سہلی ہوہ

[عثمان کہتا ہے کہ علم کے بغیر عقل کی کوئی حیثیت نہیں کم عقل لوگوں کے لئے سندھی زبان

زیادہ آسان ہے۔]

(۱) سندھ میں پرانے وقتوں سے کتبوں میں ہندو شاگرد بھی پڑھتے تھے، جنہیں فارسی زبان، کتابت اور انشاء پر ملازمت کے ساتھ ادب و اخلاق کی تعلیم دی جاتی تھی۔

(۲) دیکھیے: باب آٹھواں

☆ [عنوان - ۱۳] کے تحت ”حاجي“ نے ’ايمان مفصل‘ کا سنڌي ميں منظوم ترجمہ ڪيا ۽ تـاڪہ پڙھنے والے مادري زبان ميں هونے کي وجہ سے اُسے باساني سیکھ اور سمجھ سکیں۔

عربياء سنڌي ڪئي ”حاجي“ بيت ڪري

ته سڪن سَهڪي ٿئي اڀر جهن وري

سنڌي آهي سَهڪي سڪي اڄو جهن

پانهجي واءِ پروڙي سَنھائي سڪن

[ايمان مفصل کي عبارت کو) حاجي نے عربي سے سنڌي شاعري ميں منتقل ڪيا تـاڪہ سادہ

نوح لوگوں کے ليے بهي سیکھنے ميں آساني هوء۔ سادہ لوح لوگوں کے ليے سنڌي ميں سیکھنا آسان ۽؛ ڪيونڪہ وه اپني زبان ميں جلد سیکھ سکتے ۽ن

☆ [عنوان - ۱۴] ايک اور عالم ’سگر ڏنہ‘ نے بهي ’ايمان مفصل‘ کا اسي مقصد پيش نظر

سنڌي شاعري ميں لايـا:

”سگر ڏني“ سنڌي ڪئي صفت هي ايمان

تن سڀئي پڻيون، جي ني ڪلمي سان

[سگر ڏنہ نے اس ايمان مفصل کو سنڌي کا جامہ پهنایا، وه تمام لوگ بامراد هوں گے

جنهين مرتے وقت کلمہ پڙھنا نصيب هوگا۔]

مادري زبان کے ذريعہ ابتدائي تعليم دينے کے نظريہ کو عملاً کامياب بنانے کے ليے بيدار

مغز علماء و اساتذہ نے نہ صرف خود اپني طرف سے نصابي مواد مرتب اور منظوم ڪيا، بلڪہ انهن نے عربي اور فارسي کي درسي کتب سے بهي مواد منتخب کر کے سنڌي زبان ميں منتقل ڪيا۔ اس سلسلہ ميں فقهي مسائل کو خاص طور پر مشهور عربي کتب سے نکال کر سنڌي زبان ميں سمجھايـا۔

☆ [عنوان - ۲۲] عربي کتب اساس المصليٰ کا پهله فارسي ميں ترجمہ هواء، بعد ميں ايک

سنڌي عالم ”پسيو“ نے اس کا سنڌي زبان ميں منظوم ترجمہ ڪيا:

’اساس المصليٰ‘ ڪتيب متقيـا، مون سنڌي ڳالهائـا

يا رب! ڏين سیکھين نماز سندو ساءُ

عربي ڦر فارسي، فارسي سنڌي ڦر هوء

سائين سباجها مون ڏني سڪي سيو ڪوء

[’اساس المصليٰ‘ کتاچہ اصل عربي ميں تھا، جس کا ميں نے سنڌي ميں ترجمہ ڪيا، اس

طرح عربي بعد ميں فارسي اور پھر فارسي سے سنڌي ميں اس کا ترجمہ ڪيا گيا، تـاڪہ هر ايک اسے



آسانی سے سیکھ کر سمجھ سکے۔]

☆ [عنوان - ۲۳] موسیٰ نامی عالم نے کیدانی کی عربی کتاب 'نظامی' کا (جس میں ۱۵ باب تھے) سندھی میں اختصار کیا اور اسے آٹھ ابواب میں مرتب کیا۔ اختصار کے باوجود اس نے تمام مسائل کو سندھی میں آسان بنا کر پیش کیا:

باب پیو بیان 'واجبین' سندو منجھہ جہین

سندھی ہر سہکا تیا سکئی سپکھین

(دوسرا باب واجبات نماز کے بیان میں ہے، جنہیں سندھی میں سیکھنا ہر ایک کے لئے

آسان ہے۔]

مفسد پنج نماز ہر 'کیدانی' ذنام

عریاء عامن کبی سندھی سہل کلام

['کیدانی' نے نماز کے مفسد پانچ ذکر کئے ہیں، عربی میں لکھے ہوئے ان مسائل کو میں نے عام لوگوں کے واسطے سندھی میں سہل بنا کر پیش کیا ہے۔]

☆ [عنوان - ۲۱] بعض فقہی مسائل، ایک سے زائد عربی کتابوں سے دیکھ کر، مکمل تحقیق کے ساتھ سندھی میں بیان کئے گئے۔ "دس گز مربع پانی" (دہ درہ) کی طہارت یا پلیدی کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے بیدار مغز علماء نے سمجھایا کہ:

'فتاوا سراجی' ہر لکھی ہی نہ پیت

'مجموع - خانی' آب باب مون ہی ڈنوت

['فتاویٰ سراجی' میں یہ وضاحت موجود نہیں تھی، میں نے اسے کتاب 'مجموع خانی' کے

باب "آب" (باب الماء) میں دیکھا ہے۔]

☆ [عنوان - ۴] 'نور نامہ حضرت رسالت پناہ' کے مصنف 'آرادین' نے بتایا کہ:

نور نامی منجھاء سا لکھی سندھی کیو پاکا

سپ پریاء پاٹھی پاتا بادشاہ

عریا ہر فارسیا سندھی وا کلام

اربعا 'آرادین' چوہ لکھی پُجھام

['نور نامہ' کے متعلق اصل مواد سے، میں نے یہ پاک صاف سندھی لکھی، اسے لکھنے اور مکمل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے میرے قلب و ذہن کو روشن فرمایا۔ میں نے یہ بیانات عربی اور فارسی سے سندھی زبان میں منتقل کیے 'آرادین' کہتا ہے کہ انہیں میں نے بدھ کے دن لکھ کر مکمل کیا]

ہم نے اس سے پہلے سن ۱۹۶۸ء میں شاہ لطف اللہ قادری کے 'سندھی رسالہ' کی بنیاد پر مادری زبان سندھی کے ذریعے ابتدائی تعلیم کے بارے میں جو درج ذیل نظریہ قائم کیا تھا اُسے مندرجہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں تبدیل کرنا پڑے گا:

”شاہ لطف اللہ سے پہلے جن سندھی علماء، یا شعراء کی نظم اور نثر میں تصنیفات دستیاب ہوئی ہیں وہ عربی یا فارسی میں ہیں اور شاہ لطف اللہ قادری غالباً پہلے عالم و عارف تھے جنہوں نے محسوس کیا کہ سندھ کے لوگ، جن کی مادری زبان سندھی ہے، اور جو صرف سندھی ہی میں آسانی سے کسی بات کو سمجھ سکیں گے ان کی سہولت کے لیے ضروری ہے کہ علمی مسائل کو ان کی اپنی مادری زبان میں بیان کیا جائے تاکہ وہ نہ صرف آسانی سے بلکہ ذوق و شوق سے انہیں پڑھیں اور سمجھیں۔۔۔۔۔ اس تعلیمی مقصد کے پیش نظر اس نے عوام کی مادری زبان سندھی میں رسالہ تالیف کرنا ضروری سمجھا، کیونکہ اس کے نظریہ کے مطابق لوگ مادری زبان میں با آسانی اور ذوق و شوق سے سیکھ سکیں گے۔ اسی طرح شاہ لطف اللہ قادری نے اپنے ”رسالہ“ کے مقدمہ میں سندھ کے باشندوں کو ان کی مادری زبان سندھی میں تعلیم دینے کے نظریہ کی بنیاد ڈالی“ (۱)

مندرجہ بالا نتیجہ اس بناء پر اخذ کیا گیا تھا کہ شاہ لطف اللہ قادری کا 'سندھی رسالہ' اس وقت دستیاب ہونے والی وہ پہلی کتاب تھی جس میں اس نظریہ کی تائید کی گئی تھی۔ اُس وقت، شاہ لطف اللہ قادری کے 'سندھی رسالہ' سے بھی بہت پہلے کے یہ اکتالیس منظوم موضوعات دستیاب نہیں ہوئے تھے۔ اس ذخیرہ کے پانچ حصوں پر مشتمل منظومات میں سے دیئے گئے مندرجہ بالا حوالوں سے تصدیق ہوتی ہے کہ مادری زبان سندھی میں ابتدائی تعلیم دینے کا نظریہ شاہ لطف اللہ قادری سے پہلے ان علماء اور راسخاندہ (آرادین، عثمان، جمعہ، ملا، آدم کناد، حاجی، سگرڈ، صادق، پُسیو، موسیٰ، گھُرسو بن عمر، کندھر، سید، نور، ہیر) نے قائم کیا، جنہوں نے اتنی بڑی تعداد میں تعلیمی اور درسی موضوعات منظوم کیئے۔ ان میں سے حاجی نامی عالم نے یہ تعلیمی نظریہ واضح الفاظ میں ظاہر کیا کہ:

سندھی آھی سہکی سکھن اہوجھن

بانہجی واء پروژی سگھانی سکھن

[سادہ لوح لوگوں کے لیے سندھی میں سیکھنا آسان ہے کیونکہ وہ اپنی زبان میں جلد سیکھ

سکتے ہیں]۔

(۱) ”سندھی رسالہ“ تصنیف شاہ لطف اللہ قادری، راقم کی تصحیح و تحقیق کے ساتھ شائع کردہ، انٹرنیٹ آف سندھیالاجی، سندھ یونیورسٹی، سنہ ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء، مقدمہ ص ۲۵-۲۶۔

شاہ لطف اللہ قادری کے پیش نظر غالباً ان سے پہلے کا یہ تعلیمی نظریہ (۱) تھا، کیونکہ انہوں نے (۲) اور دوسروں نے بھی اس کی وضاحت بالکل عالم و فاضل، حاجی، ہی کے الفاظ میں کی کہ:

”پادھی ہونہی تکرہی سگھائی ای سکن“

[اپنی زبان میں ہونے کی وجہ سے یہ لوگ جلد سیکھ سکیں گے۔]

سندھی میں ایک بڑے علمی ادبی ذخیرہ کا تحریری صورت میں دستیاب ہونا: سندھ کے بیدار مغز علماء کے اس ترقی پذیر تعلیمی نظریہ پر عمل نے سندھی میں درس و تدریس کے لئے وافر مقدار میں دینی مواد پیدا کیا جو بڑی علمی و ادبی اہمیت کا حامل تھا۔ سیکھنے اور پڑھنے والوں کی رغبت بڑھانے کے لیے تمام علماء و اساتذہ نے یہ مواد منظوم صورت میں مہیا کیا۔ اس طرح ترتیب کے لحاظ سے اس ذخیرہ میں شامل تمام انتالیس موضوعات: ”منظوم“ ہیں جنہیں بطور آسانی ”منظومات“ کہنا مناسب ہوگا۔ ان کے لئے اور بنانے والے، جن میں پندرہ کے نام معلوم ہیں، شاعر تو نہیں۔ لیکن انہیں نظم (کو) نظم جوڑنے والے (تھے) اور انہیں ”منظوم کلام“، ”ابیات“ اور ”قافیوں“ کی پہچان تھی۔ ان میں سے بعض حضرات، کسی حد تک شاعرانہ شعور بھی رکھتے تھے اس لئے ان کی تیار کردہ ”منظومات“ میں شعری اوصاف اور صنعتیں آگئی ہیں۔ اس لئے یہ ذخیرہ ایک طرف تعلیمی طریقوں اور تراجم کے لحاظ سے ایک ”علمی ذخیرہ“ ہے، تو دوسری طرف ”منظومات“ کے لحاظ سے بھی ایک ”ادبی ذخیرہ“ ہے۔

### سندھی نظم کی دو اہم صنعتیں:

اس ذخیرہ میں شامل انتالیس منظومات میں سندھی نظم کی دو اہم اصناف شامل ہیں:

(الف) سندھی منظوم بند (ب) سندھی بیت / شعر

(الف) سندھی منظوم بند:

یہ لحاظ ترکیب ”سندھی منظوم بند“ اس نظم کو کہتے ہیں جس میں دو سے زیادہ ہم - قافیہ سطریں ہوں، اور قافیہ ہر سطر کے آخر میں لایا گیا ہو۔ اس ذخیرہ میں کئی ایک ”منظوم بند“ ہیں، جن میں سے بعض تین سے دس سطروں والے، چھوٹے بند، اور بعض چودہ، اٹھارہ، بائیس، اٹھائیس اور تیس سطروں پر مشتمل ”طویل بند“ ہیں۔ [عنوان - ۶] کے تحت ’مدرج رسول ﷺ‘ کا منظوم یہ ایک

(۱) شاہ لطف اللہ نے تقریباً ۱۷۰۸ء - ۱۷۰۹ء کے عرصہ کے دوران اپنا ”سندھی رسالہ“ ترتیب دیا۔ جب کہ اس سے بھی دس پندرہ برس پہلے کاتب عزت بن سلیمان گزشتہ علماء و اساتذہ کا ذخیرہ نقل کر چکے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان موضوعات کو کم از کم پچاس ساٹھ سال پہلے مختلف علماء و اساتذہ نے منظوم کیا ہوگا۔

۔ اس قدر ہاں بند ہے جس میں (’او‘ قافیہ پر) اڑٹھ سطریں ہیں۔ اس ذخیرہ کے یہ اتنے سارے شعر ہیں خواہ ٹوٹیں ہوں، نہ یکم ترین بند ہیں، کیونکہ ان سے پہلے کے کوئی بھی ایسے ’سندھی منظوم بند‘ نہیں ملے ہیں۔

### زبانی سندھی بیانیہ شعر:

اس ذخیرہ میں ’سندھی ابیات‘ اشعار‘ بھی ایک بڑی تعداد میں موجود ہیں، جن میں بہت سے ’سندھی‘، ’سڑتھی‘ شعر کی وہ تمام صورتیں موجود ہیں جو ہمیں شروع میں قاضی قادن کے ’سندھی‘ میں ملتی ہیں۔ لیکن فنی ترتیب کے لحاظ سے، قاضی قادن کے اشعار صرف دو مصرعوں والے ہیں۔ ان دور کے ایک اور شاعر ’پرہیاز‘ کا تین سطری شعر ملتا ہے، اور میاں علی شیرازی کا ایک بیار سطر شعر ملتا ہے۔ اس کے بعد میاں شاہ کریم کے کلام میں بھی صرف تین شعر تین سطری موجود ہیں۔ اس ذخیرہ کی منظومات میں پہلی مرتبہ پانچ اور چھ سطری شعر ملتے ہیں۔ ذیل میں ایسی منظومات کے ’عنوان‘ اور ’نمبر‘ کے حوالہ سے ’شعر‘ کی جدا جدا ترتیبوں کی تفصیل دی جاتی ہے۔

۱۔ ایسے دو سطری اشعار جن کی دونوں سطریں آخر میں قافیہ ہے:

0-----  
0-----

اس ذخیرہ میں سب سے بڑی تعداد تقریباً چوبیس سو، دو سطری اشعار کی ہے، جن کی دونوں سطروں کے آخر میں ہم آواز قافیہ آئے ہیں۔ اس طرح کے سب سے زیادہ اشعار (۸۳۹) ”قصہ بہتر یوسف علیہ السلام“ [عنوان - ۳۸] کے تحت موجود ہیں۔ یہ ’سندھی شعر‘ کی قدیم ترین بنیادی ترتیب ہے۔ اور جیسا کہ اس طرح کے دو سطری اشعار قدیم قصے کہانیوں میں منظوم کیے گئے، نیز کچھ خاص مواقع اور واقعات کے وقت غنئی اشارات و علامات اور پیغامات کی خاطر آلاپے گئے، اس لئے انہیں ”معا۔ شعر“ (چلیپائی شعر) کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً [عنوان - ۱۹] ”چار علم“ کے ابتدائی پانچ شعر:

ساراجھی سو ڈٹھی جو خالقُ خلقِ

تَنہ سَنَدھی فرمانِ ہر ماڑھو مِرُو مَلکِ

[اس مالک کی تعریف کرنی چاہیے جو مخلوق کا خالق ہے۔ انسان، جانور، فرشتے اس کے

زیر فرمان ہیں۔]

تَنہ اوڑکنِ کیترا کوڑینِ پَدَم لَکِ :

ات اُپایا پاتشاہِ عالمِ گھٹا لَکِ :

[اس کے کئی لاکھوں، کروڑوں، اربوں بھید ہیں  
اس بے مثل بادشاہ نے کئی عالم بنائے ہیں۔]

کئی ھلن، سرن کی، کئی ڏنائین ٻک  
کئی عالم، عاقل کی، کئی کیائین ٻک  
[بعض چلتے ہیں، بعض رینگتے ہیں اور بعض کو اس نے پر عطا کیے ہیں۔ بعض عالم ہیں،  
بعض عاقل ہیں، بعض کو اس نے بھوجن (خوراک) بنایا۔]

کئی گنڊر گڏری، قوڙاڻو ۽ ٻک  
کئی سرھا سیٹن سین، کئی ڏنائین ڏک  
[بعض کی زندگی دکھ اور فکر و غم اور فراق اور بھوک میں گزرتی ہے بعض لوگ دوستوں  
عزیزوں کے ساتھ خوش و غم ہیں، اور کچھ کو دکھ دیئے ہیں۔]

کئی کوجھا، کئی کوڙا، کئی منہ ہر ڏک  
ای پر ہسی کیترا وہ چڙھیا ۽ تک  
[بعض بد صورت، بعض جھوٹے اور بعض کے چہروں پر رونق۔ یہ ریت اور نمونہ دیکھ کر کئی  
لوگ بڑائی میں پڑ گئے اور کئی لوگ غصہ اور تیزی طبع میں مبتلا ہو گئے۔]  
۲۔ ایسے اشعار، جن کی پہلی سطر کے آخر، اور آخری سطر کے درمیان میں قافیہ ہے:

0-----

-----0-----

مثلاً [عنوان۔ ۱۰] ”صفت ماہی و دریا“ میں درج ذیل شعر

اُھاریندا پیڑیون، ٻکھہ کئی تڙا

مٹندا دریا، پسنڊا کوڏ کنا

[بندرگاہ سے لنگر اٹھا کر کشتیاں چلائیں گے،

بڑے سمندر کا رخ کریں گے اور مسرتوں میں کنارہ دیکھیں گے (منزل مقصود پر  
پہنچیں گے۔)]

’سر سامونڊی کے سلسلہ کا یہ قدیم شعر ہے جو اس ذخیرہ میں موجود ہے۔

[عنوان۔ ۲۳] ”کتاب نظامی از کیدانی“ میں درج ذیل شعر:

سپی ساراھون جین چڱیون چاگ کئی

ڏیون آھین ڌڻی، کئی وڌی واکاڻیون

[سب تعریفیں افضل اور جذبہ ذوق (ابھارنے والی)

اللہ نے ان کو بڑی تعریفوں کے ساتھ منتخب کیا ہے۔]

[عنوان - ۳۰] ”مناجات موت نامہ“ میں ایسے دوسطری دوشعر:

إِلهِي رَبِّ سَبَّاحُهَا، رَحْمَتَ مَخَاتَمِ ذُّهْلِي وَبِرِّ

جِنِّ بَانْهُونَ بَدِّي پِيرَ، هَلَانْجِي قَبْرِ مِثِي (۱)

[الہی رب رحیم! اس مشکل وقت میں رحمت کا سوال کرتا ہوں، جب بازو اور پاؤں

باندھ کر قبر کی طرف لے جایا جائے۔]

سَئِئِي (۱) هَذَّ گُورَ دَرَهِي، (۱) پِرِي پَچَارَ نہ پوے

کَٹھِينِ کُوے نہ چوے، تہ کی ھِیڑَا کَدھِينِ

[ہڈیاں گل سڑ جانے اور قبر ویران ہو جانے کے بعد دوست کا تذکرہ نہیں ہوتا، کہیں بھی

کوئی نہیں کہتا کہ ’کبھی کوئی تھا‘۔]

[عنوان - ۱۵] ”اللہ ربی“ (اقرار ایمان کی دعا۔۱) میں اس طرح کا پانچ سطری ایک

شعر:

قُرْآنُ مَهْدَارُ مُهْجُو تَنِي نَالُو فُرْقَانُ

نَاؤُلُ تَبِوے نَبِي کِي خدَاءِ جو فرمانُ

بَسِي جِنِي مَجِيوے پورو تَنِ اِيْمَانُ

چَکْگَايُونِ قِيَامِ جُونِ تَنَاءُ لَهْنْدَا دَانُ

جِنِي جو بيانُ، چِيَانُ کِيو نہ تَنِي.

[قرآن میرا پیشوا، اس کا نام فرقان ہے۔ نبی پر خدا کا فرمان نازل ہوا۔ دیکھ کر جنہوں

نے مان لیا ان کا ایمان مکمل ہے۔ وہاں پر قیامت کی ایسی بھلائیاں دان حاصل کریں گے۔ جن کا

بيان زبان سے ہو ہی نہیں سکتا۔]

۳- ایسے اشعار، جن کی پہلی سطر کے درمیان میں اور باقی سطروں کے آخر میں قافیہ ہے:

-----0-----

0-----

مثلاً [عنوان - ۳۳] ”قیامت نامہ“ میں شش سطری ایک ایسا شعر:

اچي ڪ آئي، ڪوئيہ شڪُ قيام ۾  
سجُ موندو، صُورَ لڳندي، مرندا مِڙيائي  
پي نہ ڀڄندو پُترَ کي، ڀائر نہ ڀائي  
ما چُونڊي پُترَ کي ائون نہ اُهاڻي  
نُوسي تيندي نَفسي اِهڙي اُهڪائي  
تَرسِي تَهيُن ذينہ کي ڪرہ سَمَر سَانباہي

مر جائیں گے۔ باپ بیٹے کو اور بھائی بھائی کو نہیں پوچھے گا، ماں بیٹے سے کہے گی کہ میں وہ نہیں ہوں، آیا دھانی اور ایسی مشکل بیا ہوگی، اس دن کا خوف کھا کر، زادراہ کی تیری کر۔]

۱۱ ایسے اشعار، جن کی پہلی اور دوسری سطر کے درمیان میں قافیہ ہے:

-----0-----

0

مثلاً [عنوان - ۸] ”وفات پیغمبر علیہ السلام“ میں درج ذیل دو شعر:

درسُ درازی پار، آئو ملڪُ حبیب جو

کندو سائی کار، حکم جوئے حبیب جو

صحیح دروازے پر، حبیب (اللہ) کا ملک (عزرائیل) آیا

وہ وہی کچھ کرے گا، جس کا اسے حبیب نے حکم دیا۔]

پھرو پاڻ ڪيائ، ڀرت نبي جي ڀڌرو

مائڪ منجها مون ڏٺي عالم اُپاياءِ

دُرود پاہجی دوس اُتی پاٹھی چیا

سچن سو سنڀاياءِ، جہ تاري ۾ تڪڻو.

[اول خود ہی نبی کی محبت کا اظہار فرمایا۔ موتی و الماس سے میرے مالک نے عالم پیدا

فرمائے۔ اپنے دوست پر خود ہی دُور در بھیجا۔ ایسا سا جن مبعوث (پیدا) فرمایا جو مصیبت کی گھڑی

(قیامت) میں سہارا ہے۔]

”قصہ اسماعیل پیغمبر علیہ السلام“ میں مندرجہ بالا تمام صورتوں والے اشعار موجود ہیں

جنہیں منتخب کر کے ذیل میں دیا جا رہا ہے تاکہ اس قدیم ذخیرہ میں شامل اس طرح کے اشعار کی

ترتیب، زبان اور بیان سے متعلق مزید تفصیلات ذہن نشین ہو سکیں۔

نہ دوستِنی دُورِ کِئا، نہ تو ڈُجَنُ دُورِ  
کي کونِی (۱) تَڙاين، کي کونين حُصور  
[نہ تو نے دوست دور کیے، نہ ہی دشمن تجھ سے دور ہیں۔ کسی کو بلوا کر دھتکارتا ہے، اور  
کسی کو اپنے حضور میں بلواتا ہے۔]

سونَ وَنِکا سَپَرين کونِی (۱) کُسايا  
پياسي بُجھايا، جي سائينُ سين نہ سُونا.  
[سونا وزن/ سونا صورت محبوب بلوا کر اس نے گلوادیے، اور دوسرے ایسوں کو اپنا آپ  
بُجھا دیا جن کی اُس مالک کے ساتھ جان پہچان بھی نہیں تھی۔]

اگي ابراهيمَ کي آراڙِ وَجھايا  
پُنِ فرمانُ کِيا، قهارُ کونايِني ٿي پاڻ کي.  
[پہلے ابراہیم کو آپ نے آگ میں ڈلویا، مزید فرمان جاری کر کے اپنے آپ کو قہار  
کہلویا۔]

آيوُ ابراهيمَ کي ڌڻيَ سندو فرمانُ  
کَر سِرِي کي قربانُ، تَت بہ ٺاھيون قبلي  
[ابراہیم کے پاس مالک کا حکم آیا کہ سر قربان کر، اسی جگہ کو قبلہ بنائیں۔]  
پِي راتِ پِر چوہ، پُنِ کو سڌ سوناء  
ماری ماہُ کِيا، سِپا سھس گھاو تَنہ  
[پیر کہتا ہے کہ دوسری رات بھی اس نے کوئی بلاوا (آواز) سنا۔ مار کر اس نے تہس  
نہس کر دیا، اسے ان گنت گھاؤ تھے۔]

تاکیو تَري راتِ، اچي اشارَتِ مِ  
بھون ماری ہکرا، ڏيہ ڏنائين ذات  
[اس نے تیسری رات خواب میں دیکھا، بہت سارے بکرے ذبح کر کے علاقہ بھر میں  
خیرات کی۔]

چوٿين راتِ چِيا، ڏيھون سُونھو سَقرو  
ان سھڻي سَنگِئو اُٿي آہ ڏنا



[چوتھی رات کو فرمایا کہ: صبح سویرے ہمیں مزید بہتر (چیز) دے! اس خواب نے ڈرادیا اور اک آہ نکالی (بڑا سانس لیا)۔]

اَتَان اُتِي هَلُو، بُونِي پُتر لَکوس  
سُتِي (۱) سَدُ تَنوس، پَسِي بَارَنُ هَلُو.

[وہاں سے اُٹھ کر چل پڑا، بیٹا اس کے پیچھے ہو لیا، سوتے میں اسے بلاوا ہوا تھا، اسے بھانے کے لیے چل پڑا۔]

پِتو باپُ پَنو جَنّا وِنا کِٹھِنِ وَجْهَہ  
”هو الله“ رَءِ اَجُ، تاري طاقت ناھ کاء.

[دونوں باپ بیٹا کسی جگہ/مقام پر بیٹھ گئے اللہ کے بغیر آج مشکل سے نجات حاصل کرنے کی سبیل نہیں۔]

جَبْرئِيلَ جَہَتَ ہر وِجِي کار قرارُ  
اُسَہ، اسمائِيلَ جو متان وِدي وارُ.

[جبریل! روانہ ہو جا، مبادا اسماعیل کا بال نہ کٹ جائے۔]

جَہلي بَانْہَہ پِي کاءُ اَجِي اُتارِيا  
گَہتو اُت کُنّا، قائم اُپارِيا قَبلو.

[بازو پکڑ کر، باپ کے پاس سے آکر اسے اٹھالیا وہاں دنبہ دُج کروایا، قبلہ بھی قائم کروادیا۔]

جَانُ کِي زورَ مَنجَہا، کاتي پائي (۱) پُتر کِي  
مُنْہ ميٹائي کُونْثرو، مَوْر نہ وِري داء.

[جب بھی بیٹے پر طاقت سے چھری چلا تا موم سے بھی نازک چہرے پر کوئی داؤ نہیں چلتا

تھا۔]

سَجْهَہ کِيائِنِ سُهْٹو، تِنِ پُتر لَدائِنِ دَانُ  
مِجِيائِنِ جِنِ احسانُ، تہ سائِنِ سَپ سُهْٹي کِي.

[اس نے عمدہ اقدام کیا تو بیٹے کو دان میں پالیا، جیسے ہی اس نے احسان مانا تو مالک نے سب سندر کر دیا۔]

سَئِنِ (۲) دَماا نَگْرا، دِہيَنِ (۲) دَسَ وَجَنِ  
پِیغامْبَر جِي بِيکْٹِي جاجِکَ جُوَدَ نَچَن.

(۲) یاے مجہول کے ساتھ ہے۔ (مترجم)

(۱) یاے مجہول کے ساتھ ہے۔ (مترجم)

[صدہا نفا رہے، ڈھول باجے بستوں میں مسلسل بجتے رہے، پیغمبر کی خیرات پر بھکاری تیزی سے ناپتے رہے]

تَنہن پَچہ سارَژا، پوچَن پَت رَجہن  
فوجون فقیرن، آیون کایون اُسہی.

[تمام قسم کے، طعام، پلاؤ پکتے رہے فقیروں کی ٹولیوں کی ٹولیاں آتیں، کھاتیں اور روانہ

ہو جاتیں۔]

کُنڈون کپر آر، ونگ وراکا وادیون  
گرجیون ۽ غار، تار کتہین کندیون.

[کونوں، کناروں پر پانی کا زبردست بہاؤ اور اگلے چکر،

وادیوں، گھاٹیوں، غاروں اور اونچے کناروں پر پانی بھر گیا۔]

مین جی ملک ۾ عجب ات اپار  
کی ائیڈ آوار، کن خبر ہاں لہی.

[مالک کے ملک میں عجیب و غریب بے انتہا راز اور بھید ہیں، کئی طاقتور ویران ہیں اور

کتنوں کی خود ہی خبر گیری کرتا ہے۔]

شاعرانہ صنعتیں:

اگرچہ اصولی طور پر یہ ’منظوم‘ ذخیرہ ہے، ’شعر و شاعری‘ کا بیاض نہیں، نیز ’نظم‘ کا ابتدائی نمونہ ہے اس لئے اس میں سادگی ہے۔ اس کے باوجود بھی بعض منظومات میں شاعرانہ شعور اور شعری صنعتوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ ایک سے زائد اشعار میں ایک جیسے الفاظ کو بار بار لانا، یعنی ’جواب شعر‘ کی خوبی یا ’صنعت تکرار‘ پہلی مرتبہ اس ذخیرہ میں نظر آتی ہے۔ مثلاً [عنوان۔ ۳۰] کے تحت ’کندھر‘ کی منظوم کردہ ”مناجات موت نامہ“ کے بائیس اشعار ”الہی رب سباجھا رحمت ستا“ کے ایک ہی التجائی جملہ سے شروع ہوتے ہیں۔ [عنوان۔ ۱۱] ”جباری صفت خدائی“ کی نظم کے تیس اشعار میں ”ھنودنی سکھپ سین“ کا ایک ہی جملہ ہر شعر کی دوسری سطر میں دہرایا گیا ہے۔

سطر اول میں ’جواب شعر‘ یا ’صنعت تکرار‘ کی مثال:

الہی رب سباجھا، رحمت ستا محمد اتی ۽ سندھسی آل  
فضل کرسین سین جملی مومنین جال

[الہی رب رحیم! رحمت کا سوال کرتا ہوں محمدؐ اور ان کی آل کے لیے  
فضل فرما سب پر، تمام مؤمنین پر بے انداز۔]

☆☆☆

الہی رب سہاجھا، رحمت مٹھا اوچتی (۱) مرثاء  
رء توبہ جو وچی لڈی دُنی منجھا۔  
[الہی رب رحیم! رحمت کا سوال کرتا ہوں اچانک مرنے سے  
جو بغیر توبہ کے دنیا سے کوچ کر جائے۔]

الہی رب سہاجھا، رحمت مٹھا سندی مرث ویر،  
جینء بگھر نرازاؤ نکری، اکین اُبتا پیر،  
ہڈکی ہٹی حلق ہر جَدین نرہ پیر۔  
[الہی رب رحیم! رحمت کا سوال کرتا ہوں اپنی موت کے وقت  
جس وقت پیشانی سے پسینہ نکلے، آنکھیں پلٹ کر میڑھی ہو جائیں  
حلق میں پگی بندھ کر پاؤں ٹھنڈے ہو جائیں۔]

☆☆☆

الہی رب سہاجھا، رحمت مٹھا تَنی اُھکائین  
جین پیر روء بارن سین، ماہی دانھون کن  
پوترا دَسو پاھجا ہی کیو ہت ہٹی۔  
[الہی رب رحیم! رحمت کا سوال کرتا ہوں اُن تکالیف سے  
جب بیوی، بچوں سمیت روئے، ماں باپ چیخ و پکار کریں  
پوتے بھی دیکھ کر، ہائے کر کے ہاتھ ملتے رہیں۔]  
دوسری یا آخری سطر میں جواب شعر کی مثال:

جین پاٹ ہی ہوؤ ڈٹی، اُپایائین کی نہ (۱)  
نڈہ ملک سَدو تھین ڈنو بی کھین نہ۔  
[جب مالک خود ہی تھا، (ابھی) اس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا تھا، تب اس کا ملک کسی  
نے بھی نہیں دیکھا تھا۔]

☆☆☆

سو ھاڻي، سو تڏھين، سندنو ملڪُ جبارُ  
اَوڻو آڳر نہ ٿئي، گھٽ نہ ڪيئي وار (۱)  
[وہی اب ہے، وہی تب تھا، اسی جبار کا ملک ہے، کم، زیادہ نہیں ہوتا۔]

☆☆☆

نہ ھوئُ جياڏڪو، نہ ڪو ھوئُ راڳ (۲)  
ھوئُ ڏٺي سگھپَ سين، نہ ڪو وري وٺاڳُ  
[کوئی جاندار تھا، نہ ہی کوئی چرچا، مالک از خود طاقت و قوت کا صاحب تھا، سراغ اور وہم  
و گمان بھی نہیں تھا۔]

☆☆☆

حرصُ نہ ھوئُ تڏھين، نہ ھئي حَرفاتِ  
ھوئُ ڏٺي سگھپَ سين، نہ وھاڳُ نہ رات  
[اس وقت حرص تھی نہ ہی حرفت (چالاکی، پیشہ، فن)، مالک از خود صاحبِ قوت تھا صبح تھی نہ  
رات۔]

☆☆☆

سُجھہ نہ ھئي تڏھين، نہ تقدیر نہ روحُ  
ھوئُ ڏٺي سگھپَ سين، رازقُ رب صبحُ  
[اس وقت نہ موجودات تھ، نہ تقدیر نہ روح، مالک از خود صاحبِ قوت تھا جو رازق  
ہے، صبح کا رب ہے۔]

[عنوان - ۲۹] کی درج ذیل نظم ایک تو عمدہ مترنم 'چھوٹی تیز بحر' میں کہی گئی ہے  
، اور دوسرا یہ کہ پوری نظم 'صنعتِ مستزاد' سے مزین ہے: یعنی اس کے ہر بند کے آخر میں مزید  
خوبصورتی کے لئے انہی قافیوں والا ایک اضافی چھوٹا جملہ لایا گیا ہے۔

جس کی فکر مندی دانا اور سور مالوگ کریں  
وہی سفر مجھ حقیر کو بھی درپیش ہے  
صبح یا شام خدا کی طرف جانا ہوگا - مولا! تیرا ہی  
سہارا ہے

(۱) اَوڻو آڳر - گھٽ وڌ (کم زیادہ)

(۲) جياڏ - جيٽڏ، ساموارد (جاندار)

اس کے پاس زادِ راہ ہے نہ ہی پکھال  
محبوب کی طرف وہ بوجھل ہو کر چلا  
سامنے خوفناک دیس نظر آ رہا ہے۔ جہاں کوئی  
آواز نہیں

تیرا بندہ تیرے دروازہ پر آیا  
اپنے گناہ دیکھ کر وہ شرمایا  
دامن پھیلا کر رحمت مانگ رہا ہے۔ اے مہربان  
پردہ پوش!

کیری کی قاش کی مانند ناک بھی نہیں  
کٹوروں کی مانند نین بھی نہیں  
سیاہ بھنویں بھی نہیں۔ خبر گیری کرنے والے  
احباب بھی نہیں

نہ ہی دلہن والے لب لال ہیں  
نہ ہی محبوبوں والے گال میں نے پائے ہیں  
کلیوں کی مانند دانت بھی نہیں۔ دوست بھی  
خبر گیری نہیں کرتے

جو ایسے حال میں جی رہے ہوں  
ان کے لیے نہ ہونے (عدم) سے کچھ تو کرنا  
اے ارحم الراحمین!۔ مہربانی سے  
بندہ کو پار لگا

پروردگار! سب تو نے پیدا کیا  
تیرا سچا دوست تشریف لے آیا  
ہمیں شفاعت کرنے والا محمد  
رسول عطا فرمایا۔ محمد مختار کا وصل عطا فرما

نہ تنہ سمر، نہ ساندارو  
پار پریان جی ہلیو بارو  
اگیان ڈسی ڈیہ پوارو۔  
نکا تِت توار

تھجو بانھو تو در آو  
پسی پاھنجا ڈوہ لجایو  
رحمت مکی پلہ پایو۔  
سہاجھا ستار

☆ نہ سو نک جو آسمی قار  
نہ سی نیئ کتوری کار  
نہ سا پرین کاری بار۔  
نہ سی پرین لھنوں سار  
☆ نہ سی اھر آر تی ون (۱)

نہ سی پاتا گل پرین  
نہ سی ڈند جھا مکڑین۔  
نہ سی سچن کن سنپار

ہھو حال جھین جو چین  
کیشن کرئین منجھا تو کین  
یا ارحم الراحمین۔  
ہاجھان بانھی کی اُکار (۳۵۹)

پرور سیا تو اُپایو  
دوس تھجو سچو آو  
محمد رسول اسان کی شفیع پسایو۔  
میڑھو محمد کی مختار

ویندا سی ایمان سین جن کلمی سار      وہی لوگ با ایمان جائیں گے جنہیں کلمہ یاد ہوگا  
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ      لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اس منظومہ کے ’ستارہ‘ نشان والے دونوں بندوں میں خوبصورت تشبیہات استعمال ہوئی ہیں، جس کی دوسری مؤثر مثال [عنوان - ۵] ”حضرت محمد ﷺ کی سوانح“ کے درج ذیل اشعار میں موجود ہے، جن میں نبی پاکؐ کے حسن و جمال کے وصف کے لئے ”سینگار“ (سنگھار، آرائشگی) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ’سندھی سینگار شاعری‘ کی روایت جس میں نبی پاکؐ کے حسن و جمال کا خوبصورت تشبیہات پر مشتمل بیان ایک خاص الخاص موضوع رہا ہے، اس سے متعلق یہ اشعار اور ران میں لائی گئی اصطلاح ’سینگار‘ (۱) ادبی تاریخ کے لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں:

پُن پُچاء وُر تِیو، سَل سُنْدَسِ سینگار

سندھی (۱) ختم انبیاء رسولؐ کھا پار

[اُن کی آرائشگی کے نشانات اور اوصاف ذکر کر خاتم الانبیاء رسولؐ کے کیا نشانات تھے۔]

اکیون ہسِ اُجریون پُوچِڑ پارا پاند

کیا اوجاگی سچٹین ککوریا تو کاند

[ان کی آنکھیں اجلی اور گوشہ چشم نہایت باریک تھے

ساجن کی شب بیداری نے انہیں سرخی مائل بنا دیا تھا۔]

رِء سُونیری (۲) سوہٹا کارائی نیشن

گھٹو آچائی اُجری ڈاری جا تارن

[کا جل، سرمہ کے بغیر ہی مین سیاہی کی وجہ سے حسین تھے آنکھوں نے بہت زیادہ اجلی

سفیدی اختیار کی ہوئی تھی۔]

(۱) سینگار (سنگار، سنگھار): کے معنی ہیں: آرائشگی، آرائش، سجاوٹ، زیب و زینت، لباس، زیور، نکشی چوٹی، مانگ پٹی۔ زیور،

لباس اور نکشی چوٹی سے کی جانے والی آرائش۔ (دیکھیے: جامع فیروز اللغات اردو، ص: ۸۱۳، سندھی اردو لغت، ص: ۵۷۷)

یہ شاعری کی ایک صنف ہے، جسے ہندی میں ”شرنگار رس“ کہا جاتا ہے اور سندھی میں ”سینگار“۔ اس صنف شاعری میں بنیادی طور پر عورت کے ”مولہ سنگھار“ اور ”بارہ ابھرن“ کا تصور نمایاں ہوتا ہے جس کے ذریعے ایک حاذق اور سرتا پانکلف عورت کا سراپا سامنے آتا ہے اور اسی کے فطری حسن اور ظاہری آرائش کو اپنا موضوع بنایا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر اس صنف شاعری کا خاص موضوع ’عجاز‘ یعنی محبوب کے ظاہری حسن و سنگھار کی تعریف ہوتا ہے، جس میں محبوب کے ناز و انداز اور ظاہری حسن کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔

لیکن سندھ میں رفتہ رفتہ تصوف کے زیر اثر اس صنف کو ’عجاز‘ سے نکال کر حقیقت کی طرف پھیر دیا گیا اور اسے نبی پاک ﷺ کے حقیقی اور معیاری حسن کے بیان کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ اب ”سینگار“ کہتے ہیں نبی پاک ﷺ کے حسن و جمال کو عجازی رنگ میں گاتا۔

خلاصہ مطالعہ: ”سندھی سینگار شاعری“، ص: ۱-۴۰ (مترجم)

(۲) یائے مجہول ہے۔ (مترجم)



## زبان کی ترتیب و قدامت:

اس ذخیرہ میں شامل اکثر منظومات میں استعمال کردہ زبان کافی قدیم ہے، اور بعض الفاظ اور تراکیب تو قاضی قادون (وفات ۹۵۸ھ) اور میاں شاہ کریم (وفات ۱۰۳۲ھ) کے اشعار میں استعمال شدہ الفاظ اور تراکیب کی طرح ہی ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ مختلف اور قدیم محسوس ہوتی ہیں۔ مثلاً منظومات میں درج قدیم الفاظ اور تراکیب موجودہ سندھی میں ان کا تلفظ اردو ترجمہ۔

ہاٹی کرِیہ کِی ہاٹی کریوں کین (اب کیا کریں/کیسے کریں)  
تا پچیرو تنہن کان پوے جو (اس سے بعد کا)  
وڈین ذاتین وڈیون ذاتیوں (بڑی بخششیں/بڑے انعامات)  
وڈین ذاتین وڈیون ذاتیوں (بڑے تحائف)

آگہُ اچھو جن مِ اہان پوے آہ مدد جو آسرو پے بچاء جن (آپ کے بعد جن میں ہمارے لئے  
مِ اوہان کان پوے آہی۔ مدد کا آسرا اور بچاؤ ہے)  
(اوہان کان پوے جن)  
مِ اسان لاءِ مدد جو آسرو  
پے بچاء آہی۔)

تو گالیان توکی چوان، توکی واکائیان (تجھے کہوں، تیری مدح سرائی  
کروں)

سَلٹان سلیمان، سچ کِری ہڈایان (راز بتاؤں، سچی بات بتاؤں)  
مُیداہ مُنجداء، موکلیندائ (میری طرف بھیج دینا، روانہ کر دینا)  
سُنجاء سُنجان، تون پڈ (تو سُننا، تُو سُن)  
دِجاء دِجان، دَجٹو (تو دینا)

نہ کو چِندس نہ کو جنم دیندس (نہ کوئی اُسے جنم دے گا)  
کھڑی حال مِ؟ کھڑی حال مِ؟ (کس حال میں؟)  
خود بخود خود بخود (خود بخود، از خود)  
پوندا پوندا (پڑیں گے)  
چوندا چوندا (کہیں گے)



اِيه	هي، اهو	(يه، وه)
اَوڻو اُڳرو	گهٽ وڌ	(کم و بیش)
مال گُرتَ	مال ۽ ڳنڍڻ رکيل ناڻو، (مال اور گرہ میں رکھی ہوئی دولت،	
	مال ۽ موڙي	مال اور سرمايه)
ڳالين	ڳالهيون، ڳالهيون	(باتون، باتين)
لهرين	لهريون	(لهريں)
پيرين	پيريون (وڏا شاهي تقارا)	(دمامه، بڙے شاهي تقارے)
مندين	مندون	(موڪين)
ڪوڙين	ڪوڙيون	(ڪڙوي) جھوٽي؟
سَتراڻو	سخت، ڏکيو، زورائتو	(سخت، مشڪل، زور آور)
اَهان پَواءِ	اوهان کان پوءِ	(آپ کے بعد)
اَساهجو	اسان جو	(هارا)
اسين رسڻا ايتري	اسين ايتري تائين پهتا	(هم يهاں تک پنچے ہیں، ہمیں اس
	آهيون، اسان کي ايتري قدر معلوم ٿيو آهي)	
	قدر معلوم ٿيو آهي	
ويا وهي	لنگهي ويا	(گزر گئے)
اُلهندوسينءَ	الهندي تائين	(مغربي سمت تک، پچھم تک)
اگھ بازار	بازار جي اگھ سان	(بازار کی قیمت سے)
هتوئي	اٿوئي، توکي اٿئي	(تجھے ہے)
هتس	اٿس	(اُسے ہے)
ڌارو آڙ	ڌارو ڌار	(جدا جدا)
ويري تار	وير و تار	(بار بار، هميشه، هر وقت، دم بدم، کسی
		بھی وقت)
امانگرا	گھڻا	(زياده جمع)
فعل		
چوءِ	چوي	(کہے)
آڪڻ	چوڻ	(کہنا)

پوے	پوی	(پڑے)
اوڑکن	ڈسن	(دیکھنا)
پڑیہ	پڑھین	(تو پڑھے)
پرن	سپرد کر	(سپرد کرنا)
سٹیہ	سٹین	(تو سنے)
اُبیہ، اُیین	سنون ٹی بیہ، اٹی بیہ	(سیدھا ہو کر کھڑا ہونا، اٹھ کھڑا ہونا)
جکین	ڈسین	(اُبیٹا = اٹی بیٹا) (اُبیٹا = اٹھ کھڑے ہوئے)
اپتن	کولن	(جکھین = تو دیکھے)
هتو	اتو	(کھولنا)
اندو هجن	پریشان تین	(هتو = تم کو ہے / تمہیں ہے)
الہن	تون اندوھم ہر پنین	پریشان تین (اندوھین = پریشان ہونا) (اندوھین = تو غم و
	مٹان لہن (القا = لقا)	مٹان لہن (اوپر سے نیچے اترنا) (اُتھا =
		اترے)
لدو	لکیو	(لدو = لکھا)
ترن	تور ہر برابر تین	(تلنا = تول / وزن میں برابر ہونا)
چیندس	ہن کی چیندو	(اسے جنم دے گا)
چوئن	چوٹ	(کہنا)
مَجھون	مچیون	(ہم مانیں)
جوہن	ڈسن	(دیکھنا)
سنپوڑا	سنپریا	(سنپوڑا = سن شعور کی باتیں یاد
		آئیں، روانگی کے لیے تیار ہوئے)
کَہو	کریو	(کَہو = کیجئے)
سنپرن	حاصل کریں	(سنپرن = تو حاصل کرے)
آنو	آیو	(آیا)
نہیرن	دفنائن (میت)	(میت کو دفنانا)

ہوئن ٿيڻ، هيڄڻ (هوءُ=هيڄ، ٿي) (هونا، هو جانا، وجود ۾ آنا، موجود

هونا، حاضر هونا، واقع هونا، (هوءُ=تو

هوجا، تو حاضر هوجا)

گلي لڳي، پاڪر پائڻ (گلے لگنا، گلے ملنا)

مُنڃڻ، موڪلڻ (بھيڄنا، روانہ کرنا، ارسال کرنا،

قاصد دوڙانا)

فرمان ٿيڻ، حڪم ملڻ (فرمان هونا، حڪم ملنا)

اُڇلائڻ (اڇھانا، پھيٽڪنا، گرانا)

لڙهي وڃڻ (بہہ جانا، بہنا، کمزور هونا)

وڃڻ (پھريٺا، پڙا، نيند ۾ ٻولنا)

سدو لنگھڻ، قصد ڪري (سيدها گزرنا، قصد ڪر ڪي سيدها

سدو اچڻ آنا)

گري لڳي

مِيٺ، مِيٺڻ

سہم ٿيڻ

قڇڪائڻ

وہ چڙھڻ

وہڙڻ

مٿڻ

### اسم، فاعل وغيره

ڏڄڻ

ارڪ

ٿوب

انجھ

آھيڙو

اڀاھتا

ڪيڻ

آواج

سڳار

بُجرو

آھرو

گوندر

چينہ

مُنڍي

دشمن

ٺونٺ

ٿورو

اهنج، ڏک

شڪار ٿيل جانور

ٻاھريان، اجنبی

کاڌا، طعام

آواز

وات، راھ

مجرو، اداڻگي

آرسي

ڏک

باھ

منادي

(ڏشڻ)

(اڙڪ = ڪهڻي)

(تھوب = احسان)

(تڪليف، دکھ)

(آھيڙو = شڪار شدہ جانور)

(ٻاھر ڪے، اجنبی)

(کھانے، طعام)

(آواز)

(راستہ، راھ)

(حساب ۾ مجرا، ڪٽوتي، ادا ٿيڻ)

(آھرو = آئينہ)

(دکھ، ملال)

(آگ)

(منادي، ڏھندورچی)

پَریا	اچا وار	(سفید بال)
کتیب	کتاب	(کتاب)
چوٹھار	چوٹ وارو	(کھنے والا)
باپ	پپی	(باپ، والد)
لکٹھار	لکٹ وارو، لکندڑ	(لکھنے والا، لکھاری)
دوسُ	دوست	(دوست)
آجکو	رزق	(رزق)
مرہیات	رحمت کیل، بخشیل	(مرحوم و مغفور)
آڈت	سج	(سورج)
گیھون	کنک	(گیہوں، گندم)
وین	گا لہ، گفتو، بول	(بات، گفتہ، بول)
گاھرو	گاھن ڈین وارا، گاٹیندڑ	(مٹے دینے والے، گانے والے)
سمرت	سگھ، طاقت	(سُمرتھ = قوت، طاقت)
مگر	باھم، مچ	(آگ، الاؤ)
گوبیون	گاٹیون	(گائے رگاؤ)
چیت کلاتڑ	جانچوسی، خبر لھندڑ	(چیت رکھاڑ = جاسوسی، خبر رکھنے والا)
سھٹو	خواب	(سپنا)
دک	نظر ڈیکاء	(دکھ = نظر، دکھاوا)
پکریون	تولیون (فوجن جون)	(تولیاں، افواج کی)
ویاہ	وہاٹ، شادی	(بیہ، شادی، نکاح)
پریاٹ	دلیل	(دلیل، حجت، ثبوت، گواہی، نشان)
پاء	تَریاء، پتو	(بھاء = خبر، راز، پتہ)
ھورو	پیورو، گرانھہ	(نوالہ، لقمہ)
وا	واٹی، بولی	(بول، بات، کلمہ، زبان، بولی)

### مہینوں کے نام: (۱)

سراٹ = ساوٹ = ساون	بدرو	(بھادوں)
اسو (اسوج)	کَٹَی	(کاٹک)
ناھری یا نہاری (مگھر)	پوہہ	(پوس)
ماہہ (ماگھ)	قَکَٹ	(چھاگن)
چِٹَر (چیت)	وہاء	(ویساکھ، بیساکھ)
جِٹ (جیٹھ)	آراڑ	(آکھاڑ، اساڑھ)

### ضمیر، جری اور اضافی صورتیں، ظرف وغیرہ

ایہ	ہیہ	(یہ)
مَٹی	وٹ	(کے پاس، کے قریب)
اھین	انھین	(اسی)
گَیر	کَی	(کو، طرف)
تا	تنھن کان	(اس سے)
لَک	واسطی، لاءِ نفعی لَک = (واسطے، لئے، وجہ سے، کے سبب)	
	نفعی لاءِ	
پسا	پوہ	(بعد میں، بعد، اس کے بعد)
سینہ	تائین	(کے پاس، پاس، پر، اوپر)
پچیرو	بعد ۾	(پچھیرو = بعد میں)
گَرا	کان	(سے، از)
قُڑ	پوہ	(پھڑ = بعد میں، بعد، اس کے بعد)
کاء	کان، کان	(اس سے، سے، از)
کَرا	کان	(سے، از)
تَہان	تنھن کان	(اس سے)
تَناؤ	تتان	(وہاں سے، اس جگہ سے)

(۱) واضح رہے کہ مہینوں کے ناموں میں متبادل نام ڈاکٹر صاحب نے صرف چار مہینوں، ساون، ماگھ، ویساکھ اور آکھاڑ کے تحریر کیے ہیں۔ باقی مہینوں کے متبادل نام میں نے لغت کی کتابوں سے درج کیے ہیں۔ (مترجم)

تاءُ	تانُ	(جب، جس وقت، کی وجہ سے، اس لئے، تو، کہ، بعد میں)
لوئاءُ	لوئے مان، گھوٹ مان	(قصبہ سے، گاؤں سے)
تائھُ	ان جاء کان، اتان	(اس جگہ سے، وہاں سے، اسی جگہ سے)
پائیاُ	پائی منجھان	(پانی میں سے)
منجھارا	اندر مان	(اندر سے)
ڈھیاُ	ڈھین مان	(دوسوں میں سے)
پاراءُ	پاران، ان طرف کان	(اس طرف سے، اس پار سے، بدلے، عوض میں)
اکارھیاُ	یارھین مان	(گیا رھتوں میں سے)
ڈوھاءُ	ڈوھ کان	(جرم کی وجہ سے)
ڈارو آر	ڈار ڈار	(الگ الگ، جدا جدا، مختلف)
سُھاءُ	سنھن کان	(ابتداء سے، آغاز سے)
ویری تار	ویر و تار	(ہمیشہ، ہر دم، دم بدم)
تڑاءُ	تڑتان	(تڑا = گھاٹ پر سے، گھاٹ سے)
امانگرا	گھٹا	(بہت سارے، زیادہ، وافر)
ایانُ	این مان، آسمانن مان	(اُبھال = آسمانوں سے، آسمانوں میں سے)
بانجا	پان جا، پنھنجا	(خود کے، اپنے)
مہت پھٹاءُ	مسجد ہر گھڑن کان	(مسجد میں داخل ہونے سے)
پنرہ	پنڈرھن	(پندرہ)
ویجھایا ویا	ویم کی ویجھو	(قریب الولادت؟)
ایچی بائی	ایچی کی بائی	(پیا سے کو پانی)
بُکنی کین	بکم کی کاڈو	(بھوکے کو کھانا، طعام)
جھوہ	تو جھڑو	(تیرے جیسا)
وزیروہ	تنھنجو وزیر	(تیرا وزیر)

ڏيهون	اسان کي ڏئي	(هين دے)
پڇڻ رنجورن	ڏکويلن کي پڇڻ	(دکھيولن کو پوڇهنا)
اڳاڇ	گهڻو	(زياده)
ڄم	متان	(مت، نهين، شايد، غالباً، مبادا)
ات	گهڻو	(زياده)
اوڙڪ	هر جاءِ، جتي ڪٿي	(اوڙڪ = هر جڳهه پر، جهاڻ ڪهين)
الڪ	بيشمار، گهڻن کان ٻاهر	(الڪجھ = بے شمار، شمار سے ٻاهر)
تت	تت	(وہاڻ، اُدھر، اُس جڳهه)
جالا رڻو	گهڻو (ٻاڻي)	(زياده، وافر (پاني))
جيڪي تائين	جيسيتائين	(جهاڻ تڪ، جب تڪ)
جھ، جھ	جڏهن، جئن جو	(جب، جيسے ہی)
ور	پلي، پلو	(پيشڪ، ضرور، بالڪل)
وري	توڙي	(اگرچہ، جتي، کہ، خواه)
جنهر	جنهن وير، جنهن وقت	(جس گھڑی، جس وقت)

### ضمير استنهام

ڪي	ڪيترو، ڪهڙو	(ڪتنا، کون سا)
ڪر	ڇا، ڪهڙو	(ڪيائ، کونسا)
ڪيهي	ڪهڙي	(کون سي)
ڪڙڙو	ڪهڙو	(ڪيائ، ڪيائ، ڇه)

### عدو

ڪاره، اڪاره	يارهن	(گياره)
ٻنره	ٻنڌرهن	(ٻنڌره)
ڇهاستر	ڇاهتر	(چتر)
اناره	ارڙهن	(اٺاره)

### اضافي تراکيب اور اواخر

نبيان سلطان	نبين جو سلطان	(انبياء کا سلطان)
نبين راء	نبين جو راء	(انبياء کا راجہ سردار پيشوا)
واري دُها	واري جا دڙا	(ريت کے ٺيڻ)
دڙي نانء	دڙي جي نالي تي	(مالڪ کے نام پر)
فرعون دڙي	فرعون جي دڙي	(فرعون کي ٻڻي)
وات منہ	رستي جي منڍ ۾	(راستے کے آغاز ۾)
امير گهر	امير جي گهر	(امير کے گھر)
ڪڇن وچ	بغلن جو وچ	(بغلون کا درميان)
ڪڇن وڍ	ڪڇن جا پاسا	(کانوڻ کے اطراف)
وارن پاڙون	وارن جون پاڙون	(بالون کي جڙين)
پير پن	پير جا پن	(پيري کے پتے)
سات وڏيرو	قائلي جو اڳڙاڻ	(قائلي کا پيشوا، رهبر)
اُس تڙڪو	اس جي تپت	(دھوپ کي تپڻ)
مون دڙي	منهنجا دڙي	(ميرے مالڪ)
محمداء	محمد جو	(محمد کا)
سندھس	سندس	(اس کا)
اُتائس	هن جي مٿان	(اُٽاڻ کے اوڀر)
ڳالهائونء	تنهنجو ڳالهائ	(تيرے بولڻ کي آواز، گفتگو، بات چيت)
لھس	لهيس، ان کي لهي	(اسے ملے؟)

مذڪوره بالا حروف، اسماء، افعال، اضافي اور رجري تراکيب اور جملوں پر غور ڪرڻي سے دو نتائج برآمد هوندي هين۔ ايڪ تو يه ڪه ان ۾ل سے ڪجهه منظوم ات سندھ کے ٺهڻ اور لاڙ (زيرين سندھ) خطے کے علماء اور بيدار مغز لوگوں نے تصنيف ڪيں، اور ڪجهه سندھ کے مشرقي خطے (تھر پار ڪر، سانگھڙ، خير پور اضلاع کے مشرقي حصوں) کے علماء اور بيدار مغز لوگوں نے۔ ڪيونڪه ان کي



زبان اور لغات انہی اطراف کی معلوم ہوتی ہے۔

دوسرا یہ کہ اندرونی بیان کے لحاظ سے تمام منظومات میں الفاظ کی کثرت اور ردائی کے بجائے الفاظ کی قلت اور عبارت میں ہچکچاہٹ ہے۔ مجموعی طور پر ان منظومات میں استعمال شدہ زبان 'قلیل الالفاظ' (تھوڑا لفظی) ہے، اور نظم بھی نثر جیسی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اکثر منظومات کی زبان بہت قدیم ہے، اور ان موضوعات کو پرانے دور میں منظوم کیا گیا۔ اگرچہ کاتب عزت بن سلیمان نے اس مواد کو ۱۰۶۷ھ-۱۰۶۹ھ (۱۶۵۵ء-۱۶۵۷ء) کے عرصہ میں نقل کیا، مگر یقینی طور پر یہ مواد بہت پہلے سے موجود تھا۔ یہ مواد کتنا عرصہ پہلے موجود تھا، اس کے متعلق کچھ کہا نہیں جاسکتا، البتہ اتنا سارا مواد کم از کم ایک سو برس کے عرصے میں تصنیف ہوا ہوگا۔ اس اندازہ کے مطابق، یہ نین ممکن ہے کہ ۱۰۶۷ھ سے تقریباً ایک صدی پہلے، یعنی دسویں صدی کے نصف سے سندھی میں اس قسم کے مواد مہیا کرنے کا آغاز ہوا ہوگا۔

کاتب کا نقل کردہ تمام مواد بھی محفوظ نہیں رہا، اس کا کچھ حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ نقل کردہ مواد اور بھی زیادہ تھا، دوسرا یہ کہ اتنا سارا مواد ایک ہی کاتب نے اپنے شوق اور ضرورت کی خاطر ایک جلد میں منتقل کیا۔ اس کے علاوہ سندھ کے مختلف حصوں میں مزید ایسا مواد موجود ہوگا، کیونکہ کئی علماء و اساتذہ اس دور میں مختلف موضوعات پر سندھی میں مواد منظوم کر رہے تھے، اس کی تصدیق تیرہ مختلف علماء، اساتذہ اور دیگر بیدار مغز اصحاب کی تالیف کردہ منظومات سے ہوتی ہے، جو اس ذخیرہ میں شامل ہیں اور جنہیں اُس وقت صرف ایک ہی کاتب نے جمع کیا اور لکھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دسویں، گیارہویں صدی کے نصف اول میں (۹۰۰ھ-۱۰۵۰ھ) بڑی مقدار میں، سندھی تعلیمی، علمی اور ادبی مواد تحریر ہو چکا تھا۔

نتائج:

۱- اس دور میں سندھ کے بیدار مغز علماء و اساتذہ نے اس تعلیمی نظریہ اور تعلیمی تحریک کی بنیاد ڈالی کہ بچوں کو ابتدائی تعلیم ان کی اپنی مادری زبان سندھی میں دی جائے تاکہ وہ بآسانی ابتدائی تعلیم مکمل کر سکیں۔

۲- اس تحریک کے زیر اثر سندھی میں پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ شروع ہوا، اور اس کے لئے سندھی میں درسی مواد مہیا کرنے کا آغاز ہوا۔

۳- یہ درسی مواد منظوم صورت میں مہیا کیا گیا، تاکہ طلباء نیز دوسرے عام پڑھنے والے اسے ذوق و شوق سے سیکھیں اور پڑھیں۔

۴- اس منظوم مواد سے، جسے ایک کاتب، عزت بن سلیمان نے ۱۰۶۷ھ - ۱۰۶۹ھ کے عرصے میں نقل کیا اور جس میں سے انتالیس موضوعات پر مشتمل منظومات محفوظ رہ سکی ہیں، جن میں تیرہ مختلف علماء و اساتذہ کی تصنیف کردہ منظومات شامل ہیں، یہ تصدیق ہوتی ہے کہ مواد کا اتنا بڑا ذخیرہ نقل/قلمبند ہونے کے وقت سے سو ڈیڑھ سو سال، یا کم از کم ساٹھ ستر برس قبل (۱۰۰۰ھ - ۱۰۶۷ھ) میں تصنیف ہوا ہوگا۔

۵- کاتب عزت بن سلیمان کے قلمبند کردہ مواد کی اس کثرت سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس دور میں سندھی میں تحریری طور پر اس قدر زیادہ مواد تخلیق کر دیا گیا کہ اس سے قبل غالباً تخلیق نہیں ہوا تھا۔

۶- انتالیس مختلف موضوعات سے متعلق سندھی منظومات کا یہ ذخیرہ اگرچہ بنیادی طور پر تعلیمی و تدریسی ہے مگر اس کے ساتھ وہ ایک قیمتی علمی و ادبی ذخیرہ بھی ہے، جس کے مطالعہ سے پہلی مرتبہ کچھ اہم نتائج برآمد ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(الف) قاضی قادن کے اشعار میں جو بھی سندھی شاعری کی ترتیبیں دستیاب ہوئی ہیں وہ ان منظومات میں سب کی سب موجود ہیں۔

(ب) اشعار کے علاوہ اس ذخیرہ میں 'منظوم طویل بندوں' (ٹیپ کے مصرعوں یا اشعار) کی ایک بڑی تعداد شامل ہے، اور 'طویل سندھی منظوم بند' پہلی مرتبہ اس ذخیرہ میں ملے ہیں۔  
(ج) اگرچہ 'شعر و شاعری' کے بجائے بنیادی طور پر یہ ایک 'منظوم ذخیرہ' ہے تاہم کچھ 'صنعتیں' ایسی بھی ہیں جو پہلی مرتبہ ان منظومات میں ملتی ہیں، مثلاً اشعار میں 'جواب شعر' یا 'مکھڑا' کی صنعت اور 'چھٹی' بحر میں صنعت 'مستزاد' اس کے علاوہ معنوی تمثیل کے اعتبار سے 'سُر سامونڈی' کا ایک شعر بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

۷- اکثر منظومات کی زبان پرانی ہے اور ممکن ہے کہ وہ دسویں صدی ہجری (۹۵۰ھ کے قریب یا اس سے بھی قبل) میں تصنیف ہوئی ہوں۔ 'بیان' کی کچھ ترتیبیں، حرف اور ظرف، یا جری اور اضافی تراکیب، قاضی قادن (وفات ۹۵۰ھ) اور میاں شاہ کریم (وفات ۱۰۳۲ھ) کے اشعار میں آئے ہوئے الفاظ، حروف اور تراکیب سے بھی زیادہ انوکھی اور قدیم محسوس ہوتی ہیں۔



### باب ہشتم

سندھی کے ذریعے تعلیمی تحریک کی کامیابی، سندھی میں معیاری درسی علمی کتب کی تصنیف، سندھی صرف و نحو اور لغات کے مطالعہ اور سندھی نثر کے آغاز اور اعلیٰ سندھی شاعری کے عروج کا دور۔

(آخری مغل، عباسی کھوڑوں اور تالپوروں کا دور ۱۶۸۰ء-۱۸۶۰ء)

یہ دور، جس میں سندھی کے ذریعے تعلیمی تحریک زیادہ مضبوط ہوئی اور سندھی درسی علمی کتب کی تصنیف اور اشاعت کا بڑے پیمانے پر سلسلہ شروع ہوا، تاریخی لحاظ سے (آخری مغلیہ دور میں) تقریباً ۱۰۹۰ھ (۱۶۸۰ء) میں شروع ہوا، لیکن کامیاب نتائج کے لحاظ سے یہ سندھ میں عباسی کھوڑوں اور تالپور امیروں کی آزاد حکومتوں کا دور تھا، جس میں نئی نصابی تنظیم کے نتیجے کے طور پر سندھی میں معیاری درسی کتب اور علمی ادبی تصانیف کا سلسلہ وسیع اور مقبول عام ہوا۔ یہاں تک کہ تالپور حکومت کے خاتمے (۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء) کے بعد بھی باوجود مخالف حالات کے یہ سلسلہ کافی وقت تک جاری رہا۔ کتاب ”دائرہ والی سندھی“ جو اس دور کی علمی اور تعلیمی تحریک کا نمایاں نشان تھی، وہ ۱۸۵۳ء-۱۸۶۰ء کے عرصے میں تصنیف ہوئی۔

انگریزی دور میں سندھی زبان اور تعلیم کے بارے میں بعض بنیادی فیصلے ۱۸۵۰-۵۵ء کے عرصے میں ہونے لگے، باوجود بھی سندھ کے لئے جداگانہ ”محکمہ تعلیم“ ۱۸۶۰ء کے لگ بھگ قائم ہوا جس کے بعد ہی انگریز دور میں کئے گئے فیصلے زیادہ مؤثر ہوئے۔ ان آثار کے پیش نظر سندھی زبان کے اس تاریخی دور کا عرصہ ۱۶۸۰ء سے ۱۸۶۰ء تک ہی شمار کیا جاسکتا ہے۔

اس دور میں سندھ میں سرکاری اور دفتری زبان فارسی ہی رہی، لیکن ابتدائی تعلیمی زبان فارسی کے بجائے سندھی زبان قرار پائی۔ ذریعہ تعلیم کے طور پر فارسی کے مقابلے میں مادری زبان سندھی کی اہمیت اس سے پہلے تسلیم ہونا شروع ہو چکی تھی: اس دور میں نہ صرف ذریعہ تعلیم کے طور پر مادری زبان سندھی کو فارسی پر فوقیت حاصل ہوئی بلکہ مکتبی سطح پر نصابی تنظیم کی بنیاد بھی مادری زبان پر رکھی گئی۔

شعر و ادب کے میدان میں فارسی کا تاریخی مقام قائم رہا، مگر اس دور میں اعلیٰ سندھی شاعری بھی اپنے عروج کو پہنچی اور خاص طور پر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی صاحب کا دلپذیر کلام عوام اور خواص کے قلوب پر چھا گیا۔ ذیل میں ہم اسی دور کے اہم رجحانات و میلانات پر روشنی ڈالیں گے، جن کے ذریعے سندھی زبان میں تعلیم و تحریر، تحقیق و تصنیف کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہوا۔

۱- مادری زبان کے ذریعے تعلیمی تحریک کی بنیادوں کا مستحکم ہونا اور اس کی کامیابی: ساتویں باب کے تحت تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے کہ ۱۱ ویں صدی ہجری (۱۷۱۶ء) عیسوی) سے ہی سندھ کے بیدار مغز علماء و اساتذہ نے اس تعلیمی نظریہ اور تعلیمی تحریک کی بنیاد ڈالی کہ بچوں کو ابتدائی تعلیم ان کی مادری زبان سندھی میں ہی دی جائے۔ اس تحریک کے زیر اثر سندھی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کے لیے منظوم صورت میں بہت مواد مہیا کیا گیا۔ اس دور میں، نصابی تنظیم اور معیاری درسی کتب کی تصنیف سے یہ نظریہ مزید مستحکم ہوا اور مادری زبان سندھی میں ابتدائی تعلیم دینے کی تحریک ہر اعتبار سے کامیاب ہوئی۔ اس کامیابی کا سہرا ٹھٹھہ کے عالم و استاد میاں ابوالحسن کے سر بندھتا ہے جنہوں نے پہلی معیاری سندھی درسی کتاب تصنیف کی، جسے 'سندھی میں تعلیم' کے حوالے سے اور ابوالحسن کے نام کی مناسبت سے 'ابوالحسن جی سندھی' کہا گیا، اور جس کی عام مقبولیت سے سندھی میں ابتدائی تعلیم دینے کی تحریک کامیاب ہوئی۔

(الف) معیاری درسی کتاب 'ابوالحسن جی سندھی':

میاں ابوالحسن ٹھٹھہ کے آخوند اساتذہ میں سے تھے، لیکن اپنے دور کے اس بہت بڑے بیدار مغز استاد کی سوانح حیات کے متعلق تفصیلی حوالہ جات موجود نہیں ہیں۔ کتاب کے آخر میں انہوں نے اپنا پورا نام 'ابوالحسن' نیز اسم مصغر 'ابول'، یعنی 'اے اہل' اور اپنے والد کا نام 'عبدالعزیز' لکھا ہے۔ ان کا بھانجا میاں عبداللہ واعظ عرف میاں مور یو ۱۱۰۰ھ - ۱۱۵۰ھ کے عرصے میں زندہ تھا۔ مخدوم محمد قائم جس نے مکتبی تعلیم غالباً میاں ابوالحسن سے حاصل کی اس نے سن ۱۱۵۷ھ میں وصال فرمایا، اس سے گمان ہوتا ہے کہ میاں ابوالحسن ۱۰۸۰ھ - ۱۱۰۰ھ کے عرصے میں زندہ تھے۔ تحفۃ الکرام میں مذکور ہے کہ میاں ابوالحسن بڑھاپے میں کمر خمیدہ ہو گئے تھے، جس کا مطلب ہے کہ وہ عمر رسیدہ تھے۔ ان علامات و آثار کے پیش نظر میاں ابوالحسن تقریباً ۱۰۱۰ھ میں پیدا ہوئے،

اور اگر وفات کے وقت ان کی عمر پچاسی برس (۱) کے قریب قریب تھی تو ان کا انتقال ۱۱۰۵ھ کے لگ بھگ ہوا (۲)۔

مندرجہ بالا شواہد کی رو سے میاں ابوالحسن گیارہویں صدی ہجری کے نصف آخر کے بڑے عالم اور استاد تھے۔ اس وقت وہ ٹھہر میں سندھی کے ذریعے ابتدائی تعلیمی تحریک کے رہنما تھے، جس کی ابتداء پہلے ہی ہو چکی تھی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے نماز کے موضوعات پر سندھی میں ایک خاص کتاب تصنیف کی جبکہ اس سے قبل اسی موضوع پر عربی یا فارسی میں کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ ۱۰۶۱ھ میں فتح محمد نامی ایک نامور سندھی عالم (۳) جو خود تو ہندوستان کے شہر برہانپور کے باشندہ تھے، مگر ان کے آباء و اجداد سندھ کے شہر 'پاٹ' (موجودہ ضلع دادو) کے تھے۔ فارسی میں 'مفتاح الصلوٰۃ' (نماز کی چابی) نامی کتاب لکھی، اس کتاب نے بہت شہرت پائی اور مدارس

(۱) مطبوعہ اصل سندھی کتاب میں "پچاسی" ہی لکھا ہوا ہے جو نیچے تحریر کردہ سن ولادت ۱۰۱۰ھ اور سن وفات ۱۱۰۵ھ کے حساب سے 'پچانوے' ہونا چاہیے تھا لیکن پروف کی غلطی کی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکا۔ (مترجم)

(۲) جناب جیل نقوی صاحب نے لکھا ہے: مولانا ابوالحسن ٹھوکی (وفات ۱۱۶۳ھ) نے سندھی نثر کی پہلی کتاب مقدمۃ الصلوٰۃ ۱۱۱۲ھ میں لکھی۔ دیکھیے: اردو تفاسیر (کتابیات) ص ۱۳۷

کاٹل کہ نقوی صاحب نے مولانا صاحب کے سال وفات اور مقدمۃ الصلوٰۃ (ابوالحسن جی سندھی) کے سال تحریر کے متعلق ماخذ کی نشاندہی کی ہوئی! (مترجم)

(۳) ابوالمحمد فتح محمد بن عیسیٰ بن قاسم بن یوسف سندھی برہانپوری۔ آپ کا سلسلہ نسب سیوہانی صدیقی خاندان کے جد امجد اور سلسلہ سہروردیہ کے مشہور صوفی اور نامور عالم حضرت شیخ شہاب الدین سندھی پانانی متوفی ۸۹۳ھ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد شیخ عیسیٰ جند اللہ برہانپوری ۹۶۲-۱۰۳۱ھ ایک معروف شیخ طریقت، صوفی بزرگ اور عالم تھے۔ ہندوستان کے مشہور محدث شیخ طاہر بن یوسف برہانپوری آپ کے والد کے چچا تھے۔ شیخ فتح محمد نے ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل والد صاحب سے کی، ان کے وصال کے بعد مسجد درر، و مدریس پر متمکن ہوئے اور تقریباً ۶۳ برس بعد سنہ ۱۰۶۳ھ میں حرمین شریفین ہجرت کر گئے اور مدینہ شریف میں مکمل سکونت اختیار کر لی۔

آپ کی تصانیف میں مفتاح الصلوٰۃ کے علاوہ نماز و طہارت وغیرہ مسائل پر تفصیلی کتاب ۱۰۵۰ھ میں تصنیف کردہ 'فتح المذہب الاربعہ' نیز برہانپور اور آس پاس کے علاقہ جات میں 'سایہ اعلیٰ' یعنی ظہر اور دیگر نمازوں کے اوقات بتانے کے لیے 'نیمۃ الکعبۃ' (فارسی منظوم) اور وظائف و اوراد کی کتاب 'فتوح الادراؤ' (فارسی)، از انشاء 'رسالہ مستحب وقت عشاء و ظہر' اور ایک صوفیانہ مثنوی بعنوان 'بیان منزل حق جل و علی بحقیقہ صوفی' (منظوم فارسی) کے نام ملتے ہیں۔

سید عبدالحی حسنی نے مذکورہ بالا کتب کے علاوہ ایک رسالہ وحدۃ الوجود پر ایک رسالہ مراتب عوالم خمسہ پر اور ایک رسالہ شیخ علی بن شہاب حسنی کی کتاب 'احادیث سبعین' کی تخریج پر ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ تینوں رسائل میں نے دیکھے اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ اس کے علاوہ بھی آپ کی تصانیف ہیں، مثلاً: 'مفتاح فصوص العقائد'، 'فتح الطریقۃ فی السلسلہ'، اور سیدنا عبدالقادر جیلانی کے نسب کی تحقیق پر ایک رسالہ اور آپ کے فرمان (قدی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ) کی اثبات پر ایک رسالہ۔ آپ نے سنہ ۱۰۸۰ھ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ سید عبدالحی حسنی نے آپ کا وصال مکہ شریف میں لکھا ہے۔

دیکھیے: 'برہانپور کے سندھی اولیاء' ص ۱۱۸-۱۶۳

ترجمہ: انوار جلد پنجم ص: ۳۲۹-۳۳۰ (مترجم)

اور مکتبوں میں پڑھائی جاتی تھی (۱)۔ غالباً اس کے بعد میاں ابوالحسن نے سندھی زبان میں کتاب ”مقدمۃ الصلوٰۃ سندھی“ تصنیف کی۔ اگر میاں ابوالحسن بڑی عمر پا کر سن ۱۱۰۵ھ میں فوت ہوئے

(۱) قدیم دور میں کسی سندھی بزرگ نے حرفی اشارات میں تین فارسی شعر کہے تھے جنہیں مذہبی گھرانوں کی عورتیں یاد کرتیں اور ابتدائی تعلیم کے طور پر اپنے بچوں کو بھی یاد کراتی تھیں۔ ان اشعار میں نماز کے فرائض، واجبات اور سنتوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، وہ اشعار درج ذیل ہیں:

فرائض ندائی شوی در قلع  
چو واجب ندائی شوی در خطر  
چوست بدائی شوی مقتدی  
چوست بدائی شوی مقتدی

دراصل تینوں اشعار کے دوسرے مصرعے میں ابتدائی حروف کے ذریعے فرائض، واجبات اور نماز کی سنتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مخدوم فتح محمد نے بھی گھریلو ماحول میں یہ اشعار بچپن ہی میں یاد کر لیے تھے، بعد میں آپ نے اپنی اس کتاب میں مذکورہ بالا اشعار کی روشنی میں ان تمام فرائض، واجبات اور سنتوں کو تفصیل سے بیان کر دیا، یعنی ان حرفی اشارات کو کھول کر بیان کیا۔

حرفی اشارات کے اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نماز میں کُل تیرہ فرائض ہیں، جن میں سے سات فرائض نماز سے باہر اور چھ نماز کے اندر ہیں، پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں ابتدائی حروف کے ذریعے ان کی طرف اشارہ ہے۔

(۱- انعام، یعنی جسم پاک)، (ج- جاے، یعنی جگہ پاک)، (ج- جامہ، یعنی کپڑے پاک)، (س- ستر عورت)، (ن- نیت نماز)، (و- وقت شائع، یعنی وقت کی پہچان)، (ق- قبلہ شائع، یعنی سمت قبلہ کی پہچان)، (ت- تکبیر اولیٰ)، (ق- قیام)، (ق- قرآۃ)، (ر- رکوع)، (س- سجدہ)، (ق- قعدہ اخیرہ)۔

اسی طرح دوسرے شعر کے حروف واجبات نماز کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، یعنی (ف- فاتحہ پڑھنا)، (ض- ضم سورۃ، یعنی فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورۃ قرآن کا ملانا)، (ت- تعین قرآۃ در دو رکعت اول فرض، یعنی فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قرآۃ کا تعین، یعنی ضروری ہونا)، (ت- تعدیل ارکان، یعنی نماز کے تمام ارکان کو ٹھیک طرح سے سرانجام دینا)، (ق- قعدہ اولیٰ)، (ت- تشہد، یعنی التحیات پڑھنا)، (ل- لفظ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا)، (ق- قوت کی دعا وتر میں پڑھنا)، (ت- تکبیرات عیدین)، (ج- جبری نمازوں میں جبر، یعنی بلند آواز سے قرآۃ کرنا)، (س- سری نمازوں میں سری قرآۃ)، (ر- رعایت ترتیب، یعنی افعال نماز میں ترتیب کی رعایت کرنا)۔

اور آخری شعر کے حروف نماز کی سنتوں کی طرف اشارہ ہیں:

(ر- رفع یدین، یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کانوں تک بلند کرنا)، (و- وضع یدین زیر ناف، ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا)، (ث- ثناء پڑھنا)، (ت- تعوذ پڑھنا)، (ب- بسم اللہ پڑھنا ہر رکعت کی سورۃ فاتحہ میں)، (ت- تکبیرات انتقالات، یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف جاتے وقت اللہ اکبر کہنا)، (ت- تسبیحات رکوع اور سجدہ)، (س- سبح اللہ لمن حمدہ کہنا)، (ت- توقف کرنا نوز و سجود سے اٹھتے وقت)، (و- درود پڑھنا قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد)، (و- دعا پڑھنا درود کے بعد)، (۱- آمین کہنا خفیہ طور پر فاتحہ کے بعد، ہر نماز کی ہر رکعت میں، ہر نمازی کو)۔

دراصل ’منشراح الصلوٰۃ‘ مذکورہ بالا حرفی اشارات کا تفصیلی حل ہے، جس میں نہ صرف ان اشارات کو حل کیا گیا ہے بلکہ ہر رکن کے بارے میں فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے حوالہ جات اور احکام ایسی وضاحت کے ساتھ لکھے گئے ہیں کہ ہر اجمال و نشین طریقے سے مفصل مسئلہ کی صورت میں آگیا ہے۔ یہ کتاب آخر ذی الحجہ ۱۰۶۱ھ میں مکمل ہوئی۔

”نور العین فی اثبات الاشارة فی تشہدین کے عربی متن کی تحقیق اور کتاب کے موضوع سے متعلق دیکھیے:

فقہی

حوالہ جات اور احادیث کا تحقیق جائزہ“

تحقیقی مقالہ، حصہ دوم (سندھی) ص ۸۴، حاشیہ ۱ (مترجم)

ہوں تو پھر انہوں نے یہ کتاب تقریباً پچیس سال قبل ۱۰۸۰ھ کے لگ بھگ لکھی ہوگی اور اس کتاب کے لکھنے سے 'سندھی زبان' کے ذریعے تعلیم دینے کی تحریک کا ایک نیا دور شروع ہوا کیونکہ اس بیدار مغز عالم نے یہ کتاب خاص طور پر زیر تعلیم طلباء کی تعلیمی ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک درسی اور نصابی کتاب کے طور پر لکھی (۱)۔

کتاب کے اختتام پر مصنف نے کتاب لکھنے کا مقصد یوں واضح کیا ہے:

عبدالعزیز کے بیٹے 'ابول' نے پڑھے لکھے لوگوں سے پوچھ کر نماز کے یہ مسائل سندھی زبان میں تفصیل سے لکھے ہیں تاکہ مؤمن انہیں رغبت سے سیکھیں اور اس ناکارہ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں: بارِ اہل! اے مہربان مولا! اے شفیق مالک! ابوالحسن تجھ سے دعاء کرتا ہے کہ مؤمنوں کو طلب کی توفیق عطا فرما تاکہ وہ ان تمام مسائل کو خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھائیں، میں نے یہ رسالہ طلباء کی طلب (ضرورت) کے پیش نظر لکھا، اور اس کا نام 'مقدمۃ الصلوٰۃ سندھی' رکھا ہے۔

اس سے مصنف کے مقصد تصنیف کو ہم اس طرح سمجھ سکتے ہیں: (الف) انہوں نے نماز کے مسائل عربی یا فارسی کے بجائے سندھی زبان (سندی واء) میں تفصیل سے لکھے؛ (ب) تاکہ تمام لوگ چاہت اور توفیق کے ساتھ کتاب کو پڑھیں اور دوسروں کو پڑھائیں؛ (ج) انہوں نے یہ رسالہ (کتاب) خاص طور پر شاگردوں کی احتیاج (طلب طالبین) پر لکھا ہے؛ اور (د) انہوں نے اس کا نام 'مقدمۃ الصلوٰۃ سندھی' (نماز کا مقدمہ سندھی) رکھا ہے۔

(۱) مرحوم محمد صدیق مین نے 'سندھ جی ادبی تاریخ' میں بتایا ہے کہ: "ابوالحسن نے اپنی کتاب مقدمۃ الصلوٰۃ سال ۱۷۰۰ء میں لکھی۔

مین صاحب کا تحریر کردہ یہ سال سن ۱۱۱۳ھ کے مطابق ہے۔ مین صاحب نے یہ اندازہ غالباً اس وجہ سے قائم کیا کہ ان کی دانست کے مطابق اس قسم کی کتاب کی ضرورت ٹھٹھ کے نواب حفظ اللہ خان کے دور میں پیش آئی جو ۱۱۰۳ھ-۱۱۱۳ھ کے عرصے میں ٹھٹھ کا حکمران تھا۔ مین صاحب کے بقول اس وقت ٹھٹھ میں ہزاروں لوگ ہندوادی بزرگ کے وعظ و نصیحت سے مسلمان ہوئے اور "اس قدر کثیر تعداد میں نو مسلموں کو اسلامی قواعد و قوانین سے واقف کرنے کے لیے زبانی وعظ و نصیحت کافی نہیں تھی اس لیے اس وقت کے مشہور عالم فتنہ مولوی ابوالحسن ---- نے محسوس کیا کہ اتنے عمر رسیدہ لوگوں کو فارسی و عربی سکھا کر اسلامی واقفیت فراہم کرنا، خاص طور پر فقہی مسائل سے انہیں آگاہ کرنا ممکن نہیں اس لئے انہوں نے لوگوں کی مادری زبان یعنی سندھی میں لکھنا شروع کیا" دیکھیے: "سندھ جی ادبی تاریخ، دور برطانویہ کان اکہ مسلم ادبی سوسائٹی حیدرآباد ۱۹۳۶ء)

دراصل اس قسم کے اندازے اور شبہات غالباً انگریز مصنف ENTHOVEN نے اپنی کتاب "مبنی علاقہ کی قومیں اور ذاتیں" میں قائم کئے جس کا حوالہ بمیردول نے 'سندھی بولی جی تاریخ' (ص ۲۳۷) میں دیا ہے۔ ان کی یہ دلیل درست نہیں ہے کیونکہ خود مصنف نے واضح طور پر بتایا ہے کہ اس نے یہ کتاب "کارڈ طلب طالبین" طلباء کی طلب کے پیش نظر یعنی شاگردوں کی تعلیمی ضرورت پوری کرنے کے لئے لکھی ہے۔

### کتاب کا نام:

اوپر آخری سطر سے صاف ظاہر ہے کہ مصنف نے کتاب کا نام ”مقدمۃ الصلوٰۃ سندھی“ رکھا، یعنی سندھی میں لکھا ہوا نماز کا دیباچہ۔ بعد میں یہ کتاب ’ابوالحسن کی سندھی‘ کے آسان اور ر عام فہم نام سے مشہور ہو گئی۔ اس نام کا مقصد اور مطلب یہ تھا کہ: یہ مصنف ابوالحسن کی تیار کردہ نصابی یا درسی کتاب ہے جسے عربی یا فارسی کے بجائے ’سندھی‘ میں لکھا گیا ہے۔ کتاب کے اصل نام ”مقدمۃ الصلوٰۃ سندھی“ کا معنی بھی یہی ہے کہ یہ ’مقدمۃ الصلوٰۃ‘ یعنی نماز کا مقدمہ ہے، جو کہ ’سندھی‘ میں ہے، یعنی عربی یا فارسی کی بجائے یہ ’سندھی‘ میں ”مقدمۃ الصلوٰۃ“ ہے (۱)۔

اس کتاب کو ”مقدمۃ الصلوٰۃ سندھی“ کے بجائے ”ابوالحسن جی سندھی“ کب سے کہا گیا؟ وہ تو معلوم نہیں؛ مگر مصنف کے نام کے ساتھ کتاب کا یہ عام آسان نام اس دور کی اسی چاہت اور ذوق کا نتیجہ تھا کہ علمی اور تعلیمی سلسلے میں جو کچھ بھی ہو، وہ ’آسان سندھی‘ میں ہی ہو۔ بہر حال وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ کتاب ”ابوالحسن جی سندھی“ کے عام فہم نام ہی سے مشہور ہو گئی۔

### کتاب کی درسی حیثیت:

اس درسی کتاب تصنیف کرنے کے بعد سب سے پہلے خود مخدوم ابوالحسن نے اسے اپنی درس گاہ میں پڑھانا شروع کیا۔ اس وقت سے یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی، کہ نہ صرف بڑے بڑے علماء و اساتذہ کے درمیان اس کے موضوع اور مضمون کے متعلق تحقیقی مباحث شروع ہوئے، بلکہ مکاتب و مدارس میں آئندہ اڑھائی سو برس تک، یعنی اندازاً ۱۰۹۰ھ (۱۶۸۰ء) سے ۱۳۵۰ھ (۱۹۳۰ء) تک اسے مقبول درسی کتاب کے طور پر بڑی رغبت و چاہت سے پڑھایا جاتا رہا۔ ۱۹۲۰ء میں یہ کتاب حیدرآباد سے شائع ہوئی، اس کے دیباچہ سے ظاہر ہے کہ اس وقت بھی یہ ایک درسی کتاب کے طور پر پڑھائی جاتی تھی (۲)۔

ابوالحسن کی ’مقدمۃ الصلوٰۃ‘ (نماز کا مقدمہ) بطور درسی کتاب اس قدر اہم ثابت ہوئی کہ مخدوم محمد ہاشم کے بقول یہ کتاب مسائل نماز کے متعلق ”دستور العمل“ بن چکی تھی۔ اسی عام

(۱) کتاب کے نام میں لفظ ’سندھی‘ کی وجہ سے اس آخری دور میں ایک عام غلط فہمی یہ موجود رہی آئی ہے کہ اس کتاب میں کسی خاص قسم کی سندھی زبان کی لفظ استعمال ہوئی ہے جسے ’سندھی‘ کہا جاتا ہے۔ خواندہ طبقے میں یہ غلط فہمی خاص طور پر محمد صدیق مین کی ”سندھ جی ادبی تاریخ“ (حصہ اول: مطبوعہ مسلم ادبی سوسائٹی حیدرآباد ۱۹۳۶ء) میں دی گئی رائے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ مصنف کے خیال میں ابوالحسن کی ’سندھی‘ کوئی خاص قسم کی سندھی ہے، نیز وہ ”سندھی ایک خاص لفظ میں ہے، جسے ابوالحسن کی سندھی کہتے ہیں۔ ان کے بعد دیگر علماء نے بھی اسی ’سندھی‘ میں کتابیں لکھیں، نیز اسی ’ابوالحسن کی سندھی‘ میں لکھی ہوئی کتابیں لیتے ہوئے چھپیں“ (ص ۵۷-۵۶)

(۲) محمد صدیق مین ”سندھ جی ادبی تاریخ دور برطانیا کان اگ“ مسلم ادبی سوسائٹی، حیدرآباد، ۱۹۳۶ء



مقبولیت کے پیش نظر اس دور کے اس رائے کے مقابلہ میں بھیرومل کی رائے زیادہ درست تھی کہ ”مسلم علماء میں سے جس کسی نے بھی سندھی میں کتاب لکھی، ان کی اس کتاب کو، اس مصنف کی سندھی کہتے تھے۔“

(سندھی ہولی جی تاریخ، کراچی ۱۹۴۱ء ص ۲۳۸)

بہت بڑے علماء مخدوم محمد ہاشم اور مخدوم محمد قائم کے درمیان اس کتاب پر علمی بحث شروع ہوئی اور یوں اس درسی کتاب کا صحت و اہمیت کی مزید تصدیق ہوئی، اسے مفتقہ طور پر درسگاہوں میں پڑھایا گیا، جس سے مادری زبان سندھی کے ذریعے ابتدائی تعلیم دینے کی تحریک مستحکم ہوئی۔

(ب) شاہ لطف اللہ قادری کا رسالہ:

تعلیمی اداروں سے باہر بھی اس دور کے علماء میں یہ احساس بیدار ہو چکا تھا کہ اعلیٰ فکری و معنوی علمی موضوعات کو فارسی کے بجائے کوشش کر کے سندھی میں بیان کیا جائے تاکہ انہیں بآسانی سمجھایا جاسکے۔ سب سے پہلے اس دور کے بڑے صوفی و سالک، شیخ المشائخ شاہ لطف اللہ قادری نے ۱۰۸۴ھ - ۱۱۰۰ھ کے عرصے میں توحید و رسالت جیسے بڑے معنی کے حامل موضوع کو تصوف و طریقت کے ذریعے سندھی زبان میں سمجھانے کی کوشش کی اور اس کے لیے سندھی اشعار میں ’رسالہ‘ (دیوان) تصنیف کیا۔ یہ رسالہ اعلیٰ سندھی - شاعری کی تاریخ کے لحاظ سے تو ایک شاہکار ہی تھا، مگر یہاں پر یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ اس وقت اس کا تصنیف ہونا سندھی زبان میں تعلیمی تحریک کی عام مقبولیت اور کامیابی کی ایک روشن مثال تھا۔ شاہ لطف اللہ قادری نے یہ رسالہ ایک خاص ارادے اور لگن سے منظوم کیا، جس کا ذکر انہوں نے اس طرح کیا ہے کہ:

کوڈان کٹو رسالو ای فقیر جوڑی بیتن تہ ہوئے سنتی وائی سھکو پجھن ابوچھن

پاھنجی ہولی کری سگھائی ای سکن لطف اللہ چٹی لٹی پیو ورسکن پ پڑھن

[اس نے یہ رسالہ خاص طور پر ”سندھی زبان“ میں لکھا تاکہ پڑھنے والے اپنی زبان

(سندھی) میں بیان کردہ موضوع کو جلد اور بآسانی سمجھ سکیں۔]

واقعی یہ شاہ لطف اللہ کی عالمانہ قابلیت اور عارفانہ بصیرت ہی تھی جو انہوں نے ایسے علمی موضوع کو آسان بنا کر سمجھایا مگر اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس وقت سندھی زبان پڑھا بھی بیان کی بڑی وسعت پیدا ہو چکی تھی جو انہوں نے وحدت و کثرت کا حقیقت کو تصوف کی روشنی میں عام فہم سندھی اشعار کے ذریعے عمدہ اصطلاحات و تمثیلات کے ساتھ دلچسپ بنا کر سمجھایا (۱)۔

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کی تصحیح و تحقیق کے ساتھ شائع کردہ ”شاہ لطف اللہ قادری جو کلام“، انشٹیٹیوٹ آف سندھیالوجی

ہندہ یونیورسٹی، حیدرآباد سندھ، ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء

اعلیٰ درسی کتاب کے طور پر تحریر کردہ ”ابو الحسن جی سندھی“ اور سلوک و طریقت جیسے علمی موضوع پر شاہ لطف اللہ قادری کے ”رسالہ“ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی مادری زبان میں تعلیم و تربیت دینے کے لیے پہلے سے جاری تحریک اس دور میں کامیابی کی اس منزل پر پہنچی کہ درسگاہوں کے بڑے اساتذہ اور باہر کے دیگر علماء و محققین نے ابتدائی تعلیم و تربیت کو سندھی زبان میں مقبول عام بنانے کی طرف بھرپور توجہ دی، تاکہ طلباء خواہ دیگر افراد اپنی زبان کے ذریعے جلد، بآسانی اور ذوق و شوق کے ساتھ سیکھ سکیں۔

(ج) ”سندھی“ کے خاص نام کی مزید درسی کتابوں کا شائع ہونا:

کتاب ”ابو الحسن جی سندھی“ کے بعد دیگر مشہور علماء و اساتذہ نے سندھی میں درسی کتابیں لکھنا شروع کیں جو ”ابو الحسن جی سندھی“ کے عام فہم نام کی طرح ان مصنفین کے نام سے منسوب ”سندھی“ کہلائیں۔ ان مصنفین کا اہم مقصد درسی اور تعلیمی تھا، یعنی کہ نئے پڑھنے والے اپنی مادری زبان سندھی کے ذریعے زیادہ شوق سے تعلیم حاصل کریں اور مشکل مسائل و موضوعات کو جلد اور بآسانی سمجھ سکیں۔ بعد میں کتاب ”ابو الحسن جی سندھی“ کے نام کی مناسبت سے، سندھی درسی کتابوں کا اصطلاحی نام ہی ”سندھی“ مشہور ہو گیا۔ مثلاً درج ذیل کتابیں جدا جدا درسگاہوں میں مختلف اوقات میں پڑھی پڑھائی گئیں اور وہ بھی ”سندھی“ ہی کے نام سے موسوم ہوئیں (۱)۔

۱- مخدوم ضیاء الدین کی سندھی:

مخدوم ضیاء الدین (۱۰۹۱ھ-۱۱۷۱ھ) مخدوم ابوالحسن کے چھوٹے معاصر تھے اور اسی ٹھنڈ شہر کے نامور عالم تھے (۲)۔ انہوں نے یہ درسی کتاب لکھی، اس کا موضوع بھی وہی ”ابو الحسن جی سندھی“ والا تھا، البتہ اس میں طہارت و نماز کے ساتھ دوسرے مسائل بھی درج کئے گئے اور انہیں نئے طریقے سے بیان کیا گیا۔ مثلاً نماز جمعہ یا نماز ظہر کا وقت معلوم کرنے کے لئے سہا یہ ڈھلنے کو،

(۱) بعد میں دوسرے موضوعات پر ”سندھی“ میں کتابیں تصنیف یا ترجمہ ہونے کی وجہ سے ان کتابوں کو بھی ”سندھی“ کہا جانے لگا، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

(۲) مخدوم ضیاء الدین بن ابراہیم بن ہارون بن عجائب بن الیاس صدیقی ٹھنڈ شہر میں سنہ ۱۰۹۱ھ/۱۶۸۰ء کو پیدا ہوئے، ٹھنڈ کے مشہور عالم مخدوم حمایت اللہ متوفی ۱۱۱۳ھ/۱۷۰۲ء سے اکتساب فیض کیا۔ علمی فضیلت و کمال کے باوجود راہ فقر کے ساکب اور نہایت نیاز مندی والے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں سندھ کے نامور فقیہ و محدث اور بہت بڑے متفق علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھنڈی متوفی ۱۱۷۳ھ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ آپ نے اسی برس کی عمر میں ۱۱۷۱ھ/۱۷۵۸ء کو وصال فرمایا۔

بارہ مہينوں ميں سڄي ماہ ڪو حساب سڄيائو. ڪتاب ڪا خاص مقصد تعليمي ٿي: يعني ته ڪو به هر شخص سنڌي ميں لکڻ ڪو ساڻس ديني مسائل پڙهي ۽ انهن سڄي سگهي.

سنڌي جي دين جا، سڄي گهڻا ۽ گهڻا سڄي ڪتابن ۾ عالمن لکيا ۽ چيا

تنهن منجهان ڪيترا مون سنڌي ۾ لکيا ته سنڌي سڄي سڄي سڄي سان پڙهي ٻي منجهان

[دين ڪو مسائل بهت سارو اور گهرے هيں جنهنين علماء نے تمام ڪتابن ميں لکيا هے ان ميں سڄي ڪو مسئل منتخب ڪر ڪو سنڌي زبان ميں لکهي هيں تاڪه هر شخص انهن ذوق و شوق سڄي پڙهي سگهي سگهي.]

يہ ڪتاب مطبع فتح الڪريم بمبئي سڄي ۱۲۹۰ھ ميں شائع ٿيو.

۲۔ مطلوب المؤمنين سنڌي:

مخدوم محمد هاشم ڪو شاگرد مولانا عبدالخالق ٺٽوي سڄي ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۳ء) ميں اسلامي احڪامات سڄي متعلق خصوصاً طلباء ڪو ضرورت پوري ڪرڻ ڪو غرض سڄي يہ ڪتاب تصنيف ڪي۔ مصنف سڄي اس ڪو مواد طبراني ڪو تصنيف ڪو ده عربي ڪتاب 'الطريقة المحمديه' سڄي اخذ ڪيا اور اس سڄي ڪا جامه پهنيا تاڪه طلباء اس سڄي آسان سنڌي ميں پڙهي سڄي سگهي سگهي:

اڪثر هن سنڌي ۾ جيڪي درج ٿيو سو طريقة المحمدي ڪنان ميڙي مون لکيو

ڪارڻ طلب طالبين هي رسالو لکيو 'مطلوب المؤمنين سنڌي' نالو تنهن رکيو

سنڌي وائي سڄي سڄي پڙهين عاصي عبدالخالق ڪي دعا مان ڪرين

[اس سنڌي ڪتاب ميں جو ڪو درج هوا هے وه اڪثر 'الطريقة المحمديه' سڄي انتخاب ڪيا گيا هے۔ طلباء ڪو طلب ڪو پيش نظر ميں سڄي يہ رسالو لکيا اور اس ڪا نام 'مطلوب المؤمنين سنڌي' رکيا هے تاڪه تمام لوگ سنڌي زبان باساني سڄي سگهي سگهي اور ڪاش عاصي عبدالخالق ڪو لئو دعا ڪرين۔]

جس طرح ڪتاب ڪو آغاز ميں بتايا گيا هے ڪو: يہ ڪتاب خاص طور پر شاگردن ڪو ضرورت پوري ڪرڻ ڪو لئو (ڪارڻ طلب طالبين): يعني علمي تربيت ڪو لئو بطور درسي ڪتاب لکهي گئي۔ اسي طرح اس ڪو آخر ميں بهي بتايا گيا هے ڪو اس سڄي مقصود علم سکھائا هے:

ڪو قبول ڪريم تون هن گولي جي گفتار مرهين مڙني مومنين جي علم ڪن پچار

[اے ڪريم تو اس بنده ڪو التجا قبول فرما ان تمام مومنن ڪو بخش فرما جو علم ڪو درد ڪرين۔]

يہ کتاب مطبع محمدی، بمبئي سے سن ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) میں دوبارہ طبع ہوئی۔

### ۳۔ مخدوم محمد ابراہیم کی سنڌي (۱):

مخدوم محمد ابراہیم، پرانا ہالہ کے بھٹی بزرگوں کے خاندان سے تھے۔ سنہ ۱۱۰۲ھ (۱۶۹۰ء) میں پیدا ہوئے، اس دور کے مشہور عالم مخدوم عبدالرؤف بھٹی آپ کے بھائی تھے۔ انہوں نے مخدوم ابوالحسن کی سنڌي سے متاثر ہو کر خاص تعلیمی مقصد کے پیش نظر یہ سنڌي کتاب تصنیف کی اور اس میں وضو اور نماز کے ساڑھن تین سو مختلف مسائل وضاحت سے بیان کیے۔ مخدوم محمد ابراہیم نے بعض مسائل بالکل ہی مخدوم ابوالحسن کے نظریہ کے مطابق بیان کیے، نیز کچھ الفاظ بلکہ بعض سطریں تک وہی مخدوم ابوالحسن کی درج کیں۔ انہوں نے یہ کتاب مخدوم محمد ہاشم کی کتاب ”اصلاح مقدمۃ الصلوٰۃ“ سے قبل تصنیف کی تھی (۲)، کیونکہ اس میں مخدوم ابوالحسن کی تشریحات ہو بہو موجود ہیں۔ جن میں سے بعض تشریحات کی مخدوم محمد ہاشم نے بعد میں درستی بھی کی۔ یہ کتاب ہالہ اور اس کے اطراف کی دوسری درسگاہوں میں پڑھائی جاتی تھی۔ پہلی مرتبہ اس کتاب کو غالباً جمناداس بھگوان داس تاجر کتب نے، ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۹ء) یا اس سے بھی قبل بمبئي کے علوی پریس سے طبع کروا کر شائع کیا۔

### ۴۔ عبدالرحیم کی سنڌي:

بعض منتخب فقہی مسائل کے بارے میں یہ سنڌي کتاب عبدالرحیم نامی عالم (۳) نے سنہ ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۳ء) میں منظوم کی۔ اس کتاب کے آخر میں انہوں نے اپنی اس ’سنڌي‘ کا نام ”ما ینبغی للحمائل من معدود المسائل“ بتایا ہے:

جیکو ڪري ڪنہ وير ۾ نظر ’سنڌي‘ ڪا      ته ’مردعا خير جي ٻني ڏونه مولیٰ‘  
منجهه حق عبدالرحيم جي جامع هن ’سنڌيا‘      ۽ منجهه حق اولاد تنهنجي ته ٿين صالحن گها  
جیکو ٻچي ڪنہ وير ۾ نالي ’سنڌي‘ ڪا      ”ما ینبغی للحمائل من معدود المسائل“ آهي نالي سا

(۱) يہ کتاب اسی نام سے لکي جتي ایک اور کتاب ”سنڌي مخدوم محمد ابراہیم کی“ سے قبل کی ہے، اور اس سے پہلے تصنیف ہوئی ہے۔

(۲) ’اصلاح مقدمۃ الصلوٰۃ‘ کب لکھی گئی؟ اس کے متعلق صحیح معلومات میسر نہیں۔ البتہ ’اصلاح مقدمۃ الصلوٰۃ‘ پر مخدوم محمد قائم متوفی ۱۱۵۷ھ نے تحت اعتراضات کیے اور اس کے رد میں رسالہ لکھا۔ بعد میں مخدوم محمد ہاشم نے سنہ ۱۱۴۳ھ میں ان اٹھائے گئے اعتراضات کا ’الافتاء الدائم عن اعتراضات قائم‘ کے نام سے جواب لکھا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ’اصلاح مقدمۃ الصلوٰۃ‘ سنہ ۱۱۳۰ھ کے لگ بھگ لکھی گئی ہوگی۔ (مترجم)

(۳) غالباً ٹھنڈے کے عالم؛ ’مروح الحنفیین‘ کتاب کے مصنف بھی عبدالرحیم نامی عالم ہیں اور غالباً یہ وہی عالم ہیں جنہوں نے مندرجہ بالا ’سنڌي‘ بھی منظوم کی۔

۽ جيڪو ٻيچي تاريخ کان ته چئج تہين کسا ستن اڳري ستر هني يارهن سوء ن مٿا  
[اگر کوئی شخص کسی وقت اس ”سندھی“ کو دیکھے تو خدا سے دعاء مانگے، اس ’سندھی‘ کے  
جامع عبد الرحیم اور اس کی اولاد کے حق میں کہ، کاش! وہ صالح بنیں اگر کوئی اس ’سندھی‘ کا نام  
معلوم کرے تو اس کا نام ”ما ینبغی للحمائل من معدود المسائل“ ہے اور اگر کوئی اس کی  
تاریخ کے متعلق پوچھے تو اسے بتاؤ کہ سن گیارہ سو ستتر تھا۔]

## ۵۔ اساس الفرائض سندھی:

یہ کتاب مخدوم عبد الرحیم گرہوڑی نے فوت شدہ شخص کے ورثہ ترکہ کو اس کے ورثاء کے درمیان  
شرعی حکم کے مطابق تقسیم کی تربیت اور تعلیم کے بارے میں سنہ ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ء) سے قبل (۱)  
لکھی، اور عام طور پر ”گرہوڑی صاحب کی سندھی“ کے نام سے مشہور ہوئی۔ کتاب تصنیف  
کرنے کا مقصد تعلیمی تھا، جسے کتاب کے آخر میں مصنف نے یوں بیان کیا ہے:

پُنو بیان ترکی جو ضروري قدرا

جي هي پڙهي پروڙئين، ته بڻو پڻ پڌرونا

’اساس الفرائض‘ سنڌي جو نالو نهر ڪجاء

[اس ’سندھی‘ کا نام ’اساس الفرائض‘ ہے، جو ورثہ کے حصص اور حساب کے متعلق ایک  
مختصر مگر بنیادی مقدمہ ہے، جسے پڑھنے اور سمجھنے سے باقی مزید ابواب خود بخود صاف اور نمایاں ہو  
کر سمجھ میں آجائیں گے۔]

گرہوڑی صاحب نے دیگر اہم موضوعات مثلاً ایمان، توحید، رسالت وغیرہ کو بھی کی تفصیل  
بھی منظوم سندھی میں بیان کی اور ان کی وہ نظمیں بھی بعد میں ’اساس الفرائض‘ کے ساتھ ”گرہوڑی  
صاحب کی سندھی“ میں شامل ہو گئیں۔ سن ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ء) میں یہ رسالہ، مخدوم عبداللہ کے ’سنت  
نامو‘ (قربان نامہ) (۲) اور دیگر چار کتابوں کے ساتھ مطبع کریبی بمبئی سے طبع ہوا۔

## ۶۔ ۶۱ کی سندھی:

پرانے دور کی تحریر شدہ اس کتاب کا ایک ناقص مخطوطہ موجود ہے (۳) جس کا خاتمہ اس  
طرح ہوتا ہے:

جيڪو ڏسي هن سنڌي ۾ ڪا غلط ڪيسهوا سا واري سنئين ڪن موجب ڏسڪتابا

موتني ۾ ڪن هن آڪاڇ جي وري ڪا گلا ڪجن جون ڪيڙيڻون ڪن سڻون صالحا

(۱) گرہوڑی صاحب سن ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ء) میں شہید ہوئے۔

(۲) یعنی رشتہ داری کی وجہ سے محرمات، حرمت رضاع اور طلاق وغیرہ کے مسائل کے بارے میں۔ (مترجم)

(۳) رقم کے ذخیرہ مخطوطات میں۔

جي وڙ لائق جن جاء سي ٿين تن هئا      مون کي ناه مجال قدرت کا پانهنجي پارا  
آهيان عاجز نڪين، (۱) منجهه گتو گناها      ساريان کونه سرير م آجر کو عملا  
بن نصيب کرين (۱) لقاء پنهنجو قادر کريما      ۽ پاڙو ڏييم پيغمبر سين قيامت ڏينها  
۽ ساڻ اهل بيت اصحاب ان جي ڏين قرارا      هتي هتي سلامت رکين ساڻ ايمانا

احمد جهڙي اڃاڻ تي کا مهر کر موليٰ

[جو بهي اس 'سندھی' میں کسی قسم کی غلطی یا سہو وغیرہ دیکھے تو اسے بموجب کتب درست کر دے۔ اس نا بارہ کا گلہ شکوہ نہ کرے۔ ناقص لوگوں کے عیوب کو صالح انسان اُچھپا لیتے ہیں، جو لوگ جس سلوک و احسان کے عادی ہوتے ہیں ویسا ہی سلوک و احسان ان کے ہاتھوں سرانجام پاتا ہے، مجھ میں کوئی طاقت و خوبی اپنی طرف سے نہیں ہے، سرامر گناہوں میں غرق عاجز سا بندہ ہوں، مجھے اپنا کوئی بھی اجر اور نیک عمل یاد نہیں۔ اے قادر کریم! اپنا لقاء (دیدار) نصیب فرما او رقیامت کے روز پیغمبر علیہ السلام کا پڑوس اور اہل بیت اور اصحاب کے ساتھ سکونت نصیب فرما، ا س دنیا اور اس جہان میں ایمان کی سلامتی عطا فرما، اے مولا "احمد" جیسے نادان شخص پر کرم فرما۔]

۷۔ عالم جمعہ گرائی (گرائیوں) کی سندھی:

عالم جمعہ گرائیوں کی 'سندھی' کا قلمی نسخہ غالباً ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ء) سے کافی پہلے کا لکھا اور 'برٹش میوزیم' میں موجود ہے، جس کا موضوع نبی پاک کا معراج نامہ ہے۔

۸۔ عبد الحمید کی سندھی:

اس کتاب کا قلمی نسخہ، 'مخدوم ابو الحسن کی سندھی' کے مخطوطہ کے آخر میں اسی جلد میں، سندھی ادبی بورڈ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۹۔ دائرہ والوں کی سندھی: (۲)

یہ کتاب سید علی محمد شاہ نے ۱۲۷۰ھ۔ ۱۲۷۷ھ (۱۸۵۳ء۔ ۱۸۶۰ء) کے سات سالہ عرصہ میں سندھی میں تصنیف کی۔ کتاب کا علمی نام "مصلح المفتاح" "المفتاح" کتاب کو سنوارنے والا

(۱) یہ لفظ یائے مجہول کے ساتھ ہے۔ (مترجم)

(۲) کتاب کے مصنف سید علی محمد شاہ تھے، جو 'درمگاہ دائرہ' (موجودہ اڈرولال) کے عالم اور استاد تھے۔ 'دائرہ' کی نسبت اور ان کے اپنے نام کے احترام کی وجہ سے 'فتح' کے طور پر اس کتاب کو 'دائرہ والوں کی سندھی' کے عام نام کے ساتھ موسوم کیا گیا۔

تفصیل کے لئے دیکھیے 'مصلح المفتاح' یعنی دائرہ والوں کی سندھی' راقم کی تصحیح اور مقدمہ کے ساتھ۔

مطبوعہ سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء

ہے، مگر وہ ”دائرہ والوں کی سندھی“ کے نام سے مشہور ہو گئی۔ نماز کے متعلق یہ ایک تفصیلی اور جامع کتاب ہے۔ اگرچہ سید علی محمد شاہ نے اپنی کتاب کی بنیاد اصولی طور پر مہندوم فتح محمد سندھی کی فارسی کتاب ”مفتاح الصلوة“ (سال تصنیف ۱۰۶۱ھ) پر رکھی، لیکن ان کی وسیع معلومات، فقہی بصیرت اور منصفانہ علمی تنقید نے اس کتاب کو تحقیقی نقطہ نظر کے اعتبار سے ایک مستقل علمی کارنامہ بنادیا اور یہ کتاب چونیاریوں کی اعلیٰ درسگاہ کے علاوہ دیگر درسگاہوں میں بطور ’درسی کتاب‘ پڑھائی جاتی رہی۔

مذکورہ بالا کتابوں کو مختلف اوقات میں ’درسی کتب‘ کی حیثیت حاصل رہی اور ان کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی عربی و فارسی کے بجائے سندھی میں لکھی یا ترجمہ کی گئیں۔ اس وجہ سے انہیں بھی ’سندھی‘ ہی کہا گیا۔ جیسا کہ ’بناء الاسلام سندھی‘، ’فرائض الاسلام سندھی‘، ’روضۃ الشہداء سندھی‘ وغیرہ۔ ’روضۃ الشہداء سندھی‘ کو مترجم احمد نے ۱۱۷۲ھ میں شہادتِ ائمہ کے موضوع پر فارسی کتاب ’روضۃ الشہداء‘ سے سندھی میں ترجمہ کیا اور اسے ’سندھی‘ کہہ کر پکارا (۱)۔

جیکو پسی ہن سنڌي ہر غلط ڪي سھو ڪا

تہ سا واري سنڌين ڪري موجب ڪتابنا

[جو شخص بھی اس ’سندھی‘ میں کوئی غلطی یا سہو وغیرہ دیکھے تو وہ اسے بموجب کتاب

درست کر دے۔]

## ۱۰- سید ہارون کی سندھی:

سید ہارون نے قرآن و حدیث سے اسلامی عقائد و اخلاقیات کے متعلق ”سی حرنی ترتیب“ میں نظم لکھی، جسے بعد میں ”سید ہارون کی سندھی“ نام دیا گیا (یہ قلمی نظم برٹش میوزیم میں موجود ہے)۔ نظم کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

الف اڳئين پنڌ جو ساڻي ڪر سماء

جي منجهارا جوڙ تون پرين ساڻ پساہ

[الف، اگلے سفر کی، اے دوست سُدھ بُدھ رکھ

(۱) یہ کتاب دس ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، جن میں حضراتِ امام حسن و حسینؑ کی اولاد اور دیگر سادات کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب لاہور میں ۱۸۸۲ء، بمبئی میں ۱۳۳۱ھ اور طہران میں ۱۳۳۳ھ میں چھپ چکی ہے۔ مولانا محمد علی صاحب کے بقول اس کتاب میں اہل سنت کے اکابر اور ان کے مسلک پر گناہوں نے انداز میں اعتراض کیے گئے ہیں، یہ کتاب اہل تشیع کی تصانیف میں سے ہے۔

دیکھئے: میزانِ اکتب، ص: ۲۱۴-۲۵۴، ناشر مکتبہ نور یہ حیدر، بالائے سطح لاہور، طبع اول ۱۹۹۳ء

دوست ڪے ساڻھ دل کي گھرائي سے تعلق قائم ڪر  
آخر ۾ اپني اس 'سنڌي' تصنيف ڪے متعلق ڪھتا ھے:

مولا مرھين مومنن ڪي سين حرمت حضرتنا،  
خاصو ئي سيد ھارون ڪي جنھن سنڌي ڪي صفتا،  
ڪيڍي معنيٰ قرآن ۽ حديث جي آڇنائين آڪرا،  
آھين آوے ايمان سين جي ڪلمو چون مھا  
[اے مولا! بظفيل حرمت رسول تمام مومنون ڪو عطا فرما  
خاص طور پڙسيد ھارون ڪو، جس نے يہ 'سنڌي' منظوم ڪي  
اور قرآن و حديث ڪے معاني نکال ڪر پيش ڪيے،  
وہي لوگ با ايمان ھيں جو اپني زبان سے ڪلمہ پڙھتے ھيں۔]

(د) آسان سنڌي ۾ ڪتابن لکھڻے ڪے نظريہ ڪا عام ھونا:

ابوالحسن کي "مقدمۃ الصلوة سنڌي" اور اس ڪے بعد اس نئي تحريڪ ڪے زير اثر لکھي جانے  
والي درسي يا ديگر عام ڪتابون ڪے مصنفين ڪا اهم مقصد يھي ٿھا ڪہ مادي زبان سنڌي ڪے ذريعي  
تعليم ڪو عام اور آسان بنايا جائے۔ درج ذيل ڪتابون ۾ مصنفين ڪا اس قسم ڪا اظهار اسي علمي و تعليمي  
جذبہ اور مقصد ڪي تصديق ڪرتا ھے۔

۱۔ مخدوم محمد ھاشم نے سنہ ۱۱۲۵ھ (۱۷۱۳ء) ۾ اپني ڪتاب 'زاد الفقير' ۾ روزہ ڪے  
مسائل ڪو عربي ڪتب سے منتخب ڪر ڪے سنڌي زبان کي آسان عبارت ۾ سمجھايا:

مسئلا روزن جا آھن گھڻا اپار  
جي ڪجي ھيڪاندو تن ڪي تہ ٽين ھوند ھزار  
تئين منجھان ڪي ڪيترا مسئلا ڪيام  
ساري سنڌي وائي ھر لکي لڳ ڪيام

[مسائل روزہ بہت سارے ھيں،

اگر انھن ۾ جمع ڪيا جائے تو وہ ھزاروں بن جائين گے  
ان ۾ سے ۾ ۾ بہت سارے مسائل منتخب ڪيے اور  
ان کي جانچ پڙتال ڪر ڪے سنڌي زبان ۾ جمع ڪيا ھے۔]



عربی آجائن کی گھٹی ڈھلی ہو  
 سنڌي ڪيم سھڪي، جان سڪي سپڪو  
 [انجان لوگوں کے لیے عربی بہت مشکل تھی  
 میں نے انہیں آسان سندھی میں لکھا تاکہ ہر ایک سیکھ سکے۔]

۲- اس کے بعد سن ۱۱۳۰ھ (۱۷۱۸ء) میں مخدوم محمد ہاشم نے اپنی کتاب ”راحت المؤمنین سندھی“ میں ذبح اور شکار کے مسائل کو عربی کتابوں سے منتخب کر کے، آسان سندھی زبان میں درج کیا، کیونکہ:

عربی آھی آھکی ابوجھن اپار  
 نکا پروژ پارسی جی ناموزون نبار  
 پوء نہ آجائن کی کا سنڌي ڌارا سار  
 تڏ سنڌي ڪيم سھڪي سھلي ڪيڍي عربيا.  
 [سادہ لوح لوگوں کے لئے عربی بہت مشکل ہے،  
 انہیں فارسی کا علم ہے نہ ہی خالص زبان ان کے لیے موزون ہے  
 انجانوں کو سندھی کے بغیر اطمینان نہیں رہتا،  
 اسی لیے میں نے عربی سے نکال کر آسان سندھی بنائی۔]

۳- مخدوم محمد ہاشم نے ”تفسیر ہاشمی“ یعنی عمّ پارہ کی تفسیر آسان سندھی میں لکھی (۱) تاکہ  
 اسے سمجھنے میں آسانی ہو:

تڏھن سنڌي ڪيم سھلي ڪيڍي عربيا  
 تہ مان پروڙين معنيٰ تنھن جي مومن مرھاتا  
 [تب میں نے عربی سے آسان سندھی بنائی،  
 کاش! معاف کیے گئے مومن اس کے معنی سمجھ سکیں۔]

مخدوم محمد ہاشم اپنی کتاب ”بناء الاسلام سندھی“ میں بھی یہی مقصد بیان کرتے ہیں:  
 ”سنڌي ڪيم سھلي ڪيڍي ڪارڻ تن“  
 [ان کے لئے میں نے سندھی میں اسے آسان بنایا ہے۔]

(۱) مخدوم صاحب نے یہ تفسیر ۱۷ شعبان سنہ ۱۱۶۲ھ میں لکھی، جو ۱۲۳۰ھ میں مطبع کریم، بمبئی سے پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔  
 سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع شدہ تفسیر ہاشمی اُسی بمبئی والے نسخہ کا عکس ہے۔ جسے مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے مرتب  
 کر کے شائع کرایا تھا۔ (مترجم)

۴۔ علی اکبر نامی ایک عالم نے سن ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء میں بڑی محنت سے مسائلِ زکوٰۃ پر سندھی کتاب ”تھص الاموال“ تصنیف کی

مگر قدر موجب پانہنجی کوشش کیم کا  
کو قدر حدیثن حبیب صلعم جو کیدی کتابنا  
جوڑی اثم جمع کیو کارن نصیحتا  
سندھی کیم تنهن جي خالص لڳ خدا.

[اپنی بساط کے مطابق میں نے کوشش کر کے

نئی پاک کی کچھ احادیث کتابوں سے نکال کر،  
نصیحت کی غرض سے جمع کی ہیں

اور انہیں خالصتاً للہ فی اللہ سندھی بنایا (تصنیف کیا) ہے۔] (۱)

۵۔ مولوی محمد حسین نے ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۴ء) میں فارسی کتاب ”نقص الانبیاء“ کا ’سیر  
بستان‘ کے نام سے سندھی ترجمہ کیا:۔

تہ لکي کریان پڌڙا قصا نبین جا

سندھی وائی سھکا سی کریان بیانا.

[تا کہ انبیاء کے قصے لکھ کر آشکار کروں

سندھی زبان میں سہل بنا کر بیان کروں۔]

۶۔ حامد بن حسن نے سن ۱۲۳۳ھ میں عشق اور اولیاء کی حکایات سے متعلق ”قوت  
العاشقین با عشقیہ“ کتاب سندھی میں تالیف کی۔ اصل کتاب شیخ عثمان انصاری (۲) کی لکھی ہوئی

(۱) پیر حسام الدین راشدی نے اس کتاب کا نام ”الاموال و کمل الاموال“ لکھا ہے۔ دیکھیے: سندھی ادب، ص: ۵۳ (مترجم)  
(۲) مولوی شمس الدین صاحب تاجر کتب دارہ مسلم مسجد لاہور نے مخطوطات کا ایک ذخیرہ بمبئی میوزم آف پاکستان کراچی کو  
فروخت کیا تھا، جس کی تفصیلی فہرست مولانا عبدالحلیم چشتی نے تیار کی تھی۔ اس فہرست میں شیخ عثمان انصاری کی فارسی کتاب  
’عشقیہ‘ کا بھی اندراج ہے۔

یہ وہی کتاب ہے جس کا حامد بن حسن نے خلیفہ محمود کے ایماء اور ارشاد پر ”قوت العاشقین با عشقیہ“ کے نام  
سے سندھی منظوم ترجمہ کیا۔ چشتی صاحب ”عشقیہ“ اور اس کے مصنف کے متعلق لکھتے ہیں:

”اسرار و رموز معرفت اور عشق الہی کے مباحث پر ایک اہم کتاب ہے جس میں مصنف کا نام عثمان انصاری درج  
ہے اور جگہ جگہ اس نے اپنا تخلص ’عثمان‘ استعمال کیا ہے۔ یہ کتاب ۴ فصول اور ۴ ابواب پر مشتمل ہے۔ ایشیا نک سوسائٹی بنگال  
کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ ہے ’ایواناف‘ نے فہرست میں اس کا تذکرہ کیا ہے، دیکھیے فہرست کتب خانہ ایشیا نک سوسائٹی  
بنگال مرتبہ ایواناف مطبوعہ سنہ ۱۹۲۳ء، ص ۶۰۵، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷۴، ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ۱۷۷۷، ۱۷۷۸، ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۱۷۸۱، ۱۷۸۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، ۱۷۸۵، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۱۷۸۹، ۱۷۹۰، ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، ۱۷۹۳، ۱۷۹۴، ۱۷۹۵، ۱۷۹۶، ۱۷۹۷، ۱۷۹۸، ۱۷۹۹، ۱۸۰۰، ۱۸۰۱، ۱۸۰۲، ۱۸۰۳، ۱۸۰۴، ۱۸۰۵، ۱۸۰۶، ۱۸۰۷، ۱۸۰۸، ۱۸۰۹، ۱۸۱۰، ۱۸۱۱، ۱۸۱۲، ۱۸۱۳، ۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ۱۸۱۹، ۱۸۲۰، ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۱۸۲۵، ۱۸۲۶، ۱۸۲۷، ۱۸۲۸، ۱۸۲۹، ۱۸۳۰، ۱۸۳۱، ۱۸۳۲، ۱۸۳۳، ۱۸۳۴، ۱۸۳۵، ۱۸۳۶، ۱۸۳۷، ۱۸۳۸، ۱۸۳۹، ۱۸۴۰، ۱۸۴۱، ۱۸۴۲، ۱۸۴۳، ۱۸۴۴، ۱۸۴۵، ۱۸۴۶، ۱۸۴۷، ۱۸۴۸، ۱۸۴۹، ۱۸۵۰، ۱۸۵۱، ۱۸۵۲، ۱۸۵۳، ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۱۸۵۶، ۱۸۵۷، ۱۸۵۸، ۱۸۵۹، ۱۸۶۰، ۱۸۶۱، ۱۸۶۲، ۱۸۶۳، ۱۸۶۴، ۱۸۶۵، ۱۸۶۶، ۱۸۶۷، ۱۸۶۸، ۱۸۶۹، ۱۸۷۰، ۱۸۷۱، ۱۸۷۲، ۱۸۷۳، ۱۸۷۴، ۱۸۷۵، ۱۸۷۶، ۱۸۷۷، ۱۸۷۸، ۱۸۷۹، ۱۸۸۰، ۱۸۸۱، ۱۸۸۲، ۱۸۸۳، ۱۸۸۴، ۱۸۸۵، ۱۸۸۶، ۱۸۸۷، ۱۸۸۸، ۱۸۸۹، ۱۸۹۰، ۱۸۹۱، ۱۸۹۲، ۱۸۹۳، ۱۸۹۴، ۱۸۹۵، ۱۸۹۶، ۱۸۹۷، ۱۸۹۸، ۱۸۹۹، ۱۹۰۰، ۱۹۰۱، ۱۹۰۲، ۱۹۰۳، ۱۹۰۴، ۱۹۰۵، ۱۹۰۶، ۱۹۰۷، ۱۹۰۸، ۱۹۰۹، ۱۹۱۰، ۱۹۱۱، ۱۹۱۲، ۱۹۱۳، ۱۹۱۴، ۱۹۱۵، ۱۹۱۶، ۱۹۱۷، ۱۹۱۸، ۱۹۱۹، ۱۹۲۰، ۱۹۲۱، ۱۹۲۲، ۱۹۲۳، ۱۹۲۴، ۱۹۲۵، ۱۹۲۶، ۱۹۲۷، ۱۹۲۸، ۱۹۲۹، ۱۹۳۰، ۱۹۳۱، ۱۹۳۲، ۱۹۳۳، ۱۹۳۴، ۱۹۳۵، ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۱۹۳۸، ۱۹۳۹، ۱۹۴۰، ۱۹۴۱، ۱۹۴۲، ۱۹۴۳، ۱۹۴۴، ۱۹۴۵، ۱۹۴۶، ۱۹۴۷، ۱۹۴۸، ۱۹۴۹، ۱۹۵۰، ۱۹۵۱، ۱۹۵۲، ۱۹۵۳، ۱۹۵۴، ۱۹۵۵، ۱۹۵۶، ۱۹۵۷، ۱۹۵۸، ۱۹۵۹، ۱۹۶۰، ۱۹۶۱، ۱۹۶۲، ۱۹۶۳، ۱۹۶۴، ۱۹۶۵، ۱۹۶۶، ۱۹۶۷، ۱۹۶۸، ۱۹۶۹، ۱۹۷۰، ۱۹۷۱، ۱۹۷۲، ۱۹۷۳، ۱۹۷۴، ۱۹۷۵، ۱۹۷۶، ۱۹۷۷، ۱۹۷۸، ۱۹۷۹، ۱۹۸۰، ۱۹۸۱، ۱۹۸۲، ۱۹۸۳، ۱۹۸۴، ۱۹۸۵، ۱۹۸۶، ۱۹۸۷، ۱۹۸۸، ۱۹۸۹، ۱۹۹۰، ۱۹۹۱، ۱۹۹۲، ۱۹۹۳، ۱۹۹۴، ۱۹۹۵، ۱۹۹۶، ۱۹۹۷، ۱۹۹۸، ۱۹۹۹، ۲۰۰۰، ۲۰۰۱، ۲۰۰۲، ۲۰۰۳، ۲۰۰۴، ۲۰۰۵، ۲۰۰۶، ۲۰۰۷، ۲۰۰۸، ۲۰۰۹، ۲۰۱۰، ۲۰۱۱، ۲۰۱۲، ۲۰۱۳، ۲۰۱۴، ۲۰۱۵، ۲۰۱۶، ۲۰۱۷، ۲۰۱۸، ۲۰۱۹، ۲۰۲۰، ۲۰۲۱، ۲۰۲۲، ۲۰۲۳، ۲۰۲۴، ۲۰۲۵، ۲۰۲۶، ۲۰۲۷، ۲۰۲۸، ۲۰۲۹، ۲۰۳۰، ۲۰۳۱، ۲۰۳۲، ۲۰۳۳، ۲۰۳۴، ۲۰۳۵، ۲۰۳۶، ۲۰۳۷، ۲۰۳۸، ۲۰۳۹، ۲۰۴۰، ۲۰۴۱، ۲۰۴۲، ۲۰۴۳، ۲۰۴۴، ۲۰۴۵، ۲۰۴۶، ۲۰۴۷، ۲۰۴۸، ۲۰۴۹، ۲۰۵۰، ۲۰۵۱، ۲۰۵۲، ۲۰۵۳، ۲۰۵۴، ۲۰۵۵، ۲۰۵۶، ۲۰۵۷، ۲۰۵۸، ۲۰۵۹، ۲۰۶۰، ۲۰۶۱، ۲۰۶۲، ۲۰۶۳، ۲۰۶۴، ۲۰۶۵، ۲۰۶۶، ۲۰۶۷، ۲۰۶۸، ۲۰۶۹، ۲۰۷۰، ۲۰۷۱، ۲۰۷۲، ۲۰۷۳، ۲۰۷۴، ۲۰۷۵، ۲۰۷۶، ۲۰۷۷، ۲۰۷۸، ۲۰۷۹، ۲۰۸۰، ۲۰۸۱، ۲۰۸۲، ۲۰۸۳، ۲۰۸۴، ۲۰۸۵، ۲۰۸۶، ۲۰۸۷، ۲۰۸۸، ۲۰۸۹، ۲۰۹۰، ۲۰۹۱، ۲۰۹۲، ۲۰۹۳، ۲۰۹۴، ۲۰۹۵، ۲۰۹۶، ۲۰۹۷، ۲۰۹۸، ۲۰۹۹، ۲۱۰۰، ۲۱۰۱، ۲۱۰۲، ۲۱۰۳، ۲۱۰۴، ۲۱۰۵، ۲۱۰۶، ۲۱۰۷، ۲۱۰۸، ۲۱۰۹، ۲۱۱۰، ۲۱۱۱، ۲۱۱۲، ۲۱۱۳، ۲۱۱۴، ۲۱۱۵، ۲۱۱۶، ۲۱۱۷، ۲۱۱۸، ۲۱۱۹، ۲۱۲۰، ۲۱۲۱، ۲۱۲۲، ۲۱۲۳، ۲۱۲۴، ۲۱۲۵، ۲۱۲۶، ۲۱۲۷، ۲۱۲۸، ۲۱۲۹، ۲۱۳۰، ۲۱۳۱، ۲۱۳۲، ۲۱۳۳، ۲۱۳۴، ۲۱۳۵، ۲۱۳۶، ۲۱۳۷، ۲۱۳۸، ۲۱۳۹، ۲۱۴۰، ۲۱۴۱، ۲۱۴۲، ۲۱۴۳، ۲۱۴۴، ۲۱۴۵، ۲۱۴۶، ۲۱۴۷، ۲۱۴۸، ۲۱۴۹، ۲۱۵۰، ۲۱۵۱، ۲۱۵۲، ۲۱۵۳، ۲۱۵۴، ۲۱۵۵، ۲۱۵۶، ۲۱۵۷، ۲۱۵۸، ۲۱۵۹، ۲۱۶۰، ۲۱۶۱، ۲۱۶۲، ۲۱۶۳، ۲۱۶۴، ۲۱۶۵، ۲۱۶۶، ۲۱۶۷، ۲۱۶۸، ۲۱۶۹، ۲۱۷۰، ۲۱۷۱، ۲۱۷۲، ۲۱۷۳، ۲۱۷۴، ۲۱۷۵، ۲۱۷۶، ۲۱۷۷، ۲۱۷۸، ۲۱۷۹، ۲۱۸۰، ۲۱۸۱، ۲۱۸۲، ۲۱۸۳، ۲۱۸۴، ۲۱۸۵، ۲۱۸۶، ۲۱۸۷، ۲۱۸۸، ۲۱۸۹، ۲۱۹۰، ۲۱۹۱، ۲۱۹۲، ۲۱۹۳، ۲۱۹۴، ۲۱۹۵، ۲۱۹۶، ۲۱۹۷، ۲۱۹۸، ۲۱۹۹، ۲۲۰۰، ۲۲۰۱، ۲۲۰۲، ۲۲۰۳، ۲۲۰۴، ۲۲۰۵، ۲۲۰۶، ۲۲۰۷، ۲۲۰۸، ۲۲۰۹، ۲۲۱۰، ۲۲۱۱، ۲۲۱۲، ۲۲۱۳، ۲۲۱۴، ۲۲۱۵، ۲۲۱۶، ۲۲۱۷، ۲۲۱۸، ۲۲۱۹، ۲۲۲۰، ۲۲۲۱، ۲۲۲۲، ۲۲۲۳، ۲۲۲۴، ۲۲۲۵، ۲۲۲۶، ۲۲۲۷، ۲۲۲۸، ۲۲۲۹، ۲۲۳۰، ۲۲۳۱، ۲۲۳۲، ۲۲۳۳، ۲۲۳۴، ۲۲۳۵، ۲۲۳۶، ۲۲۳۷، ۲۲۳۸، ۲۲۳۹، ۲۲۴۰، ۲۲۴۱، ۲۲۴۲، ۲۲۴۳، ۲۲۴۴، ۲۲۴۵، ۲۲۴۶، ۲۲۴۷، ۲۲۴۸، ۲۲۴۹، ۲۲۵۰، ۲۲۵۱، ۲۲۵۲، ۲۲۵۳، ۲۲۵۴، ۲۲۵۵، ۲۲۵۶، ۲۲۵۷، ۲۲۵۸، ۲۲۵۹، ۲۲۶۰، ۲۲۶۱، ۲۲۶۲، ۲۲۶۳، ۲۲۶۴، ۲۲۶۵، ۲۲۶۶، ۲۲۶۷، ۲۲۶۸، ۲۲۶۹، ۲۲۷۰، ۲۲۷۱، ۲۲۷۲، ۲۲۷۳، ۲۲۷۴، ۲۲۷۵، ۲۲۷۶، ۲۲۷۷، ۲۲۷۸، ۲۲۷۹، ۲۲۸۰، ۲۲۸۱، ۲۲۸۲، ۲۲۸۳، ۲۲۸۴، ۲۲۸۵، ۲۲۸۶، ۲۲۸۷، ۲۲۸۸، ۲۲۸۹، ۲۲۹۰، ۲۲۹۱، ۲۲۹۲، ۲۲۹۳، ۲۲۹۴، ۲۲۹۵، ۲۲۹۶، ۲۲۹۷، ۲۲۹۸، ۲۲۹۹، ۲۳۰۰، ۲۳۰۱، ۲۳۰۲، ۲۳۰۳، ۲۳۰۴، ۲۳۰۵، ۲۳۰۶، ۲۳۰۷، ۲۳۰۸، ۲۳۰۹، ۲۳۱۰، ۲۳۱۱، ۲۳۱۲، ۲۳۱۳، ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، ۲۳۱۶، ۲۳۱۷، ۲۳۱۸، ۲۳۱۹، ۲۳۲۰، ۲۳۲۱، ۲۳۲۲، ۲۳۲۳، ۲۳۲۴، ۲۳۲۵، ۲۳۲۶، ۲۳۲۷، ۲۳۲۸، ۲۳۲۹، ۲۳۳۰، ۲۳۳۱، ۲۳۳۲، ۲۳۳۳، ۲۳۳۴، ۲۳۳۵، ۲۳۳۶، ۲۳۳۷، ۲۳۳۸، ۲۳۳۹، ۲۳۴۰، ۲۳۴۱، ۲۳۴۲، ۲۳۴۳، ۲۳۴۴، ۲۳۴۵، ۲۳۴۶، ۲۳۴۷، ۲۳۴۸، ۲۳۴۹، ۲۳۵۰، ۲۳۵۱، ۲۳۵۲، ۲۳۵۳، ۲۳۵۴، ۲۳۵۵، ۲۳۵۶، ۲۳۵۷، ۲۳۵۸، ۲۳۵۹،

تھی۔ مؤلف حامد بن حسن کے مرشد (خلیفہ محمود؟) نے اسے فرمایا کہ: اصل کتاب فارسی میں ہے

پر آھيس عبارت آھڪي ۽ مُغَلَق مضمونا

جي ٿئي سنڌي تنهن جي ته عام ٿئي نفعا

[اس کی عبارت نقل اور مضمون بھی بمشکل سمجھ میں آنے والا ہے

اگر اسے سنڌي میں کر دیا جائے تو اس کا فائدہ عام ہو جائے گا۔]

اس ترغیب پر انہوں نے اس فارسی کتاب کا آسان سنڌي میں ترجمہ کیا۔

۷۔ ربح الفقراء (= درويشوں کا فائدہ) کے نام سے مخدوم احمد نے عربی کتاب ”مقصود

القاصدين“ کا سنڌي میں ترجمہ کیا، تاکہ سنڌي زبان میں ہونے کی وجہ سے اہل سندھ اس سے فائدہ اٹھا سکیں:

پئو هن عاصيٰ ڪي دل ۾ خيالا

ته ڪريان نسخو ڪو سنڌي ۾ ڪارڻ مومنا

مان پسن، پڙهن، ڪن عمل سي خالص لاءِ خدا.

[اس عاصی کے دل میں خیال آیا کہ مومنوں کے لیے کسی کتاب کو سنڌي میں منتقل (یعنی

اس کا ترجمہ) کرنا چاہیے تاکہ وہ اسے دیکھیں، پڑھیں اور خالص اللہ کے لئے عمل کریں۔]

یہ قلمی کتاب، ادارہ سندھیات کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

۸۔ محمد مقیم نے کسی فارسی کتاب کا ”تفسیر خواب“ کے نام سے سنڌي میں ترجمہ کیا تاکہ

سمجھنے میں آسانی ہو:

هِنِيڙِي ۾ محمد مقيم ۾ اچي اي پيئي

ته تعبير جو خواب جو سو آهي پارسي

سو سنڌي وائي لکجي ته سپن ٿئي سهڪائي.

[محمد مقیم کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا

کہ خوابوں کی تعبیر کی کتاب فارسی میں ہے،

اسے سنڌي زبان میں لکھنا چاہیے تاکہ سب کے لئے آسانی ہو۔]

سنڌي علماء اور فضلاء کے اس صحیح علمی جذبہ اور تعلیمی خدمت کی بدولت اس دور میں نہ

صرف سنڌي زبان اور علم وادب کی بنیادیں مستحکم ہوئیں بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی

مادری زبان میں لکھنے پڑھنے اور کتابیں تصنیف کرنے کی تحریک آگے بڑھی اور مزید کامیاب

ہوئی۔

## ۲۔ ”سندھی درسی نصاب“ کی بنیاد مضبوط ہونا:

سندھی زبان میں مکتبی تعلیم کا آغاز دسویں صدی ہجری (۱۶ ویں صدی عیسوی) کے آخر میں ہوا اور گیارہویں صدی میں اس میں بڑی ترقی ہوئی اور اس کے ساتھ ’سندھی تعلیمی نصاب‘ کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس ابتدائی مرحلہ پر ’نصابی نظام‘ کی کیا صورت تھی؛ چونکہ ’دینی تعلیم‘ و ’تربیت‘ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اس لئے اس سلسلہ کے مختلف موضوعات پر درسی کتابیں لکھی اور پڑھائی گئیں۔ باب ہفتم کے تحت بیان ہو چکا ہے کہ اس دور میں انتالیس مختلف موضوعات پر جو منظومات دستیاب ہوئی ہیں ان میں سے پینتیس خاص تعلیمی سلسلہ کی اور باقی عام مطالعے میں اضافہ کرنے والے موضوعات پر ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ مادری زبان سندھی کے ذریعے تعلیمی نصاب کے اہم مقاصد تین تھے:

۱۔ اسلامی شریعت سے متعلق دینی تعلیم فراہم کرنا۔

۲۔ اخلاقی تعلیم دینا، اور

۳۔ عام مطالعہ میں اضافہ کرنا۔

گیارہویں صدی میں اس نصاب کی بنیادیں مزید مستحکم ہوئیں۔

گیارہویں صدی میں پہلے نصابی مرحلہ پر، اسلامی شریعت اور دینی تعلیم کے بارے میں ”چار علم“، اور ”ساڈھیوں چھ وِہیون فرضن جُون“ (۱) کے زیر عنوان دو درسی منظومات مؤلف عثمان نے تصنیف کیں، مؤلف عثمان اس دور کے بڑے عالم و استاد اور غالباً سندھی کے ذریعے تعلیم دینے کی تحریک کے قائد بھی تھے۔ یہ دونوں کتابیں اس قدر مقبول ہوئیں کہ گیارہویں صدی کے آخر میں انہیں دوسرے نصابی دور میں شامل کر لیا گیا۔ اس دوسرے دور کے سندھی نصاب میں ”ابو الحسن جی سندھی“ (مقدمۃ الصلوٰۃ) کو مرکزی درسی کتاب کی حیثیت حاصل رہی، مگر اس کے ساتھ مؤلف عثمان کی کتابیں ”چار علم“ یا ”چہار علمی“ اور ”ساڈھیوں چھ وِہیون فرضن جُون“ کو بھی اسی دوسرے دور میں شامل کیا گیا۔ اس لئے آئندہ دور کے اکثر قلمی (خطی) خواہ مطبوعہ مجموعات میں ”ابو الحسن جی سندھی“ کتاب کے آخر میں ”چہار علمی“ اور ”ساڈھیوں چھ وِہیون فرضن

(۱) یعنی  $(6 \frac{1}{2} \times 20 = 130)$  ساڈھے چھ ضرب بیس برابر ایک سو تیس فرانس۔ (مترجم)

جُون“ کی منظومات بھی شامل ہیں (۱)۔ اپنی ان دونوں منظومات میں مصنف مُلا عثمان نے انتہائی اہم معلومات کو نہایت مختصر اور عام فہم سندھی میں آسان بنا کر پیش کیا ہے۔

سندھی میں بنیادی دینی تربیت کے لیے ”ابو الحسن جی سندھی“ (مقدمۃ الصلوٰۃ) اور مُلا عثمان کی ”چهار علمی“ دونوں معیاری کتابیں ہیں: ”ابو الحسن جی سندھی“ فقہی اعتبار سے تمام اہم موضوعات کے بارے میں ایک عالمانہ اور جامع درسی کتاب ہے۔ دوسری طرف سندھی زبان کے ذریعے مختصر الفاظ میں کتنا زیادہ سے زیادہ سمجھایا جاسکتا ہے؟ اس کی معجزانہ مثال مُلا عثمان کی یہ ”چهار علمی“ ہے (۲)۔

اسلامی ارکان اور شرعی احکامات کی تعلیم کے علاوہ علمی واقفیت بڑھانے، اخلاقی تربیت کرنے، اور معلومات میں اضافے کی خاطر سوانح، حکایات اور قصص وغیرہ موضوعات کی کتابیں نصاب میں شامل کی گئیں۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اس دور میں بہت ساری کتابیں اور رسائل لکھے گئے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سندھی زبان میں تعلیمی تحریک کے آغاز کے بعد ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں، بارہویں صدی ہجری (۱۸ ویں صدی عیسوی) کی ابتداء سے تعلیمی نظام میں ”سندھی تعلیمی نصاب“ کو خاص اہمیت حاصل ہوئی جس کی وجہ سے مادری زبان سندھی میں مطالعہ کا ذوق بڑھا۔

تالپور عہد کے تیسرے نصابی دور میں ”سندھی مکتب“ دینی اور دنیوی تعلیم کا مرکز قرار پایا اور مسلمان شاگردوں کے ساتھ ہندو شاگرد بھی مکتب میں داخل ہوتے اور ان کے لیے فارسی زبان اور خط و کتابت (انشاء) کے ساتھ ساتھ حکایات اور قصص کے ذریعے اخلاقی تعلیم ’سندھی نصاب‘ کا لازمی جز بنی۔ ۱۸۳۰ء کے لگ بھگ جس وقت رچرڈ برٹن انگریزوں کی طرف سے تالپور دربار میں سفیر تھے، اس وقت ابو الحسن کی سندھی کے علاوہ درج ذیل دوسری کتابیں بھی

(۱) سن ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۳ء) کے بعد سے یہ کتابیں ایک ہی جلد میں طبع کی جاتی رہیں تاکہ لازمی نصاب کے طور پر پڑھنے پڑھانے میں آسانی ہو۔

(۲) راقم کے کتب خانہ میں اس کا ایک قدیم مخطوطہ موجود ہے، جسے مُلا عثمان کے بیٹے ابو الحسن نے ۲۶ شعبان ۱۱۱۵ھ کو لکھ کر مکمل کیا۔ ایک نسخہ برٹش میوزیم میں No. OR 1238 موجود ہے جسے غلطی سے ”چهار علمی ابو الحسن“ کا عنوان دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ”چهار علمی“ کو درسی طور پر پڑھایا جاتا رہا اس لیے اسے بھی مقدمۃ الصلوٰۃ (ابو الحسن جی سندھی) کے آخر میں شامل کر کے لکھا گیا۔ بعد میں جب کتابیں طبع ہونے لگیں تو ۱۸۶۹ء میں بمبئی سے اور ۱۸۷۰ء میں کراچی سے، ابو الحسن جی سندھی کے آخر میں مُلا عثمان کی ”چهار علمی“ بھی ساتھ طبع ہوئی۔

سندھی نصاب میں شامل تھیں: مخدوم محمد ہاشم کی تفسیر ہاشمی عثم پسادہ، عبدالرحمن کا نور نامہ، (۱) معراج نامہ، مخدوم عبداللہ کا تحریر کردہ رحلت نامہ (لاڈانو)، اسماعیل کے تصنیف کردہ سو مسائل اور معلومات عامہ نیز ادبی ذوق بڑھانے کی خاطر حکایات الصالحین، سیفل (سیفل الملوک کا قصہ) اور لیلیٰ مجنوں پڑھائے جاتے، جن میں سے 'حکایات الصالحین' زیادہ مقبول تھی (۲)۔

یہ سندھی نصاب سندھ کے ایک حصہ (حیدر آباد اور لاڑ) کی درسگاہوں میں رائج تھا جس سے برٹن کو آگاہ کیا گیا، کیونکہ اس زمانے میں جدا جدا درسگاہوں میں نصاب بھی جدا جدا رائج تھا۔ برٹن نے ابوالحسن کی کتاب 'مقدمۃ الصلوة' (ابوالحسن جی سندھی) کا نام درج نہیں کیا جو کہ غالباً اس سے بھول ہو گئی ہے، کتاب 'رحلت نامہ' (حضور پاک کا سفر آخرت) کے بارے میں برٹن نے لکھا ہے کہ یہ مخدوم عبداللہ کی تصنیف ہے، اس کا اصل مواد کتاب 'حبيب السیر' سے ماخوذ ہے (۳)۔

### ۳۔ مختلف موضوعات پر کثیر تعداد میں سندھی کتب کا تالیف ہونا:

سندھ کے بیدار مغز علماء نے جب سندھی میں کتابیں لکھنے کا اصول قبول کیا تو اس پر انہوں نے پختہ طور پر عمل بھی کر دکھایا۔ ان کی اپنی تمام تعلیم کی تکمیل فارسی و عربی کے ذریعے ہوئی تھی، لیکن جب انہوں نے سندھی میں کتابیں لکھنا شروع کیں تو ایک تو انہوں نے خالص سندھی

(۱) مسٹر بھیرول لکھتے ہیں: 'نور نامہ' کا شعر دوہری ترتیب پر ہے تاہم اس میں بات (بیان) مسلسل چلتی ہوئی آتی ہے۔ اس قسم کے شعر کو عام طور پر 'بکت' (طویل قصہ، رام بکتا، کہانی) کہتے ہیں۔ اس نور نامہ کی ہر سطر کے آخر میں الف لگا کر قافیہ بنایا گیا ہے۔ مثلاً

”ساراهیان سچو ڈنہی، جو آکو علیما

جگہاء جہ (جنہن) صاحب کپی سپکا ساراھا

عالم علیم مون ڈنہی، مولو ملک خدا“

دیکھیے: 'سندھی بولی جی تاریخ' مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، طبع ششم ۲۰۰۲ء، ص: ۲۲۹-۲۳۰ (مترجم)

(۲) رچرڈ برٹن کی انگریزی کتاب 'سندھ میں آباد قومیں' اشاعت اول ص ۱۳۶-۱۳۵۔

(۳) اس کتاب کا پورا نام 'حبيب السیر فی اخبار افراد البشر' ہے، جو فارسی زبان میں تاریخ کی کتاب ہے۔ 'میزان الکتاب' کے مصنف نے آقا بزرگ شیعہ مصنف 'الذریعہ الی تصانیف الشیعہ' جلد ۶، ص: ۲۳۳-۲۳۴، مطبوعہ بیروت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کا مصنف غیاث الدین محمد ابن ہمام الدین پاک شیعہ مصنف ہے، جس نے اپنی دوسری تصنیف میں حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت خلافت کو امام برحق سے روگردانی اور لوگوں کی بے اعتنائی سے تعبیر کیا ہے، اس نے لکھا ہے کہ: "حضور پاک کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تھی، ان کے سوا کوئی دوسرا لائق امامت نہ تھا، لیکن لوگوں نے بے اعتنائی برتی، کیونکہ مشرکین کے ساتھ جہاد میں ان کے بہت سے رشتہ دار کام آگئے تھے۔ امام برحق سے منہ موڑ کر لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کر لی۔"

دیکھیے: 'میزان الکتاب'، ص: ۷۸-۸۳ (مترجم)

زبان استعمال کی؛ دوسرا یہ کہ ہر موضوع کو آسان سندھی میں بیان کیا تاکہ عام پڑھے لکھے بلکہ سادہ لوح عوام کو بھی ان کتابوں کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہ ان کی اعلیٰ علمی صلاحیت کا کارنامہ تھا کہ انہوں نے الہیات و عقائد کے باریک مفہیم، فقہ و تفسیر کے دشوار موضوعات اور تصوف و سلوک کے مشکل مضامین کو سلیس اور عام فہم سندھی میں کامیابی سے سمجھایا۔

سندھی علماء کی اس کامیابی کا دار و مدار ان کے اختیار کردہ تین اہم طریقوں پر تھا: اول یہ کہ انہیں ہر موضوع اور مضمون کی ماہیت مکمل طور پر معلوم تھی اور ہر موضوع اور مضمون کے مختلف مسائل کی انہیں اچھی طرح پہچان تھی۔ دوم یہ کہ انہیں عربی و فارسی زبانوں کے ساتھ سندھی زبان پر بھی پوری طرح مہارت حاصل تھی۔ سوم یہ کہ انہوں نے ہر موضوع کو درست طور پر اور آسان عبارت میں سمجھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے جب بھی کسی موضوع یا مسئلہ پر لکھا تو پہلے سے کی گئی تحقیق کی روشنی میں اُسے جامع انداز سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ نیز انہوں نے معاشرے کے کچھ خاص مسائل کو سندھ کے طبعی اور سماجی ماحول کی مناسبت سے سمجھایا اور سندھی میں ایسے مسائل و موضوعات کو صحیح طرح سے بیان کرنے کی خاطر انہوں نے عربی و فارسی اور سندھی الفاظ اور اصطلاحات کی چھان بین بھی کی۔

سندھی میں درسی کتابوں کے آغاز سے علمی ذوق میں بڑا اضافہ ہوا، اور اس دور میں مختلف علمی موضوعات پر کئی کتابیں تصنیف اور ترجمہ ہوئیں۔ کُل کتنی کتابیں لکھی گئیں؟ اس کا اب تک صحیح شمار نہیں ہو سکا ہے۔ البتہ یہ کہنا درست نہیں کہ: ”تقریباً پچاس کتابیں“ لکھی گئیں (۱)۔ اس کے بجائے یہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ کئی موضوعات پر سندھی منظومات اور رسائل، خواہ چھوٹی بڑی سندھی کتابیں کئی سو کی تعداد میں لکھی گئیں، جن میں سے انگریزوں کے دور میں سرکاری طور پر بے قدری اور انہوں کی بے رخی کی وجہ سے اکثر کتابیں ضائع ہو گئیں۔ اس کے باوجود بھی ہم نے خود جو کتابیں دیکھی ہیں، یا جن کے نام ہمیں معلوم ہو سکے ہیں، وہ بھی پچاس کے بجائے ایک سو سے بھی زیادہ ہیں، جیسا کہ درج ذیل موضوعات پر لکھی گئی چھوٹی بڑی تصنیفات سے ظاہر ہے (۲)۔

(۱) یہ تعداد سب سے پہلے بھیرول نے لکھی، بعد میں اسے محمد صدیق یمن نے بھی نقل کیا۔ بھیرول کے بقول

”کُل تقریباً پچاس کتابیں ابوالحسن کی سندھی کے نمونہ پر پڑنے رسم الخط میں لکھی ہوئی موجود ہیں“

(سندھی بولہ، نئی تاریخ، طبع کراچی ۱۹۴۱ء ص ۲۳۸)۔ (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، طبع ششم ۲۰۰۴ء، ص ۳۲۹ مترجم)

اس کے بعد محمد صدیق یمن نے بھی بغیر کسی مزید تفتیش و تحقیق کے وہی بھیرول کی ذکر کردہ تعداد درج کردی اور

لکھا کہ ”اس قسم کی کتابیں اندازاً پچاس ہوگی“ (ص ۵۷)

(۲) ”سندھی“ کے عنوان سے اوپر بیان ہونے والی کتابیں ان کے علاوہ ہیں۔ اس باب کے تحت کُل تقریباً ۱۳۸ نام آئے

## تفسیر:

۱- تفسیر ہاشمی (۱): قرآن پاک کے تیسویں پارہ (عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ) کی ۱۱۶۲ھ (۱۷۴۹ء) میں تصنیف کردہ مخدوم محمد ہاشم کی، سندھی تفسیر، جو سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں یا اس سے بھی پہلے بمبئی میں طبع ہوئی (۱)۔

۲- تفسیر ہاشمی: یہ ایک بڑی کتاب ہے، جس کے مطبوعہ صفحات ۵۰۳ ہیں۔ انیسویں پارہ کی تفسیر ہے اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ میں قلمی صورت میں محفوظ ہے۔

۳- تفسیر تبارک سندھی: یعنی سورۃ 'تبارک' (سورۃ الملک) کی تفسیر، مخدوم محمد ہاشم کی تصنیف کردہ، سن ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء یا اس سے قبل بمبئی سے طبع ہوئی۔

۴- منظوم ترجمہ سورۃ الملک: مخدوم محمد ہاشم کے شاگرد، عالم خلیفہ مخدوم عبدالخالق کے فرزند خلیفہ مخدوم محمد نے ماہ محرم سنہ ۱۱۹۳ھ میں مکمل کیا، برٹش میوزیم لائبریری میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے، جس کا آغاز یوں ہے:

ساراھجی تہ صاحب کبی جنھن قادر مکو قرآن

مشی میر محمد کارٹی جو شافع سپ جھان.

[اس صاحب قدرت کی تعریف کرنی چاہیے جس نے قرآن شریف کو تمام جہاں کے شافع محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔]

۵- تفسیر سورۃ یوسف: تصنیف مخدوم عبداللہ نرنے والا (۲)، ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ء) سے قبل

(۱) بعض قلمی نسخوں میں اس کا عنوان "تفسیر ہاشمی عم جو" یا "تفسیر ہاشمی سندھی جو عم" بھی لکھا ہوا ہے۔ اس تفسیر کے خود مصنف کے دور کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ ایک نسخہ تاریخ ۲۱/ ذی القعدہ ۱۱۶۵ھ کا لکھا ہوا سندھ صوبائی میوزیم میں محفوظ ہے۔ دوسرا ایک نہایت خوشخط نسخہ جو تاریخ ۱۳/ جمادی الثانی بروز منگل سنہ ۱۱۶۹ھ کو حافظ محمد حسن نیروں کوئی کے ہاتھوں مکمل ہوا، راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۲) یہ کتاب اور ذیل میں درج وہ کتابیں جن کا سال طباعت ۱۲۹۰ھ یا اس سے بھی پہلے کا بتایا گیا ہے، ان کے نام کتابوں کی اس فہرست میں درج ہیں، جو بمبئی سے مطبوعہ کتاب "قرن الحیر" کے آخر میں ہے۔ قرن الحیر کی کتابت طباعت کی تاریخ "۱۳/ ربیع الاول ۱۲۹۰ھ او ۳۱/ مئی ۱۸۵۳ء" تحریر ہے۔ ان دونوں تاریخوں میں مطابقت نہیں ہے، تاریخ کے لکھنے میں یقیناً کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اگر سنہ ۱۲۹۰ھ تسلیم کیا جائے تو پھر عیسوی سنہ ۱۸۷۳ء بنے گا۔ (مترجم)

(۲) محمد مرتضیٰ عین نے اسے مخدوم عبداللہ عرف میاں مورے خواہر زادہ مخدوم ابوالحسن کی تصنیف ذکر کیا ہے، جو دراصل عین صاحب کا مغالطہ ہے۔ کیونکہ عین صاحب نے اپنی کتاب 'سندھ جی ادبی تاریخ' ص: ۸۳ پر مخدوم میاں مورے کی تعنیفات میں 'کنز الہمیر' کتاب ۱۷۷۵ھ کی تعنیف بتایا ہے اور اس کے بعد دیگر کتابوں میں 'تفسیر یوسف' کا تذکرہ کیا ہے۔ حالانکہ مخدوم مورے کا وصال ۱۱۶۷ھ ہے، جیسا کہ مولانا وفائی صاحب نے تذکرہ مشہیر سندھ، جلد ۲، ص: ۲۲۷ پر لکھا ہے۔ نیز ڈاکٹر عبدالحجاز جو بیجو صاحب لکھتے ہیں: کلہوڑہ دور کا یہ لائٹانی عالم کی علمی و دینی کتابوں کا مصنف ہے۔ سندھ کے تذکرہ نگاروں نے غلطی سے ان کی تعنیفات کو ان کے ہم نام میاں عبداللہ واعظ عرف میاں مورے کے نام سے منسوب کر دیا۔ جس کی وجہ سے اصل مصنف گوشتہ گمانی میں رہا۔ موجودہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ جو بھی کتابیں عبداللہ واعظ عرف میاں مورے کے نام منسوب تھیں وہ مخدوم عبداللہ مندرہ برے والا کی تصنیف ہیں۔

دیکھیے: "سندھی ادب جی مختصر تاریخ"، ص: ۹۵-۹۶ (مترجم)



کی لکھی ہوئی ہے (۱)۔ یہ فلمی کتاب برٹش میوزیم لائبریری میں موجود ہے (۲)۔

۶۔ تفسیر سورۃ یوسف: تصنیف مخدوم محمد مقیم نورنگ پوتہ (۳)۔

۷۔ تفسیر سورۃ الفاتحہ: تصنیف مخدوم عبدالرحیم گرہوڑی۔

۸۔ تفسیر سورۃ الاخلاص: تصنیف مخدوم عبدالرحیم گرہوڑی۔

۹۔ تفسیر سورۃ الکوثر: تصنیف مخدوم عبدالرحیم گرہوڑی۔

۱۰۔ تفسیر پارہ عم: مولوی مہر و ولد مرہیو ولد موٹیو، ساکن پُران نے سنہ ۱۲۰۶ھ

(۱۷۹۱ء) میں لکھی اس کے

۱۱۔ تفسیر سورۃ یٰسین: مخدوم عبدالکریم سندھی نقشبندی نے ۱۲ ربیع الآخر سنہ ۱۱۰۹ھ کو

مکمل کی۔ اس کتاب کی ایک نقل کاتب محمد حسین سومرہ، ساکن چیمو پڑعیدن نے ۱۲۴۰ھ-۱۲۴۲ھ کے عرصے میں لکھی جو سندھ یونیورسٹی کے ادارہ سندھیات میں نمبر ۲۲۷۰۲ پر محفوظ ہے۔

۱۲۔ سورۃ کوثر کی تفسیر: گرہوڑی صاحب کی متذکرہ بالا کتاب کے علاوہ ایک اور کتاب

ہے، جس کا قلمی نسخہ راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۱۳۔ قواعد القرآن سندھی: تالیف و تصنیف حافظ عبدالرحمن قاری سندھی۔ اس کی اختتامی

سطریں اس طرح ہیں۔

خاتمو مون خسیس جو تون خاوند خیر کریج

کلمون منهنجي قلب ۾ تون ڏٺي ڌرائيج

[اے مولا! مجھ خیس کا خاتمہ بالخیر کرنا اور میرے قلب میں کلمہ پختہ فرمانا۔]

اس کتاب کی مصنف نے دوسری مرتبہ اصلاح و درستی کی (۴) ہے۔

(۱) مخدوم عبداللہ قوم کے ’مندھرہ‘ تھے، تحصیل بدین کے ’ماندر‘ خطہ میں سنہ ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ اکتساب علم مخدوم محمد ہاشم سے کیا۔ بعض ناگزیر حالات کے سبب سے ’ماندر‘ سے ترک وطن کر کے ریاست گجھ (ہندوستان) میں پڑے نامی گاؤں میں سکونت پذیر ہو گئے، کچھ عرصہ بعد وہاں سے بھی گجھ کی تحصیل ’ایڑاسو‘ کے ’سری نامی گاؤں‘ میں جا کر رہے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ رچڈ برٹن نے آپ کو مخدوم محمد ہاشم کے بعد ’مشہور سندھی نثر نگار‘ لکھا ہے۔ تقریباً ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۱ء میں وصال فرمایا۔

دیکھئے: ”مخدوم محمد ہاشم نقوی: سوانح حیات و علمی خدمات“ ص ۸۴-۸۵ (مترجم)

(۲) اس کا قلمی نسخہ ترجمہ حافظ سلام اللہ بتاریخ ۱۱ ربیع الثانی بروز ہفتہ سنہ ۱۱۹۷ھ، راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۳) یہ سندھی منظوم کتاب قلم صورت میں راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

مطبوعہ صفحات ۵۷۴ ہیں۔

(۴) راقم نے یہ اصلاح کردہ قلمی نسخہ محمد سوار مرحوم کے پاس بدین میں دیکھا۔

### حدیث:

۱- کتاب چہل حدیث مترجم سندھی: (چالیس احادیث کا منظوم سندھی ترجمہ) یہ کتابچہ مولوی محمد صدیق

مالک مطبع حسنی نے ۱۰ ارشوال ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۸ء) کو بمبئی سے شائع کیا۔

۲- شرح چہل احادیث: مخدوم فضل اللہ پانانی (وفات سنہ ۱۲۹۰ھ) نے یہ شرح منظوم سندھی میں لکھی۔

۳- احادیث کا ترجمہ: عبدالکریم نامی عالم نے ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں لکھا:

نسخو هن ناقص جو جڈهن ٿئو ختما

تڏهن جان نهارئا ورهين ۾، ته ڪيترا هوا

تان ٻارهن سو انونجاهه ورهيه هوا گذرئا

[اس ناکارہ کا تحریر کردہ نسخہ جب مکمل ہوا تب میں نے جیسے ہی غور کیا کہ کتنے برس (سن) گذر چکے ہیں، تو (ہجرت کے) بارہ سو اٹھاون برس گزر چکے تھے۔

۴- احادیث کے حوالہ سے نظموں کا قلمی مجموعہ، برٹش میوزیم لائبریری میں موجود ہے۔ جس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

ساراهيان سبحان ڪي جنهن ڪامل قدرتا

بخشي ڏوهه بندن جا ڪري غفو خطا

[سبحان کی تعریف کروں جس کی قدرت کامل ہے، جو بندوں کے گناہ معاف فرماتا

ہے۔]

### فقہ:

اس دور میں لکھی گئی اکثر کتابوں میں اسلامی تعلیمات کی خاطر فقہی مسائل سمجھائے گئے۔ ”مخدوم ابوالحسن جی سندھی“ بھی مسائل نماز کے متعلق ایک فقہی کتاب تھی جو سنہ ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء سے پہلے مطبع محمدی بمبئی سے پہلی مرتبہ طبع ہوئی۔ اس طرح کچھ اور فقہی کتابیں بھی ”سندھی“ کے نام سے موجود ہیں۔ دیگر عنوانات کی سندھی کتابوں میں سے بھی تقریباً پچاس ساٹھ کتابیں فقہ ہی کی قسم میں شمار کی جاسکتی ہیں۔

۱- زاد الفقیر: مسائل روزہ سمجھانے کے لئے مخدوم محمد ہاشم نے رمضان سنہ ۱۱۲۵ھ

(۱۷۱۳ء) میں تصنیف کی

- یہ کتاب سنہ ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) میں مطبع محمدی بمبئی سے دوسری مرتبہ طبع ہوئی۔
- ۲- راحت المؤمنین یعنی ذبح شکار سندھی: شکار کرنے اور شکار کردہ جانور کو ذبح کرنے کے مسائل کے بارے میں مخدوم محمد ہاشم نے ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء میں تصنیف کی اور سنہ ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء میں مطبع محمدی بمبئی سے دوسری مرتبہ طبع ہوئی۔
- ۳- حصص الاموال: علی اکبر نامی عالم نے حصص زکوٰۃ، فطرہ، خراج اور عشر کے فقہی مسائل کے بارے میں ۹ ربیع الثانی ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء کو لکھ کر مکمل کی۔ یہ کتاب صفدری پریس بمبئی سے مخدوم عبدالصمد نورنگ پوتہ اور شیخ جیوا خان نے سنہ ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء میں طبع کروا کر شائع کی۔ (۱)
- ۴- وجہ الفقہ سندھی: یعنی سندھی میں مختصر فقہ سنہ ۱۳۰۲ھ سے قبل بمبئی سے طبع ہوئی۔
- ۵- مجموعہ خلاصۃ الفقہ: یعنی فقہ کا خلاصہ، سنہ ۱۳۰۲ھ سے قبل بمبئی سے طبع ہوا۔
- ۶- سندھی عبدالرحیم کی: ٹھٹھہ کے عالم عبدالرحیم کی 'کچھ خاص قلیل مسائل' (ما ینبغی للحامائل من معدود المسائل) کے بارے میں سنہ ۱۱۷۳ھ/۱۷۶۳ء میں سندھی نظم میں تحریر کردہ کتاب ہے (۲)۔
- ۷- ایک سو مسائل (فقہ کے): اسماعیل کی تصنیف کردہ یہ کتاب تیرہویں صدی ہجری کے نصف اول میں نصاب میں داخل تھی۔ ۱۱/ربیع الثانی بروز ہفتہ سنہ ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۳ء میں حافظ سلام اللہ کا تحریر کردہ اس کتاب کا قلمی نسخہ راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے (۳)۔
- ۸- کھڑے ہوئے پانی کی پلیدی و پاکی کے متعلق، مثلاً مھوڑے کا الف اشباع قافیہ پر تیار کردہ سندھی منظومہ، ادارہ سندھیات میں ۲۲۷۰۲ نمبر پر اس کا قلمی نسخہ محفوظ ہے۔
- ۹- مخدوم محمد جعفر بوبکائی کی فقہی کتب سے انتخاب۔ مخدوم موصوف کی کتاب 'فتح الدارین' اور دیگر کتابوں سے ابراہیم ساکن شہر مرزا چٹہ کا (۴) سندھی میں تیار کردہ انتخاب۔

(۱) ڈاکٹر عبدالرسول قادری نے اپنے تحقیقی مقالہ "مخدوم محمد ہاشم ثنوی: سوانح حیات و علمی خدمتوں" (سندھی) مطبوعہ مفتی اعظم سندھ اکیڈمی، طبع اول ۲۰۰۲ء، ص: ۲۱۰ پر اس کتاب کا نام "حصص الاموال" لکھا ہے اور بتایا ہے کہ اس رسالہ میں زکوٰۃ، خراج، عشر اور صدقۃ الفطر وغیرہ کے مسائل بیان شدہ ہیں۔ کتاب کے موضوع اور اس کے مضامین کی مناسبت سے قادری صاحب کا ذکر کردہ کتاب کا نام کچھ نامناسب سا لگ رہا ہے۔ درست نام ڈاکٹر بلوچ صاحب کے بقول "حصص الاموال" ہی ہے۔ (مترجم)

- (۲) راقم نے مرحوم حکیم معین الدین کھنیاودی کے کتب خانہ (نواب شاہ) میں دیکھی۔
- (۳) رچرڈ برٹن نے اپنی انگریزی کتاب "سندھ میں آباد قومیں" میں اس کا ذکر کیا ہے۔
- (۴) مرحوم حکیم معین الدین کھنیاودی کے کتب خانہ (نواب شاہ) میں راقم نے دیکھا، انہوں نے اس کتب خانہ کی قیمتی کتب کی نقلیں حاصل کرنے کا وقت میسر نہیں آیا۔ بعد میں حکیم مرحوم کا کتب خانہ منتشر ہو گیا، اور کچھ کتابیں راقم کی بحیثیت وائس چانسلر کوشش سے سندھ یونیورسٹی کی لائبریری کے لیے خرید کر محفوظ کی گئیں۔

## دین اسلام:

۱- کتاب ساڈھیوں چھ وِہیون فرض بوجس: یہ کتاب حاجی محمود علیہ نے منظوم کی اس نے یہ منظومہ ملا عثمان کی کتاب 'ساڈھیوں چھ وِہیون فرض' سے متاثر ہو کر تیار کیا۔ حاجی محمود علیہ کا یہ منظومہ سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء یا اس سے قبل پہلی مرتبہ بمبئی سے شائع ہوا۔

۲- 'عقائد' سندھی: مصنف محمد ہاشم کے نام کی نسبت سے اسے 'کتاب عقائد ہاشمی' بھی کہا گیا۔ توحید وغیرہ عقائد کی تشریح سے متعلق ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۰ء میں مخدوم محمد ہاشم نے تصنیف کی۔

۳- فرائض الایمان: ("فرائض الاسلام خورد یعنی فرائض الایمان") سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء یا اس سے بھی قبل بمبئی سے طبع ہوئی۔

۴- فرائض الاسلام سندھی: مخدوم محمد ہاشم نے 'فرائض الاسلام' عربی میں دو جلدوں میں تصنیف کی، ان میں سے پہلی جلد کا ترجمہ مخدوم عبداللہ نے کیا (جو ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں بمبئی سے طبع ہوا)؛ بعد میں مخدوم عبداللطیف بن مخدوم محمد ہاشم نے سن ۱۱۸۱ھ (۱۷۶۷ء) میں پہلی جلد کو ترتیب دیا اور دوسری جلد کا سندھی میں ترجمہ کیا جو ۱۲۹۱ء میں بمبئی سے پہلی مرتبہ طبع ہوا۔

۵- بناء الاسلام، سندھی: دین اسلام کے بنیادی عقائد سے متعلق اس کتاب کو مخدوم محمد ہاشم نے ۵/۱۲۵ھ/۱۱۴۳ھ (۳۱-۳۰/۱۷۷۰ء) کو مکمل کیا۔ یہ کتاب ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) سے قبل مطبع محمدی بمبئی سے طبع ہوئی۔

۶- تشریح کلمہ طیبہ: اس کتاب کو احمد نامی ایک عالم نے منظوم کیا (۱)۔

۷- فرائض جہد او معجزات: یہ کتاب ۱۱۸۸ھ سے قبل تصنیف ہوئی۔ محمد ہاشم اور عبدالرحمن نامی کاتبوں کا سنہ ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۳ء) میں لکھا ہوا قلمی نسخہ انڈیا آفس لندن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۸- سراج المؤمنین: (تصنیف مولوی حامد کچھی؟) ۲۴ شعبان سن ۱۲۴۰ھ میں تصنیف ہوئی۔ اس کا قلمی نسخہ سندھ یونیورسٹی کے "ادارہ سندھیات" میں محفوظ ہے، جس کا درج ذیل

سراج المؤمنین سے تقابل کر کے مصنف کے نام کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

۹- سراج المؤمنین سندھی: مخدوم نورنگ زادہ کی اولاد میں سے مخدوم میاں عبدالرسول بن یار محمد نے ضخیم چار جلدوں میں اسے منظوم کیا۔ کسی زمانے میں اس کا مکمل قلمی نسخہ پیر جھنڈا کے کتب خانہ میں موجود تھا۔

(۱) مختصر (خواہ ناقص) اس کا قلمی نسخہ محترم محمد سومار شیخ مرحوم کے پاس بدین میں دیکھا گیا۔

۱۰۔ مفتاح الصلوة سندھی: سنہ ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۶ء) سے قبل مطبع فتح الکریم بمبئی سے طبع ہوئی۔

۱۱۔ کتاب ترتیب الصلوة: مخدوم فضل اللہ پانانی المتوفی ۱۲۹۰ھ کی تصنیف ہے۔

۱۲۔ ترتیب الصلوة سندھی: (تصنیف میاں عثمان نورنگ پوتہ؟) پانچ خطبات کے ساتھ

۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) سے قبل مطبع محمدی بمبئی سے طبع ہوئی۔

۱۳۔ ترغیب الصلوة: یعنی رسالہ آخر الظہر، سن ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۷ء) سے قبل مطبع فتح

الکریم بمبئی سے طبع ہوا۔

۱۴۔ صلوة سندھی: سید ہارون کی مختصر منظوم ہے۔

۱۵۔ کنز العبرت: مخدوم عبداللہ نے سن ۱۱۷۵ھ بتاریخ ۳۰ رمضان بروز پیر تصنیف کی۔

یہ کتاب حدیث کی روشنی میں فقہ اور اسلامی تعلیمات، مثلاً ایمان، عبادات، معاملات، ممنوعات، سیرت اور اخلاق وغیرہ مسائل سے متعلق دو جلدوں میں لکھی گئی اور ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) سے قبل مطبع محمدی بمبئی سے طبع ہوئی۔ محمد بن محمد اشرف کاتب کا تحریر کردہ اس کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم لائبریری میں موجود ہے۔ (۱)

۱۶۔ نور الابصار سندھی: اسے مخدوم عبداللہ نے اپنی کتاب ”خزانۃ الابرار“ (۲) کی

شرح کے طور پر ۳ جمادی الثانی سنہ ۱۱۹۳ھ (۱۷۷۹ء) کو لکھا اور ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) سے قبل

(۱) محمد صدیق مین صاحب نے اپنی کتاب ”سندھ جی اولی تاریخ“ ص ۸۳ پر ”کنز العبرت“ کتاب کو مخدوم عبداللہ عرف میاں مور یہ کی تصنیف قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ: ”مخدوم عبداللہ نے سنہ ۱۱۷۵ھ کے رمضان شریف میں کنز العبرت کتاب لکھ کر مکمل کی تھی“۔ اس کے علاوہ مین صاحب نے ان کی فہرست کتب میں ”بدر المنیر“، ”غزوات“، ”نور الابصار“، ”مفت بہشت“، ”قمر المنیر“، ”سک نامو“، ”تفسیر یوسف“، ”شجاعت سید الانام“، ”سیدنا امیر عمر کے اسلام لانے کا قصہ“، ”خلفائے راشدین“ اور ”شہادت امام حسین“ کتابوں کے نام گنوائے ہیں۔ اسی طرح پیر حسام الدین راشدی نے بھی ”کنز العبرت“، ”نور الابصار“، ”خزانۃ الابرار“، ”خزانۃ الاعظم“، ”خزانۃ الروایات“ اور ”جنیۃ الغالین“ کو مخدوم عبداللہ نعوی کی تصنیفات قرار دیا ہے۔ دیکھیے: سندھی ادب، ص ۵۳۔

جبکہ یہ تمام کتابیں مخدوم عبداللہ مندر و بر نے والا کی تصنیف ہیں اور خاص طور پر ”کنز العبرت“ کتاب مولانا قاسمی صاحب نے ترتیب دی اور اسے مولانا محمد مدنی، کلاں کوٹ کراچی سندھ نے ۱۳۸۰ھ میں شائع کروایا ہے۔ دیکھیے اس کا مقدمہ، ص: ”ج“، ”کنز العبرت“ میں شرعی مسائل جمع کیے گئے ہیں، اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ ایک جامع کتاب ہے جس میں ایک طرف معنوں کا مجموعہ ہے تو دوسری طرف مسائل کا اظہار اور ان کی علمی چھان بین اور تحقیق ہے، ہر مسئلے کو دلیل سے بیان کیا گیا ہے۔ فرائض واجبات اور سنن کے ساتھ ممنوعہ اعمال کا بھی اس میں ذکر کیا گیا ہے۔ کسی بھی مسئلہ کی تشریح کو موثر اور مزید واضح بنانے کے لیے کچھ قصے اور رسول اللہ کی حیات طیبہ سے مثالیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔ اوسروں کی تعلق ایک مکمل کتاب ہے جس میں زیارت قبور، مجازی عشق، شراب نوشی، نذر و نیاز، سرود و سماع اور دیگر کئی مسائل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ مخدوم عبداللہ مندر و بر نے والا کی تصنیف کے متعلق دیکھیے مولانا غلام مصطفی قاسمی کا وضاحتی معنوں، رسالہ مہرمان (سندھی) ۱۹۸۸/۳ (مترجم)

(۲) ڈاکٹر عبدالرسول قادری نے ”کنز العبرت“ مرتبہ علامہ غلام مصطفی قاسمی کے حوالہ سے اسے ”خزانۃ الابرار“ لکھا ہے۔ دیکھیے: مخدوم محمد ہاشم ننوی: سوانح حیات و علمی خدمتوں، ص ۸۲ (مترجم)

مطبع محمدی بمبئی سے طبع ہوئی۔ بعد ازاں سنہ ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ء) میں مخدوم عبدالصمد نورنگ پوتہ، قاضی فتح محمد اور نورالدین نے اسے حیدری پریس بمبئی سے چھپوا کر شائع کیا۔

۱۷- خزانۃ الاعظم: مخدوم عبداللہ نے اسے اپنی کتاب کنز العبرۃ کی شرح کے طور پر سات بڑی جلدوں میں منظوم کیا (۱)، نیز اس کا ایک چھوٹی جلد میں اختصار بھی لکھا گیا۔

۱۸- نماز کی تاکید کے بارے میں سندھی منظومہ: تالیف کردہ تاجل فقیر کا۔

۱۹- مجموعۂ نعت کتابی: بمبئی سے طبع ہوا۔

۲۰- تھیل الفرائض: ورثہ اور ترکہ کے حصص اور ان کی تقسیم سے متعلق علی نامی عالم

نے یکم شعبان ۱۱۶۲ھ (۱۷۴۹ء) کو سندھی میں منظوم کیا۔

۲۱- حیات العاشقین یعنی مناسک حج (احکامات حج کے بارے میں): مخدوم محمد ہاشم کے فرزند مخدوم عبدالرحمن نے سن ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۵ء) میں اپنے والد (مخدوم محمد ہاشم) کی تحریر کردہ فارسی کتاب (۲) کو سندھی میں منتقل کیا اور ۲۰ ربیع الاول ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) کو مطبع محمدی بمبئی میں طبع ہوئی۔ اس کے بعد ۱۳۰۷ھ (۱۸۹۰ء) کو مطبع فتح اکرم بمبئی سے بھی شائع ہوئی۔

۲۲- بدر المنیر فی احوال قیامت کبیر: (بڑی قیامت کے بارے میں) اسے مخدوم عبداللہ نے ۱۱۸۳ھ میں سندھی میں منظوم کیا اور سنہ ۱۲۹۰ھ میں یا اس سے قبل بمبئی سے طبع ہوئی۔

۲۳- مخدوم عبدالخالق ٹھٹھوی کا روز محشر کے متعلق منظومہ، جس کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم لائبریری لندن میں محفوظ ہے:

ۛ ذایو ذینہ قیام جو کر سھکو جن شفاعت شفیع جی، چٹو تاء تنی کا

سباجھا

جن چپو کلمو کریم اتی سھجا سچ منجھا

ترجمہ: اے مہربان مولا! قیامت کا کٹھن دن سہل کر، جنہیں شفیع (الہدین) کی شفاعت حاصل ہوگی وہ تپش سے جھوٹ جائیں گے، جنہوں نے نبی کریمؐ کا کلمہ پڑھا وہ اس سچے کلمہ کی بدولت وہاں سکھی ہونگے

(۱) کسی زمانے میں یہ مکمل کتاب سیرجند اللہ بریری میں موجود تھی، بعد میں بھی اس کی پہلی اور تیسری جلد راقم نے وہاں دیکھی تھی۔  
(۲) جس کا نام 'حیات القلوب فی زیارۃ الخواب' ہے۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے صفحہ نمبر ۳۰ پر اسی کتاب کو مخدوم محمد ہاشم کی تصنیف شمار فرمایا ہے جو یقیناً پروف ریڈنگ کی سہو ہے ورنہ ایک ہی کتاب کو دو مختلف شخصیات کی طرف منسوب کرنا کم از کم ڈاکٹر صاحب سے بہت بعید ہے۔ (مترجم)

- ۲۴- دعاؤں کے بارے میں مخدوم محمد ہاشم کا رسالہ  
 ۲۵- درود شریف کے بارے میں مخدوم محمد ہاشم کا رسالہ (۱)

ایمان، اعتقاد، ریت اور رسم کے بارے میں وضاحت:

- ۱- رسالہ ایمان مجمل اور ایمان مفصل (غالباً مخدوم عبداللہ کا عربی سے سندھی منظوم ترجمہ)،  
 درج ذیل تصنیف ”سختی نامو“ (قربت نامہ) کے ساتھ مجموعہ کی صورت میں طبع ہوا۔  
 ۲- ”سختی نامو“ (قربت نامہ) اسے مخدوم عبداللہ نے قریبی رشتہ داری (محرمات)،

(۱) ڈاکٹر صاحب نے دونوں رسالوں کا نام نہیں لکھا۔ دعاؤں کے بارے میں مخدوم صاحب کی فارسی کتاب ’فضائل نماز و دعاء عاشورہ‘ کا سنہ ۱۳۰۱ھ کا کتابت کردہ مخطوطہ محد کے قریب ’سوئڈہ شہر میں قاضی محمد موسیٰ کے پاس موجود ہے۔ جس میں خاص طور پر دسویں محرم کی رات اور دن میں نفل نمازیں اور دعائیں احادیث کی روشنی میں تحریر کی گئی ہیں۔ عبدالرسول قادری کے بقول اس رسالہ میں مختلف نمازیں پڑھنے کا طریقہ اور دعاؤں کے نمونے بیان کیے گئے ہیں۔

ممکن ہے کہ ڈاکٹر بلوچ صاحب کا بتایا ہوا یہ رسالہ اسی فارسی کتاب کا سندھی ترجمہ یا خلاصہ ہو، جیسا کہ مخدوم صاحب اکثر اپنی کتب و رسائل کا دوسری زبان میں ترجمہ یا خلاصہ لکھ لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سندھی زبان میں دعاؤں سے متعلق ایک اور رسالہ کا بھی نام ملتا ہے، جناب عبدالرسول قادری صاحب نے اس کا نام ”رسالہ سندھیہ فی توجہ الدعائین اللہم انی - اللہم ربی“ لکھا ہے۔ یعنی دو دعاؤں: ’اللہم انی‘ اور ’اللہم ربی‘ کے متعلق رسالہ۔  
 مخدوم امیر احمد عباسی مرحوم نے ”بذل القویۃ فی حوائث سننی البوۃ“ کے مقدمہ ص ۲۹ پر لکھا ہے کہ وہ دو دعائیں یہ ہیں:

اللہم انی اعوذ بک من ان اشرك بک شیئا و انا اعلم بہ و استغفرک لما لا اعلم بہ و تبت و رجعت و تبرات عن الشرک و الکفر و الکذب و الغیبة و البہتان و المعاصی کلہا و اسلمت بقول الشہد ان لا الہ الا اللہ و الشہد ان محمدا عبده و رسولہ.

اور دوسری دعا ہے:

اللہ ربی جل جلالہ و محمد رسولی و القرآن امامی و کعبۃ اللہ قبلتی و المؤمنون اخوانی الشہد ان لا الہ الا اللہ و الشہد ان محمدا رسول اللہ.

اسی طرح درود شریف کے متعلق بھی مخدوم صاحب کے رسالہ کا نام ڈاکٹر صاحب نے تحریر نہیں فرمایا۔ دیے تو اس موضوع پر، دلائل الخیرات کی طرز پر عبدالسلام بن بشیش کے ”درود حاضری“ کا، مخدوم صاحب کا عربی و فارسی میں حاشیہ موجود ہے، اس کے علاوہ درود شریف ہی پر ایک اور عربی کتاب ”وسیلۃ القبول الی حضرۃ الرسول“ کا نام آپ کی فہرست کتب میں ملتا ہے، یہ کتاب دراصل فارسی میں اسی موضوع پر مخدوم صاحب کی تحریر کردہ کتاب ”ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول“ کا اختصار ہے۔ ان میں احادیث نبوی اور صحابہ و تابعین کے آثار میں وارد درود کے الفاظ، نیز درود کے فضائل وغیرہ ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر سندھی میں ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام ”رسالہ فی ذکر الفضل کیفیات الصلوۃ علی النبی“ ہے۔ ممکن ہے کہ بلوچ صاحب کا ذکر کردہ یہی رسالہ ہو یا اس سے قبل مذکور دو رسالوں ”وسیلۃ القبول الی حضرۃ الرسول“ اور ”ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول“ میں سے کسی رسالہ کا سندھی ترجمہ یا خلاصہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب.

دیکھیے: ’مخدوم محمد ہاشم ٹٹوی: سوانح حیات و علمی خدمتوں‘ ص ۳۶۹، ۳۸۷، ۳۴۲،

(۲۸۳-۲۸۵) (مترجم)

ایک ہی عورت کے دودھ پینے (حرمت رضاعت) اور طلاق وغیرہ کے مسائل کے بارے میں لکھا، پہلی مرتبہ یہ کتاب سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں یا اس سے قبل، اور اس کے بعد سنہ ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء میں دیگر پانچ کتابوں کے مجموعے میں شائع ہوئی۔

۳- تربیت نکاح کے بارے میں رسالہ، جو ”قربت نامہ“ کتاب کے ساتھ شائع ہوا۔

۴- خطبہ نکاح، ”قربت نامہ“ کے ساتھ شائع ہوا۔

۵- آداب الزکات سندھی: (نکاح کے متعلق) ایک قلمی نسخہ کے اوپر مخدوم محمد ہاشم کا نام لکھا ہوا ہے۔ لیکن کتاب کے مطالعہ کے دوران مخدوم صاحب کا نام نظر نہیں آیا۔

۶- میت دفنانے کے متعلق رسالہ: ۲۰/ریزی القعد سنہ ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ء) کو عبدالرزاق کا تصنیف کردہ، جو مندرجہ بالا رسالہ قربت نامہ کے ساتھ چھپا ہوا ہے۔

۷- میت کی نجات کے لئے دعاء کا رسالہ: مرحوم خلیفہ عبدالخالق کا منظوم کردہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

ساراھجی سوڈنی جو جیاری ۽ ماری

[اس مالک کی تعریف کرنی چاہیے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ ۱]

۸- منتخب الفوائد: حافظ عبدالرحمن بن مخدوم عبداللہ کا تالیف کردہ۔

۹- توضیح الشریک سندھی، (شرک کی وضاحت کے بارے میں): سنہ

۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) سے قبل مطبع محمدی بمبئی سے طبع ہوا۔

۱۰- رسالہ محرمات: سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں یا اس سے قبل پہلی مرتبہ بمبئی میں مذکور

پرپریس سے طبع ہوا۔

۱۱- رسالہ عقد نکاح: سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں یا اس سے قبل بمبئی میں مذکور پرپریس

سے طبع ہوا۔

۱۲- رسالہ در بیان طلاق: سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں یا اس سے قبل بمبئی میں مذکور

پرپریس سے طبع ہوا۔

۱۳- رسالہ در بیان قسم: سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں یا اس سے قبل بمبئی میں مذکور پرپریس

سے طبع ہوا۔

۱۴- رسالہ میراث: سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں یا اس سے قبل بمبئی میں مذکور پرپریس

سے طبع ہوا۔



۱۵- عہد نامہ، اسناد نامہ یا سندھی اسناد عہد نامہ: سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں یا اس سے

قبل بمبئی میں مذکور پریس سے طبع ہوا

۱۶- رسالہ عقیقہ: تصنیف محمد اسماعیل۔ سنہ ۱۸۷۴ء میں مطبع حیدری بمبئی سے مخدوم محمد

ابراہیم بھٹی کی ”سندھی“ کے ساتھ طبع ہوا۔

۱۷- رسالہ بابت عقیقہ: منظوم (غالباً کسی اور بزرگ کا ہے)۔

۱۸- نکاح نامہ: مخدوم فضل اللہ پانائی نے سنہ ۱۲۷۱ھ یا اس سے قبل تصنیف کیا۔ اس

کا قلمی نسخہ محترمہ سنہ ۱۲۷۱ھ موجود ہے۔

۱۹- اسلامی عقائد اور شب معراج کے متعلق منظوم، سنہ ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۰ء) سے قبل لکھا

گیا۔ اس کا قلمی نسخہ محترمہ ۲۱ رمضان ۱۲۰۱ھ برطانوی کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲۰- رسالہ ردّ وہابیہ: سرائی عبدالرؤف نے سن ۱۲۷۸ھ میں منظوم کیا۔

### سوانح اور تاریخ:

۱- نبی پاک ﷺ کی ولادت: سنہ ۱۱۹۶ھ (یا ۱۱۹۷ھ) سے قبل تصنیف شدہ منظوم۔

۲- نبی پاک ﷺ کی بی بی خدیجہؓ کے ساتھ شادی: ۱۱۹۶ھ (یا ۱۱۹۷ھ) سے قبل کا

تصنیف شدہ منظوم۔

۳- شمائل نبویؐ سندھی: (ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ) ترمذیؒ کی عربی کتاب ’شمائل

نبویؐ‘ (۱) کا سنہ ۱۱۹۷ھ میں مخدوم عبدالسلام کا سندھی منظوم ترجمہ (۲)، مطبع فتح انکریم بمبئی سے

۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) یا اس سے قبل طبع ہوا۔ یہ ضخیم کتاب بڑی سائز کے ۲۹۶ صفحات پر، تمام کی

تمام الف اشباع کے قافیہ پر منظوم شدہ ہے (۳)۔

(۱) امام ابویسی محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک ابن الحسن سلمی، بخ کے شہر ترمذ میں سنہ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے خراسان، عراق اور حجاز کے کئی شہروں کا سفر کیا اور جید اساتذہ سے اکتساب علم کیا۔ فقہ حدیث کا فن امام بخاری سے حاصل کیا، نیز امام بخاری نے آپ سے حدیث کا سماع کیا، جس کا ذکر امام ابویسی نے اپنی ”الجامع الصحیح“ میں کیا ہے۔ بڑے جلیل القدر محدث تھے، خوف خدا سے روتے روتے آخر عمر میں تپنا ہو گئے تھے۔ ۱۳ رجب سنہ ۲۷۹ھ کو ترمذ میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ حدیث میں آپ کی تبع کردہ کتاب الجامع الصحیح یعنی جامع ترمذی کتب صحاح میں پانچویں درجہ کی کتاب ہے، اور آپ کی مندرجہ بالا کتاب کا پورا نام ’شمائل النبویہ‘ ہے۔

دیکھئے: تذکرۃ المحدثین، ص ۲۳۹-۲۳۸، ۲۳۷ (مترجم)

(۲) پیر حسام الدین راشدی نے اسے مولوی (مخدوم) عبدالسلام کی تصنیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے: سندھی ادب، ص ۵۴ (مترجم)

(۳) انگریز مصنف رچرڈ برٹن نے اپنی کتاب ”سندھ میں آباد قومیں“ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۴- سید ہارون کی سندھی: سید ہارون دانیہیرے والا (۱) شاہ عبداللطیف بھٹائی کے غالباً بڑے معاصر تھے۔ عموماً اسے ”سیدن واری سندھی“ (سیدوں کی سندھی) کہا جاتا تھا، اور علاقہ گچھ کے مدارس میں پڑھائی جاتی تھی۔

۵- قمر المیر: علاقہ گچھ کے عالم مخدوم عبداللہ بزے والا نے نبی پاکؐ کے معجزات سے متعلق بارہویں صدی میں تالیف کی۔ سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں عبدالصمد نورنگ پوتہ کی کتاب کے ساتھ بمبئی سے طبع ہوئی۔

۶- بدر المیر: مخدوم عبداللہ نے نبی پاکؐ کی سیرت و سوانح پر یہ دوسری کتاب تصنیف کی۔  
۷- معراج نامہ: مخدوم عبداللہ کا تصنیف کردہ۔ پہلی مرتبہ سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں یا اس سے قبل مطبع نامی کریمی بمبئی سے طبع ہوا۔

۸- معراج نامہ: محمد حسن سومرہ کا تالیف کردہ۔ اس کا قلمی نسخہ ادارہ سندھیات میں موجود ہے۔  
۹- معراج نامہ: الف اشباع کے قافیہ پر منظوم کردہ اور غیر معتبر روایتی رنگ میں احمد کا سنہ ۱۲۷۹ھ سے قبل کا کہا ہوا ہے۔ ۱۲۷۹ھ/جمادی الاولیٰ ۱۲۷۹ھ کا تحریر کردہ اس کا قلمی نسخہ ادارہ سندھیات میں موجود ہے۔ نیز سنہ ۱۳۲۵ھ میں مطبع علوی بمبئی سے طبع شدہ۔

۱۰- نبی پاکؐ سے التجا اور مناجات: جو اصل عربی میں تھی؛ (یا قبور طیب ہل نیٹک یسمع) اسے کسی بزرگ نے سندھی نظم میں لکھا۔ اس کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم لائبریری میں موجود ہے۔

۱۱- ایک اور موضوع پر سندھی منظومہ: مذکورہ بالا کتاب کے ساتھ ایک ہی جلد میں برٹش میوزیم لائبریری میں اس کا مخطوطہ موجود ہے۔ جس کا آغاز یوں ہے:

ساراجھی سو ڈنہی واجد سب ویرا جو رب رحمان رحیم ڈنہی جلیل جبارا  
[اس مالک کی تعریف کرنی چاہیے جو ہر ساعت واحد ہے، رب ہے، رحمن ہے، رحیم ہے، مالک ہے، جلیل ہے، جبار ہے۔]

۱۲- رحلت: (رحلت نامہ) اسے مخدوم عبداللہ نے اصل کتاب ”حبیب السیر“ سے سندھی میں کیا، تیرہویں صدی کے نصف آخر میں یہ کتاب سندھی نصاب میں داخل تھی (۱)۔

۱۳- ”بزغ الحبیب“ یا ”بزغل کے کلمات“: ”بزغ الحبیب المسجبتی فی سُحْمَةِ اللیل الدجی“، شاہ عبداللطیف بھٹائی کے ہمعصر مولوی محمد صلاح کا مشہور مدحیہ سندھی منظومہ۔

۱۴- منظومہ درشان نبی ﷺ: تاریخ کتابت ۱۲/رمضان ۱۲۰۱ھ۔ برٹش میوزیم لائبریری میں موجود ہے

(۴) سید ہارون عرف مومن ہارون تو تکہ کے قبرستان (ہتھام بنو قحیل کھا ہوڑی) میں مدفون ہے۔

(۵) انگریز معتمد رچرڈ برٹن نے اپنی کتاب ”سندھ میں آباد قومیں“ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۵- نبي پاڪ، حضرت عليؑ اور ايمان ڪر ميمڻن ڪي ٻار ۽ ميڻن عوامي رنگ ڪا ڪايتي منظومہ:  
اس ڪا آغاز يوں ۽:

هي ڪايت هيڪڙي سا پڻ سٽيجاھ

تہ قادر قدرت جو ڌڻي غالب غيورا

[يہ ايڪ ڪايت سنو ڪہ قادر قدرت ڪي مالڪ غالب غيور ٺي

متذڪرہ بالا منظومہ ۽ ملتي جلتي ثناء اور تعريف ۾ مشتمل نظم ۽ ۱۰]

واڪائڻو واحد ڪي جو قدرت ڪمال

مشهور ڪيائين محمد مڀر جو جلوو جمال

[ڪمال قدرت ڪي صاحب اس واحد ڪي تعريف ڪر وڃس ٺي محمد، مير عليؑ ڪا جلوہ جمال

مشهور ڪيا۔]

۱۶- بسم اللہ ڪي برڪت ڪي ٻار ۽ ميڻن منظومہ (يہ او راس ۽ پيل ۾ مذڪورہ دونوں نظم اور

”سيد ٻارون ڪي سنڌي“ يعني سي حرفي، چارون مخطوطات، ايڪ هي جلد ميڻن برٽش ميوزيم لائبريري

ميڻ موجود هيڻ)۔

هاڻي برڪت بسم اللہ جي سٿو مومناھ

آهي جنهن جي نبي ۾ سڄي قرآن جي معنا

[اے مومنو! اب بسم اللہ ڪي برڪت سماعت ڪريو، جس ڪي ’ب‘ ميڻن پور ۽ قرآن ڪي

معني هيڻ۔]

۱۷- ☆ نبي پاڪ ڪي معراج ڪي ٻار ۽ ميڻن منظومہ، سنہ ۱۲۵۱ھ ۽ قبل ڪا:

جڏهن رسڻو رسول رب جو هاشمي حرما

[جب رب ڪا رسول ٻاڻي حرم شريف پهچيا۔]

۱۸- ☆ نبي پاڪ ڪي شان ميڻن منظومہ، سنہ ۱۲۵۱ھ ۽ قبل ڪا:

سارا هيان سو ڌڻي رهندو جو آهي

[اس مالڪ ڪي تعريف ڪرنا هون جو هميشه ۽ ۱۰]

۱۹- ☆ نبي پاڪ ڪي شان ميڻن دوسرا منظومہ، سنہ ۱۲۵۱ھ ۽ قبل ڪا:

پاڪي سڀ اللہ جل جلالہ آهي جيڪا ڪا

جو بزرگ بلند ٻار ۽ مڙڻو وڏو وڏينا.

[جو ڪجهه پاڪي ۽ وه سب اللہ جل جلالہ ڪي ۽، جو عظيم، بلند، ٻان ۽ والا، تمام ٻڙون

۽ ٻڙا ۽ ۱۰]

۲۰- ☆ دو مزید منظومات، نبی پاکؐ، حضرت علیؑ اور امامین کریمین کی تعریف میں۔ سن ۱۲۵۱ھ سے قبل کے (☆)۔

۲۱- قوتہ العاشقین: مخدوم محمد ہاشم کی سنہ ۱۱۲۷ھ میں نبی پاکؐ کے ایک سوساٹھ معجزات پر مشتمل تصنیف۔

(انڈیا آفس لندن کے کتب خانہ میں موجود مخطوطہ کی تاریخ کتابت ”۲/ رمضان ۱۱۶۷ھ“ (۱۷۵۳ء) درج ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں یا اس سے قبل بمبئی میں طبع ہوئی) (۱) ۲۲- معجزات: سنہ ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ء) سے قبل کے تصنیف شدہ، جو ایک قلمی نسخہ میں سید ہارون کی سی حرفی کے آخر میں لکھے ہوئے ہیں۔

۲۳- معجزات: الف اشباع کے قافیہ میں احمد کے منظوم کردہ ہیں، جو برطانوی کتب خانہ کے قلمی نسخہ (No add, 26335) میں موجود ہیں۔

۲۴- معجزہ: مخدوم فضل اللہ پانانی (متوفی ۱۲۹۰ھ) کا منظوم کردہ۔

۲۵- نور نامہ: نبی پاک ﷺ کے نور سے کائنات کی تخلیق کے بارے میں، عبدالرحمن کا تصنیف کردہ۔

سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء یا اس سے قبل پہلی مرتبہ بمبئی سے طبع ہوا۔

۲۶- مجموع وفات نامہ: سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء یا اس سے قبل بمبئی سے طبع ہوا۔

۲۷- حیات العاشقین: ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴-۵۵ء) میں مخدوم محمد ہاشم نے تصنیف کی (۲)،

(۲۷) مختلف فضاء کے کہے ہوئے یہ پانچوں منظومات ۱۱۳۸ اوراق کے ذخیرہ میں شامل ہیں، جسے خلیفہ محمد بن مرحوم عبدالخالق نے تاریخ ۲۱ رمضان ۱۲۵۱ھ کو لکھ کر مکمل کیا اور اب برٹش لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔

(۱) اس کے بعد سنہ ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء میں ’سندھ مسلم ادبی پرنٹنگ پریس حیدرآباد سے طبع ہوئی، اس کے علاوہ اسے مفتی عبدالرحمن ٹھٹوی نے موجودہ سندھی سلیس نظم میں اور ڈاکٹر یحییٰ عبدالجید سندھی نے موجودہ سندھی نثر میں شائع کروایا۔ (مترجم)

(۲) ’حیات العاشقین‘ مخدوم محمد ہاشم کے فرزند اکبر مخدوم عبدالرحمن کی تصنیف ہے جسے انہوں نے اپنے والد کی کتاب ’حیات القلوب فی زیارۃ المحبوب‘ کے خلاصہ کے طور پر سنہ ۱۱۶۸ھ میں، سندھی میں منظوم کیا، جو پانچ ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مخدوم محمد ہاشم نے مناسک حج اور زیارات حرمین سے متعلق ۸ رجب ۱۱۳۵ھ کو فارسی کتاب ’حیات القلوب فی زیارۃ المحبوب‘ لکھا شروع کی اور ۲۷ رمضان ۱۱۳۵ھ کو اسے مکمل کر لیا، اس میں مقدمہ کے علاوہ چودہ ابواب ہیں، حیات القلوب

نومبر ۱۸۸۰ء میں بمبئی کے مطبع کریمی سے طبع ہوئی۔ تقریباً ایک سو سال بعد اسے مفتی محمد شفیع نے مشہور پریس کراچی سے دوبارہ

طبع کروایا۔ بعد میں مخدوم صاحب نے ’حیات القلوب فی زیارۃ المحبوب‘ کا ’سفینۃ السالکین الی بلد اللہ الامین‘ کے نام سے فارسی میں ہی خلاصہ لکھا، اس کا سن تحریر معلوم نہیں ہو سکا، نہ ہی اس کے کہیں قلمی نسخہ دستیاب ہونے کی اطلاع ہے۔ سنہ

۱۱۵۸ھ میں آپ نے ’سفینۃ السالکین‘ کا ’صحفۃ السالکین الی جناب الامین‘ کے نام سے فارسی میں خلاصہ تیار کیا، جس کا

کرم خوردہ قلمی نسخہ جناب ڈاکٹر بلوچ صاحب کے کتبخانہ میں موجود ہے اور اس کی فوٹو کاپی جناب قادری صاحب کے پاس موجود ہے۔ مخدوم امیر احمد عباسی مرحوم نے اس خلاصہ خلاصہ کا نام ’تختۃ السالکین الی جناب الامین‘ تحریر فرمایا ہے۔

دیکھیے: ’مخدوم محمد ہاشم نقوی: سوانح حیات و علمی خدمتوں‘ ص ۱۶۵-۱۶۶، ۲۰۹۔

۲۲۲، ۲۱۱ اور مقدمہ بذل القوتہ فی حوادث سنی النبوة‘ ص ۲۷ (مترجم)

جس کا بعد میں ان کے فرزند مخدوم عبدالرحمن نے منظوم ترجمہ کیا جو ۲۰ ربیع الاول سن ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) میں مطبع محمدی بمبئی سے طبع ہوا۔ (مخدوم عبدالرحمن کے ترجمہ کا صاف اور عمدہ قلمی نسخہ سنہ ۱۲۲۷ھ میں خواجہ منور علی ہروی کا سنہ ۱۲۲۷ھ میں تحریر کردہ، برٹش لائبریری میں Miss Sindh نمبر پر موجود ہے)۔

۲۸۔ بنی پاک کا معجزہ: سنہ ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) میں آٹھ کتابچوں کے مجموعہ کے ساتھ مطبع علوی بمبئی سے شائع ہوا۔

۲۹۔ غزوات نبی یعنی نبی پاک کی جنگیں: مخدوم عبداللہ کی تصنیف کردہ، سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء یا اس سے قبل بمبئی سے پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔

۳۰۔ شجاعت سید الانام: (نبی پاک کی بہادری کے متعلق) مخدوم عبداللہ کی تصنیف کردہ۔

۳۱۔ بی بی خدیجہ کا قصہ: مخدوم عبداللہ کی تصنیف کردہ۔ سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء یا اس سے قبل بمبئی سے پہلی مرتبہ طبع ہوا۔

۳۲۔ خدیجہ الکبریٰ کا قصہ: (غالباً یہ وہی سابقہ ”بی بی خدیجہ کا قصہ“ ہے)، کتابوں کے مجموعہ کے ساتھ مطبع علوی بمبئی سے شائع ہوا۔

۳۳۔ خلفاء راشدین: مخدوم عبداللہ کی تصنیف۔ سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء یا اس سے قبل بمبئی سے پہلی مرتبہ طبع ہوئی۔

۳۴۔ سیدنا امیر عمرؓ کا اسلام قبول کرنا: مخدوم عبداللہ کی تصنیف، سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء یا اس سے قبل بمبئی سے پہلی مرتبہ طبع ہوئی۔

۳۵۔ شہادتِ امام حسینؓ کا بیان: مخدوم عبداللہ کی تصنیف، سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء یا اس سے قبل بمبئی سے پہلی مرتبہ طبع ہوئی۔

۳۶۔ شہادت نامہ امام حسینؓ: محمد نامی عالم کا الف اشباع کے قافیہ پر منظوم کردہ (۱)۔

۳۷۔ قصہ شہادتِ امام حسینؓ: محمد مقیم کا منظوم کردہ، اس کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم لائبریری میں موجود ہے، جس کا آغاز یوں ہے:

سپ ساراہ رب کی جل جلالہ وصف وڈایا  
آہین جنہن جہان یر عجب کھا کھڑا

(۱) اچھی خاصی بڑی قلمی کتاب، شروع اور آخر سے ناقص، ہم نے (تحصیل گولڑپچی کے گاؤں جوتا میں) جناب میر علی شاہ صاحب کے پاس دیکھی۔

[تمام تعریف رب کی، جس کی وصف بڑائی جل جلالہ ہے

جہاں میں جس کے عجیب و غریب کام ہیں۔]

۳۸- روضۃ الشہداء سندھی: اسے سندھ کے عالم احمد نے مولّا حسین کاشفی (۱) کی کتاب

’روضۃ الشہداء‘ سے سنہ ۱۱۷۲ھ (۵۹-۱۷۵۸ء) میں سندھی میں ترجمہ کیا۔ یہ کتاب سنہ ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) سے قبل مطبع محمدی بمبئی سے طبع ہوئی۔

۳۹- مناقب مرتضوی: سی حرنی کی صنعت میں خلیفہ محمد کا منظوم کردہ، جس کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم لائبریری میں موجود ہے۔ اس کا آغاز یوں ہے:

”ہیٰ مناقب مرتضوی سٹھو سنڈی واء“

[یہ مرتضوی مناقب سندھی زبان میں سنو

۴۰- مناقب مرتضوی: (الف اشباع کے قافیہ پر) یہ کتاب بھی پرانے دور میں تصنیف

ہوئی، اس کا قلمی نسخہ راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۴۱- افادۃ العینین: عربی سے ماخوذ اور خلیفہ محمد کی منظوم کردہ۔ اس کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم

لائبریری میں موجود ہے۔

۴۲- حضرت یوسفؑ کا قصہ: احمد نامی عالم نے ’سورۃ یوسف‘ میں مذکور علامات کی روشنی

میں منظوم کیا۔ اپنا نام وہ اس طرح لائے ہیں:

”الاہی احمد چٹھی آہیان عاصی اپارا“

[احمد کہتا ہے کہ بار الہا! میں بے انتہا گناہگار ہوں۔]

اس قصہ کا ایک قدیم قلمی نسخہ، سنہ ۱۱۸۰ھ میں محمد ملوک کاتب کا تحریر کردہ برٹش لائبریری

میں موجود ہے۔

(۱) کمال الدین، حسین بن علی واعظ کاشفی، بمبئی۔ مشہور فارسی تفسیر حسینی کے مصنف، تمام ظاہری و باطنی علوم اور نقلی و رسی فنون میں معرفت تامہ رکھتے تھے، خاص طور پر علم نجوم اور انشاء میں اپنی مثال آپ تھے۔ ابتداء میں تشیع کی طرف مائل تھے مگر بعد میں مضبوط اہل سنت ہو کر حنفی المذہب ہوئے۔ نہایت خوش آواز اور بہت بڑے واعظ تھے۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

’جواہر التفسیر لفقہ الامیر‘ اس کے آغاز میں، چار فصلوں کے اندر تفسیر سے تعلق رکھنے والے، بائیس فنون پر مشتمل، علوم کا بیان ہے۔

’موہب علیہ‘ (تفسیر حسین جو ۸۹۹ھ میں لکھی گئی)

’روضۃ الشہداء‘، ’انوار سہیلی‘، ’اخلاق محسنی‘، ’مخزن الانشاء‘، ’رشحات بین النیوۃ‘ یہ کتاب مشائخ نقشبند کے مناقب پر مشتمل ہے۔

’الرسالۃ العلویۃ فی الاحادیث العلویۃ‘، ’لوارح القمر‘ اور سنہ ۸۷۵ھ میں تصنیف کردہ ’لب لباب مثنوی‘ فارسی۔

آپ نے سنہ ۹۱۰ھ میں ہرات میں وفات پائی، ’سالار حقیقت‘ سے آپ کا سال وفات برآمد ہوتا ہے۔

ماخوذ از: حدائق الحنفیہ، ص ۳۸۳-۳۸۴

نیز دیکھیے: فہرست مخطوطات دیال سنگھ فرسٹ لائبریری، لاہور، جلد اول، ص ۱۶

نیز دیکھیے: سہ ماہی ’الترغیب‘ بہاولپور، کتب خانہ نمبر ۱۹۶۷ء، ص ۲۲۵، ۲۱۵ (مترجم)

۴۳۔ قصص الانبیاء: مولوی محمد حسین نے ماہ شعبان سنہ ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۳ء) میں سندھی ترجمہ کیا (۱) اور سنہ ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء سے قبل مطبع محمدی بمبئی سے طبع ہوا۔  
تصوف، اخلاقیات:

- ۱۔ نصیحت نامہ: (بعد از موت حالت کے بارے میں) مخدوم محمد ہاشم کا۔
- ۲۔ تحفۃ التائبین: (گناہوں سے توبہ کے بارے میں) مخدوم محمد ہاشم کا۔
- ۳۔ ہدایۃ المریدین: مخدوم محمد ابراہیم بن مخدوم عبداللطیف نے سنہ ۱۲۰۶ھ (۱۷۹۱ء) میں لکھی اور سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) یا اس سے قبل بمبئی سے پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔
- ۴۔ ابراہیم کی سندھی (۲): تصوف اور نقشبندی طریقہ کے متعلق، جس کا ”۲۹ رزی الحجہ سنہ ۱۳۱۷ھ“ میں لکھا ہوا قلمی نسخہ ہم نے مرحوم حکیم معین الدین کے کتب خانہ (نوابشاہ) میں دیکھا۔ اس کے آخر میں یوں لکھا ہوا تھا:

آگاہن عاجز کی تون پنہنجی رنگ رنگیج

طرف طاعت تائب کری، ڈونہ عبادت آئیج

[خدایا! اس عاجز کو اپنے رنگ میں رنگ دے، طاعت کی طرف تائب بنا کر، اسے

عبادت کربطرف لے آ۔]

- ۵۔ تذکرۃ الطالبین سندھی: مخدوم محمد ہاشم کے ایک مقتدی مخدوم مولوی عبداللہ کا۔
- ۶۔ سراج المشتاقین: علاقہ کچھ کے شہر پانڈھ کے اسماعیل شاہ نے ۲۳ ربیع الآخر ۱۲۶۰ھ (۳) میں تصنیف کی۔
- ۷۔ مجمع الفيوضات: پیر صاحب محمد راشد روضہ دہنی (۴) کے ملفوظات جسے خلیفہ محمود نظامانی نے سنہ ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں تالیف کیا۔

(۱) سندھی ترجمہ کا نام ’سیرِ بستان‘ (باغ کی سیر) ہے۔ سندھ بے ادبی تاریخ، ص: ۱۳۱ (مترجم)

(۲) غالباً یہ کتاب یعنی (ابراہیم کی سندھی) اس سے قبل ذکر کردہ اسی مخدوم ابراہیم کی کتاب (ہدایۃ المریدین) ہی ہے (۴)

کیونکہ اس قلمی نسخہ پر مؤلف کا نام بڑے احترام سے درج ہے: ”تالیف تصنیف مولانا ہادینا مہدینا سیدنا و مرشدنا دام فیوضاتہ مخزن الشمس مع شجرة العارلین“

(۳) مطبوعہ اصل کتاب میں یہ سن یوں ہی لکھا ہوا ہے۔ جو یقیناً پروف کی غلطی ہے، غالباً ۱۲۶۰ھ یا ۱۲۶۱ھ ہے۔ (مترجم)

(۴) سید محمد راشد المعروف روضہ والا بن سید محمد بقا شاہ شہید کی ۶ رمضان ۱۱۷۷ھ (۱۷۵۸ء) میں ولادت ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب ایک سو بیس پشت میں سید علی کی لکھاری سے اور چھ سو بیس پشت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔ اپنے والد صاحب اور دیگر نامور اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ ۱۰ محرم سنہ ۱۱۹۸ھ میں والد صاحب کے وصال کے بعد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔ حد درجہ متوکل علی اللہ اور قمع سنت تھے۔ سندھ میں احیاء سنت کے لیے آپ کی خدمات، ہندوستان میں حضرت امام ربانی کے، بدعت و شرک کے خلاف جہاد کی مانند تھیں۔ یکم شعبان سنہ ۱۲۳۳ھ کو وصال فرمایا، آپ کی اولاد آپ کے نام سے ’راشدی‘ کہلائی۔ مشہور خانوادے سے پیران پاکارہ اور ہیر جھنڈا آپ کی نسل سے ہیں۔ آپ کا خاندان اپنی وجاہت، شرافت، علمی عظمت اور ملکی و ملی خدمت کے لحاظ سے ممتاز ترین خاندان شمار ہوتا ہے۔

خلاصہ مطالعہ: ’مکتوبات شریف‘، سوانح حیات سید محمد راشد روضی دہنی، ص ۲۶-۱۲۲ (مترجم)

۸- سید ہارون کا سی حرنی منظومہ: اخلاقی نصیحت و ہدایت کے بارے میں ہے۔ اس کا قلمی نسخہ برٹش لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔ غالباً یہ سی حرنی ”مجموعہ سی حرنی سید ہارون و میاں عبداللہ“ کے نام سے ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) میں یا اس سے قبل مطبع محمدی بمبئی سے طبع شدہ ہے۔

۹- سید ہارون کا ایک اور سی حرنی منظومہ: جو اخلاقی نصیحت و ہدایت کے بارے میں ہے اور اس کا قلمی نسخہ برٹش لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔

۱۰- تصوف میں رسالہ: خلیفہ محمود نظامانی متوفی ۱۲۶۷ھ نے تصنیف کیا (۱)۔

۱۱- مفید الانام: سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) یا اس سے قبل پہلی مرتبہ بمبئی سے طبع ہوا۔

۱۲- وحدت نامہ: یا توحید نامہ، مخدوم فضل اللہ پانائی نے ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۸ء) میں

تصنیف کیا۔

۱۳ تصوف نامہ: جس میں مخدوم فضل اللہ متوفی ۱۲۹۰ھ نے توحید نامہ کی پہلی دو سطروں

کی شرح بیان کی ہے۔

۱۴- انیس العابدین: (یا مصباح الزاہدین یعنی انیس العابدین)، سنہ ۱۲۹۰ھ

(۱) محمود بن گہنور خان نظامانی تقریباً سنہ ۱۱۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اسلاف کھوڑا اور تاپور دور حکومت میں بڑے عہدوں پر فائز رہتے ہوئے آرہے تھے اور جاکیر دارنواب تھے۔ آپ کے اساتذہ میں میاں عبدالکریم لکڑی والے، میاں حافظ محمد عثمان درویش اور میاں ابوالقاسم کاتیری کے نام ملتے ہیں۔ آپ حضرت سید محمد راشد روضہ والا کے بڑے خلیفہ، عالم، عارف اور صاحب فیض تھے۔ آپ کے مریدین کی بہت بڑی تعداد کچھ، کاٹھیاواڑ، گجرات، بمبئی، بنگال، بارواڑ اور کراچی میں موجود ہے۔ سنہ ۱۲۳۸ھ میں آپ نے حضرت محمد راشد روضہ والا کے ملفوظات کو فارسی میں ”مجمع الفيوضات“ کے نام سے جمع فرمایا، جس میں ”جامع“ کے مقدمہ کے علاوہ سولہ ابواب تھے۔ ”مجمع الفيوضات“ کے چار ابواب کا سندھی ترجمہ حضرت علامہ پیر محمد قاسم مشوری رحمۃ اللہ علیہ نے ”نجات الکرامات“ کے نام سے، چونتالیس پچاس سال پہلے شائع کرایا تھا۔ اس کے باقی ابواب کا ترجمہ جامعہ راشدیہ (پیر جو گوٹھ پیر صاحب پاگاہ) کے فاضل علامہ مفتی در محمد (مرحوم) نے کیا، بعد میں معروف محقق و مصنف اور مورخ علامہ حکیم رمضان علی قادری نے سنہ ۱۳۰۱ھ / ۱۹۸۱ء میں، اردو میں ”مخزن فیضان“ کے نام سے اس کی تلخیص لکھی، یہ دونوں کتابیں جمعیت علماء سکندر کی جانب سے چھپ چکی ہیں۔ اس کے علاوہ خلیفہ محمود رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مختلف خطوط کو یکجا کیا جنکی تعداد ۳۶ ہے جو گیارہ مختلف لوگوں کو لکھے گئے ہیں۔ ان خطوط پر محترم جناب نذر حسین صاحب سکندری سنہ ۱۹۹۳ء میں سندھ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کرچکے ہیں اور وہ مدرسہ صیغۃ الہدیٰ شاہپور چاکر کی طرف سے ۱۹۹۶ء میں طبع ہوچکے ہیں۔ نیز آپ نے حضرت پیر صاحب علی گوہر شاہ اصغر کے ایمام اور ارشاد پر تقریباً ۱۲۵۲ھ کے بعد حضرت محمد راشد روضہ والا کے قادری اور نقشبندی طریقہ کی تشریح و توضیح کے لیے فارسی میں ”المجموعۃ المحمودیہ“ تصنیف کی، جس کا سندھی منظوم ترجمہ مخدوم حامد نے لکھا اور سنہ ۱۳۱۲ھ میں حافظ رکن الدین کے مطبع فیض سجانی کوٹری سے طبع ہوا۔

سنہ ۱۲۵۸ھ میں خلیفہ صاحب نے فارسی میں ”مکتن اولیاء“ لکھی جو حدیثۃ الاولیاء (سال تصنیف ۱۰۱۶ھ) کے بعد کے دور کے مقامی اولیاء کے تذکرے پر مشتمل تھی۔ آپ نے حضرت روضہ جہنی کے علاوہ تین صاحبان مسند و ارشاد کا دور دیکھا اور پیر پاگارا ثالث سید حزب اللہ شاہ راشدی مسکین الملقب بہ ”نختہ دہنی“ (۱۸/شوال ۱۲۵۸ - ۵/محرم ۱۳۰۸ھ) کے دور میں ۹/ربیع الاول سنہ ۱۲۶۷ھ کو وصال فرمایا۔ آپ کا مزار پر انوار کٹر یو گہنور تحصیل گولاڑچی (فاضل راہو) ضلع بدین میں ہے۔

خلاصہ مطالعہ: ”مکتوبات شریف“ و سوانح حیات سید محمد راشد روضی ڈہنی، ص ۱۲۵-۱۳۵

مقدمہ اصغر سائیں جو کلام ص ۱۲-۱۳، ۱۸ (مترجم)



(۱۸۷۳ء) یا اس سے قبل پہلی مرتبہ بمبئی سے طبع ہوئی۔

۱۵- زیور نامہ: مخدوم فضل اللہ پائائی نے سنہ ۱۲۷۸ھ میں تصنیف کیا۔

۱۶- موت نامہ: ہشت کتابی مجموعہ میں مطبع علوی بمبئی سے ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) میں طبع ہوا۔

۱۷- کتاب انیس المتقین: سندھی منظوم، ۱۲۸۵ھ سے قبل تالیف ہوئی۔

۱۸- حکایۃ الصالحین: اخلاقی تعلیم و تربیت کے لیے مولوی ولی محمد نے سنہ ۱۲۲۰ھ

(۱۸۰۵ء) میں سندھی ترجمہ کیا، اور ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) سے قبل مطبع محمدی بمبئی سے طبع ہوا،

۵۷۷ صفحات پر مشتمل بڑی کتاب ہے۔

۱۹- معراج المومنین: شیخ عبدالرسول جازی نے سندھی میں رسالہ تصنیف کیا (محمد صدیق

نصر پوری نے اس رسالہ کی عبارت نقل کی ہے، جس کا ذکر سید علی محمد شاہ دائرائی نے اپنی بیاض

میں کیا ہے)

۲۰- منہاج الزاہدین و سراج العابدین سندھی: محمد نامی عالم کا تالیف کردہ۔ (نور نامہ

کے ساتھ شائع شدہ)

### سماجی اصلاح:

۱- مُلِکی (مُلاؤں کی) سندھی: (کم علم انجان مُلاؤں کی طرف سے فضول خیالات

اور باتوں کی ہمت افزائی کرنے پر تنقید) سنہ ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء میں محمد شریف رانی پوری (۱) کی

تصنیف کردہ۔

(۱) مولانا دین محمد وفائی صاحب نے لکھا ہے کہ محمد شریف رانی پوری شاعر، عالم، محدث، صوفی اور بارہویں صدی ہجری کے

درویشوں میں سے تھے۔ ان کی یہ نظم چھوٹے رسالہ کی صورت میں مخدوم عبدالرحیم گرہوڑی کے مجموعہ رسائل میں شامل ہے جس

کی وجہ سے عام لوگ اسے محمد شریف کے بجائے 'گرہوڑی کی سندھی' سمجھتے ہیں۔ وفائی صاحب نے اس نظم سے بطور نمونہ کچھ

اشعار درج کر کے اس کے متعلق لکھا ہے کہ: "اس رسالہ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ 'مُلاؤں' نے قرآن و حدیث کو چھوڑ

کر فتنہ پر زور دیا ہے اور جعلی و مصنوعی مسائل بنا کر مخلوق کو گمراہ کیا ہے وغیرہ۔"

مزید لکھا ہے:

"تمام رسالہ میں بڑی حد تک علماء سوء کی مذمت کی گئی ہے اور صوفیاء کرام کی تابعداری پر زور دیا گیا ہے اور کہیں کہیں حد سے

گزر کر غیر صحیح باتیں بھی کی گئی ہیں"

اس نظم کے آخری دو شعر یوں ہیں:

مرہی محمد شریف کی ڈسی ڈوہہ فضلن

مائلت جنهن جا اصلي راڻي پور رهن

رسالو راس ٿيو منجهه اٺويهه ڏينهن

يارهن سو گزريا ساليڪو ورهن

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے محمد شریف کے گناہ معاف فرمائے، جس کے عزیز و اقارب اصل رانی پور کے رہائشی ہیں۔ یہ رسالہ

انہیں دنوں میں مکمل ہوا اور گیارہ سو ساٹھ برس گزر چکے تھے۔

وفائی صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی یہ نظم 'مُن جن جی سنڌي' کے نام سے مشہور ہے۔

تذکرہ مشاہیر سندھ، جلد اول، ص ۱۶۵-۱۶۸ (مترجم)

کارہ سو گذرنا، پیو سانیکو ورھن

[گیارہ سو گزرے، دیگر ساٹھ برس -]

تاریخ ۶ صفر ۱۳۱۰ھ مطابق ۲۹ اگست ۱۸۹۲ء کو قاضی میاں نور محمد صاحب سانونی نے اپنے پریس سے لیتھو پر طبع کی۔

۲- نصیحت نامہ: مضر سماجی رسومات اور ان کے نتائج کے بارے میں، مخدوم عبداللہ کا تصنیف کردہ، ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) یا اس سے قبل بمبئی سے طبع ہوا، اور دوسری مرتبہ ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) کو ہشت کتابی مجموعہ میں مطبع علوی بمبئی سے طبع ہوا۔

۳- تنبیہ الجاہلین: مخدوم عبداللہ کی منظوم سندھی میں تصنیف، جو سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء یا اس سے قبل بمبئی سے طبع ہوئی، اس کے بعد سنہ ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء میں مطبع نامی کریبی بمبئی سے نیز مفید عام پریس لاہور سے طبع ہوئی۔

۴- تنبیہ الغافلین: مصنف محمد اسماعیل (؟)، سنہ ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۴ء) میں مطبع حیدری بمبئی سے طبع ہوئی۔

۵- جاہلوں کو تنبیہ: تصنیف مخدوم غلام محمد بگائی، جسے قاضی نور محمد قریشی ہالائی نے طبع روایا۔

۶- حقوق الزوجین: (خانگی زندگی عمدہ نمونہ سے بسر کرنے کے لئے میاں اور بیوی کو بحت) ہشت کتابی مجموعہ میں مطبع علوی بمبئی سے سن ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) میں طبع ہوئی۔

ب:

۱- حکیم محمد جعفر نے رمضان ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۸ء) میں طب پر ”مفید الخلق“ نامی کتاب ہی میں منظوم کی، جو ”طب جعفری“ کے نام سے ۱۲۹۴ھ اور ۱۳۰۳ھ میں، نیز اس کے بعد فی سے شائع ہوئی۔

۲- طب جعفری، منظوم، غالباً مندرجہ بالا کتاب یا اس کے انتخاب کو (الف اشباع کے بہ پر) منظوم کیا گیا۔

۳- تحفۃ الحجرات سندھی، طبع مرغوب ہر دیار بمبئی سے ۱۸۷۷ء (۱۲۹۴ھ) میں طبع ہوئی۔

یذات:

۱- مجمع الفوائد: تعویذات اور فالنامہ، ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) سے قبل دونوں کتابیں مطبع بمبئی سے ایک ساتھ طبع ہوئیں۔

## ۴- کتابوں کے تراجم کا سلسلہ شروع ہونا:

اس دور میں سندھی زبان میں تعلیمی تحریک کی کامیابی نے سندھی زبان کی ترقی اور توسیع کے لئے راہ ہموار کی اور سندھی میں پڑھنے پڑھانے کے ذوق کو تقویت بخشی۔ نتیجے کے طور پر نہ صرف سندھی میں درسی، علمی اور عام مطالعہ کی کتابیں تصنیف ہوئیں بلکہ کتابوں کے تراجم کا سلسلہ بھی شروع ہوا: نہ صرف عربی اور فارسی سے سندھی میں کتابیں ترجمہ ہوئیں بلکہ سندھی کے اعلیٰ فکری مواد کا بھی عربی اور فارسی میں ترجمہ ہوا۔

(الف) سندھی تحریری مواد کا عربی و فارسی میں ترجمہ ہونا:

بلندی فکر اور اعلیٰ معیار کے لحاظ سے اس دور میں سندھی زبان میں ایسا اہم مواد ظہور پذیر ہوا، جسے وسیع علمی حلقوں میں روشناس کرانے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس کا فارسی و عربی میں ترجمہ کیا گیا۔

- ۱- محمد رضا ٹھٹھوی نے اپنے مرشد میاں شاہ کریم کے سندھی اشعار، اقوال اور ہدایات کو سنہ ۱۰۳۸ھ (۱۶۲۸ء) میں ”بیان العارفین“ کے نام سے فارسی میں لکھ کر محفوظ کیا۔
- ۲- مخدوم عبدالرحیم گروڑی (شہادت ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء) نے اپنے مرشد حضرت خواجہ محمد زمان کے سندھی

اشعار کا عربی میں ترجمہ کیا اور ان کی تفسیر لکھی۔

- ۳- مخدوم فضل اللہ پانی نے سید علی محمد شاہ کی سندھی کتاب ”مصلح المفتاح“ کی علمی اہمیت کے پیش نظر سنہ ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں اس کا ”اصلاح المصلح والمفتاح“ کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا۔

(ب) عربی و فارسی کتابوں کے سندھی میں تراجم ہونا:

اس دور میں نہ صرف سندھی میں کتابیں تصنیف ہوئیں، بلکہ دوسری زبانوں کی کتابوں کے بھی سندھی تراجم کئے گئے۔ ان تراجم کا اہم مقصد یہ تھا کہ کتابوں کے تحت اللفظ ترجمہ کے بجائے شروع سے آخر تک ان کا واضح مطلب اور مفہوم آسان سندھی زبان میں سمجھایا جائے۔ اس سلسلے میں درج ذیل تراجم مشہور و معلوم ہیں۔

- ۱- آخوند عزیز اللہ معلوی (۱۱۶۰-۱۲۳۰ھ/۱۷۴۶-۱۸۲۳ء) نے ”قرآن مجید مترجم سندھی“ کے عنوان سے قرآن شریف کا تحت اللفظ ترجمہ کیا، جو ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۷ء) میں پہلی مرتبہ (؟) بیعتی سے طبع ہوا۔

۲- مخدوم عبداللہ نے عربی کتاب ”شرح سراج المنیر“ کا ”قمر المنیر“ کے نام سے سندھی میں ترجمہ کیا (۱)۔

۳- مولوی احمد نے ملا حسین کاشفی کی فارسی کتاب ”روضۃ الشہداء“ سے سنہ ۱۲۷۲ھ (۵۹-۱۷۵۸ء) میں ”روضۃ الشہداء سندھی“ تیار کی۔ (جو مطبع کریمی بمبئی سے ۱۳۲۱ھ میں طبع ہوئی، ۴۶۳ صفحات کی بڑی کتاب ہے)

۴- قصص الانبیاء، جو اصل فارسی میں تھی، مولوی محمد حسین نے شعبان سنہ ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۳ء) میں اس کا ”سیرستان“ کے نام سے سندھی میں ترجمہ کیا۔

۵- فالنامہ، فارسی سے سندھی منظومہ کی صورت میں ترجمہ۔ (ادارہ سندھیات میں اس کا قلمی نسخہ 22702 نمبر پر موجود ہے)۔

۶- مخدوم عبد السلام نے ترمذی کی کتاب ”شمائل نبویؐ“ کا جمادی الثانی سنہ ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ء) میں سندھی منظوم ترجمہ مکمل کیا۔ حضور پاک ﷺ کی صورت و سیرت کا تفصیلی احوال ہے، کتاب بڑی تختی کے ۲۹۶ صفحات پر لیتھو پر طبع ہوئی۔

۷- فرائض الاسلام سندھی: مخدوم محمد ہاشم کی عربی کتاب فرائض الاسلام کا علی بن حافظ (ذات یحورو، جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ سن کے قریب قریہ چھچھر کے ساکن تھے) نے سنہ ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۳ء) میں ۱۲۶۲ صفحات پر مشتمل سندھی ترجمہ کیا۔ اس کا قلمی نسخہ برٹش لائبریری لندن میں موجود ہے۔

۸- فرائض الاسلام سندھی: مخدوم محمد ہاشم کی عربی کتاب فرائض الاسلام کا مکمل سندھی ترجمہ۔ اس کے پہلے حصے کا ترجمہ مخدوم عبداللہ اور دوسرے حصے کا ترجمہ مخدوم عبداللطیف نے سنہ ۱۱۸۱ھ/۶۸-۱۸۶۷ء میں کیا۔

۹- سراجی سندھی: علم میراث یعنی ورثہ، ترکہ کے بارے میں عربی کتاب ’سراجی‘ کا سندھی

(۱) محمد صدیق یمن صاحب نے قمر المنیر کے متعلق ایک جگہ پر لکھا ہے کہ: ”قمر المنیر کے ابتدائی اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب جب بعض عزیزوں اور دل خواہ دوستوں کی وفات اور قریبی رشتہ داروں کی رنجش اور عداوت کی وجہ سے بہت غمگین اور ملول رہنے لگے۔ اس وقت آپ نے اپنے دلی سکون اور ڈھارس کے لیے قمر المنیر کتاب لکھی۔“ اس کے بعد کچھ آگے چل کر یمن صاحب لکھتے ہیں کہ: ”اصل عربی زبان میں شرح سراج المنیر کتاب حضرت پیغمبر علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی کی معتبر تاریخ اور سیرت کی کتاب ہے، اسے میاں عبداللہ نے سندھی میں منتقل کر کے اس کا نام ”قمر المنیر“ رکھا ہے۔“

ترجمہ مذکورہ بالا عالم علی بن حافظ نے سنہ ۱۱۶۲ھ (۱۷۴۹ء) میں کیا (۱)۔

۱۰۔ مخدوم عبدالخالق نے اسلامی مسائل کے بارے میں ابوالدرداء طبرانی کی عربی کتاب 'الطریقۃ الحمیدۃ' کا سنہ ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۳ء) میں 'مطلوب المؤمنین' کے نام سے آسان سندھی میں ترجمہ کیا، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

۱۱۔ عبدالرحمن بن محمد ملوک کات ہانین (کاٹھ = ہانھن = براہمن) نے، میاں شاہ کریم کے فارسی ملفوظات 'بیان العارفین' کا ۱۲۱۰-۱۲۱۳ھ (۱۷۹۵ء-۱۷۹۸ء) کے تین سالوں میں سندھی ترجمہ کیا، جسے ۱۲۹۱ھ میں مخدوم عبدالصمد نورنگ پوتہ نے مختصر کیا اور اس کی اصلاح کی اور ۲۷ رجب سنہ ۱۲۹۳ھ میں اسے مطبع مرغوب ہر دیار بمبئی سے طبع کروایا۔

۱۲۔ مخدوم فتح محمد سندھی کی فارسی کتاب 'مفتاح الصلوٰۃ' کا مخدوم محمد انور لاڑائی نے سندھی میں ترجمہ کیا، جس کا ذکر علی محمد شاہ نے کیا ہے: علی محمد شاہ کی طرف سے اس ترجمہ کے حوالہ دینے سے ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ 'مصلح المفتاح' کی تصنیف ۱۲۷۰-۱۲۷۷ھ سے پہلے ہوا۔ نیز اس کا ذکر مخدوم فضل اللہ پانائی نے بھی کیا ہے۔ لاڑائی صاحب کا یہ ترجمہ ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۳-۱۸۸۵ء) سے قبل مطبع فتح الکریم بمبئی سے طبع ہوا۔

۱۳۔ شیخ عثمان انصاری کی اصل فارسی کتاب کا حامد بن حسن نے شعبان سنہ ۱۲۴۳ھ (۱۸۲۷ء) میں "قوة العاشقین باعشقیہ" کے نام سے ترجمہ کیا۔ جو سنہ ۱۹۱۵ء میں شکار پور کے کتب فروش شولہ اس کی طرف سے طبع ہوا۔

۱۴۔ محمد عارف 'صنعت' شکار پوری متوفی ۱۲۶۶ھ نے (۴) شیخ مصری کی فارسی کتاب 'کریم' کا منظوم ترجمہ کیا۔

(۱) غالباً یہ وہی کتاب ہے جو اس سے قبل ذیلی عنوان "دین اسلام" کے تحت بیسویں نمبر پر 'تسہیل الفرائض' کے نام سے ذکر ہو چکی ہے۔ (مترجم)

(۲) ذات کا نام ہے۔ (مترجم)

(۳) ڈاکٹر عبدالغفار سومر صاحب نے لکھا ہے کہ کات ہانین کا یہ ترجمہ منظوم تھا۔

دیکھیے: بیان العارفین و تنبیہ الغافلین، دیا چہ ص: ۱۰۱ (مترجم)

(۴) محمد عارف 'صنعت' بن محمد امین، ذات اعوان، انیسویں صدی کے اوائل میں تاجپور امراء اور افغانیوں کی جنگ و جدل کے دور میں تقریباً ۱۸۰۰ء میں شکار پور میں پیدا ہوا، ان کے آباء شکار پور میں داؤد پوتوں کے عہد حکومت میں پنجاب سے نقل مکانی کر کے آئے تھے۔

'صنعت' نے شکار پور کے معروف عالم، صاحب دیوان اور خوشگو شاعر علامہ ادیس محمد سے دینی علوم کی تکمیل کی اور اس کے بعد استاد ہی کے مدرسہ میں پڑھاتے رہے چونکہ آپ کا آبائی پیشہ خیاطی (دروزی) تھا اس لیے استاد کے وصال کے بعد درس و تدریس ترک کر کے آبائی پیشہ اختیار کیا اور خیاطی میں کمال حاصل کرنے کے بعد مستقل طور پر خیمہ دروزی کے ہنر سے وابستہ ہو گئے، اس میں بھی آپ نے بڑا کمال حاصل کر لیا کہ حاکمان وقت آپ کی طرف رجوع کرنے لگے، جس وجہ سے آپ کی گزر اوقات بہت عمدہ طریقے سے ہونی لگی۔

۱۵۔ شیخ عبدالصمد کی عربی کتاب 'انیس المتقین' کا سنہ ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) سے قبل 'انیس المتقین' ہی کے نام سے سندھی منظوم ترجمہ ہوا۔ جس کا قلمی نسخہ "فقیر سومار ابن الحق ساکن شہر ونبان ملکہ گچھ ۱۲۸۵ھ" کا تحریر کردہ موجود ہے۔

۱۶۔ محمد مقیم نامی عالم نے 'تفسیر خواب' فارسی کا سندھی میں ترجمہ کیا۔

۱۷۔ عبدالصمد ولد حاجی محمد مقیم نورنگ پوتہ نے، مخدوم فتح محمد سندھی کی فارسی کتاب 'مفتاح الصلوٰۃ' کا سندھی ترجمہ بنام 'مفتاح الصلوٰۃ سندھی' ۱۵ محرم ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) کو مکمل کیا، بعد میں قاضی عبدالرحیم ساکن کوٹ عالمی نے مزید اصلاح کر کے اسے ۱۷ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ کو مکمل کیا۔

۱۸۔ قاضی عبدالکحیم (ہالہ گنڈی والے) نے سنہ ۱۲۸۰ھ سے قبل ہندوستان کے عالم محمد ہادی کی "کتاب رتو نصاریٰ" کا اردو سے سندھی میں ترجمہ کیا۔

۱۹۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے، میر امن دہلوی کی فارسی سے اردو ترجمہ 'قصہ چہار درویش' کا ذی الحجہ ۱۲۶۲۔ ربیع الاول ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۶ء) کے عرصے میں 'قصو چار درویش' کے نام سے سندھی میں ترجمہ کیا۔ (۱)

۵۔ تجرباتی تحقیقی نتائج کو سندھی میں شائع کرنا:

موضوع کی علمی معرفت اور اس کے ساتھ عربی و فارسی نیز سندھی زبان میں مہارت کے لحاظ سے اس دور کے سندھی علماء کا علمی معیار بہت بلند تھا۔ ان کی اس اعلیٰ قابلیت نے نہ صرف ان کے تحقیقی معیار کو بلند کیا بلکہ اس کے ساتھ سندھی لغت کے استعمال خواہ عبارت و بیان میں صحت اور وسعت بھی پیدا کر دی۔ مثلاً ابوالحسن کی کتاب 'مقدمۃ الصلوٰۃ' (ابوالحسن جی سندھی)، مخدوم محمد ہاشم کی کتاب 'بناء الاسلام' اور 'ذبح و شکار' اور علی نامی عالم کی تصنیف 'تسہیل الفرائض' (گزشتہ سے پیوستہ) علامہ اویس محمد کے انتقال کے بعد آپ کا شعر و شاعری سے شغف کم ہو گیا، اس دوران حضرت حاجی شاہ فقیر اللہ علوی ۱۱۰۰-۱۱۹۵ھ (۱۶۸۹-۱۷۸۱ء) کے فیض یافتہ اور فارسی کے بہت قابل شاعر آخوند صاحبزادہ متخلص 'صاحب' کی صحبت میں پیر سے شعر و سخن کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابتداء میں متخلص 'عارف' تھا لیکن بعد میں اپنے پیشہ خیمہ دوزی کی مناسبت سے 'صنعت' متخلص اختیار کیا۔

آپ نے ۲/ صفر ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۹ء) کو وفات پائی اور شکار پور میں امین شاہ چشتی کے قبرستان میں آسودہ خاک ہوئے۔ آپ نے فارسی زبان میں ایک مثنوی بنام 'ناگہاں' اور ایک عدد دیوان یادگار چھوڑے ہیں، جس میں ۲۱۶ غزل، ۱۲ قصائد اور کچھ رباعیاں، مخمس اور قطعات وغیرہ ہیں۔ آپ کا کلام بہت پختہ بزرگمین اور ایرانی شعراء کے ہم پلہ ہے۔

دیکھیے: 'تذکرہ مشاہیر سندھ' جلد اول، ص ۲۱۳-۲۱۵

'دیوان صنعت' مقدمہ مرتب، ص ۵۔ 'لب' (مترجم)

(۱) غالباً یہ اردو کتابوں کا سب سے قدیمی سندھی ترجمہ ہے۔ (مترجم)

میں موضوعات اور مسائل کے بارے میں کی گئی علمی تحقیق، صحت اور جامعیت کے اعتبار سے مثالی اور معیاری ہے۔

اس کی ایک خاص مثال مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کی اس تجرباتی تحقیق میں ملتی ہے جو انہوں نے 'عین نصف النہار' (خاص دوپہر) کے سایہ ڈھلنے اور بڑھنے کے متعلق کی، اور جسے بیان کرنے میں پرانی سندھی زبان یا خود مصنف کے دور میں ٹھٹہ میں رائج سندھی زبان کے لغات کی انوکھی مثالیں موجود ہیں۔

سایہ ڈھلنے کے لحاظ سے نماز ظہر کا وقت مقرر کرنے پر تحقیق:

ہر نماز مقرر وقت ہی پر چھی جاتی ہے، ظہر نماز کا وقت نصف النہار ہوتے ہی سورج ڈھلنے ("زوال") کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور بڑھتے ہوئے "سائے کے مقرر طول لمبائی" پر مکمل (ختم) ہوتا ہے۔ نصف النہار کے بعد سائے کے معمولی جھکاؤ سے ہی سورج ڈھلنے کو ہر ایک باسانی معلوم کر سکتا تھا، لیکن اس دور میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ظہر نماز کے آخری وقت کی مقرر حد کو ڈھلے ہوئے سائے کے لحاظ سے کس طرح پہچانا جائے؟ ایک ہزار برس قبل جب 'گھڑیاں' اور 'گھنٹے' ایجاد نہیں ہوئے تھے اور وقت کو محض سایہ ڈھلنے سے ہی پہچانا جاتا تھا اس وقت ائمہ فقہ نے نماز ظہر کے وقت کی آخری حد کے لئے یہ ضابطہ مقرر فرمایا:

آخر وقت ظہر تا آنکہ رسد سایہ ہر چیز بدو برابر او

سوائے فی الزوال نزدابی حنیفہ۔ وہ یک برابر اوسوائے

فی الزوال نزد صاحبیہ و شافعی و احمد۔

[نماز ظہر کے آخری وقت کی حد ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ کسی بھی چیز کا سایہ اس چیز کے نصف النہار کے سائے کے بعد بڑھ کر اس کے قد سے دگنا (دہرا) ہو جائے جبکہ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد)، امام شافعی اور امام احمد کے بقول وہ سایہ بڑھ کر اس چیز کے قد کے برابر ہو جائے]

اس ضابطہ کی رو سے کسی بھی چیز کے طول کو اور نصف النہار کے بعد اس چیز کے ڈھلے ہوئے سایہ کے طول کو سمجھنا ضروری تھا۔ اس کے لئے فقہاء نے ڈھلتے سائے کے متعلق تحقیق کر کے اس ضابطہ کو آسان بنایا: انہوں نے ہر شخص کے اپنے قد کے لحاظ سے ڈھلتے سائے کی ماہانہ اوسط (AVERAGE) لمبائی کی پیمائش خود اس شخص کے اپنے قدم یا پیر، (پاؤں) کی لمبائی کے حساب سے مقرر کی؛ تاکہ ہر شخص اپنا ڈھلتا ہوا سایہ خود ہی قدم قدم اٹھا کر ناپ سکے او

رمندرجہ بالا ضابطے کی رو سے ظہر نماز کا آخری وقت معلوم کر سکے۔ یہ ماہانہ اوسط لمبائی شمسی مہینوں کے حساب سے بیان کی گئی، کیونکہ ہر شمسی سال کے اسی مہینے میں اسی جگہ پر سورج کا سایہ اندازاً اسی ناپ کا رہتا ہے۔ سندھ کے کسی عالم نے پرانے زمانے میں اس ماہانہ اوسط لمبائی کی جدول (زائچہ) کو سندھی مہینوں کے ناموں اور حساب سے درج ذیل طور پر منظوم کیا:

اٹ ڈنائین 'پوہ' کھی، اٹ ڈنائین 'ماہ'  
چھ ڈنائین 'قہن' کھی، چار ڈنائین 'چیت'  
تی ڈنائین 'وہاء' کھی، بہ ڈنائین 'جیٹ'  
ہک ڈنائین 'آراڑ' کھی، 'ساوٹ' ڈنائین ہیک  
بہ ڈنائین 'بدری' کھی، تی 'اُسوہ' کھی  
چار ڈنائین 'کتی' کھی، ۴ بہ 'نہاری' کھی  
پٹ وری وڈائین مٹان ٹی 'ساید' سین کھی

[یعنی 'پوہ' اور 'ماہ' کے مہینوں میں آدمی کا اپنا سایہ دوپہر کے بعد ڈھل کر لمبائی میں خود اس کے آٹھ پاؤں کے برابر ہو اس وقت تک ظہر کا وقت موجود ہے۔ اور 'پھاگن' میں چھ پاؤں اور 'چیت' میں چار پاؤں کے برابر۔ 'ویساکھ' مہینے میں تین پاؤں کے برابر اور 'جیٹھ' مہینے میں دو پاؤں کے برابر، 'اساڑھ' اور 'ساوٹ' کے مہینے میں ایک ایک پاؤں کے برابر۔ 'بھادوں' کے مہینے میں دو پاؤں اور 'اُٹو' میں تین پاؤں کے برابر۔ 'کتی' کے مہینے میں چار پاؤں اور 'مگھر' میں دو پاؤں کے برابر۔ نیز تمام مہینوں میں پاؤں کا نصف یعنی 'ساڑھ' کی پیمائش بڑھائی جاسکتی ہے] ایک اور سندھی بزرگ نے کسی دوسری ماہانہ اوسط جدول (زائچہ) کو یوں منظوم کیا:

ائین پیرین پوہ قہن، چھین نہاری چیت  
چٹین کتی وہاء، تئین اسو چیت  
پین بدری آراڑ، ڈید ماہ، ساوٹ ہیک  
ساید سینی اگري ڈینی کجی چیت

[پوہ اور پھاگن دونوں مہینوں میں آدمی کا اپنا سایہ دوپہر کے بعد ڈھل کر جب تک لمبائی میں اس کی پیمائش آٹھ پاؤں کی ناپ کے برابر لمبا ہو اس وقت تک ظہر نماز کا وقت ہے، اور جب وہ لمبائی ختم ہوگئی (یعنی آٹھ پاؤں کی پیمائش سے بڑھ گئی) تو ظہر نماز کا وقت ختم ہو گیا۔ اسی طرح مزید دوسرے مہینوں کے لئے یہ لمبائی اس طرح دی گئی ہے کہ: 'مگھر' اور 'چیت' دونوں مہینوں کے لئے چھ پاؤں، 'کتی' اور 'ویساکھ' دونوں مہینوں کے لئے چار پاؤں، 'اُٹو' اور 'جیٹھ' دونوں



مہینوں کے لئے تین پاؤں - 'اساڑھ' اور 'بھادوں' دونوں مہینوں کے لئے دو پاؤں - 'ماگھ' مہینے کے لئے ڈیڑھ پاؤں اور 'ساون' کے لئے ایک پاؤں کے برابر سایہ رہے تو ظہر کا وقت ہے۔ لیکن مذکورہ بالا تمام اندازوں میں 'ساڑھ' (نصف پاؤں) کے برابر ناپ بڑھائی جاسکتی ہے۔ پیمائش کے اعتبار سے دونوں جدولوں (زاپچوں) میں فرق ہے۔ یہ زاپچے شاید سندھ سے باہر کسی دوسرے ملک کے لئے وہاں کے علماء نے عربی و فارسی عبارت میں لکھے تھے جنہیں سندھی زبان میں منظوم کیا گیا۔

تاریخی اعتبار سے یہ منظومات پرانے دور کے ہیں، اس لحاظ سے سندھی تحریر کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ منظومات دسویں یا گیارہویں صدی ہجری (۱۶-۱۷ ویں صدی عیسوی) کے ہوں، کیونکہ ۱۲ویں صدی ہجری کے اوائل یعنی سن ۱۱۳۳ھ (۱۷۲۱ء) میں ظہر نماز کا وقت معلوم کرنے کی خاطر سائے کے حساب کے متعلق تصنیف کردہ (۱) اپنی کتاب میں مخدوم محمد ہاشم نے ان منظومات کو نقل کیا ہے۔ مخدوم صاحب نے ان دونوں منظومات میں مذکورہ جدولوں (زاپچوں) کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ بقول آپ کے یہ جدولیں (زاپچے) سندھ سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ غالباً یہ کسی دوسرے ملک کے لئے عربی یا فارسی میں لکھی گئیں تھیں، جن کا بعد میں سندھ کے بزرگوں نے سندھی زبان میں ترجمہ کر دیا، لیکن آپ نے ان سندھی مترجمین کا نام نہیں بتایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بزرگ کافی زمانہ پہلے ہو گزرے ہیں، البتہ ان کے یہ منظومات لوگوں کو یاد تھے اور عام مشہور تھے اسی وجہ سے مخدوم صاحب نے انہیں نقل کیا۔ ان منظومات میں بعض سندھی مہینوں کے نام جس صورت میں لائے گئے ہیں اس سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ نام بہت پہلے رائج تھے۔ 'نہاری' (ناہری) 'ماہ' (ماگھ) 'وہاء' (ویساگھ) اور آراڑ (آکھاڑ) کافی پرانے نام ہیں جو گنڈ کے علاقے میں رائج رہے ہیں۔ سندھی زبان کی قدیم لغت کی رو سے، یہ دونوں منظومات ایک دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں۔ مخدوم محمد ہاشم نے ان دونوں نظموں کو "ابیات سندھی" (سندھی بیت شعر) کہا ہے۔

ان دونوں جدولوں (زاپچوں) میں اغلاط کو محسوس کرتے ہوئے مخدوم محمد ہاشم نے بعد میں خود تحقیقی تجربہ کیا، وہ اس طرح کہ آپ نے ایک لکڑی گاڑ کر پورے ایک سال تک اس کے

(۱) مخدوم صاحب کی کتاب کا نام "دشف الزلال فی فہم الزوال" ہے جو قلمی صورت میں موجود ہے۔ قاضی فتح الرسول نظامانی نے ازراہ مہربانی غیر مجتہد لاہوری کے قلمی نسخہ سے رائف کے لئے ایک نقل تیار کی تھی جس میں یہ جدولیں اسی طرح درج ہیں۔ مخدوم صاحب کا خود اپنے ہاتھوں لکھا ہوا نسخہ موجود نہیں تاکہ اصلی متن کا صحیح اندازہ لگایا جاسکے۔

[واضح رہے کہ علامہ ڈاکٹر عبدالرسول قادیانی نے اس کتاب کا سندھی میں ترجمہ کیا ہے، جو جناب بلوچ صاحب کے پیش الفاظ کے ساتھ سندھی لیکچر اتھارٹی حیدرآباد کی جانب سے ۱۳۶۵ھ/۱۹۹۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ (مترجم)]

نصف النہار (دوپہر) کے سائے کی لمبائی کو ناپتے رہے؛ دوسرے سال بھی وقفہ وقفہ سے ناپ لے کر پہلے سال کی پیمائش کی تصدیق کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے ان دونوں پیمائشوں کی بنیاد پر ہر 'نصف ماہ' کی 'اوسط ناپ' نکالی اور جدول (زاچہ) تیار کی۔ اسی طرح ٹھٹھ اور نصیر پور دونوں علاقوں کے لئے اس جدول کی تصدیق کر کے (۱)، پہلے اسے فارسی اور بعد میں سندھی میں یوں منظوم کیا (۲):

سایو اصلی ملک سندھ جو سٹھو مؤننا (۳)

لکھی کریان پتدرو کارٹ رب رضا

کیم محنت تنہ تی چوٹیہ ماہ سجا (۴)

اذا مہینی جا سیکھین لکان پیر جدا (۵)

[اے مؤمنو! سندھ ملک کے سایہ اصلی کا بیان سنو

جسے میں خدا کی رضا کی خاطر لکھ کر ظاہر کرتا ہوں

اس پر میں نے مکمل چوبیس ماہ تک محنت کی ہے

ہر نصف، نصف ماہ کے لئے پاؤں کا فاصلہ الگ الگ لکھتا ہوں۔]

ورہ وہی (۶) وہاء کنا، کریان شروع تہا (۷)

پھرین اذا ہر وہاء جی ادائی پیر تین

پوٹین اذا ہر ہر تئا، سٹی یاد کجن

[سال شروع ہوتے ہی 'ویا کھ' کے مہینے سے اس کا آغاز کرتا ہوں

'ویا کھ' مہینے کے نصف اول میں اڑھائی پاؤں فاصلہ ہوتا ہے

(۱) محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ مخدوم صاحب نے اپنا یہ تجربہ ٹھٹھ کے علاقہ میں کیا تاہم اس کے ساتھ ہی آپ نے نصیر پور علاقہ میں بھی سائے کی پیمائش لینے کے لئے کسی شخص کو مقرر کیا، اور بعد میں ان پیمائشوں کو سامنے رکھ کر نتائج اخذ کیے۔

(۲) مخدوم صاحب نے کتاب کی فصل دوم میں فارسی نظم درج کی ہے، اور کتاب کے 'خاتمہ' میں مکمل جدول سندھی نظم میں لکھی ہے۔ اس نظم سے قبل 'خاتمہ' کی عبارت درج ذیل ہے:

”خاتمہ رسالہ در بیان تقدیر اقدام سایہ اصلی ملک سندھ بزبان سندھی: باید دانست کہ آنچه بعد از تحقیق و امتحان از سایہ اصلی ملک سندھ معلوم شد چہ شتر آن را در ابیات فارسیہ درج کردہ شد بود۔ کما تقدم فی الفصل الثانی۔ والحال باز آن را در ابیات سندھیہ درج نمودہ می شود تسہیلا علی المبتدین و تعمیما للفائدہ بدین طریقہ کہ:

(۳) سایو اصلی = نصف النہار (دوپہر) کا سایہ۔ سٹھو = سنو

(۴) چوٹیہ = چوبیس

(۵) پیر (پاؤں قدم) = جوان آدمی کے پاؤں (قدم) کے عدد، اس کے پاؤں کی پیمائش کے مطابق۔

(۶) یہ لفظ یائے مجہول کے ساتھ ہے۔ (مترجم)

(۷) ورہ وہی = سال شروع ہوتے ہی۔ وہاء کنا = ویاکھ کے مہینے سے تئا۔ تئا، یعنی ویاکھ سے

اور ’ویا کھ‘ کے نصف آخر میں دو پاؤں کے برابر، اُسے سن کر یاد رکھنا چاہئے۔]

پھری اڌ کي ڇيٽ جي ڏيڍ پير ڏبو

پويين اڌ کي تنه جي قدم هيڪڙو (۱)

اڌ ۾ پھري (۲) آراڙ جي اڌ پير پسجي (۳)

تھا پوءِ اچي سڄ برابر ٿئي، پاڇو کين رهي (۴)

[جيئھ مھينے کے نصف اول کو ڈيڙھ پاؤں ديا جائے گا اور اس کے نصف آخر کو ايک پاؤں

کا فاصلہ۔ اساتھ مھينے کے نصف اول میں نصف پاؤں کا فاصلہ، اس کے بعد سورج بالکل اوپر،  
سر کے برابر ہو جاتا ہے اور سايہ پڙتا ہی نہیں۔]

نکين پويين اڌ ۾ آراڙ جي، نه ساون سپ سڄي

جو ساون لنگهي هليو ٿو وري سو وڌي

اڌ پسجي پير جو پنره (۵) ڏينه بدري (۶)

پويان پنره تنه جا سڄو پير ٿئي

[اسی طرح اساتھ مھينے کے نصف آخر اور پورے ساون مھينے میں، سورج کا سايہ نہیں

پڙتا، ساون مھينے کے اختتام کے بعد، سورج کا سايہ پھر بڙھنا شروع ہوتا ہے۔ بھادوں مھينے کے  
نصف اول میں نصف پاؤں کا فاصلہ ہوتا ہے اور اس کے نصف آخر میں ايک پاؤں کا فاصلہ ہوتا

ہے۔

اُسو پھري (۷) اڌ ’ڏيڍ‘ ٿئي، پويين ۾ پورا (۸)

کتي پنره پھرا پير تري، پويان چار هئا

[’اُسو‘ کے نصف اول میں ڈيڙھ پاؤں کے برابر سايہ ہوتا ہے اور اس کے نصف آخر میں

دو پاؤں۔ ’کتي‘ کے پہلے پندرہ دنوں میں سايہ تين پاؤں کے برابر اور آخري پندرہ دنوں میں چار  
پاؤں کی پيمائش کے برابر ہوتا ہے۔

(۱) قدم هيڪڙو = ايک پاؤں، يعني ايک پاؤں کی ٽاپ

(۲) يہ لفظ يائے مجہول کے ساتھ ہے۔ (مترجم)

(۳) اساتھ مھينے کے نصف اول میں اوسطاً سايہ ’نصف پاؤں‘ کے برابر نظر آتا ہے

(۴) اساتھ مھينے کے نصف آخر میں سورج بالکل اوپر، سر کے برابر (مقابل) (يعني سر کے سامنے) ہوتا ہے، اس لئے نیچے  
سايہ پڙتا ہی نہیں۔

(۵) پنره = پندرہ

(۶) ’اُسو پھري‘ اڌ = اُسو مھينے کے نصف اول میں

(۷) يائے مجہول کے ساتھ ہے۔ (مترجم)

پنج بهري (۱) اڌ نهاري جي، ساڍا پنج پُٺا (۲)

ڇهه پير بهري (۳) اڌ پوه جي، پوئين ڇه ساڍا

پهري اڌ ۾ ماہ جي پورا ست ٿئا (۴)

مور نه وڌي سنڌ ۾ ساڍو ستين (۵)

وري موٽي واڌ ڪنا اچي ان ماڳا

قري ساڍا ڇه ٿئا پوين اڌ ماها (۶)

[’نهارى‘ مهينه ڪه نصف اول ۾ ساڍا پنج پاڙن اور نصف آخر ۾ ساڙهه پنج پاڙن ڪه برابر هوتا هـ. ’پوه‘ مهينه ڪه نصف اول ۾ ڇه پاڙن اور نصف آخر ۾ ساڙهه ڇه پاڙن ڪه برابر هوتا هـ. ’ماڱه‘ مهينه ڪه نصف اول ۾ پورے سات پاڙن ڪه برابر ساڍا هوتا هـ. سنڌ ۾ سات پاڙن کي پيائش سے زياده ساڍا نهين بڑھتا، اور اس ڪه بعد اس ۾ ڪي واقع هونا شروع هوتي هـ، اور ’ماڱه‘ ڪه نصف آخر ۾ ساڍا ساڙهه ڇه پاڙن ڪه برابر هوجاتا هـ۔]

ڇه پير بهري (۶) اڌ ڦڳن جي، پوءِ ساڍا پنج ٿئي

ساڍا چار بهري (۶) پنهين چيت جي، پوئين ساڍا ٽي

باڃا ٻارهن ماهن جا اچي پُٺا اي (۶)

پر پون مڙئي اتر ٻار ڏانه، ڏکڻ ڪونه پوي (۷)

سڪي سي ياد ڪر هو ته آڻ ڪي رب تسلي

[’پهاڱن مهينه ڪه نصف اول ۾ ڇه پاڙن ڪه برابر ساڍا هوتا هـ، اس ڪه بعد ساڙهه پنج پاڙن، چيت مهينه ڪه نصف اول ۾ ساڙهه چار پاڙن ڪه برابر ساڍا هوتا هـ اور اس ڪه نصف آخر ۾ ساڙهه ٽين پاڙن۔ ٻاره مهينون (سال بھر) ڪه سائے (يعني ان ڪا بيان) ڪممل هونے۔]

(۱) يائے مجہول ڪه ساڱه هـ۔ (مترجم)

(۲) پُٺا = آخري (پندرہ دن)

(۳) يائے مجہول ڪه ساڱه هـ۔ (مترجم)

(۴) ماہ = ماڱه ڪا مهينه

(۵) ساڍو = ساڍا، پر چاڱن، چھاڙن، سات پاڙن کي پيائش سے زياده نهين بڑھتا۔

(۶) ماڱه مهينه ڪه نصف آخر ۾۔

(۷) جس بهي ٻيڙ ڪا، جن مهينون ۾ زمين پر ساڍا پڙتا هـ، وه اس ٻيڙ کي شمالي ست پڙتا هـ، اس ٻيڙ کي جنوبي ست نهين پڙتا۔

البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ بارہ ہی مہینوں میں سایہ تمام چیزوں کی شمالی جانب پڑتا ہے، جنوب کی طرف نہیں پڑتا۔ انہیں (یعنی ان کے اس تفصیلی بیان کو) سیکھ سمجھ کر یاد کریں تاکہ تمہیں رب پاک خوش رکھے۔

پران توکي چان گال جا، سٹیج سا ساري (۱)

تہ جني سايدا اٹ پير لکنا 'پوہ' کين 'ماہ' مي (۲)

او کم نہ ايندي گالڙي موران سندين کي

سند م ستن پيرنئون پاچو کين ودي

مگر کھين بڻي ملڪ سين جيڪر هوند جڙي (۳)

[ليکن میں آپ سے ایک بات کہتا ہوں اسے توجہ سے سنو! کہ جن لوگوں نے 'پوہ' یا 'ماگھ' مہینوں میں سائے کی مقدار ساڑھے آٹھ پاؤں لکھی ہے، ان کی یہ بات اہل سندھ کے لئے قطعاً کارگر نہیں۔ سندھ میں کبھی بھی سات پاؤں کی مقدار سے زیادہ سایہ نہیں ہوتا البتہ ان کی یہ بات کسی دوسرے ملک کے لئے ممکن ہو سکتی ہے کہ وہاں پر اس مقدار میں سایہ پڑتا ہو۔]

ساو سيني ملڪن م تفاوت کري (۴)

پن جني ڏنو ساون کي ڏيد پير سڄو

او نہ جڙندو سند سين، چوڪاري ڏسو (۵)

سند منجهه ساون ماہ م پاچو مور نہ پوءِ

مگر قدر بن ٿن آڱرين، جنہ اعتبار نہ ڪو (۶)

[ہر ملک کے نصف النہار (دوپہر) یا کسی بھی وقت کے سایہ کی لمبائی میں فرق ہوتا ہے، اس لئے جن لوگوں نے ساون مہینے میں سایہ کی مقدار ڈیڑھ پاؤں کے برابر لکھی ہے، ان کی یہ بات (کم از کم) سندھ میں درست ثابت نہیں ہوتی، آپ خود ہی اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیں، سندھ میں ساون کے مہینے میں کسی بھی چیز کا سایہ بالکل نہیں پڑتا (نہیں ڈھلتا) بجز دو تین انگل کی مقدار کے، کہ جس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (یعنی اس معمولی فرق کو شمار نہیں کریں گے)۔]

(۱) آن = میں۔ چان = کہوں یا کہتا ہوں

(۲) 'پوہ' یا 'ماگھ' کے مہینوں میں

(۳) یعنی ممکن ہے کہ اس مقدار (سات پاؤں سے زیادہ) میں سایہ کسی دوسرے ملک میں پڑتا ہو۔

(۴) یعنی ہر ملک کے نصف النہار (دوپہر) کے سائے یا دوسرے کسی بھی وقت کے سائے کی لمبائی میں فرق ہوتا ہے۔

(۵) چوڪاري ڏسو (چوڪھارے ڏسو) = پرکھ کر تجربہ کر کے دیکھو۔

(۶) جنہ اعتبار نہ ڪو = جسے شمار نہیں کیا جائے گا، (یعنی اس معمولی مقدار کا اعتبار نہیں کیا جائے گا)۔

سٹی دین شریعت کی سکی یاد کرھو

ویندا سی (۱) ایمان سین کلمو جن چیو

[دین شریعت کی باتیں سن کر انہیں یاد رکھو، وہی لوگ دنیا سے بحالتِ ایمان جائیں گے

جو کلمہ پڑھیں گے۔]

اگرچہ مخدوم محمد ہاشم نے اپنے تجرباتی نتائج کو شروع میں فارسی زبان میں تحریر کیا، مگر اس کے ساتھ انہیں سندھی زبان میں بھی منظوم کیا۔ ان کی مندرجہ بالا نظم سن ۱۱۳۳ھ (۱۷۲۱ء) کی ہے، اس زمانے میں شاہ عبداللطیف بھٹائی کی عمر تقریباً آئیس (۳۱) برس تھی۔ اس لئے یہ نظم بھی سندھی لغت و بیان کے اعتبار سے خاص اہمیت کی حامل ہے۔

۶۔ سندھی نثر میں عبارات اور کتابیں تحریر ہونے کا آغاز:

باب ہفتم میں بیان ہو چکا ہے کہ سندھ کے علماء و فقہاء نے دسویں صدی ہجری (۱۶۔ویں صدی عیسوی) ہی سے سندھی زبان کی بعض مخصوص اصطلاحات، فقرہوں اور جملوں پر بحث شروع کر دی تھی، جو اس دور میں بھی جاری رہی۔ اس طرح یہ سندھی نثر کی وہ اصطلاحات، فقرے اور جملے تھے جو سب سے پہلے حیطہ تحریر میں آئے۔ اس دور میں مخدوم ابوالحسن کی ”مقدمۃ الصلوۃ سندھی“ (ابوالحسن جی سندھی) سے لے کر ایک نئی قسم کی ”نظم نما نثر“ رواج میں آئی، جس نے سادہ سندھی نثر کے لئے میدان تیار کیا۔ ان کتابوں میں سادہ سلیس نثری نمونہ کے ”منظوم بند“ استعمال ہوئے (جن پر مزید روشنی ہم ذیل میں ڈالیں گے)، جن کی وجہ سے آگے چل کر سندھی نثر میں کتابیں لکھنے میں آسانی ہوئی۔ ”سندھ جی ادبی تاریخ“ (سندھ کی ادبی تاریخ) کے مصنف نے صحیح کہا ہے کہ مخدوم محمد ہاشم کی عربی کتاب ”فرائض الاسلام“ کے سندھی ترجمہ کی نظم بہت سادہ ہے: ”گویا محض نثر نما نظم ہے“ (۲)۔

”فرائض الاسلام“ کے سندھی تراجم مخدوم محمد ہاشم کی وفات (۱۱۷۴ھ) کے بعد ہوئے، لیکن اس سے بہت پہلے ”ابوالحسن جی سندھی“ اور اس کے بعد بطور خاص مخدوم محمد ہاشم کی یکے بعد دیگرے تصنیف کردہ سندھی کتابوں۔ مثلاً زاد الفقیر (۱۱۳۰ھ)، راحۃ المؤمنین (۱۱۳۰ھ)، بناء الاسلام (۱۱۴۳ھ)، اور عقائد سندھی (۱۱۴۳ھ) کے ذریعے نثری نمونہ کی نظم عام مقبول ہوئی، اور ۱۲ویں صدی ہجری (۱۸ویں صدی عیسوی) کے اولین پچاس سالوں میں سندھی نثر میں عبارات لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ سنہ ۱۱۵۲ھ میں تحریر کردہ اسی سلسلہ کی ایک عبارت بطور مثال

(۱) یا ئے مجہول کے ساتھ ہے۔ (ترجم)

(۲) محمد صدیقی مین: ”سندھ جی ادبی تاریخ“ حصہ اول، ص ۷۵

ذیل میں دی جاتی ہے (۱)۔

سن ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ء) کی سندھی نثر میں تحریر کردہ عبارت:

وِيهَ كُورِي سِيد صَاحِبَ دَنِي (۲) واري  
ايڪيه نِي جا پئسا سُوَرَهَ كُورِي ساھوہ  
جي (۲) هَتتا اَنِي (۲) دَنِي آھين ڪا ڪي  
چہ كُورِي صالح ڪنا حسن ڪني وَھيو آہ  
چہ كُورِي بازار مَر چُوري (۲) ڪَن مَنجا مَن دَنِي  
اي (۲) سِيئي باب تئا كُورِي اُونُونجاہ  
سي (۲) سِي دَنِي آھين ڪا ڪي مَنج وَر دِي  
جي اَدّا ۱ جي (۲) ڪن ڪنايو تي (۲) ڪا ڪنا اَدّني (۲) ديورا  
يہ عبارت ٹاٹ کی بورپوں کی تفصیل سے متعلق درج ذیل طور پر ہے، جس سے معلوم  
ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بعض ہندو یا مسلمان دکان کا حساب کتاب بھی بیوں کے حروف  
(ہندوانہ رسم الخط) کے بجائے سندھی رسم الخط میں لکھتے لگے تھے۔

[مندرجہ بالا نظم نمائندگی عبارت کو موجودہ سندھی رسم الخط میں یوں تحریر کیا جاسکتا ہے |

ويہه گُوئيون سِيد صاحِبَني واريون  
ايڪيهن جا پئسا (دَنا ويا) سورهن گُوئيون ساھوہ  
جي هت تان آئي دَنيون آھين ڪا (ڪي) ڪي  
چہه گُوئيون صالح ڪنا حسن ڪني ويو آہ  
چہه گُوئيون بازار مَر چُوڙي گُٺ منجھا مون دَنيون  
اي (اھي) سِيئي باب (پاڻگا) تئا گُوئيون اوئونجاہ  
سي سِي دَنيون آھين ڪا ڪي منجھه وَر دِي جي اَدّا  
جيڪِن ڪنايون تي ڪا ڪنا اَدّني  
دِيوئا (يا) دِيوي (راء)

[بيس بورياں سيد صاحبڏنه کي، اڪيس کے پيسے (ديئے گئے) سولہ بورياں ساھو کے ھاٽ  
(دکان) سے لا کر دی ہیں رڱا (تھے) کو، چہ بورياں صالح کے ھاٽ سے حُسن لے گیا ہے،

(۱) یہ عبارت مخدوم محمد ہاشم کی سندھی کتاب ”بناء الاسلام سندھی“ کے برطانوی کتب خانہ میں رکھے ہوئے قلمی نسخہ کے بالکل  
آخر میں اُسی کاتب کی تحریر کردہ ہے، جس نے سن ۱۱۵۲ھ میں بناء الاسلام کو نقل کیا۔

(۲) یا ئے مجہول کے ساتھ ہے۔ (مترجم)





کے پاس تعلیم حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ اندازے سے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے یہ ترجمہ اپنی تعلیم کی تکمیل اور مزید مطالعہ کے بعد چالیس برس کی عمر کے بعد ۱۲۰۰-۱۲۳۰ھ کے عرصہ میں کیا ہوگا۔ ان کا یہ ترجمہ مخدوم عبدالصمد ولد حاجی محمد مقیم نورنگ پوتہ ساکن میر پور بٹھورو نے سنہ ۱۲۹۳ھ میں ’مرغوب ہر دنا‘ مطبع، بمبئی سے طبع کروا کر شائع کیا۔ اسی مطبوعہ قرآن شریف سے ذیل میں سورۃ فاتحہ کے معنی درج کیے جاتے ہیں:

”سورۃ الفاتحہ نازل ہوئی مکہ میں بعض نے کہا مدینے میں، اس میں سات آیتیں ہیں شروع کرتا ہوں ساتھ نام خدا کے جو رزق دینے والا اور بخشنے والا ہے، ہر ایک تعریف مناسب ہے اللہ کے جو مالک ہے تمام عالموں کا جو صاحب ہے رحمت کا، دنیا اور آخرت کا، جو آشکار بادشاہ ہوگا درمیان روز قیامت کے،

تجھے خاص عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہمراہی مانگتے ہیں دوران عبادت، دکھلا ہمیں آقا راہ سیدی اپنی جو ہے راہ ان نبیوں کی، نعمت کی تو نے جن پر، نہ راہ ان کی، غصہ کیا گیا جن یہودیوں پر، اور نہ راہ گمراہوں کی جو ہیں نصاریٰ۔“

یہ تحت اللفظ ترجمہ ہے، مگر جب اس کا اس دور کے، یا اس سے بعد کے فارسی یا اردو تحت اللفظ تراجم سے تقابل کیا جاتا ہے تو یہ ترجمہ نثری ترتیب و معنی کے اعتبار سے کافی سلیس نظر آتا ہے۔

آخری سطر میں ”ضالین“ کا ترجمہ ’یہودی‘ کیا گیا ہے، جس سے گمان ہوتا ہے کہ مترجم موصوف شاید مخدوم نوح علیہ الرحمہ کے فارسی ترجمہ قرآن سے واقف تھے کیونکہ اس میں بھی ضالین کا یہی ترجمہ کیا گیا ہے۔ قاضی صاحب نے ترجمہ کے علاوہ کئی مقامات پر سندھی نثر میں حواشی بھی دیئے ہیں۔ مترجم موصوف بزرگان لواری کے مرید تھے اور اس اعتبار سے سلوک و طریقت میں باطنی و روحانی رموز کی طرف مائل تھے، جیسا کہ ان کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ان کے بعض حواشی کا بیان پیچیدہ ہے لیکن بعض حواشی میں عمدہ سندھی نثر کی جھلک بھی نظر آتی ہے مثلاً:

”چاہیے کہ خدا کی محبت سب سے چھپائی جائے، بلکہ اپنے جسم اور نفس سے بھی چھپائی جائے، مگر روح کے ساتھ چھپ کر بیان کی جائے“

۱۸ویں صدی کے اختتام اور ۱۹ویں صدی کے آغاز میں انگریز حکومت کی ہمت افزائی سے عیسائی پیشوایان مذہب نے مقامی لوگوں کو عیسائی بنانے کے لئے اپنی مذہبی کتابوں کے علاقائی زبانوں میں تراجم کرنا شروع کر دیئے تھے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان میں ’سیرامپور‘ کے

پادریوں نے سنہ ۱۸۲۵ء میں بائبل کے باب ”متی“ کا سندھی ترجمہ کیا، جس کا کئیشن جارج سنگ نے دیوناگری رسم الخط میں نیا سندھی ترجمہ کیا جو سنہ ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا۔ دو سال بعد پرنس نے ۱۸۵۲ء میں عربی سندھی رسم الخط میں بائبل کے باب ”یوحنا“ کا ترجمہ کیا (۱)۔

ان تراجم کے بعد پادریوں نے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے علاقائی لوگوں کے مذاہب پر حملے شروع کر دیئے، جن کے جوابات انہیں مقامی علماء نے دیئے۔ ہندوستان کے عالم محمد ہادی نے سنہ ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ء) میں کرستان پادریوں کی طرف سے اسلام پر کیے گئے حملوں کے جواب میں ”کتاب رد نصاریٰ لکھی، جس کا ہالا کندی (پرانہالا) کے عالم قاضی عبد الحکیم نے سندھی نثر میں ترجمہ کیا۔ جس کے ابتدائی الفاظ یوں ہیں: ”یہ رسالہ در بیان سوالات عیسوی جوابات محمدی کے“۔ سندھی نثر میں یہ کتاب سنہ ۱۲۸۰ھ (شروع ۱۸ جون ۱۸۶۳ء) سے قبل لکھی گئی (۲)۔

تالپور امیروں کے دور میں سندھی نثر میں اور بھی بعض کتابیں لکھی گئیں، لیکن انگریز دور حکومت میں ان کی طرف عدم توجہ کی وجہ سے وہ کتابیں ضائع ہو گئیں (۳)۔

۷۔ سندھی الفاظ اور صرف۔ نحو (گرامر) کا زیر مطالعہ آنا:

تعلیمی نقطہ نگاہ سے مادری زبان کی اولیت و اہمیت کا اصول قبول کر لینے کے بعد، ایک تو سندھی میں ابتدائی تعلیم دینے کے لئے درسی کتابیں لکھی گئیں؛ اور دوسرا ثانوی سطح پر فارسی پڑھانے کے لئے سندھی کو تعلیمی ذریعہ بنایا گیا۔ طلباء کو سندھی زبان سکھانے کی خاطر کم از کم دو خاص اقدامات کیے گئے:

(الف) سندھی الفاظ کے صحیح معنی کو سمجھنا اور سمجھانا

(ب) سندھی زبان کی ساخت یعنی صرف۔ نحو کو زیر مطالعہ لانا۔

اس سلسلہ میں ماہر اساتذہ کی طرف سے تیار کردہ تمام کا تمام مواد تو سلامت نہیں رہا کہ اس کا صحیح طور پر اندازہ لگایا جاسکتا؛ البتہ جو کچھ مواد قلمی صورت میں سلامت رہ گیا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے دسویں اور گیارہویں صدی میں فارسی لغات اور فارسی صرف۔ نحو (گرامر) سکھانے کے لئے بھی درہی مواد سندھی میں تیار کیا گیا تھا۔

(۱) بحیرہ دل: سندھی بولی جی تاریخ، مطبوعہ کراچی ۱۹۳۱ء، ص ۲۷۸ (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، طبع ششم ۲۰۰۴ء، ص ۲۵۷)  
(۲) عزت اللہ کاتب نے اس کتاب کو خلیفہ عبداللطیف کے لئے سنہ ۱۲۸۰ھ میں نقل کیا، یہ قلمی نسخہ ہم نے ڈیپر میں منصورہ کی درگاہ کے کتب خانہ میں ۱۲/۱۲/۱۹۷۰ء کو دیکھا تھا۔

(۳) ”میرنوں کے دور اقتدار میں نثر میں تیار کردہ دو تین کتابیں سننے میں آ رہی ہیں، لیکن وہ آج تک طبع نہیں ہو سکی ہیں“ بحیرہ دل: سندھی بولی جی تاریخ، ص ۲۹۱-۲۹۲ (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، طبع ششم ۲۰۰۴ء، ص ۲۶۹)

(الف) زبان کی ابتدائی تربیت کے لئے 'دو-وایا' اور 'سہ-وایا':

طلباء کو ابتدائی طور پر فارسی الفاظ سمجھانے کے لئے ہم معنی فارسی اور سندھی الفاظ کے 'دو-وایا' مرتب کیے گئے اور آگے چل کر اسی اصول کے تحت فارسی اور عربی الفاظ کے سمجھانے کے لئے ہم معنی سندھی، فارسی اور عربی الفاظ کے 'سہ-وایا' مرتب کیے گئے۔ یہ دونوں نصابی نام سندھی-آمیز ہیں، جن میں 'وائی' (زبان) کا مفہوم سمایا ہوا ہے: 'دو-وایا' یعنی دو زبانوں (فارسی اور سندھی) کے ہم معنی الفاظ، اور 'سہ-وایا' یعنی تین زبانوں (سندھی، فارسی اور عربی) کے ہم معنی الفاظ۔ طلباء کا شوق و ذوق بڑھانے کی خاطر بعض 'دو-وایوں' میں کچھ الفاظ تک بندی سے لائے گئے نیز ایک جنس کے الفاظ کو یکجا کر دیا گیا۔

'دو-وایوں' میں تک بندی کی مثالیں، جیسا کہ

'غودان'، 'بیا' (پستان) - 'مگبذ'، 'قبا' (قبے)

'جغرات'، 'ڈونرو' (دہی) - 'کوزہ'، 'نکوئرو' (لونا)

ایک ہی جنس کے الفاظ کو یکجا کرنا، مثلاً کھانا پکانے کی اشیاء وغیرہ:

فلقل (۱) = مرج (سیاہ مرج) - اجمود = ولجان (اجوائن، نانخواہ)

زیرہ = جیرو (زیرہ) - کشنیز = ڈانا (دھنیا)

جوزبو = جعفر (جانقل) - قرنفل = لونگ (لونگ)

اجوان = جان (اجوائن) - خرما = کارک (کھجور، چھوڑا)

ایک ہی پیشہ سے متعلق الفاظ، مثلاً پیشہ آہنگری:

آہن = لوہہ (لوہا) - تبر = کھاڑی (کلباڑی)

آہن گر = لوہار (لوہار، حداد) - کلند = کوڈر (کدال، پھاوڑا)

آتش = باہم (آگ) - دابس = ڈانتو (درانتی)

اٹکر = تاندو (انگارا) - خدنگ = تکو (ٹکا، بغیر بھالے کا تیر، پیکان،

ناوک)

(۱) متن میں یہ لفظ 'نوفل' لکھا ہوا ہے جس کے معنی مرج لکھے گئے ہیں۔ معنی کی مناسبت سے ہم نے اسے 'فلقل' تحریر کیا ہے۔ کیونکہ مرج کو فلقل کہا جاتا ہے اور اگر متن میں درج اصل لفظ 'نوفل' درست تسلیم کیا جائے تو پھر اس کے معنی ہوں گے "پاری" یعنی چھالہ

دیکھیے: 'کریم اللغات' ص ۱۶۵-۱۶۶

'غیاث اللغات' ص ۳۲۹-۳۳۰ (مترجم)

انکشت = اڱار (جلا ہوا کونلہ) سندان = سندان، ساندان (نہائی، اُترن)  
 سندھ کے بعض پرانے علماء اور درسگاہوں کے بچے کچے کہنے اور اق میں راقم کو مختلف قسم کے 'دو-وایا' اور بعض 'سہ-وایا' نظر آئے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کی تمام بڑی درسگاہوں کے اساتذہ اپنے شاگردوں کے لئے خود ہی اس قسم کا درسی مواد تیار کرتے تھے: اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مکتبی سطح پر ہر جگہ 'سندھی' ہی ذریعہ تعلیم تھی۔

(ب) سندھی کے ذریعے فارسی اور سندھی گرامر کا مطالعہ:

بعض اساتذہ کے تحریر کردہ مواد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ صرف فارسی اسماء سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے 'دو-وایا' مرتب کیے بلکہ سندھی کے ذریعے فارسی صرف-نحو پڑھانے کے لئے بھی مواد مرتب کیا۔

درسگاہ و لہار کے کتب خانہ کے ویران ذخیرہ سے دو مختلف کتابوں کے کچھ ورق دستیاب ہوئے، جن میں سے ایک میں سندھی کے ذریعے فارسی صرف-نحو اور دوسرے میں سندھی کے ذریعے عربی صرف-نحو کی تشریحاتی عبارات تحریر تھیں۔ مثلاً فارسی لفظ 'چہ' (کیا) عربی استفہام کی سندھی کے استفہامیہ الفاظ کے ذریعے وضاحت کی گئی تھی؛ درج ذیل عبارات جو کہ زیادہ صاف اور قابل فہم تھیں، وہ بعینہ نقل کی جاتی ہیں:

☆ "چہ :	کچاڑو	(کیا، کونسا، کیوں، کہاں)
چہ گفتی :	کچاڑو تو چیو	(تو نے کیا کہا)
چیت :	کچاڑو آھ، کھڑو آھی	(کیا ہے، کون سا ہے)
چیتی :	کچاڑو آہین تون	(تو کیا ہے / تو کون ہے)
☆ "چہ :	کچاڑو	(کیا)

یہ لفظ ایسے اسماء پر دو مرتبہ آتا ہے جو معنی میں ایک ہوتے ہیں، مثلاً:

"چہ مردان لشکر چہ زنان"

چہ باشد میئر بزدلی فرست، جو کچھ میسر ہو جلدی بھیج

1 'سو'، 'کوه'..... 'تھڑو'، 'گھٹو'، 'کو' یہ پانچوں استفہامی معنی ہیں:  
 'سو'، 'کتھین'،

نامعلوم بات کی خبر معلوم کرنا مراد ہوتی ہے مثلاً: چہ گفتی؟ کیا کہا تو نے؟

بچ سے صاد (ص) تبدیل ہو، مثلاً

جہ گنیے گیانزو جیو تو  
جہ گنیے؟ سہا: گیانزو جیو تو؟  
جہیت گیانزو آہ گھرو آہ  
جہیت؟ معن: کاترو آہین تون  
کھنرو آہین تون  
مطلب: بہ لفظ  
سہا: معن  
جہ: جیو معن کاترو (سہا:)

[illegible]

”حیم شیریں بہ منیٰ حمزہ و: (ج ۱، ش ۱۰، س ۷، ص ۷۳۵ :)

جسم گاہ <sup>مستحق</sup> مستحق معذور: آخشیج آخشیج  
(جی <sup>مستحق</sup> مستحق) مستحق معذور حین صین  
عند (منه) سرکائی

سندھی زبان کی توسط سے ”فارسی صرف و نحو“ سکھانے والے قلمی خطوط کے

ایک ورق کا عکس

ابا الحسن علیا الفاظ التاکید نفس وعین وکلا  
 وکلنا وکل واجهم وکتع وابعص وابعع ونحو جاء  
 القوم کلهم اکتع ابعص ابعع ووافاء و  
 ثم لکن لاوبل اوواما وام وحتی ستیس ہم مضی  
 یخندنی فزون فی کم مضاف مضمر ذوالام مبہم علم  
 علائت خبر لفظ ای بیان بدل کینی سو کپروت عطفا  
 سوسی صفت از رمی و ہم کری علامت تمیز نسبتی شبہتی  
 چو حال است منہ حال عورتا بی چہ مفعول دارد نشان کی کری  
 لدواستی ہم بیضا منج معسان جوا اضافت منج  
 المعرفة ما وضع لشیء معین والذکر ما یجمل فہ  
 اثنان واثنتان وثلثان واسم واست و  
 ایما وابن وابنة وامرء وامرء والا والا <sup>ضم</sup> والما <sup>ضم</sup> من الا  
 فاعال المتشعبہ غیر اکرم ومصادر صا والالف التي مع

سندھی زبان کی توسط سے ”عربی صرف و نحو“ سکھانے والے قلمی مخطوطے طے کے

چین سے صین

چندن سے صندل (= برکھن لکڑی) (۱)

☆ ایک اور کتاب کے ورق میں عربی صرف۔ نحو کی عبارت کے ساتھ درمیان میں ذیل کے پانچ فارسی اشعار درج ہیں جن میں 'سندھی صرف۔ نحو' سمجھائی گئی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ سندھی صرف۔ نحو کے بارے میں فارسی میں کوئی الگ منظوم کتابچہ لکھا گیا تھا جس سے یہ شعر نقل کیے گئے ہیں۔

مضاف مضر ذواللام مبہم ست علم

”پنچند نئی فزون نئی کم

کینی سو کھروست عطف بیان

علامت خبر لفظ آہی بدان

علامت تمیز است بی شبہتی

سو، سا، سی از روی او ہم کری

چو مفعول دارد نشان کی کری

چو حال است منجھ حال ہوئی ان جی

معہ سان، جو، جا اضافت پنچ

لہ واسطی ہم سبب فیہ منجھ

یہ منظوم سطر میں جس طرح اصل قلمی صورت میں تحریر شدہ تھیں بعینہ نقل کی گئی ہیں۔ دوسری سطر کے نصف اول سے صاف ظاہر ہے کہ مصنف سندھی لفظ ”آہے“ کی وضاحت کر رہا ہے، اور بتا رہا ہے کہ: ”لفظ ”آہے“ کو خبر کی علامت شمار کر۔ ان منظوم سطروں میں سندھی کی نحوی ساخت ’عربی نحو‘ کے حوالے سے ذیل کے طور پر سمجھائی گئی ہے:

﴿سندھی نحو کی (ساخت، وضع) اوضاع پانچ ہیں، کم نہ زیادہ (عربی نحو کی مناسبت سے) وہ یہ ہیں:

۱- مضاف ۲- مضر ۳- ذواللام ۴- مبہم ۵- علم

لفظ ”آہے“ کو خبر کی نشانی یقیناً ۱- کین (کیا، کیسے، کس طرح) ۲- سو (وہ، وہی)

۳- کھڑو (کیا، کون سا، کس قسم کا) یہ الفاظ بیان میں ’بدل‘ اور ’عطف‘ کے لئے آتے ہیں۔

﴿۱- سو (وہ، وہی مذکر کے لئے) ۲- سا (وہ، وہی مؤنث کے لئے) ۳- سی

(وہ، وہی جمع کے لئے) اور ۴- کری (کے لئے، لئے، برائے) سندھی نحو میں یقیناً

تمیز کی نشانی ہیں۔

﴿’حال‘ سے مراد ہے ”اس حال میں ہونا“

(۱) یہ ایک خوشبو دار درخت ہے جس کے پتے کو دار چینی، چڑ کو چوب چینی، پتوں کو گرم پتہ، اس کے پھل کو جاتل اور لکڑی کو

برکھن (سرکھنڈ)، رکت چندن کہتے ہیں۔ جامع سندھی لغات، جلد ۲، ص ۱۱۲۰، مخزن المفردات، ص ۲۹۰ (مترجم)

کسی (کھے = کو، طرف) اور کڑی (= پاس، نزدیک، طرف، جانب) دونوں 'مفعول' کی پہچان ہیں۔

﴿سندھی نحو میں لفظ 'واسطے' (عربی نحو میں) 'لہ' کے مساوی ہے اور 'منجھہ' (= اندر، میں، درمیان دوران، ظرف ہے) 'فیہ' کے مساوی ہے۔

﴿سندھی لفظ سان (= سے، ساتھ، مع، پاس، قریب، حرف جر ہے) مساوی ہے عربی 'مع' کے، سندھی لفظ جو (=کا) اور جا (=کے) دونوں اضافت کے مفہوم کے لئے ہیں۔ یہ کل (اوضاع) پانچ ہوئیں۔

۸- سندھی ”الف - ب“ کا ایک ہی صورت میں لکھا جانا اور سندھی رسم الخط کا زیادہ صحیح صورت میں رائج ہونا:

اس دور میں، خاص سندھی تلفظات پر مشتمل حروف کی صورتیں کچھ زیادہ ہی اسی ترتیب و ساخت کے ساتھ عام ہوئیں، اور اس وجہ سے سندھی الف - ب زیادہ تر اسی ہی رسم الخط میں رائج ہونے لگی۔ الف - ب کے حروف کی پہچان میں بڑھتی ہوئی آسانی کی وجہ سے سندھی کے تحریری ذخیرہ میں بڑا اضافہ ہوا اور کتابوں کی کثرت کی وجہ سے سندھی الف - ب کی اسی ترتیب کا رسم الخط نہایت سرعت کے ساتھ تحریر میں عام ہونے لگا۔

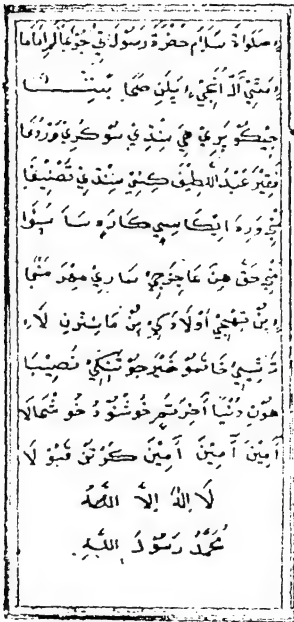
’سندھی الف-ب‘ کے رسم الخط کی تاریخ سے عدم واقفیت کی وجہ سے اس پچھلے قریبی دور میں عام طور پر یہی سمجھا جاتا رہا کہ یہ انگریزوں ہی کی کوشش سے تیار ہوا۔ دوسری طرف ”سندھ جی ادبی تاریخ“ کے مصنف کو کتاب ’ابوالحسن جی سندھی‘ کے نام سے یہ گمان ہوا کہ ٹھٹھہ کے عالم میاں ابوالحسن نے ”فارسی اور عربی الفاظ کی توڑ جوڑ سے سندھی الف-ب بنائی“ (۱)۔ مگر یہ خیال درست نہیں کہ میاں ابوالحسن نے کوئی خاص رسم الخط بنایا، یا ”خالص سندھی حروف“ کے لئے اس نے کچھ ایسی ”خاص صورتیں مقرر کیں“، جو پہلے موجود نہیں تھیں اور بعد میں استعمال ہونے لگیں۔

موجودہ سندھی۔ عربی رسم الخط کی ابتداء اور ترقی کی تاریخ ابوالحسن کے دور سے آٹھ۔ نو سو برس پہلے شروع ہوتی ہے، کیونکہ سندھی زبان کے لئے 'عربی۔ سندھی الف۔ ب'، عرب۔ اسلامی دور سے استعمال ہونا شروع ہوئی۔ چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) کے نصف

(۱) مصنف نے بغیر کسی ثبوت کے محض اپنے گمان کی بنیاد پر لکھا ہے کہ: ”ابوالحسن مرحوم کو سندھی رسم الخط بنانے میں جو دشواری پیش آئی، وہ خاص طرح خالص سندھی آواز ظاہر کرنے والے حروف میں ----- مولوی صاحب نے خالص سندھی حروف کے لئے درج ذیل صورتیں مقرر کی تھیں“ (اس کے بعد یمن صاحب نے ان حروف کی صورتیں بھی درج کی ہیں)۔ یمن مجدد صدق: ”سندھی ادب، جی تاریخ، برطانیہ کان آؤ، جو دور“ ص: ۵۶-۵۸۔



قلمی مخطوطات کے عکس جو برٹش میوزیم کے قلمی نسخوں سے حاصل کئے گئے۔



ہی پہنچے لکھم سنیدیں کدیں عربیا  
 نمازین میں سہل سکن مؤمن کا  
 لکھم تقویٰ تجویضی سہل کا لکھ  
 عربیہ فارسی اٹھکی ابو جہن  
 سیدین کیم سہل کدیں کارن  
 نمان نفع عام تہی کارن مؤمن  
 گنہ گنہ سہل سکن نامورن  
 بل اہم امیل اہری شہن بیکن گنا  
 چینی ہرن اکی کسک سہل کا لکھ  
 تھری حکم ہون بخاری کا لکھ  
 کبرن تہی حکم کدھن کا لکھ  
 نمان کدھن کدھن لکھن کدھن  
 جہن بوج کدھن کدھن کدھن

1181ھ کے نسخے کا عکس

کتاب ”عقائد الاسلام“



آخر میں، خاص طور پر سندھ میں منصورہ کے خطے میں یہ رسم الخط عام رائج تھا، جسے محقق بیرونی کی تحریر کے بموجب ”سیندب“ (سیندھو=سندھی) کہا جاتا تھا۔ اس رسم الخط میں عربی الف-ب کے بعض حروف پر نقاط بڑھانے کے اصول کے ذریعے خالص سندھی تلفظات ظاہر کیے گئے تھے کیونکہ محقق بیرونی نے بھی اسی نمونے پر کچھ خاص مقامی تلفظات کے حروف لکھے (۱)۔ اسکے بعد دسویں صدی ہجری تک عربی-سندھی رسم الخط کی تحریر کا کوئی بھی نمونہ دستیاب نہیں ہوا، جسکے متعلق کوئی رائے قائم کی جاسکتی۔

دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) میں قاضی قادن (وفات ۹۵۸ھ) کے عام مقبول صوفیانہ اشعار کا بڑا ذخیرہ (جس کا کچھ حصہ دیوناگری رسم الخط میں سلامت ہے) یقینی طور پر سندھی-عربی رسم الخط میں قلمبند ہوا ہوگا لیکن وہ قلمی نسخہ سلامت نہیں رہا۔ اس کے بعد ان سندھی اشعار کا دوسرا بڑا ذخیرہ وہ ہے جسے محمد رضا ٹھٹوی نے سنہ ۱۰۳۸ھ میں شاہ کریم (وفات ۱۰۳۲ھ) کے ملفوظات ”بیان العارفین“ میں قلمبند کیا، جس میں دوسو تیرہ سطروں اور چودہ سو ایکاسی (سندھی یا سندھی میں استعمال ہونے والے) الفاظ پر مشتمل ایک سو چھ سندھی اشعار اور کچھ مصرعے شامل ہیں۔ محمد رضا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اصل قلمی کتاب اس پچھلے قریبی دور تک موجود تھی جس سے سنہ ۱۰۳۸ھ کے ’سندھی رسم الخط‘ کا مطالعہ ہو سکتا تھا، لیکن اتفاق سے اب وہ اصل قلمی کتاب بھی باقی نہیں رہی۔ تیسرا بڑا ذخیرہ ’انتالیس منظومات‘ کا ہے جو تازہ دستیاب ہوا ہے اور جسے ساتویں باب میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ موجودہ معلومات کے مطابق گیارہویں صدی کے ۱۰۶۷-۱۰۶۹ھ کے عرصہ میں کاتب عزت بن سلیمان کے نوشتہ اس مواد میں عربی-سندھی رسم الخط کا ایک پرانا نمونہ موجود ہے، جسے سامنے رکھ کر بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری کے کاتبوں کے رسم الخط کے ساتھ اس کا تقابل کروا کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس دور میں کس طرح اسی ترتیب کی سندھی الف-ب اور رسم الخط کی ترقی کے لئے راہ ہموار ہوئی۔

شروع سے ہی سندھی عبارات لکھنے کے لئے کاتبوں نے عربی الف-ب کو استعمال کیا اس لئے عربی الف-ب کے تمام حروف سندھی الف-ب میں شامل ہو گئے۔ خاص سندھی تلفظات کے لئے عربی الف-ب کے بعض حروف پر اوپر نیچے نقاط دے کر نئے حروف کا اضافہ کیا گیا۔ تین سندھی تلفظات کے لئے فارسی کے تین حروف پ، چ، گ لے کر ان پر نقاط بڑھا کر دوسرے سندھی حروف بنائے گئے۔

یہ تمام ساخت ایک ہی وقت میں کسی ایک ہی سمجھدار عالم یا کاتب کی سوچ و عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ تو صدیوں کے مسلسل عمل سے وجود میں آئی ہے اس لئے اگر اس طویل عرصے کے دوران کی تمام سندھی تحریریں سلامت ہوتیں تو سندھی الف - ب کی ترتیب اور رسم الخط کی سلسلہ وار ترقی کا صحیح مطالعہ کیا جاسکتا تھا۔ فی الحال اس قسم کے مطالعہ کے لئے بارہویں اور تیرہویں صدی کی ان دستیاب شدہ (۱) قلمی کتابوں سے، جن کے اکثر نسخوں کے نقل ہونے کے سنین بھی معلوم ہیں، خاص سندھی تلفظات کے لئے مختلف کاتبوں کی طرف سے استعمال شدہ حروف کو شامل خاکہ میں واضح کیا گیا ہے۔ اس خاکہ کے اوپر کے کالم میں دیئے گئے ہندسے ذیل کے سلسلہ کی پہچان کے نشانات ہیں:

۱-۶۹-۱۰۶۷ھ میں لکھی گئی انتالیس منظومات میں خاص سندھی تلفظات کے لئے لائے

گئے حروف کی صورت

- ۲-۱۱۱۵ھ میں لکھی گئی کتاب ”ابوالحسن جی سندھی“ میں سندھی حروف کی صورت
- ۳- برٹش میوزیم میں رکھے ہوئے ”شاہ جو رسالو“ میں سندھی حروف کی صورت
- ۴- انڈیا آفس میں رکھے ہوئے ”شاہ جو رسالو“ میں سندھی حروف کی صورت
- ۵- ۱۲۰۶ھ میں تحریر شدہ ”شاہ جو رسالو“ کے بعض اشعار کے مختصر مجموعے میں سندھی

حروف کی صورت

- ۶- ۱۲۰۷ھ میں شاہ کے رسالہ ”گنج“ میں سندھی حروف کی صورت
- ۷- ۱۲۰۷ھ میں قاضی موسیٰ کے ”شاہ جو رسالو“ میں سندھی حروف کی صورت
- ۸- ربیع الاول ۱۲۰۸ھ میں تحریر کردہ ”منہاج المعرفت“ میں سندھی حروف کی صورت
- ۹- کیپٹن سٹیک کے ”شاہ جو رسالو“ میں سندھی حروف کی صورت
- ۱۰- مخدوم محمد ہاشم کی کتاب ”راحت المؤمنین“ میں (جو بعد میں تالپوروں کے دور میں لکھی گئی) سندھی حروف کی صورت -

- ۱۱- سنہ ۱۲۶۷ھ میں تحریر کردہ ”شاہ جو رسالو“ میں سندھی حروف کی صورت
- ۱۲- سنہ ۱۲۶۹ھ میں تحریر کردہ ”شاہ جو رسالو“ میں سندھی حروف کی صورت
- ۱۳- شعبان ۱۲۷۰ھ میں میر امام بخش تالپور کے لکھوائے ہوئے رسالہ میں سندھی حروف

کی صورت

(۱) اس دور کی دوسری قلمی کتابیں بھی موجود ہیں، مگر ان کے فوری طور پر دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے فی الوقت ”تیرہ قلمی کتابیں سامنے رکھی گئی ہیں۔ ہر کتاب سے کاتب کی استعمال کردہ ایک یا زیادہ حروف پر مشتمل ”نئی صورتیں“ منتخب کی گئی ہیں، خواہ وہ صرف ایک یا دو مرتبہ ہی استعمال ہوئی ہوں۔

۱۴- جولائی ۱۸۵۳ھ (۱۲۶۹ھ) میں انگریزوں کی طرف سے ”ایک مقرر کردہ“ الف -ب کا رسم الخط۔

اس خاکہ کے مطالعہ سے درج ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

(۱) گیارہویں صدی ہجری تک سندھی لکھنے کے لئے زیادہ تر عربی الف -ب استعمال ہوتی تھی۔ کاتب عزت بن سلیمان نے ۶۹-۱۰۶۷ھ میں سندھی منظومات لکھنے کے لئے بہر حال وہی عربی الف -ب استعمال کی، البتہ ’ث‘ (ث) اور ’ذ‘ (ذ) کو ’ز‘ اور ’د‘ کی صورت میں لکھا۔ اس کے علاوہ اسے سندھی تلفظات جہہ اور چ (چھ) میں ’ھ‘ کے موجود ہونے کا احساس تھا، یہی وجہ ہے کہ اس نے ان دونوں تلفظات کو ’جہ‘ (جیم کے آخر میں چھوٹی ’ھ‘) کی صورت میں تحریر کیا۔

(۲) گیارہویں صدی سے جیسے ہی سندھی کے ذریعے مکتبی تعلیم شروع ہوئی اور سندھی میں لکھنے پڑھنے کا

سلسلہ وسیع ہوا تو علماء اور کاتبوں نے عربی الف -ب کے بعض حروف پر نقاط بڑھا کر اور فارسی الف -ب کے تین حروف (پ چ گ) کو شامل کر کے ان پر نقاط بڑھا کر خاص سندھی تلفظات کے لئے نئے حروف بنائے۔ خاص سندھی تلفظات والے تمام حروف کو فقط ایک ہی صورت میں لکھنے کا ”انتظامی فیصلہ“ اگرچہ سنہ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء) میں ہوا، مگر خاص سندھی تلفظات کی پہچان رکھنے والے بہت سارے حروف اس سے پہلے ہی استعمال ہوتے آرہے تھے۔ اس خاکہ سے ذیل کے حروف کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے:

ب پ (بھ) پ ت (تھ) ت (ٹ) ج چ (چھ) ڈ د (دھ) ذ (ڈ) ی (ڈھ) ژ (ژ) ق (پھ) ک (کھ) گ (گھ) ن (ن)۔

ٹ (ٹھ) اور گ حروف کی صورتیں اس خاکہ میں موجود نہیں ہیں مگر دوسری کئی کتابیں جو اس عرصے میں لکھی گئیں ان میں یقیناً یہ صورتیں موجود ہوں گی کیونکہ ایک دوسرے کے اوپر دو نقاط کی صورت ب میں موجود ہے۔

(۳) عربی الف -ب میں ’کاف‘ کی دو صورتوں (ک اور کھ) میں ہے، ک کو واضح طور پر ’کے‘ کے تلفظ کے لیے اور ’کھ‘ کو اس سندھی تلفظ کے لئے استعمال کیا گیا جس میں ’کے‘ کے ساتھ ’ھ‘ کا تلفظ شامل تھا۔

(۱) یعنی حروف کے درست اعراب ظاہر کرنے۔ (مترجم)

۲- زیر، زیر، پیش، جزم، مد اور شد کے علاوہ سندھی کے دو درمیانہ (۱) طویل تلفظات کے لئے نئی علامات ایجاد کی گئیں:

(الف) 'و' (زیر یا پیش کے علاوہ) کے تلفظ کے لئے اوپر الٹا پیش لایا گیا، جیسا کہ او' کر، چو' کر، رو' کر (روکر) وغیرہ۔

(ب) 'ي' (زیر یا زیر کے علاوہ) کے تلفظ کے لئے نیچے عمودی لکیر استعمال کی گئی، جیسا کہ کري (کرے) ہیر، ویر وغیرہ (۲)

۳- عربی 'توین' کے اصول کے ذریعے 'ن' غنتہ کے 'ایں، ایں اور اوں' تلفظات ظاہر کیے گئے:

(الف) درمیانہ تلفظ 'ایں' (۳) اور ہ (میں)

(ب) زیر والا تلفظ ایں: ک، سی، کیا (کیائیں - کیا میں = اس نے کیا)

(ج) پیش والے تلفظات: آء (میں)، ذناء (ذنائون = انہوں نے دیا) چباء (چیانوں = انہوں نے کہا)

۴- الفاظ کے آخر میں 'ھ' اور 'ء' کے بعد 'ن' کے غنتہ تلفظ کو 'م' کی آواز کے ذریعے ظاہر کیا گیا، جیسا کہ:

جڈھم = جڈھن (جب) ماگھم = ماگھین (بالکل، قطعی)

کڈھم = کڈھن (کب) سانئیم = سائین (صاحب، مالک، آقا، جناب)  
۵- 'ئر' (ئر) اور 'ڈر' (ڈر) دونوں روزمرہ کی سندھی زبان کے مخصوص تلفظ تسلیم کر کے، ان آوازوں کا رسم الخط بھی 'ر' کے اضافہ کے ساتھ قائم کیا گیا، جیسا کہ:

(الف) تری (تین)، ترئو (تیسرا)، تریئی (تینوں)، پتر (بیٹا)، مائتر (عزیز و اقارب)،

آگائتر (اگلا، پہلا، پرانا، اگلے زمانے کا)

(ب) ڊریگھم (لمبائی، طول، پھیلاؤ)، چنڊر (چاند)، سمندر (سمندر)، جنڊر

(چکی، آسیا)

۶- زبان جس طرح بولی جاتی تھی اسی طرح اسے تحریر میں لایا گیا۔ بعض عربی یا فارسی

الفاظ جس طرح روزمرہ کی عام سندھی زبان میں بولے جاتے تھے ویسے ہی لکھے گئے: یعنی کہ بنیادی طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ زبان جس طرح بولی جاتی ہے ویسے ہی لکھی جائے، مثلاً

(۱) 'درمیانہ تلفظات' یعنی 'او' اور 'اؤ' کے درمیان کا درمیانہ تلفظ 'اؤ' یا 'اے' اور 'اے' کے درمیان والا درمیانہ تلفظ 'اے'۔

(۲) اس کی دوسری مثال 'ہیر پھیر' (بترجم)

(الف) 'بیان العارفین' میں بلوی والے لاڑی لہجہ کے مطابق 'شال' (خدا اس طرح کرے) کو 'چال' (چھال) کر کے لکھا گیا۔

(ب) مخدوم عبداللطیف نے اپنے والد مخدوم محمد ہاشم کی عربی کتاب 'فرائض الاسلام' کو سندھی میں منتقل کیا تو اس میں لکھا کہ:

”فقیر عبداللطیف کئی سنڈی تصنیفاً منجھہ ورہ ایکاسی کارہ سو پورا“  
آخری سطر میں انہوں نے مروج زبان کے مطابق 'کارہ سو' (= کارہن سو یعنی گیارہ سو) لکھا، یا رہن سو نہیں لکھا (۱)۔

۹۔ سندھی لغات کے بارے میں تحقیقی مواد کا شائع ہونا:

اوپر چھٹے باب کے تحت تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) سے سندھ کے علماء اور اساتذہ نے سندھی زبان کے مطالعہ اور سندھی لغات کی تحقیق کے سلسلہ میں بڑی کوشش کی۔ انہیں سندھی الفاظ، اصطلاحات اور جملوں کے معنی و مفہوم کو سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت، خاص طور پر تین مقاصد کی تکمیل کے لئے پیش آئی: فقہی، تعلیمی اور لغوی سماجی زندگی میں شادی اور طلاق، وصیت ناموں، قسم ناموں، پیمائش، ناپ اور وزن، مقدار لین دین کے معاملات اور وعدوں میں پرانے دور سے خالص سندھی الفاظ استعمال ہوتے آرہے تھے، جن کی اصطلاحی تشریح اور فقہی توضیح کی ضرورت پیش آئی تاکہ صحیح فتویٰ کے مطابق فیصلے ہو سکیں۔

مخدوم جعفر بوبکائی کی طرف سے طلاق کے سلسلہ میں استعمال ہونے والے سندھی الفاظ چڈی (چھوڑی) اور چڈیم (میں نے چھوڑ دیا) کی، کی گئی تشریح و توضیح اس سلسلہ کی ایک پرانی مثال ہے۔ مخدوم جعفر نے دسویں صدی ہجری کے تقریباً آخر میں وصال فرمایا لیکن لغات کی تحقیق کا سلسلہ ان کے بعد کے علماء نے بھی جاری رکھا، اور سندھی الفاظ کے نہ صرف لغوی معانی بلکہ سماجی مفاہیم کو بھی متعین کیا گیا۔ مثلاً لفظ 'یار' کے بارے میں سیوہن کے عالم مخدوم محمد عارف (۲) نے فرمایا کہ یہ لفظ 'دوست' کے ہم معنی ہے، لیکن شال اور لاڑ کے دیگر علماء خصوصاً

(۱) یعنی جو لفظ جس طرح بولا جاتا تھا اسے ویسے ہی لکھا گیا۔ (مترجم)

(۲) محمد عارف بن محمد حسن بن دین محمد بن مفتی عبدالواحد کبیر سیوستانی۔ اکتسابِ علم اپنے چچا قاضی محمد احسان المعروف مخدوم عبدالواحد صغیر سیوستانی نسلان۔ ثانی التواریخ ۱۲۳۲ھ سے کیا۔ اس کے علاوہ سلسلہ نقشبندی مجددی میں بھی ان سے بیعت کی۔ اپنے چچا کے وصال کے بعد آپ تصا و فتاویٰ کے مالک بنے اور مدرسہ بھی اعلیٰ انتظام کے تحت چلتا رہا۔ مخدوم محمد عارف جو فتویٰ لکھتے تھے اسے ان کے شاگرد جمع کر دیتے تھے جو بعد میں بیاض مخدوم محمد عارف کے نام سے ایک بڑی کتاب تیار ہو گئی جسے آج بھی سندھ کے علماء بطور سند استعمال کرتے ہیں۔ مخدوم محمد عارف نے ۱۲۵۸ھ میں وصال فرمایا آپ کے شاگردوں میں سے مخدوم حاجی فضل اللہ پانائی بڑا معروف نام ہے۔

دیکھیے: تذکرہ مشاہیر سندھ حصہ اول ص ۲۱۳ (مترجم)



مخدوم عبدالکریم مجتہوی (شیاروی) نے اس خالص لغوی معنی پر مزید غور کرتے ہوئے، اس وقت کے سندھی معاشرے میں استعمال ہونے والے لفظ 'یار' کے اصطلاحی اور سماجی معنی پر غور و خوض کر کے اسے 'بھائی' کے مساوی قرار دیا۔ موجودہ معلومات کے مطابق بارہویں صدی ہجری (اٹھارہویں صدی عیسوی) کے آغاز ہی سے بعض علماء و اساتذہ نے علمی اور تعلیمی مقاصد کی خاطر 'سندھی لغات' کا زیادہ وسیع مطالعہ کیا۔ اس سلسلہ میں ان کی تحریر کردہ بعض کتابوں کا ذیل میں مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

### ۱۔ نظام الدین کی کتاب انیس انجمن:

دریہ کے عالم نظام الدین بن عبدالرزاق نے فارسی علم صرف کے بارے میں "شیعہ انجمن" کے نام سے ایک تفصیلی کتاب لکھی اور سن ۱۱۱۲ھ (۱۷۰۷ء) میں 'انیس انجمن' کے نام سے اسکا اختصار بھی لکھا، جس کے باب اول میں ازمنہ، افعال کی گردانوں اور مصادر کا بیان ہے اور باب دوم میں فارسی اسماء کا سندھی میں حروف تہجی کے مطابق ترجمہ دیا گیا ہے: لیکن جیسا کہ مصنف کا اہم مقصد تھا 'سندھی الفاظ'، اس لئے انہوں نے حروف تہجی کے اصول کا التزام بھی صرف 'سندھی الفاظ' میں کیا فارسی الفاظ میں نہیں؛ یعنی باب 'الف' کے تحت بطور معنی ان ہی سندھی الفاظ کو لائے ہیں جن کا آغاز الف سے ہوتا ہے۔ مثلاً:

فارسی لفظ	سندھی لفظ 'الف' کے ساتھ	
افسانہ	آکائی	(افسانہ، کہانی، قصہ، حکایت)
رودہ	آندرو	(آنت، انتڑی)
انب	آمون	(آم)
ہکلبہ	اوجھری	(اوجھڑی، اوجھ)
یکاء	اوجنگار	(دھاڑیں مار کر یا پھوٹ پھوٹ کر رونا)
غنودن	اوجھرائن	(اؤگھنا، جھپکیاں لینا)
دَرز	اوتی	(بخنہ، دہرائٹا)
دِلِیل	آپون	(گد رایا ہوا پھل، بھٹنا ہوا ہرانا)
آبخور	آنہ	(مولشیوں کو پانی پلانے کے لئے کنوئیں کے قریب بنا ہوا حوض)
دوغ	آکر	(چھاچھ، مٹھا)

سُرماک	اک پوت (راند)	(آنکھ مچولی، کھیل)
آونگ	اُچٹ (چکو)	(چھینکا)
افلت	ان - طهریو	(بغیر ختنہ)
فنی	اٹلٹ	(ابکائی)

اس ترتیب سے ظاہر ہے کہ مصنف ”سندھی۔ فارسی لغات“ ہی لکھ رہے تھے۔ اس بات کی وضاحت اسی باب کے آخر میں ان کی تحریر کردہ درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے کہ انہوں نے ’ی‘ والے الفاظ درج ہی نہیں کیے:

”یای در (اول) لفظ سندھی نمی آید و ہر حرف کہ در اول سندھی نمی آید بر مکان خود یاد کردہ ایم“  
 [’ی‘ (کسی بھی) سندھی لفظ کے شروع میں نہیں آتی؛ اس لئے ایسے حروف جو سندھی الفاظ کے شروع میں نہیں آتے انہیں میں نے اپنی اپنی جگہ پر درج کیا ہے۔]  
 سندھی لغت کے مطالعہ کے حوالہ سے مصنف کا یہ بیان بہت اہم ہے کہ کوئی بھی خالص سندھی لفظ ’ی‘ سے شروع نہیں ہوتا۔ اسی طرح ’ش‘ کے تحت بھی انہوں نے الفاظ درج نہیں کیے اور بتایا ہے کہ:

”کچھ حرف ایسے ہیں جو سندھی لفظ کے آغاز میں نہیں آتے اور وہ یہ ہیں:

ث، ح، خ، ذ، ز، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ی“

اس میں مصنف نے سندھی لغت کے جس انوکھے پن کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے، اسے بہت کم لوگوں نے محسوس کیا ہوگا کہ کوئی بھی خالص سندھی لفظ ش، ف یا ی سے شروع نہیں ہوتا۔  
 فارسی اور سندھی کے مترادف الفاظ کی یہ مختصر مگر پہلی ’فہرست‘ ہے جو کتاب ’انیس انجمن‘ کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔ اس ’فہرست‘ کی ایک اور خاص اہمیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے نہ صرف بعض انوکھے سندھی الفاظ سامنے آتے ہیں بلکہ مزید دوسرے معلوم سندھی الفاظ کے صحیح معانی بھی دستیاب ہوتے ہیں، جیسا کہ ذیل کی مثالوں سے معلوم ہوگا۔

۱۔ سراب = اوج (حیران ہونا)۔ عام طور پر سندھی لفظ ”اُج“ (سراب، دھوکہ) ہے، لیکن اس فہرست سے معلوم ہوا کہ ”اُج“ (سراب، دھوکہ) کو ”اُج“ (حیران ہونا) بھی کہا جاتا ہے۔ بعض پرانے سندھی اشعار میں ہے کہ: ”عقل ات اوجون ٿیو، هو هلیا سامهون هو“ (۱)۔ یعنی: وہاں پر عقل حیران ہوگئی، وہ سامنے چلے گئے۔ ”اوجو ٿیو“

(۱) جامع سندھی لغات میں لفظ ”اوجو“ کے معنی درج کرنے کے بعد تذکرہ بالا مصرعوں لکھا گیا ہے: ”عقل ات اوجو ٿیو، هو هلیا سامهون“ جامع سندھی لغات جلد اول ص ۲۸ طبع ثانی ۱۹۹۵ء۔ (مترجم)

[ عقل نے رہنمائی نہیں کی، بلکہ اس نے سراب کی مانند دھوکہ دیا۔ عام طرح اس مصرع کو ”عقل ات اوچون تئو، هوہ ہلیا سامہون ہوہ“ بھی پڑھا جاتا ہے۔ (۱) مگر غالباً زیادہ صحیح لفظ ”اوچون“ ہے۔ ]

۲- سکتہ = اوہاریو (ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو کر بیہوش ہوا) لفظ ”اوہاریو“ معلوم و مستعمل ہے:

”کو چوی اوہاریو ۛ کو چوی سر سام آ“ (اصغر) (۲) کوئی کہتا ہے کہ ”اوہاریو“ یعنی اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ اسے سر سام ہوا ہے۔ مگر مؤلف نے ”اوہاریو“ کے معنی فارسی میں واضح طور پر سمجھائے ہیں۔ اسی طرح بہت سارے ایسے الفاظ بھی ہیں جو پہلے سے ہمیں معلوم ہیں، لیکن اس ”فہرست“ کے ذریعے (جس کے اصل نمبر ذیل میں درج الفاظ کے سامنے لائے گئے ہیں) ان کے معنی کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً (۴) هدف = ”آچم“۔ لفظ ”آچام“ سندھی شعر میں استعمال ہوا ہے، لیکن اس فہرست سے معلوم ہوا کہ ”آچم“ خواہ ”آچام“ دونوں کے معنی ہیں نشان۔ (۱۰) ”شکار“ = ”آہیرو“۔ ہمیں معلوم ہے کہ آہیڑی کے معنی ہیں شکاری، لیکن اس فہرست سے معلوم ہوا کہ ”شکار“ کو ”آہیڑو“ کہا جاتا ہے۔ (۱۲) آڈو ہنڈ (آڈو بندھ) لفظ ہمیں معلوم ہے ”کن آڈو ہنڈ انگیون مارو منھنجا میر“ (۳) (میرے سادہ لوح

(۱) ”اوچون تئو“ کے معنی ہیں: الجھن میں پڑنا، حیران ہونا، گھبرا جانا، پریشان ہونا، بے قرار ہونا۔

۱- جامع سندھی لغات، جلد اول، ص: ۲۸۷ ۲- سندھی اردو لغت، ص: ۱۰۶ (مترجم)

(۲) سید علی گوہر شاہ اول، متخلص ”اصغر الملتب“ بچکے دہلی پیر پاگارا دوم بن سید صیغہ اللہ شاہ اول بن سید محمد راشد روئے دینی بن سید محمد بقا شاہ شہید۔ ولادت ۴ رجب بروز جمعہ ۱۲۳۱ھ کو تحصیل خیر پور کے گاؤں رحیم ڈونو کھوڑو میں ہوئی۔ تعلیم و تربیت والد بزرگوار کے زیر نگرانی وقت کے فاضل و اکابر اساتذہ سے حاصل کی، طریقت میں اپنے والد سے بیعت ہوئے۔ ۵ رمضان ۱۲۴۶ھ کو والد صاحب کے وصال کے بعد پندرہ برس کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے۔ ہر وقت جذب و شکر کے عالم میں رہتے، سندھی اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے، ”کافی“ کی صورت میں آپ کا کلام بہت حد تک مرتب ہو چکا ہے جس میں سندھی کے ۵۲ حروف تہجی میں سے ۴۷ حروف پر مشتمل قوافی کی ۶۰ مکمل اور ۱۲ نامکمل کافیاں اور ۳۰ فارسی غزل شامل ہیں، باقی پانچ حروف (ض، ط، ظ، غ، ق، ک) کے قوافی ابھی تک دستیاب نہیں ہوئے۔ آپ کے کلام میں فطری روانی ہے جو آپ کی سندھی زبان میں مہارت اور بیان کی قوت کا نتیجہ ہے۔ آپ نے ۱۱ جمادی الاول سنہ ۱۲۶۳ھ کو وصال فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کا درج کردہ، پیر صاحب ”اصغر“ کا یہ مصرع آپ کے مطبوعہ کلام میں یوں ہے:

”کو چوی آفوارو کو چوی سر سام آہ“

”اصغر سائیں جو کلام کے محقق صاحب نے ”آفوارو“ کے معنی لکھے ہیں:

آفوارین = ایسی بے ہوشی جن میں انسان مرا ہوا نظر آئے اور ہوشیار اور چوکنا ہونے کے بعد موت کے بعد کے مناظر سنائے۔ دیکھیے: ”اصغر سائیں جو کلام“ طبع چہارم کا مقدمہ، ص: ۱۰، ۲۸، ۳۰، ۱۷۲

”محزون فیضان یعنی ملفوظات شریف اردو“ ص: ۳۱۰-۳۱۱ (مترجم)

(۳) آڈو ہنڈ (آڈو بندھ) کر سے واپس موڑ کر گردن میں بندھی ہوئی چادر، لاگ، والی تہہ لنگوٹ۔

دیکھیے: جامع سندھی لغات جلد اول ص ۱۶۲ طبع دوم ۱۹۹۵ء، سندھی اردو لغت، ص: ۶۷ (مترجم)

دیہاتی ادھو بندھ انگیا (چولی یا سینہ بند وغیرہ) پہنتے ہیں)

لیکن اس فہرست کے ذریعے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ 'آدو ہند' (آدھو بندھ) کے معنی ہیں ساڑھی کی طرح کا لمبا کپڑا جس کا نصف نیچے اور نصف اوپر باندھا جائے۔ (۲۲) ہابوہ = تبسم۔ لفظ ہابوہ اور ہابوہ (۱) ہمیں معلوم ہیں لیکن اب تصدیق ہو گئی کہ: ہابوہ = مسکرانا۔

۳۔ کچھ سندھی الفاظ ایسے ہیں جو پرانے زمانے میں زیادہ استعمال ہوتے تھے۔ مثلاً (۹) ایرانون = کدو (۱۱) اول = مخالف حکمرانوں کے وہ افراد جنہیں بطور ضمانت اپنے پاس رکھا جائے۔ نادر شاہ سندھ سے میاں محمد مراد یاب، میاں غلام شاہ اور جام نندہ نالپور کو اول بنا کر ساتھ لے گیا تھا۔ (۲۱) ہرون = ہلہٹ (بھینس کے پھڑے کی مانند سیاہ آبی جانور)۔ (۲۲) چاگھو۔ فاژھو (بارہ سنگھا) (شاخدار سنگوں والا)۔ (۳۴) ہریو = ہوڑھو (بوڑھا رہبر مرد)۔

۲۔ مضمون نویسی اور عبارت آرائی (انشاء) کی تربیت کے بارے میں منشی عبدالرؤف کا لکھا ہوا کتابچہ:

انشاء اور عبارت آرائی کے متعلق سنہ ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۰ء) میں اس فن کے ماہر منشی عبد الرؤف نے ایک مختصر مگر جامع کتابچہ لکھا (۲) جس میں ایک نئے سیکھنے والے کو فنِ انشاء کی تعلیم دینے کے لئے عبارت نویسی کے فارسی الفاظ، اصطلاحات اور محاورات جمع کیے گئے ہیں جنہیں ہم معنی الفاظ اور اصطلاحات کے ذریعے ذہن نشین کرایا گیا ہے: یعنی فارسی انشاء کی تعلیم سندھی کے ذریعے دی گئی ہے۔ فارسی الفاظ کے معنی سمجھانے کے لیے ذیل کے طور پر ہم معنی سندھی الفاظ دیے گئے ہیں:

گذران = حال چال	ظرف = برتن
بیوستہ = ملا ہوا، چپکا ہوا	تمہیدات = تیاری/ تیاریاں
دوستار = مہتار (معاون)	واژگون (واژگوں) = الٹا، برعکس
جنبیدن = بے قراری/ بے چینی	دار = سولی، پھانسی۔ میربحر ملاح
رفتہیا = راہ، راستہ، منزل، رفتار، پیادہ	لرزه = لرزش، کچکی، تھرتھراہٹ
کد خدائی زن = بیاہ، شادی، نکاح، عقد	بدل = تبدیل ہونا، متغیر ہونا، بدل جانا
کشمکش = کھینچا تانی	نیام = میان، تلوار رکھنے کا غلاف

(۱) ہابوہن مصدر ہے جس کے معنی ہیں مسکرانا، بھولنا، خوش ہونا، پیار کرنا۔ ہابوہ اسی مصدر سے اسم ہے جس کے معنی ہیں مسکرانا، تبسم، خوشی، پیار دیکھیے: سندھی اردو لغت، ص: ۳۲۳ (مترجم)

(۲) راقم کے سامنے سات قلمی ادراک پر مشتمل یہ کتابچہ موجود ہے جس پر منشی عبدالرؤف کی مہر لگی ہوئی ہے اور اس میں سال ۱۱۷۴ھ درج ہے۔

مشرَب = گھاٹ، تالاب، کنواں	خسوف = چاند گرہن
نمونہ = خبر، سندھ، سراغ، بھٹک، آہٹ، رنگ، نمونہ، قسم	مجمع = انبوہ، ہجوم، اجتماع
بلندی = چوٹی	معدہ = پوٹا
حالہ = چاند کا ہالہ یا حلقہ	محک = کسوٹی
سکسار = ہلکا کم وزن	تعلق = لگاؤ، واسطہ، ناتا، رشتہ
	مَجْمَر = بھٹی، تور، بھاڑ، چولہا۔

### ۳۔ آخوند عبدالرحیم عباسی کی ”جواہر لغات سندھی اکیچاز“:

آخوند عبدالرحیم ولد محمد وفا عباسی نے یہ لغت یقینی طور پر ۷۰-۱۲۶۹ھ (۱۸۵۳-۵۴ء) سے قبل لکھی، کیونکہ اس عرصے (۱۸۵۳ء) میں سندھی الف - بے کی تختی (مشق کرنے کے حروف) سرکاری طور پر مقرر ہو چکی تھی؛ لیکن آخوند عبدالرحیم نے اس تختی سے جداگانہ رسم الخط کی الف - ب استعمال کی اور سندھی الفاظ بھی اسی کے مطابق الف - ب کی ترتیب پر لکھے۔ اس تصنیف کی یہ خصوصیت ہے کہ ایک تو یہ سندھی کی قدیم ترین اور مکمل الف - ب والی لغت ہے اور دوسرا اس میں سندھی الفاظ کی معانی فارسی میں لکھی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے مصنف نے سندھی لغت کو سمجھانے کے لئے فارسی زبان کو ذریعہ بنایا ہے۔ اگرچہ ”جواہر لغات“ کے آغاز میں بعض صرفی اور نحوی تشریحات اور کچھ الفاظ کے معنی درست نہیں ہیں، اس کے باوجود بھی سندھی لغت نویسی کے سلسلہ میں یہ پہلا اعلیٰ علیٰ کا نامہ ہے۔

علماء کی طرف سے لغت نویسی کا یہ سلسلہ اس دور کے بعد بھی جاری رہا جس کی مثالیں درج ذیل تصانیف ہیں:

### ۴۔ آخوند محمد حسن سانونی کی کتاب ”حسن الفوائد و احسن تعلیم الصبیان“:

ہالا پرانا کے عالم اور استاد آخوند محمد حسن سانونی نے یہ کتاب خاص طور تعلیم و تدریس میں آسانی کی خاطر یکم رمضان سنہ ۱۲۹۳ھ کو لکھ کر مکمل کی۔ اس کتاب کے لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ سندھی کے ذریعے فارسی الفاظ کی معانی کو آسانی سمجھایا جائے۔

راقم نے اس کا جو مخطوطہ دیکھا تھا وہ گویا کتاب کا ابتدائی مسودہ تھا جس میں الفاظ حروف تہجی کی ترتیب پر نہیں تھے بلکہ بغیر ترتیب کے لکھے ہوئے تھے۔ یہ سندھی لغت کا اچھا خاصا بڑا ذخیرہ ہے، جس سے بعض سندھی الفاظ کی ماہیت و معنی زیادہ وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے، مثلاً

نرغول = نرہانپ، (ریچھ کی قسم کا ایک بد صورت جنگلی نر جانور)

مول = ملہالی (مولا پرندہ)

خرتن = پرو یا پلھن (بھینس کے پچھرے کی مانند سیاہ آبی جانور جو پھلیاں کھاتا ہے اور اس کی چربی کشتیوں کے لگانے میں کام آتی ہے)

محصول = رائٹ (۱) (وہ محصول جسے حاکم جائز خواہ ناجائز طور پر وصول کرے)

ولمل = آپیون (نیم پختہ اناج، اناج کی پکی ہالی جسے بھون کر کھاتے ہیں)

ولمل نیم پختہ = ڈڈور آپیون (’ڈڈور‘ کے لحاظ سے یہ خاص نام ہے۔ مٹروں کی ’ڈڈڑی‘ کا یعنی آگ پر پکی ہوئی مٹر کی پھلیوں کا) (۲)

نیلوفر = کونٹی (کنول، گندہ شاخ)

۵۔ عبدالغفور ہمایونی صاحب کی ”الفاظ ادویہ“ (۳)

علم طب کا شغل سندھ میں پرانے زمانے سے مقبول عام رہا ہے، جس کی وجہ سے جڑی بوٹیوں، دوب اور دوائیوں کے نام بھی سندھی میں پرانے زمانے سے ہی رائج تھے۔ چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) میں عبدالوہاب فزاری اور پانچویں صدی ہجری (گیارہویں صدی عیسوی) میں ابوریحان البیرونی نے اپنی کتابوں میں جڑی بوٹیوں اور دوائیوں کے متعلق لکھتے وقت کئی جڑی بوٹیوں اور دوائیوں کے سندھی نام بھی درج کیے۔ بعد میں مرور ایام کے ساتھ سندھ میں غالباً طبی علم کا کوئی زیادہ عروج نہیں رہا جس کی وجہ سے سندھی میں طبی نام بھی زیادہ عام رائج نہیں رہے اور اکثر عربی، فارسی ناموں ہی سے کام لیا جاتا رہا۔ پچھلے قریبی دور میں سندھ کے طبیبوں نے پھر سے سندھی لغات کی طرف توجہ دی اور ’فرہنگ جعفری‘ جیسی کتابوں میں جڑی بوٹیوں اور دوائیوں کے سندھی نام بھی درج کیے گئے۔

ہمایونی صاحب کی کتاب ”الفاظ ادویہ“ (دوائیوں کے نام) اس لیے اہم ہے کہ مصنف نے یہ کتاب لکھی ہی اس لیے تھی کہ عربی اور فارسی ناموں کے ساتھ دوائیوں کے سندھی نام بھی معلوم ہو سکیں۔

ہمایونی صاحب نے آغاز کتاب میں بتایا ہے کہ: ”بعض مصنفین نے (طب کی) عربی،

(۱) جامع سندھی لغات جلد سوم، ص ۱۳۳ پر یہ لفظ ’ڈڈڑی‘ کے بجائے ’ڈڈور‘ کے ساتھ لکھا ہوا اور اس کے معنی کے اشتہاد کے طور پر شاہ صاحب کے شعر کا ایک مصرع بھی درج ہے: ”ڈڈڑی چھٹی نہ ہل، نکو دانو ڈڈیہ و“ (مترجم)

(۲) جامع سندھی لغات جلد سوم ص ۱۳۳ پر لفظ ’ڈڈڑی‘ کے معنی میں لکھا ہے: پختے یا مٹر کی پکی ہوئی یا آبی ہوئی پھلیاں۔ گویا لغت کی رو سے ’ڈڈڑی‘ صرف مٹر کی پکی ہوئی پھلیوں کو ہی نہیں کہتے بلکہ پنے اور مٹر کی ایسی ہوئی پھلیوں کو کہتے ہیں۔ (مترجم)

(۳) مولانا دین محمد وفائی اور علامہ محمد قاسم گرامشی یا سنی نے مولانا ہمایونی صاحب کی اس کتاب کا نام ”فرہنگ ہمایونی“ بتایا ہے۔ دیکھیے: تذکرہ مشاہیر سندھ حصہ اول، ص ۲۳۳ اور مہراں سوانح نمبر، ص ۸۷ (مترجم)

یونانی اور فارسی لغات کو ہندی (اردو) میں ترجمہ کیا ہے، مگر اہل سندھ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا۔ اس کے باوجود بھی آج تک کسی نے یہ کوشش نہیں کی کہ فارسی، یونانی لغات کا سندھی میں ترجمہ کریں تاکہ یہاں بھی عام فائدہ ہو۔ اس لیے بعض ہمدرد اصحاب کے مطالبہ پر۔ اللہ کرے وہ سلامت رہیں۔ اس فقیر حقیر نے اس کام میں قدم آگے بڑھایا ہے۔

ہابیونی صاحب کی اس مختصر طبی فرہنگ کا آغاز 'الف' کے ساتھ اس طرح ہوتا ہے:

آرغیس = یہ زرشک درخت کی جڑ ہے جسے سندھی میں بھی زرشک کہا جاتا ہے [راقم کو اس کا علم نہیں] (۱)

آلسن = سرل (حرل، کالا دانہ، اسپند) سندھی میں اسے ہرلو بھی کہتے ہیں۔

آطر ایلال = ایک قسم کا گھاس، سندھی میں 'کاٹوپیر' (۲) (کو)

(۱) مخزن المفردات تالیف حکیم کبیر الدین مطبوعہ شرکت الاتیاز، اردو بازار لاہور، ص ۲۳۷ پر لکھا ہے: زرشک (عربی) انبر باریس (فارسی) زرشک - زرشک (انگریزی) BERBERIS VULGARIS □ ماہیت: ایک خاردار پہاڑی درخت کا پھل ہے جو کشش سے چھوٹا رنگت میں سرخ سیاہی مائل اور مزہ میں میٹوش (کھٹ میٹھا) ہوتا ہے اس کے درخت کی لکڑی ہی دار ہلد کہلاتی ہے جس کا غصاڑہ (رس، فضلہ، نیچڑا ہوا) رسوت (رسول) ہے۔ اسی کتاب کے ص ۲۱۶ پر 'دار ہلد' کے متعلق لکھا ہے کہ: دار ہلد لاٹینی BERBARIS VULGARE (ہندی) چڑا یا کشمل (پنجابی) کسملو (فارسی) دار چوبہ (بنگالی) دہرورا (پہاڑی) کشمل (کشمیری) کیلو (انگریزی) بربریس ROOT BERBERIS BARBERRY ماہیت: دار ہلد درخت زرشک کی لکڑی ہے زرد رنگ ہوتی ہے۔ رسوت اسی لکڑی کا غصاڑہ ہے۔ از اسواء فرہنگ عامرہ کے مؤلف محمد عبداللہ خان خوشنکی نے لکھا ہے: زرشک - زرشک - زرشک، ک نام دوا۔ دیکھئے فرہنگ عامرہ طبع اول جون ۱۹۸۹ء مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ص ۳۰۹، نیز غیاث اللغات تالیف محمد غیاث الدین راجپوری، مطبوعہ نئی نول کشور، کاپور، نومبر ۱۸۷۱ء ص ۲۰۸ پر لکھا ہے:

زرشک بکسرتین و سکون شین مجھے کاف عربی نام دوائے کہ میوہ باشد کو پیک برابر خود ترش مزہ سیاہ رنگ مائل سرخی۔

ترجمہ: زرشک، پہلے دوؤں حروف پر زیر اور شین پر جزم اور کاف عربی کے ساتھ (زرشک) ہے، دوائی کا نام ہے جو پختے کے برابر میوہ ہوتا ہے، اس کا ذائقہ کٹھا اور اس کا رنگ سرخی مائل سیاہ ہوتا ہے۔ (مترجم)

(۲) جامع سندھی لغات جلد چہارم ص ۱۹۹۸ پر لفظ 'کانول' کے تحت لکھا ہے: (عنب العلب) دوائی کے طور پر کام آنے والا ایک قسم کا گھاس اور پودہ۔ اسے 'کانیل ہیرون' بھی کہتے ہیں۔ اور ہندی میں 'کانولولا' جاتا ہے۔ نیز جامع سندھی لغات جلد دوم ص ۷۷ پر لفظ 'ہت ہیرون' (پت پیڑوں) کے تحت لکھا ہے کہ: پسناریوں کی اشیاء کی ایک قسم ہے، اسے سندھی میں 'کانیل ہیرون' بھی کہتے ہیں۔ جامع سندھی لغات کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ اسے سندھی میں 'کانول پیڑوں' اور 'پت پیڑوں' بھی کہا جاتا ہے، جہاں تک متن میں اس کے لکھے ہوئے سندھی نام 'کانول پیڑ' کا تعلق ہے تو میرے گمان کے مطابق یہ طباعت کی غلطی کی وجہ سے ہوا ہے، ورنہ درحقیقت اسے 'کانیل ہیرون' نیز 'کانول پیڑوں' اور محض 'کانول' بھی کہتے ہیں۔ نیز اسے 'پت پیڑوں' بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ مخزن المفردات ص ۲۹۵ پر عنب العلب کے تحت درج ہے کہ: Blake NightShad (لاٹینی) Solanum Nigrum (عربی) العلب (فارسی) اوبہا (بنگالی) کاک ماجی (پشتو) کو ماجو تھکے (مقامی) کڑو لیوں (سندھی) پت ہیرون (پنجابی) کانول کوٹھی - گاج ماج (سنسکرت) کاک ماجی، ماہیت: عنب العلب کا پودا نصف گز سے لے کر ایک گز تک بلند ہوتا ہے۔ شاخیں بکثرت ہوتی ہیں شاخوں اور پتوں کی رنگت بیز سیاہی مائل ہوتی ہے، پھول چھوٹا مسافید ہوتا ہے، پھل خوشوں میں نکلتے ہیں جو کہ دانہ خود (چنا) کے برابر اور بزرگ ہوتے ہیں اور پختہ ہونے پر سرخ رنگ ہو جاتے ہیں ان کے اندر تخم خشکاش کے برابر پھوٹے پھوٹے تخم بھرے رہتے ہیں۔ خام ہونے کی حالت میں ان کا مزہ تلخ اور پختہ ہونے پر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کتاب کے آخر میں ’ھورئی‘ کے الفاظ اس طرح لائے گئے ہیں:  
ہیضہ = سندھی میں ’ڈاکی‘ جسے عام طرح سے ’وبا‘ کہتے ہیں۔ (کالرا، قے اور دست  
کی وبائی بیماری)

ریقان = ’کامن‘ [نیز اسے ’سائی‘ بھی کہتے ہیں] (پیلیا)

ریقان = ’صفر ہیدرو کامن‘ (زرد پیلیا)

ریقان اسود = ’کارو کامن‘ (سیاہ پیلیا)

۱۰۔ سندھ کے روایتی ادبی ذخیرہ میں تفصیلی اور تخلیقی اضافہ:

اوپر چوتھے باب کے تحت بیان ہو چکا ہے کہ سومرہ دور قصوں اور داستانوں کا بنیادی دور تھا، جس میں سسئی - پنہوں، سورٹھ - رائے ڈیاچ، موٹل - رانو، لیلیاں - چنیسر، عمر - مارئی، مورڑو - مگر مچھ اور دودو - چنیسر کے قصے شروع ہوئے۔ اس کے بعد سہ دور میں نوری - جام تماچی کی نئی داستان نمودار ہوئی اور بھانٹوں اور بھانڈوں کو انجام و اکرام ملے جنہوں نے پرانے دور کے ’جاموں‘ میں سے جام سپڑ اور جام جکھر کی شناخت کی تعریف کی۔ نیز لاکھو - اور اوڈ قوم کی عورت، اور اڈھو - ہوتھل پری کے قصوں کو از سر نو بیان کیا۔

دولہہ دریا خان - ہموں راشٹو کی داستان سہ دور کے بالکل آخر میں نمودار ہوئی، اور بعد میں بڈامانی - پُرو کی دلیری کا واقعہ ارغون - ترخان - مغل دور میں ہوا: یہ دونوں حکایتیں (جن میں مغلوں کے خلاف واقعات کا ذکر تھا) غالباً مغل حکومت کے خاتمہ کے بعد سندھ کے مقامی حکمرانوں کلہوڑوں اور تالپوروں کے عہد میں بیان کی جانے لگیں۔ مغل دور میں موکھی - متارا (ساقی عورت اور میخوار) داستان نمودار ہوئی اور تالپور دور میں ’سندھ رانی - میر باگڑ کی داستان مشہور ہوئی۔

ان میں سے اکثر داستانیں پہلے بھی مشہور تھیں اور بیان ہوتی تھیں لیکن انہیں تالپور عہد

(گزشتہ سے پیوستہ) کسی قدر شیریں ہو جاتا ہے، خام پھل (خشک شدہ) اور ہرے پتے دواء مستعمل ہیں۔ مخزن المفردات کی تشریحی عبارت میں اسے عربی میں محض ’العُلب‘ لکھا گیا ہے، جو یقیناً کتابت کی غلطی ہے کیونکہ عنوان میں اسے ”عُلب العُلب“ اور اس کی ماہیت بیان کرتے ہوئے بھی ’عُلب العُلب‘ ہی لکھا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کا فارسی نام ’اوبہ تریک‘ بتایا گیا ہے۔ اس نام کے املا میں بھی کتابت کی غلطی رہ گئی ہے۔ اس کے عربی نام ’عُلب العُلب‘ (عُلب بمعنی لومڑی) کی مناسبت سے فارسی میں اس کا نام ’روباہ تریک‘ (ز (رے) سے ہے، الف سے نہیں۔ جیسا کہ غیاث اللغات ص: ۲۰۰ پر لکھا ہے: ’روباہ تریک‘ بضم فو تانی بمعنی کوی کہ آزا بہر بی عُلب گویند۔ ’روباہ تریک‘ کے پیش کے ساتھ، اس کے معنی ’کُو‘ کے ہیں جسے عربی میں ’عُلب العُلب‘ کہا جاتا ہے۔ (مترجم)



میں بڑے اہتمام سے بیان کیا گیا اور سنایا گیا۔ ۱۹۹۰-۱۹۵۷ء کے دوران لوک ادب کے تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان حکایات، قصوں اور داستانوں کے متعلق موجودہ دور میں رائج حکایات اور منظوم روایات زیادہ تر بارہویں صدی (اٹھارویں صدی عیسوی) سے شروع ہوئیں اور اس وقت سے لے کر اس روایتی ذخیرہ میں 'تفصیلی' اور 'تخلیقی' اضافے ہوتے رہے۔

### (الف) بیان کی تفصیل میں اضافے:

ہر کہانی، قصہ یا داستان کا آغاز علامات اور بیانات سے ہوا، لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ویسے ویسے سنگھڑ افراد اور شعراء نے ان قصہ، کہانیوں کو نظم یا نثر میں بیان کرنا شروع کر دیا اور ہر ایک نے اپنی سُن گُن اور ذاتی ذوق کے مطابق کوشش کر کے ان کی نوک پلک درست کر کے زیادہ تفصیل سے بڑھا کر انہیں بیان کیا۔

اوپر چھٹے باب کے تحت بیان ہو چکا ہے کہ شروع میں ارغون - ترخان - مغل دور میں لیلاں - چنیسر، سسئی - پنہوں، عمر - مارکی، مول - رانو اور دودو - چنیسر کی داستان کو فارسی نظم یا نثر میں بیان کیا گیا۔ اس کوشش و کاوش میں فارسی داستان - گوئی کے زیر اثر ان قصوں اور داستانوں کے بیانات میں اضافہ ہوا۔ اس کے بعد بارہویں صدی (اٹھارویں صدی عیسوی) سے لے کر جب شعراء اور سنگھڑ افراد نے انہیں سندھی منظوم مصرعوں میں بیان کیا تو ان میں مزید تفصیل کے ساتھ اضافہ کیا اور ان کے معنی و مطلب پر غور و فکر کیا گیا۔ نیز اس دور میں بعض بیرونی قصوں مثلاً یوسف - زلیخا، سکندر بادشاہ، شاہ بہرام، شیریں - فرہاد، لیلا - مجنوں، سیف الملوک، تہمتہ سلطان وغیرہ کو، جو اس سے پہلے عربی فارسی شاعری کے ذریعے مشہور ہوئے تھے، اس دور کے سنگھڑ شعراء نے از سر نو سندھی منظوم بندوں، اشعار اور مثنویوں میں بیان کیا مثلاً:

۱- لیلا - مجنوں: یہ عشقیہ داستان علاقہ گچھ کے سید فاضل شاہ نے بارہویں صدی کے

آغاز میں (۷۷۷ھ)

رمضان ۱۱۲۶ھ) میں سندھی میں منظوم کی۔ بعد میں خلیفہ عبداللہ نظامانی نے سنہ ۱۲۰۸ھ

میں اسے منظوم کیا۔

۲- سسئی - پنہوں: یہ عشقیہ داستان پہلے پہل غالباً محمد عارف کلہوڑو اور بعد میں مور یہ

فقیر نے سنہ ۱۲۹۰ھ میں طویل سندھی ابیات میں منظوم کی۔ دوسری طرف خلیفہ نبی بخش صاحب (۱) نے سنہ ۱۲۵۰ھ میں سرانیکی مثنوی میں اور محمد واصل نے سنہ ۱۲۹۹ھ میں سندھی مثنوی میں تفصیل کے ساتھ اسے منظوم کیا۔

۳- مورڑو اور مگر چمچ: یہ قصہ بارہویں صدی (اٹھارویں صدی عیسوی) میں امین دھوبی نے طویل سندھی ابیات میں بیان کیا۔

۴- لیلاں - چنیسرس: قصہ کوٹرو چنیسرس کے عنوان سے میر شیر محمد خان کے ہندو مثنوی مور یہ فقیر نے طویل سندھی ابیات میں ۶ ربیع الثانی ۱۲۹۶ھ کو مکمل کیا۔

۵- مول - رانو: بارہویں صدی میں یعقوب دھوبی نے یہ قصہ طویل سندھی ابیات میں منظوم کیا۔ بعد میں

(۱) نبی بخش بن بلاج خان لغاری تحصیل ٹنڈو باگوشلج بدین کے چاچوں ’مٹھی‘ میں سنہ ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء میں پیدا ہوئے، اس زمانے کے دستور کے مطابق فارسی تعلیم حاصل کی، پچیس سال کی عمر میں ایک پری پیکر کی محبت میں گرفتار ہو گئے، بالآخر گوہر مقدود ہاتھ آیا اور انجی بچوہ سے شادی کر لی لیکن کچھ ہی عرصے بعد ان کی زوجہ فوت ہو گئی اور یوں خلیفہ صاحب کی دنیا میں تاریکی چھا گئی۔ آخر کار اپنے دوست اور خالہ زاد بھائی قاسم کے مشورے پر سندھ میں سلسلہ قادریہ کے علمبردار، برتریدہ اور با شرع عالم اہل دل ولی کامل حضرت سید محمد راشد روئے دینی (مورث الہی پیر پاگڑہ) سے سنہ ۱۲۳۰ھ میں بیعت ہو گئے، جس سے آپ کو روحانی فیض اور اطمینان قلب حاصل ہوا اور آپ کے مجازی مشق کو حقیقی عشق کی طرف ہمیز ٹی۔ آپ کو مرشد کی طرف سے پہلے ہی دن خلافت عطا ہوئی، تین سال تک مرشد کی صحبت فیض اثر میں رہ کر عبادت و ریاضت میں مصروف رہے جس سے آپ کو تصوف میں اعلیٰ مقام حاصل ہوا۔ آپ کی صحبت اور کیسا اثر نظر سے ہزاروں غیر مسلم دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔ آپ نے سندھ، کاٹھیادواڑ اور گجرات میں قادری سلسلہ کی تبلیغ و ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا اور عقیدت مندوں کا ایک بڑا حلقہ پیدا کیا۔ حضرت سید محمد راشد روئے دینی کے سنہ ۱۲۳۳ھ میں وصال کے بعد خلیفہ صاحب ۲۶ برس زندہ رہے اور آپ نے تین سجادہ نشینوں سید صبغت اللہ شاہ اول المعروف تبر دینی متوفی ۱۲۳۶ھ، سید علی گوہر شاہ اول المعروف بنگلہ دینی متوفی ۱۲۶۳ھ اور سید حزب اللہ شاہ المعروف تحت دینی متوفی ۱۳۰۸ھ کا دور دیکھا۔ آپ نے شاہ عبداللطیف بھٹائی کی تقلید میں ’رسالہ منظوم کیا، بقول ڈاکٹر بلوچ صاحب آپ کے اس ’رسالہ کو بعض خصوصیات کی وجہ سے ایک انفرادی حیثیت حاصل ہے۔ آپ نے سنہ ۱۲۵۴ھ (سندھ میں اردو شاعری، ص: ۱۳۹ پر یہی سال تحریر ہے) میں ”داستان سستی - پنہوں“ کو سرانیکی زبان میں مثنوی میں منظوم کیا جو ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کی شاعری میں خدا پرستی، سچائی، سلوک، عشق و محبت، نیاز و حقیقت، شریعت و طریقت، وحدت و کثرت کے اسالیب نمایاں ہیں، نیز آپ کے کلام میں جذبہ طبیعت، ہمت و حوصلہ، مسلسل کوشش اور محنت، خود اعتمادی اور امید نمایاں خوبیاں ہیں۔ آپ نے سندھی کے علاوہ ہندی، فارسی، مراٹھی، اردو اور ڈھاکہ کی شاعری کی، آپ کی اردو شاعری سلوک و مناجات و غزلیات، وائی، ربیعہ، راگ، پت، راسوڑ، سہرا، جگن اور ہوری پر مشتمل ہے۔ چونکہ خالہ زاد بھائی قاسم نے انہیں مرشد کی طرف متوجہ کیا تھا، ان کے اس احسان کے سبب خلیفہ صاحب نے قاسم قلعہ اختیار کیا، آپ نے سنہ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں وصال فرمایا۔ دیکھیے:

۱- سندھ میں اردو شاعری تالیف ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ص ۱۳۸-۱۳۹

۲- مکتوبات شریف اور سوانح حیات سید محمد راشد روئے دینی (سندھی) تحقیقی مقالہ ڈاکٹر نذر حسین سکندری ص ۱۳۶-۱۵۱

۳- ’سندھ میں اردو‘ تحقیقی مقالہ ڈاکٹر شاہدہ بیگم ص ۲۳۶-۲۴۵ (مترجم)

بھٹائی صاحب کے چھوٹے معاصر اور لس بیلہ کے شاعر شیخ ابراہیم سندھی نے اسے سندھی ابیات میں بیان کیا۔ اس کے علاوہ اس قصہ کو پیر ڈنہ گاڈر (دھوبی) نے منظوم کیا۔ (جس کا حوالہ خدا داد خان نے ”وقائع جیسلمیر“ میں دیا ہے) اور بعد میں لعل بخش عرف حفیظ بیٹونہ (۱۸۱۰-۱۸۸۵ء) نے اس قصہ کو طویل سندھی ابیات میں بیان کیا، جو بہت زیادہ مشہور ہوا۔

۶- یوسف - زلیخا: تین شعراء: غلام محمد بنگائی، (۱) محمد ملوک (وفات ۱۱۸۹ھ) اور احمد نے یہ قصہ قرآن شریف کی مثالی روایت کے مطابق منظوم کیا۔ اس قصہ سے متعلق غلام محمد بنگائی کے جتنے بھی سندھی ابیات دستیاب ہوئے ہیں وہ اعلیٰ معیار کے ہیں (۲)۔

۷- سیف الملوک اور بدیع الجمال: بہار پُرد نے تقریباً بارہویں صدی کے درمیانی عرصہ میں سندھی ابیات میں اسے لکھا اور بعد میں ۱۱۹۹ھ میں لطف علی نے اسے نہایت پر لطف سرانگی ابیات میں منظوم کیا۔

۸- بانگا بہرام: چھتہ دھوبی نے تقریباً بارہویں صدی کے درمیان میں اسے طویل سندھی ابیات میں بیان کیا، اور بعد میں تیرہویں صدی کے آغاز میں لس بیلہ کے شاعر شیخ ابراہیم نے اسے بعنوان ”قصہ شاہ بہرام گوز اور حسن بانو کا“ سندھی ابیات میں منظوم کیا۔

۹- گجھ سلطان کا قصہ: بارہویں صدی کے آغاز میں تیار کردہ برٹش میوزیم لائبریری لندن میں قلمی صورت میں موجود ہے۔ بعد میں عبدالرحمن شاعر نے ”بروز بدھ ۵ جمادی الآخر سنہ ۱۲۲۶ھ“ میں اس قصہ کو منظوم کیا۔

ان تمام قصوں اور داستانوں کی مختلف روایات کو، نیز دودو - چنیسیر کی مشہور حکایت اور دیگر کہانیوں میں موقع کے دوہوں کے ساتھ گائی گئیں دیگر حکایات کو بڑی تحقیق کے ساتھ سندھی لوک ادب کی مختلف تیرہ (۱۳) جلدوں میں شائع کیا گیا ہے، جنہیں مزید تفصیلی معلومات کے لئے دیکھنا چاہئے۔

تالپور عہد میں قصوں کی عام مقبولیت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد بعض انگریز مصنفین نے بھی سندھی قصوں کی اشاعت کی طرف توجہ دی۔ کلپٹن سٹیک نے

(۱) تحصیل مورد ضلع نوشہرہ فیروز کے گاؤں ”بھا“ کے بڑے نامور عالم تھے، شاہ عبداللطیف بھٹائی کے ہم عصر تھے، بڑے مہذب، مشق، پختہ اور بے باک شاعر تھے۔ ان کی شاعری کا ایک بہت بڑا حصہ نبی پاک اور آپ کی آل و اصحاب کی تعریف اور معجزات کے بیان پر مشتمل ہے، سنہ ۱۱۸۸ھ تک ان کے زندہ موجود ہونے کے علمی آثار ملتے ہیں، صحیح طرح سے تاریخ وفات کسی بھی ماخذ میں مذکور نہیں ہے۔ (مترجم)

(۲) راقم کو یہ اشعار مولانا جامی کی ”یوسف - زلیخا“ کے ایک مخطوطہ کے حاشیہ پر لکھے ہوئے ملے ہیں اور آجکل زیر مطالعہ ہیں جنہیں عنقریب شائع کیا جائے گا۔ (نبی بخش ۲۹ جولائی ۱۹۹۰ء)

۱۸۴۹ء میں شائع ہونے والی اپنی ”سندھی گرامر“ میں رائے ڈیاچ کے قصہ کے ابیات بطور مثال درج کیے؛ ٹرمپ نے سنہ ۱۸۵۸ء میں فاضل شاہ کا ”لیلیٰ مجنوں“ طبع کروایا؛ گولڈ سڈ نے سنہ ۱۸۶۳ء میں ”سسئی پنہوں“ کی ایک روایت کا متن انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا؛ رچرڈ برٹن نے تالپوروں ہی کے عہد میں ”سسئی پنہوں“ کی ایک داستان کو اپنی کتاب ”سندھ میں آباد قومیں“ میں مختصر طور پر قلمبند کیا۔ تالپور عہد کے قصہ گوؤں، گانے والوں اور سنگھڑ حضرات کی محافل کی روایت پچاس ساٹھ سال بعد، انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز تک بڑے ذوق کے ساتھ قائم رہتی ہوئی آئی (۱)۔

### (ب) تخلیقی اضافے:

اس دور میں جیسے ہی قصوں اور داستانوں کو عام محافل اور مجالس میں بیان کرنے اور انہیں دلچسپی کے ساتھ سننے کا سلسلہ وسیع ہوا تو ایک طرف ہنرمند قصہ گو افراد پیدا ہوئے جنہوں نے ”حکایات گانے“ کا فن عروج پر پہنچایا تو دوسری طرف سنگھڑ حضرات پیدا ہوئے جنہوں نے قصوں اور داستانوں کے آثار و علامات کو پرکھنے کے لئے ”بجھارت“ (پہیلی) کے فن کو ترقی دی اور ان کے معنوی بھید کو پرکھنے کے لئے تمثیل و تلمیح پر مشتمل شاعری ’ڈور‘ (۲) شروع کی۔ بلکہ دیگر بڑے سنگھڑ حضرات نے اس دور میں ”ہنر“ (بجھارت کی ایک قسم) کی تجنیمی شاعری اور ”سندھی سینگار شاعری“ کو تخلیق کیا۔ یہ تمام فن تخلیقات، روایتی ادبی ذخیرہ کی پرکھ اور پہچان اور اعلیٰ آگہی کے نتیجے کے طور پر شروع ہوئیں اور علمی سلسلوں سے باہر عوامی سطح پر عام محافل میں عروج کو پہنچیں۔ کارگیروں اور پیشہ وروں خاص طور پر دھویوں، کہاروں، لوہاروں اور ترخانوں کی دکانیں سنگھڑ حضرات اور سیانوں کی محافل کے مراکز بنے جہاں پر روایتی ادب کے موضوعات پر تبادلہ خیالات ہوتا تھا اور تمثیل و تلمیح پر مشتمل شاعری ’ڈور‘ پہیلی، ہنر اور سینگار کی اصناف ترقی کرتی رہیں۔

ان میں سے ہر ایک موضوع پر لوک ادب سلسلہ کی مختلف جلدوں میں تفصیل سے روشنی

(۱) انگریزوں کے قبضہ کے بعد سندھ کے مقامی علماء، کارگیروں، ہنرمندوں، موسیقاروں، قصہ خوانوں اور سنگھڑ حضرات کی قدر دانی اور داد و بخش کے ذریعے ان کی حوصلہ افزائی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ ۱۹۳۰ء کے بعد بیرونی نیروں کے رواں ہونے اور ۱۹۳۷ء میں سیاسی کشمکش شروع ہونے کے بعد پہلے والی فراغت یا العقائد محافل کے ذریعے باہمی محبت کے اظہار کی رسم کمزور پڑ گئی، جس کی وجہ سے لوک ادب کے سرچشمے خشک ہونے لگے۔

(۲) ڈور: معنہ یا بجھارت (پہیلی) کی ایک قسم جو ’دوہوں‘ میں ہوتی ہے۔ ایک قسم کا ”بیت“ (شعر) جس کے ظاہری معنی تو کچھ اور ہوتے ہیں لیکن اصل میں وہ کسی خاص واقعے کے متعلق ہوتا ہے۔ وہ ”بیت“ جس میں تمثیل و تلمیح ہو۔

جامع سندھی لغات، جلد ۳، ص ۱۲۳۷

ڈالی گئی ہے، جس سے ان کی ادبی اور فنی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

اب تک راقم کی لوک ادب پر کی گئی تحقیق کی روشنی میں بڑے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ جلال دھوبی جو کہ شاہ عبداللطیف کے بڑے معاصر تھے، وہ بارہویں صدی ہجری میں سندھ کے سنگھو حضرات کے سر تاج تھے، جنہوں نے سنگھڑپن کے فن کو عروج پر پہنچایا۔ خاص طور پر ”ہنر کی شاعری“ اور ”سندھی سینگار شاعری“ کی تخلیق کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔ جلال دھوبی قریہ مُوندَر (تحصیل دادو) کے رہائشی تھے اور غالباً بھٹائی صاحب سے کچھ ہی پہلے ۶۰-۱۱۵۰ھ کے عرصے میں فوت ہوئے اور ”پیر ترہو کے قبرستان“ میں دفن ہوئے۔ لوک ادب سلسلہ کی ”سندھی سینگار شاعری“ (مطبوعہ سنہ ۱۳۰۶ھ/۱۹۸۶ء) میں سنگھو حضرات کے سر تاج جلال کی سوانح اور شاعری پر کافی تحقیق کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، مزید معلومات کے لئے اس کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔

## ۱۱- سندھی اساسی شاعری کی بنیادوں کا استوار ہونا:

سندھی اساسی (کلاسیکی) شاعری کی بنیاد اور اساس اعلیٰ انسانی اقدار پر مشتمل فہم و فکر ہے: جس میں محض کسی قصہ اور واقعہ کے بیان یا محض شاعرانہ خوبیوں کے اظہار کے بجائے کسی اعلیٰ مقصدیت کے معنی سمائے ہوئے ہیں۔ اس اعلیٰ سندھی شاعری کی اساس، خالق کائنات کی وحدانیت پر کامل یقین، انسان کے ساتھ محبت اور انسانی وحدت پر یقین اور معاشرے میں اعلیٰ خوبیوں کے شخصی کردار کے مفہوم پر مشتمل ہے۔

مجموعی طور پر، سندھی اساسی شاعری انسان کے ایمان اور ارادے کی سچائی اور عملی کردار کے اعلیٰ معیار کی تشریح و تعبیر ہے۔ اور یہ تشریح بڑی حد تک اساسی تصوف و طریقت کے اس پاک صاف دستور کی روشنی میں ہے، جو سندھ میں قدیم دور سے مقبول عام تھا۔

سندھی اساسی شاعری، باخبر صوفی سالکوں، وسیع النظر اور اہل دل دانا اور صاحب درد لوگوں کا کلام اور پیغام ہے جس میں انسان کی عارضی زمینی زندگی اور اس کی دائمی بقا کے ساتھ منسلک حقائق کے آثار پوشیدہ ہیں۔ جن میں سے بعض نہایت اہم حقائق یہ ہیں: خالق کائنات کی یکتائی، خالق و مخلوق کے تعلق کی حقیقت، کائنات کی تخلیق میں وحدت اور کثرت، انسانی وحدت کے لئے عقیدہ توحید اور ایمان کی سچائی کی ضرورت، عملی زندگی میں انسان کے لئے اعلیٰ مقصد اور اس مقصد تک پہنچنے کے لئے مسلسل کوشش کی اہمیت، زندگی کے مشکل مراحل یا سماجی تعلقات اور پیار کے رشتوں کے نازک مراحل پر انسانی اخلاق اور کردار کی عظمت۔

اساسی شاعری میں ہر صوفی، عارف اور دانشمند نے اپنے اپنے علم کے مطابق ان حقائق

کو دلائل، اشارات اور علامات کے ساتھ سمجھانے کی سعی کی ہے۔

موجودہ معلومات کی رو سے قاضی قادن اساسی شاعری کی عمارت کے بانی مہانی تھے۔ وہ سندھی زبان کے پہلے بڑے شاعر اور اساسی شاعری کے باوا آدم تھے۔

دسویں صدی ہجری میں قاضی قادن (وفات ۹۵۸ھ) نے اعلیٰ سندھی شاعری کی بنیاد رکھی اور میاں شاہ کریم (وفات ۱۰۳۲ھ) نے اس بنیاد کو مستحکم کیا اور وہ کسی حد تک قاضی قادن کی ساکمانہ فکر کے شارح بھی تھے۔ گیارہویں صدی کی آخر اور بارہویں صدی میں شاہ لطف اللہ قادری، میاں شاہ عنایت اور شاہ عبداللطیف کے مجموعہ کلام (رسالوں) میں اساسی شاعری کی عمارت، ہیئت اور صورت کے لحاظ سے تکمیل کو پہنچی۔ اعلیٰ فکر اور مضامین کی تقسیم کے لحاظ سے شاہ عبداللطیف نے اس عمارت کو مزید خوبصورت بنادیا، نیز آپ نے ایسی شاہراہ متعین کی جس کے ذریعے اسے آراستہ کرنے کا سلسلہ چودھویں صدی تک جاری رہا۔ خاص طور پر عبدالوہاب بھٹل، صوفی فقیر محمد صدیق، قنبر علی شاہ بھاڈائی، خلیفہ نبی بخش اور آخر میں غلام محمد خانزلی نے اعلیٰ اساسی شاعرانہ ”مجموعوں“ کے اس ایوان کو نہ صرف آراستہ کیا بلکہ اسے اور وسیع کر دیا۔

اس دور کی اساسی شاعری کی تاریخ میں ایک نہایت ہی مفید رجحان یہ پیدا ہوا کہ: ”سلوک و طریقت پر مشتمل ابیات (اشعار) کی روایت“ اور ”عوامی ابیات (اشعار) کی روایت“ میں معنوی طور پر ملاپ ہوا۔ یہ ملاپ میاں شاہ عنایت کے کلام میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔ اس سے قبل سندھی ابیات کے دو مختلف سلسلے رائج تھے: ایک طرف سالک صوفیاء، عارفین اور علماء اپنے ”معنوی ابیات“ میں توحید و طریقت، ایمان اور اخلاقیات کے اسباق سمجھاتے تھے تو دوسری طرف قصہ خواں اور سنکھو شعراء عوامی قصوں اور کہانیوں کو ”بیانی ابیات“ کے ذریعے دہراتے اور گاتے تھے۔ میاں شاہ عنایت (وفات ۱۱۳۳ھ) کے کلام میں پہلی مرتبہ ان دونوں سلسلوں میں اشتراک اور ان کی بہتات نظر آتی ہے۔ ان سے پہلے کچھ عارفوں اور سالکوں نے توحید و طریقت کے اعلیٰ معنوی آثار و علامات کو عوامی عنوانات کے ذریعے اپنے بعض اشعار میں بیان کیا، لیکن وہ ابھی آغاز ہی تھا۔ مثلاً میاں علی شیرازی، میاں شاہ کریم اور بعض دیگر حضرات کے کچھ اشعار سندھ کے عام قصوں اور داستانوں، مثلاً مورڑو - مگر چھ، سسکی - پنہوں، عمر - ماری، لیلایاں - چنیسر، مول - رانو، سوئی - مینہ وال کے آثار و علامات میں سمائے ہوئے ملتے ہیں۔

میاں شاہ عنایت اعلیٰ اساسی شاعری کے پہلے شاعر تھے جنہوں نے اس رجحان کو اپنے کلام کے ذریعے پختہ کر کے مقبول عام بنایا۔ اور انہوں نے مندرجہ بالا عوامی قصوں کے ساتھ (الف) سورٹھ - رائے ڈیاچ اور منگتے، نوری اور جام تماچی اور لاکھو اور ریارپوں کی

داستانوں،

(ب) سمندر اور ناخداؤں، جوگیوں اور پوریوں (۱) - سامیوں (۲) کی کاوشوں،

(ج) پیشہ ور - کاتنے والیوں (۳)، اور

(د) سورماؤں اور نئی لوگوں مثلاً ابو، جکھر و اور گرن (۴) کے کرداروں کو اپنے اشعار میں بیان کیا۔ اسی طرح میاں شاہ عنایت نے اپنے کلام میں اعلیٰ فکری روایت اور عوامی روایت، دونوں کو یکجا کیا۔ اس کے بعد شاہ عبداللطیف نے اپنے اشعار اور والی (۵) میں دونوں روایتوں کے رخ اور جوہر کو ملا کر ایک کر دیا، یہاں تک کہ آئندہ کے لئے یہ پگڈنڈی اعلیٰ اساسی شاعری کی شاہراہ بن گئی۔

مقدار کے لحاظ سے اس دور میں اساسی شاعری کا سرمایہ بہت ہی وسیع ہوا اور رسالوں کے خاص نام سے اعلیٰ معنوی اشعار کے ذخائر وجود میں آئے۔ شاہ لطف اللہ قادری پہلے شاعر تھے جنہوں نے توحید اور طریقت کے بارے میں اپنے معنوی ابیات کے مجموعہ کو رسالوں کا نام دیا۔ شاہ لطف اللہ سمیت اعلیٰ اساسی شاعری کے آٹھ بڑے شاعر ایسے ہو گزرے ہیں جنہیں صاحب رسالہ (صاحب دیوان) کہا جاسکتا ہے۔ ذیل میں مختصر طور پر ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱- شاہ لطف اللہ قادری انھم کوٹی:

سنہ ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء کے لگ بھگ قدیم تاریخی شہر انھم کوٹ (موجودہ نام اگھامانو) میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۰۹۰ھ (۱۶۷۹ء) کے لگ بھگ فوت ہوئے۔ وہ اپنے دور کے عالم اور عارف تھے۔ طریقت اور تصوف کے انہوں نے متعلق دو کتابیں ”تحفۃ السالکین“ اور ”منہاج المعرفت“ فارسی میں تصنیف کیں۔ ”منہاج المعرفت“ جسے سنہ ۱۰۷۸ھ میں تصنیف کیا تھا وہ قلمی صورت میں

(۱) لفظی معنی پورب کا رہائشی، فقیروں کا ایک گروہ مراد ہے۔ (مترجم)

(۲) سواہی: فقیروں کی شہ، سنت، فقیر، درویش، اللہ لوک، گیر و رنگ کے کپڑے پہن کر گھومنے پھرنے والے فقیر، بیراگی (مترجم)

(۳) متن میں لفظ ”کاپاتین“ جمع فاعلی حالت میں ہے۔ ”کاپاتی“ یا ”کاپاتی“ کے معنی ہیں کاتنے والی، جسے ”کاتار“ بھی کہا جاتا ہے اس کے معنی ہیں روٹی یا سوت کا تے والا۔ اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے نام کی مالا جپنا، اس اعتبار سے سالک ”کاپاتی“ یا ”کاتار“ ہے۔ روٹی یا سوت سے مراد ہے روحانی کمائی یعنی عبادت، اس سر میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ (مترجم)

(۴) ایک سہ جام کا نام ہے۔ (مترجم)

(۵) والی: سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی ہیں: بات، کہادت، کہت، سخن۔ والی (کانی) راگ اور نظم کی ایک صنف ہے۔ میر حسام الدین راشدی کھوڑہ عہد کے سندھی ادب کے متعلق لکھتے ہیں: اس دور کا اہم کارنامہ ”والی“ (کانی) ہے جسے اس دور کی مقبول ترین صنف کہا جاسکتا ہے۔ شاہ لطیف اور شاہ عنایت نے اسے ایجاد کیا اور دہوں کے درمیان میں لاکر گائی جانے لگی، جس کی وجہ سے سندھی ادب کو چار چاند لگ گئے۔

(مترجم)

دیکھیے سندھی ادب، ص: ۳۸

موجود ہے اور اس کے اکیس ابواب میں سے بعض ابواب کے آخر میں ایک یا دو سندھی 'بیت' بھی درج ہیں۔ اس کے بعد تصوف اور طریقت کے خاص خاص موضوعات اور معانی کو سمجھانے کی خاطر انہوں نے سات ابواب پر مشتمل سندھی نظم میں 'رسالہ' تصنیف کیا۔ جس کے اصل نسخے میں تین سو اناسی (۳۷۹) ابیات تھے۔ اس طرح دونوں کتابوں (منہاج المعرفت اور رسالہ) میں شاہ لطف اللہ قادری کے سندھی ابیات کی تعداد چار سو ہے، جو ایک بڑا ذخیرہ ہے۔ موجودہ معلومات کی بناء پر شاہ لطف اللہ قادری کا 'رسالہ' سندھی نظم کی تاریخ میں پہلی بڑی کتاب ہے جو بہت ہی با معنی سندھی ابیات پر مشتمل ہے: یہ رسالہ راقم کی تصحیح اور تحقیقی مقدمہ کے ساتھ 'سندھیالاجی' کی طرف سے سنہ ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا اور مزید تفصیلی مطالعہ کے لئے موجود ہے۔

## ۲- میاں شاہ عنایت رضوی نصر پوری:

سنہ ۳۵-۱۰۳۰ھ (۲۶-۱۶۲۱ء) کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور سنہ ۱۱۳۳ھ (۱۷۲۱ء) میں وصال فرمایا (۱)۔ شاہ خیر الدین قادری سکھر والے کی خانقاہ کے ساتھ انہیں عقیدت تھی اور تصوف میں قادری طریقہ کے بزرگ تھے۔

میاں شاہ عنایت نے اپنے کلام میں 'سندھی واکی' کی ترتیب کو مکمل پر پہنچایا جو ایک تخلیقی کارنامہ تھا۔ انہوں نے عام سندھی قصوں اور داستانوں کے آثار اور دیگر علامات کو اپنے اعلیٰ معنوی ابیات کا موضوع بنایا جس سے اعلیٰ سندھی شاعری کا دائرہ وسیع ہوا اور اس میں 'موضوع' یا 'مُسَر' کی ترتیب پر ابیات اور واکی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سے قبل شاہ لطف اللہ قادری کا رسالہ صرف تصوف و طریقت کے ایک ہی موضوع سے متعلق اعلیٰ معنوی ابیات پر مشتمل رسالہ تھا۔ مختلف موضوعات کے متعلق ابیات اور وائیوں پر مشتمل پہلا رسالہ میاں شاہ عنایت کا مجموعہ کلام ہے جس میں بائیس مختلف موضوعات یا سُروں پر مشتمل ۴۷۱ ابیات اور چالیس وائیاں موجود ہیں۔

میاں شاہ عنایت کا کلام راقم کی تصحیح اور تحقیقی مقدمہ کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے سنہ ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا جس کا مزید تفصیلی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

## ۳- شاہ عبداللطیف بھٹائی: (۱۱۰۲-۱۱۶۵ھ / ۱۶۸۹-۱۷۵۲ء)

شاہ کریم نے (۱۰۳۰ھ میں) وصال فرمایا (۲) تو میاں شاہ عنایت پیدا ہوئے اور میاں

(۱) میاں شاہ عنایت کے کلام کو مرتب کرتے وقت ان کی وفات اندازے کے مطابق لکھی گئی تھی بعد میں ایک قدیم قلمی عبارت کے ذریعے تصدیق سے معلوم ہوا کہ انہوں نے سنہ ۱۱۳۳ھ میں وصال فرمایا۔

(۲) ڈاکٹر عبدالغفار سومرہ کی تحقیق کے ساتھ شائع شدہ بیان العارفین کے اصل فارسی متن کے ص ۳۷۸ پر شاہ کریم کا سن وفات یوں تحریر ہے: تاریخ وفات وقت نماز شام یک شبہ ہنتم شروزی قعدہ سنہ ہزار وی دودور موضع مسکن خود بقرب جوار حق پوستان۔ یعنی آپ نے بروز اتوار ۷/ ذی القعدہ سنہ ۱۰۳۲ھ میں نماز مغرب کے وقت اپنے گھر میں وصال فرمایا۔ (مترجم)



شاہ عنایت نے وصال فرمایا تو بھٹائی صاحب جوان ہوئے۔ میاں شاہ عنایت نے عوامی موضوعات اور اعلیٰ معنوی مضامین کو یکجا کرنے کا آغاز کیا اور شاہ عبداللطیف نے دونوں کو ملا کر ایک کر دیا، وہ اس طرح کہ آپ نے عوامی موضوعات میں اعلیٰ فکری روح پھونکی اور اعلیٰ معنوی موضوعات کو عوام الناس کے عقل و شعور کی سطح تک آسان بنادیا۔

میاں شاہ عنایت کا کلام بائیس موضوعات پر مشتمل تھا لیکن شاہ صاحب نے ان کے علاوہ بھی کئی مزید موضوعات پر اشعار کہے۔ ”شاہ جو رسالو“ میں تقریباً اسیسے سے زیادہ تر شاہ صاحب کے اپنے ابیات اور وائیوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے بعض سُر ایسے بھی ہیں جن میں ایک سے زیادہ موضوعات شامل ہیں۔ شاہ صاحب نے عوامی زندگی کے عام دھندوں پیشوں مثلاً خانہ بدوشوں اور مویشی پرانے والوں، کہاروں اور لوہاروں، جولاہوں اور ہنرمندوں، منکوں اور میراثیوں (ڈوم)، جنگلی غذا تلاش کرنے والوں اور دیہاتی لوگوں کے رہن سہن کے آثار و علامات کو بھی اپنے اعلیٰ معنوی ابیات میں ذکر کیا۔

تعداد کے لحاظ سے ”شاہ جو رسالو“ کے مختلف قلمی نسخوں میں تقریباً دو سو وائیاں اور تین ہزار ابیات ایسے ہیں جو اکثر و بیشتر صحت اور معیار کے لحاظ سے شاہ صاحب ہی کے کہے ہوئے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ”شاہ کا کلام“ شعر، فکر، معنی اور بیان کے لحاظ سے اعلیٰ اساسی سندھی شاعری کے آسمان کا سورج ہے۔ شاہ صاحب کی ایک بڑی عظمت یہ ہے کہ آپ نے اعلیٰ فکری و اخلاقی نکات کو آشکار کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف سُروں اور داستانوں میں زندگی کے مشکل اور صبر آزما مواقع اور مراحل پر مختلف کرداروں کی نفسیاتی کیفیات کو بھی نمایاں کیا ہے۔

انسانی شعور اور لاشعور کے بارے میں ان کی گہری بصارت اور توجہ سے ظاہر ہے کہ شاہ صاحب انسان کی نفسیاتی کیفیات کے فطری شارح ہیں۔

### ۴۔ عبدالوہاب سچیدانو عرف سچل:

آپ کی تاریخ پیدائش یقینی طور پر معلوم نہیں، تاہم ایک روایت کی رُو سے آپ بھٹائی صاحب کی وفات (۱۱۶۵ھ) سے قبل پیدا اور سنہ ۱۲۳۲ھ (۱۸۲۷ء) میں وصال فرمایا۔ شاہ عبداللطیف کے بعد، ”رسالے“ کے ابیات اور وائیوں کی صورت میں اعلیٰ فکر پر مشتمل کہا گیا کلام ”رسالوں“ کی صورت میں مرتب ہوا، علاوہ سچل کے کلام کے، جو کہ مقدار، معنی اور سُروں کی ترتیب پر موضوعات کے لحاظ سے ”رسالہ“ کی صورت میں مرتب ہونے کے لائق ہے۔

آپ کے کلام میں دیگر سُروں کے ساتھ سوئی، پورب، ڈہر، بروی، رامکلی سُروں کے ابیات موجود ہیں مگر وہ ان سُروں کے عنوانات کے ساتھ شائع نہیں ہوئے۔ اس پچھلے قریبی دور (۱۹۵۹ء) میں سچل کا سندھی اور سرائیکی کلام دو مختلف مجموعوں میں سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع ہو چکا ہے، اگرچہ ان رسالوں میں اکثر کلام شامل ہے لیکن اب بھی بہت سارا کلام میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے جسے تحقیق و تصحیح کے ساتھ جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ شعر کی کسوٹی کے لحاظ سے، سچل اپنی سرائیکی قافیوں میں زیادہ بڑے 'شاعر' ہیں اور باقی کلام میں 'نظم - گو'؛ اگرچہ اس منظوم ذخیرہ میں بھی شاعری کی جھلکیاں موجود ہیں مگر وہ زیادہ تر سادہ ترتیب اور سادہ بیان پر مشتمل ہے۔

سچل کے کلام سے مجموعی طور پر یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ فارسی خواندہ، لکھے پڑھے شاعر ہیں اور صوفیانہ فکر یا اس کے بیان میں موجود تلمیحات اور آثار و علامات کے حوالہ سے آپ پر سندھی روایت سے زیادہ فارسی روایت کا اثر ہے۔ کبھی کبھار آپ کی عشقیہ عبارت پر فارسی غزل کی روایت غالب آ جاتی ہے اور محبوب کو شرمسار کر دیتے ہیں۔

سندھ کی روایت میں محبوب بے تصور ہے۔ 'حال' اور 'خیال' دونوں سچل کے کلام میں نمایاں ہیں، مگر ان کے 'حال' پر ان کی 'قال' غالب ہے۔ 'خیال' اور 'دم' (۱) بھی سچل کی فکر کے خاص نکات ہیں، مگر وہ 'خیال' کو 'دم' سے اونچا تصور کرتے ہیں۔ 'وحدت الوجود' اور ابن العربی کی عیثیت والی فکر ان کے فکر کی اصل اور بنیاد ہے تاہم آپ ماضی سے جاری 'ادب'، 'اطاعت' اور 'تقلید' کی رسم و روایت سے باہر نکلنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

وہ 'صفات' سے زیادہ 'ذات' والی فکر و معنی کو دہراتے اور 'خودی' خواہ 'بے خودی' کے رخ سے خود آگاہی اور خود اعتمادی کا درس دیتے ہیں۔

۵۔ فقیر محمد صدیق سومرو عرف صوفی صادق شاہ:

شاہ عبداللطیف کی وفات کے کچھ سال بعد پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۷ء) میں قریہ 'اُتر' (تحصیل عمرکوٹ) میں وصال فرمایا۔ آپ جھوک کی قادری خانقاہ کے درویش صوفی فضل اللہ شاہ قلندر کی نظر کیسیا اثر سے صاحبِ فکر و فیض بنے۔ اپنے مرشد کے 'ارشاد نامہ' سے متاثر ہو کر سلوک و طریقت میں 'درد نامہ' تصنیف کیا اور طریقت و توحید پر مشتمل کلام کہا۔ شاہ قلندر کے وصال کے بعد جھوک میں خانقاہ پر رسمِ راگ کی بنیاد ڈالی جس کے لئے 'راگ نامہ' مرتب ہوا، جس میں ابیات اور دایوں کا بڑا ذخیرہ شامل ہے۔

اس مجموعہ میں کئی اشعار وہی ہیں جو شاہ جو رسالوں میں شامل ہیں۔ باسٹھ ابیات اور پانچ

صدائیں (وائیاں) دیگر انیس ایسے شعراء کی ہیں جن کی اکثریت گزشتہ دور کی ہے۔ اس کے باوجود بھی ایک اچھا خاصا حصہ خود فقیر صاحب کے اپنے ابیات کا بھی ہے، حالانکہ ان کے کلام کا تمام ذخیرہ راگ نامہ میں شامل نہیں ہے۔

’راگ نامہ‘ میں شامل کلام ستائیس سُروں میں منقسم ہے جن میں سے وہاگڑو (وہاگ) (۱)، موکھی اور سوزڑو اس راگ نامہ کے خاص سُر ہیں۔

راگ نامہ میں کل ۱۴۰۶ ابیات اور ۱۴۸ صدائیں (وائیاں) شامل ہیں، جو کہ اعلیٰ اساسی شاعری کا ایک بڑا اور قیمتی ذخیرہ ہے۔

۶۔ قنبر علی شاہ بھاڈالی:

قنبر علی شاہ بخاری سنہ ۱۲۰۷ھ کے لگ بھگ ’بھاڈ‘ (۲) تحصیل جاتی میں پیدا ہوئے اور اس جگہ کی نسبت سے ’بھاڈالی‘ کہلائے۔ سنہ ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۶ء) میں آپ نے ’کنبائی‘ تحصیل گھوڑا باری میں وصال فرمایا، اپنے وقت کے بڑے عابد و زاہد، قلندر طبع درویش (۳) اور صاحب توکل شخص تھے۔ آپ کے روحانی رہبر بھٹائی صاحب تھے انہی کی راہ اختیار کرتے ہوئے آپ نے ’شریف‘ تخلص سے اپنا کلام رسالہ کی صورت میں سُروں کی ترتیب پر کہا۔ آپ کے فرزندوں میں سے عبدالقدوس شاہ اور مریدین میں سے فتح محمد فقیر کلہوڑو اور غلام حیدر فقیر تھپیو (جنہوں نے اپنا تخلص ”تیرہیو“ رکھا تھا) نے بھی رسالہ کا کلام کہا۔

ان چاروں حضرات کا بہت سارا کلام ’رسالو‘ کی صورت میں سنہ ۱۲۸۴ھ میں قلمبند ہوا۔ قنبر علی شاہ ’شریف‘ کا کلام ’رسالو‘ کے چھبیس سُروں میں ہے اور کچھ کلام ضائع ہو جانے کے باوجود بھی ان کے ۱۲۶۸ ابیات اور ۱۱۲ وائیاں سلامت ہیں جو کہ اعلیٰ سندھی اساسی شاعری کا ایک

(۱) دیک راگ کی ایک راگنی کا نام ہے جو صبح کے وقت گائی جاتی ہے، اسے پریمائی بھی کہتے ہیں۔ (مترجم)

(۲) تحصیل جاتی ضلع ٹھٹھہ میں ایک دیہ کا نام ہے۔ (مترجم)

(۳) قلندر: فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں آزاد، رند، بے پروا، مست، فقیر۔ جواہر اللغات اردو ۵۳۶ فرہنگ عامرہ میں ہے: قلندر - قلن - ذر - بے پروا اور مست فقیر ص ۴۷۷۔ کریم اللغات ص ۱۷۳ پر ہے کہ: قلندر - معرب کَلْدَر کا، ایک قسم ہے فقیروں کی، مست، بے پروا اور لئوی معنی کلدہ نازا شیدہ (آن گھر لکڑی، آتش، بد تہذیب، بے تیز)۔ غیاث اللغات ص ۳۴۳ پر ہے کہ: قلندر در اصل کَلْدَر بود کاف عربی بمعنی کلدہ نازا شیدہ کہ در پس در اندازند ناز و کشادہ نمود، پس تخر الہ بسبب اختلاف عرب و عجم قلندر بقاف شد، بعض معرب گفتہ اند اول صحیحست۔ از خیابان و در جواہر الحروف نوشتہ کہ در اصل قلندر بغین معجمہ بود۔

یعنی قلندر اصل میں کَلْدَر تھا، جس کے معنی ہیں آن گھر لکڑی، کاٹھ جس سے زندان کی سزا دیتے ہیں تاکہ جلد رہائی حاصل نہ کر سکے، عرب و عجم کے اختلاف زبان کی وجہ سے کَلْدَر سے قلندر ہو گیا۔

بعض لوگوں نے اسے معرب شمار کیا ہے، جبکہ پہلی بات درست ہے۔ جواہر الحروف میں ہے کہ یہ لفظ اصل میں

عین کے ساتھ قلندر تھا۔ (مترجم)

بڑا ذخیرہ ہے۔ شاہ شریف کے ابیات میں توحید و معرفت کے ساتھ غنائی رنگ بھرپور طور پر موجود ہے، کیونکہ وہ دوسرے کی بات کرتے ہوئے بھی اپنا حال زیادہ بیان کرتا ہے۔

شاہ عبداللطیف کے ابیات ان کے پیش نظر ہیں جن کے تتبع میں ابیات کہتے ہوئے وہ بھٹائی صاحب کے بنیادی خیال کو مختلف طریقوں سے اس طرح دہراتا اور اس کے معنی پر غور و فکر کرتا ہے کہ گویا وہ شاہ صاحب کا شارح ہے۔

شاہ شریف کا رسالہ راقم کی تصحیح و تحقیق کے ساتھ ادارہ سندھ شناسی (سندھیالاجی) کی طرف سے سنہ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں شائع ہو چکا ہے جسے مزید تفصیلی مطالعہ کے لئے دیکھا جاسکتا ہے۔  
۷۔ خلیفہ نبی بخش صاحب:

آپ سنہ ۱۱۹۰ (۱۷۷۶ء) کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور بڑی عمر میں سنہ ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء) کے لگ بھگ وصال فرمایا۔ آپ نے عمدہ مکتبی تعلیم حاصل کی اور فارسی زبان سے اچھی خاصی واقفیت حاصل کر لی تھی۔ آپ ذاتی طور پر بڑے باہمت اور حوصلہ مند تھے؛ میرٹھارو خان کے درباری تھے اور میر باگو خان کے ساتھ دوستانہ تعلق تھا۔ عشق مجازی کے سبب اور اس کے بعد جناب پیر محمد راشد (روضہ دہنی) کی نظریفیض اثر سے فقیری اور معرفت کی طرف مائل ہوئے۔ عشق، درد اور فراق کے حال کے ساتھ ۱۲۳۶-۱۲۵۰ھ کے چار سالہ عرصے میں مثنوی ”سسئی - پنہوں“ منظوم کی۔ یہ داستان خلیفہ صاحب کے اپنے ”حال“ کا آئینہ اور ان کے شاعرانہ شعور اور تخلیق کا نمایاں کارنامہ ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ”سسئی - پنہوں“ خلیفہ صاحب کی سرانیکی شاعری کا شاہکار ہے۔ بولیوں کے لحاظ سے خلیفہ صاحب نے سندھی کے علاوہ سرانیکی، ہندی، ریختہ، ڈھانکی اور اردو میں شاعری کی۔

خلیفہ صاحب کا سندھی رسالہ اعلیٰ اساسی شاعری کا بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔ شاہ عبداللطیف اعلیٰ سندھی شاعری کے آسمان پر سورج بن کر چمکے؛ ان کے بعد کے کچھ نامور شعراء گویا ستاروں کی مانند چمکے؛ مگر خاص طرح رسالہ کی شاعری میں خلیفہ صاحب نے اپنے بلند حوصلہ، انفرادیت، فکر، تخلیق رنگ اور اسلوب بیاں کی دلپذیری کی وجہ سے چودھویں کے چاند کی مانند روشنی کی۔

خلیفہ صاحب کے اشعار میں بلندی فکر کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت اور موسیقی و ترنم کی صلاحیت نمایاں ہے۔ آپ کے رسالہ میں انتیس سُر ہیں جن میں کل ۷۴۵ ابیات اور ۱۰۱ وائیاں ہیں (جن میں آپ نے اپنے نام کے بجائے اپنے عزیز ترین خالہ زاد ”قاسم“ کا نام استعمال کیا)۔

بھٹائی صاحب کے بعد جب انہی سُرور اور موضوعات کو بعد کے شعراء نے دہرایا تو معنوی لحاظ سے انہوں نے گویا حروف ہجا کی مشق کی، مگر خلیفہ صاحب نے اپنے رسالہ کے

سُروں ميں بڑی تخليقي ندرت پيدا ڪي، مثلاً سُرڪليان، سارنگ، مول - رانو، مارئي، رپ اور سُرگها تو ڪي مضامين پر ڊيگر شعراء اور خليفه صاحب ڪي ابيات ڪي تقابل سے ڪي حقيقت واضح طور پر نظر آتي ڪي۔ سب سے بڑی بات ڪي ڪي ڪي خليفه صاحب ڪي فڪر ميں سنڌ ڪي عظمت ڪي احساس اور وطنيت ڪي پنجهت جذبہ ساياء ڪي ڪي۔ اڪي جذبہ ڪي تحت خليفه صاحب نے سُر 'ڪيڏارو' (۱) ميں 'ڪيڏي' ڪي جنگ ميں (۲)، افغانين ڪي حملہ ڪا دفاع ڪرتي ڪي ڪي شهيد ڪوني ڪي ڪي سنڌ ڪي سورماؤں ڪو سراها اور سنڌ ڪي سرفرازي ڪي لئ ڪي همت اور حوصلہ بڑھايا۔ خليفه صاحب ڪو سنڌ اور سنڌ ڪي غريب عوام ڪي ساٿ ڪي دلي محبت ڪي، اڪي وجه سے 'رسالہ ڪي شاعري' ميں بهي عوام ڪي ساٿ محبت و همدردی ڪا اظهار جس قدر خليفه صاحب ڪي اشعار ميں زوردار نموني سے موجود ڪي اس قدر دوسرے شعراء ڪي ڪلام ميں نمايان نڪي ڪي (۳)۔

#### ۸- غلام محمد خانڌي:

غلام محمد خانڌي سنہ ۱۲۵۰ھ ڪي لگ بھگ پيدا ڪي اور تقريباً ۳۲-۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴-۱۹۱۴ء) ڪي دوران وفات پائي۔ آپ نے 'چوناريون' ڪي مشهور درسگاه ڪي استاد ميں عبدالڪليم ڪي زير تربيت تعليم ڪي تڪميل ڪي۔ اس ڪي بعد بحثيت عالم و استاد پيشہ تدريس اختيار ڪيا۔ سنڌي ميں شعر، قافي اور نظم اور فارسي ميں غزليں ڪي۔

شاہ عبداللطيف ڪي رسالہ ڪا آپ نے گھرا مطالعہ ڪيا اور اس سے متاثر ڪو ڪي اپنا رسالہ ترتيب ڏيا۔ سلوك و طريقت ڪي طرف مائل ڪوني ڪي بعد انھون نے تصوف ڪي فڪر اور تربيت پر

(۱) ڪيڏارو (ڪيڏارو) ڪي لفظي معنيٰ ڪي ڪي لڙائي، جنگ، مرمڪ، قتل عام، ماتم۔ ڪي ائڪس ڪا نام ڪي۔ اڪي سنڌي راڳي ڪي جس ميں جنگ اور شهداء ڪي مضامين گائے جاتے ڪي۔ ڏکيے: جامع سنڌي افغان جلد چارم، ص ۲۱۸۲ اور سنڌي - اردو لغت، ص ۲۵۹ (مترجم)

(۲) 'ڪيڏي' ڪي شھر شھر ڪي حدود ميں اڪي جڳ ڪا نام ڪي۔ اس زمانے ميں حيدرآباد ميں مير مراد علي خان بن مير صوبدار خانان اور خيرپور ميں مير رستم خان بن مير سهراب خان ڪي حڪومت ڪي۔ مير مراد علي ڪي حياتي ڪي آخري سال افغانستان ڪي بادشاہ شجاع الملڪ نے شڪار ڪيڏارو اور اس ڪي آس پاس نے علاقے پر قبضہ ڪيا اور لوٽ مار پيا، جس ڪا مقابلہ ميران حيدرآباد اور ميران خيرپور نے مل ڪر ڪيا، پر انے ڪس ڪي ڪي ڪي ڪي ڪي ميدان ميں جنگ ڪي، جس ميں مير صاحبان ڪي ڪي نامور سردار مارے گئے اور ڪا مياڻي شجاع الملڪ ڪو نصيب ڪي۔ ڪي جنگ ۲۹-۱۲۲۸ھ / ۳۳-۱۸۳۲ء ميں ڪي۔ مير حسام الدين راشدي نے حديث اولياء ڪي مقدمه ميں 'صحن السيلين' ڪي خبر ڪي سنہ ۱۳۱۸ھ سے نقل ڪيا ڪي ڪي: 'اور ۱۲۴۹ھ جنگ ڪيڏي واقع شڪر ميران تالپور و سندر خان افغان وزير شجاع الملڪ بادشاہ در سکر بانم آئند۔ آخر انڪر ميران شڪست خوردہ ڪر بختہ، بعضي از آنها در درياے ڪيڏي غرق شدند و بعضي از ديابور نمودہ در ڪو ڪي ڪي رسيدند۔'

ڏکيے: ۱- تاريخ سنڌ حصہ دوم، ص ۱۵۵-۲۶۵

۲- تاريخ سنڌ، ص ۱۵۳-۱۵۴ (مترجم)

(۳) 'خليفه صاحب ڪا رسالہ راقم ڪي تحقيق و نتيج ڪي ساٿ سنڌي ادبي بورڊ ڪي طرف سے سنہ ۱۹۶۶ء ميں شائع ڪي ڪي، جسے مزيد تفصيل ڪي لئ ڏيکنا چا ڪي۔'

علمی انداز سے غور و فکر کیا۔ سنہ ۱۳۰۲ھ میں ’منہاج العاشقین‘ کے عنوان سے فارسی میں ایک کتابچہ تصنیف کیا جس کا بعد میں انہوں نے سندھی ترجمہ بھی کیا۔ اس میں ’شاہ جو رسالو‘ کے مختلف سُروں اور داستانوں میں مذکور کرداروں اور دیگر معنوی علامات و آثار کو آپ نے تصوف کے راز و رموز اور مثالوں اور تمثیلوں کے ذریعے سمجھایا۔ ان کا یہ کتابچہ سندھی میں سلوک و تصوف کے فکر و فلسفہ کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن خاص بات یہ ہے کہ غلام محمد خان کی چھتیس سُروں کے ۲۵۹۰ ابیات اور ۱۷۴ دایوں پر مشتمل ’رسالہ‘ کا شاعر ہے جو اعلیٰ سندھی اساسی شاعری کی تاریخ میں آخری رسالہ اور سندھی اساسی شاعری کی رسالوں میں بڑا رسالہ ہے۔ موضوع، مقصد خواہ معنی کے لحاظ سے غلام محمد خان کی کا رسالہ ’شاہ جو رسالو‘ کی شرح و تفسیر ہے۔ یہ رسالہ راقم کی تصحیح و تحقیق کے ساتھ، شاہ عبداللطیف بھٹ شاہ ثقافتی مرکز کی طرف سے ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء میں طبع ہو چکا ہے، اور مزید تفصیلی مطالعہ کے لئے موجود ہے۔

کلام کی مقدار اور معیار کے لحاظ سے مذکورہ بالا آٹھوں ’صاحبان رسالہ‘ اعلیٰ اساسی سندھی شاعری کے روشن منار ہیں۔ ان کے علاوہ بعض دیگر حضرات کے اشعار کا ذخیرہ اگرچہ مقدار میں کم ہے تاہم معنوی معیار کے لحاظ سے بہت اعلیٰ ہے، اور اس لحاظ سے وہ بھی سندھی کلاسیکی شاعری کا قیمتی سرمایہ ہے۔ اس قسم کے تمام شعراء کے تفصیلی بیان کا یہ موقع نہیں، مگر اس باب کے خاتمہ سے پہلے بطور مثال بعض ایسے عارفوں اور فقیروں کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے جن کے ابیات نہ صرف اچھی خاصی مقدار میں دستیاب ہیں بلکہ فکر کے لحاظ سے بھی وہ خاص خصوصیات کے حامل ہیں۔

۹۔ خواجہ محمد زمان لواری:

لواری کی طریقہ نقشبندیہ کی خانقاہ کے بانی اور عقیدت مندوں کے لئے ”سلطان الاولیاء“ کے اعلیٰ مقام کے صاحب ۱۱۲۵ھ (۱۷۱۳ء) میں پیدا ہوئے اور ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۵ء) میں واصل بحق ہوئے۔ آپ کا کلام ’ابیات سندھی‘ کے عنوان سے شائع شدہ ہے (۱) جس میں کل چوراسی (۲۸۴) اشعار ہیں۔ کلام کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ ابیات خاص طور پر تصوف کے اعلیٰ فکر و فلسفہ اور سالکانہ شعور و معرفت کے آئینہ دار ہیں اور معنوی لحاظ سے قاضی قادون کے ابیات سے مشابہ ہیں۔ خواجہ صاحب کے عرفان میں یکتائی اور معرفت کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کے بعد سالک کے نزدیک مسجد اور مندر میں فرق باقی نہیں رہتا۔ ایسے اعلیٰ فکر و عرفان میں انسان ذات کی وحدت کا درس سمایا ہوا ہے۔ آپ کے ایک مثالی شعر کے مصرع ”جُزی جائز ناہ، کُلی ری کتئی دینہڑا“ (کُل کے بغیر دن بسر کرنا یعنی زندگی گزارنا، ذرہ برابر بھی جائز نہیں) سے ’کُل‘ کا عرفانی فلسفہ شروع ہوا جس کی تشریح گر ہوڑی صاحب نے اپنے فارسی رسالہ ”کُل نما“ میں کی ہے (۲)۔

۱۰۔ فقیر عبدالرحیم گر ہوڑی:

سنہ ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ء) کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور چالیس برس کی عمر میں سنہ ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ء) میں شہید ہوئے۔ 'چوٹاریوں' کے بڑے استاد میاں مبین کے زیر تربیت تعلیم کی تکمیل کی، جنہیں آپ از راہ محبت و عقیدت 'المبین' کہہ کر مخاطب کرتے اس طرح آپ بڑے ادیب، بڑے ذہین اور روشن دماغ عالم بن کر ابھرے۔

فارسی اور عربی میں مکمل مہارت حاصل تھی اور آپ کی فارسی نظم اور عربی نثر کی معیاری مثالیں موجود ہیں۔ اس کے باوجود جب گروڑی صاحب نے سندھی میں 'منظومات' اور ابیات کہے تو خالص دیہاتی سندھی زبان میں کہے۔ آپ کا کمال یہ ہے کہ کبھی بکھار گہرے فلسفہ، اعلیٰ فکر اور ارفع فہم کی علامات کو بھی نہایت ہی آسان عام سندھی زبان میں بیان کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

اسم سان اللہ جی، سیٹی ٹوک تیا  
[اللہ کے نام کے طفیل، کبھی کام کی چیز بنے]  
اڈوہی کی آب ڈنی، جتی آب نہ آ  
[جہاں پر پانی نہیں وہاں دیمک کو پانی فراہم کرتا ہے]  
گڑ نہ سیجاہی کالھین، جان جان گڑ نہ کاء  
[باتوں سے گرو پچانا نہیں جاتا، تاوقتیکہ گڑ کھایا نہ جائے]  
کپڑ پٹو کٹبو، جاسین میرو آہ  
[جب تک کپڑا میلا کچلا ہوگا اسے کوٹا جاتا رہے گا]  
هنر داران هڏهين چيتون نه چرجن  
[فن اور جوہر کے بغیر چھینٹ کا کپڑا کبھی بھی رنگا نہیں جاسکتا]

ہی گنڈ ہٹین نہ چڑٹی، جا ڈنی پاٹ ہرین  
[یہ گرہ ہاتھوں سے کھلنے والی نہیں، جو محبوب نے اپنے ہاتھوں سے لگائی ہے۔]  
گروڑی صاحب کا تمام کلام غالباً محفوظ نہیں رہا، مگر اس کے باوجود، اعلیٰ فکر و معنی پر مشتمل 'منظومات' کے علاوہ بھی رسالہ کے سترہ سُرور (کلیان، مین، رامکلی، آسا، بروو، سسکی، سونی، مول - رانو، کاموڈ، کیڈارو (۳)، سارنگ، رپٹ، ڈہر، کا پاستی (۴)، پد بھاتی، کارایل، دھنا

(۱) مشہور العلماء ڈاکٹر مرحوم عربین محمد داؤد پوہ کی تصحیح و تحقیق کے ساتھ پہلی مرتبہ سنہ ۱۹۳۹ء میں کراچی سے طبع ہوا اور اس کے بعد بھی چھپ چکا ہے، جسے مزید تفصیلی مطالعہ کے لئے دیکھنا چاہئے۔

(۲) آج تک مریدین و معتقدین اسے "نما" سمجھتے رہے ہیں لیکن صحیح نام "کل - نما" ہے، یعنی فلسفہ "کل" کا راہ نما۔

(۳) دیکھیے متن ص ۴۶۸، حاشیہ، باب ہشتم، ص ۷۲۔

(۴) دیکھیے متن ص ۴۶۰، حاشیہ، باب ہشتم، ص ۶۱۔

سری (۱) میں آپ کے ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) ابیات موجود ہیں (۲) جو آپ کے اعلیٰ انفرادی فکر اور انوکھے، موثر اسلوب بیان پر گواہ ہیں۔

(۱) کلیان: شکرکٹ کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں شکہ، شافی۔ یہ سُر دیک راگ کے آٹھ پدوں میں سے ایک ہے، اسے رات کے پہلے چہر اور بعض کے بقول رات کے آخری چہر میں گایا جاتا ہے۔

بہن: بہن کے معنی ہیں من کو روکنا۔ یہ کلیان ہی کی قسم ہے۔ اس سُر میں نفس پر قابو پانے کا مضمون سویا ہوتا ہے۔  
بھکی: بھندوں راگ کی پانچ استریوں میں سے ایک ہے، اس سُر میں جوگ اور ہیراگ (فقیری اور نفس کشی) کا خیال ہیلا ہوتا ہے۔  
آسا: یہ آدمی رات کے بعد گایا جانے والا راگ ہے۔ بعض افراد کا کہنا ہے کہ 'آسا' ایک راگنکاری کا نام ہے، جو نثر کے وقت خدا کی تعریف میں گیت گاتی تھی، جس سُر میں وہ گاتی تھی اس پر 'آسا' نام پڑ گیا۔

برود: (برود) اس کے معنی ہیں مریض، بیمار، گمراہ۔ ہندوستانی گائیکوں دویا کی رو سے 'برود' ایک راگنی کا نام ہے، جس میں زیادہ تر مجازی عشق کا بیان ہوتا ہے البتہ اس میں محبوب حقیقی کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

سستی: یہ خالص سندھی راگنی ہے، جس میں سستی۔ پنوں کے عشق و محبت، ان کے وصال، آخر کار ان کی جدائی اور پنہوں کی تلاش میں سستی کی وہ ماندگی وغیرہ کا بیان ہے، یہ ایک حتمی سُر ہے جس میں سستی سے مراد انسان اور مجھپورو سے مراد دنیا اور پنہوں سے مراد مطلوب حقیقی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہے۔

سوئی: اس سُر میں سوئی۔ مینوال کے عشق و محبت کا تذکرہ ہوتا ہے۔ محبت کی تیزی مہراں ندی کی غلغلی سے بھی زیادہ ہوتی ہے، جس طرح سوئی کو دریا میں مکر چھوٹوں اور گھڑیلوں نے غمیر لیا تھا، اسی طرح روحانی طالب کو بھی حقیقی راہ میں نفسانی خواہشات کے اژدہاؤں سے پالا پڑتا ہے۔ اس سُر میں سوئی۔ مینوال کی تمثیل میں انہی حقائق کو بیان کیا جاتا ہے۔

مول۔ رانو: اس سُر میں راجا تند گجری کی بیٹی جیٹھ اور علاقہ قمر کے حاکم ہیر سومرو کے دوست اور سالے رانو میندھروڈ اور کاک نہر کے کنارے پر بنے ہوئے طسمانی محل کو گایا جاتا ہے۔ یہ راگنی بھی خالص سندھی راگنی ہے۔

مول کو حاصل کرنے کے لئے تمام خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر قسم کے ظلم اور فریب کی اصلیت و حقیقت سے آگہی اور ان سے اپنے دامن کو بچا کر کوہر مقصود کو حاصل کرنے اور پھر جی محبت کی راہ میں معمولی لغزش اور فریب کاری کے خطرناک نتائج و عواقب کو حتمی انداز میں گایا جاتا ہے، مول نے غلطی کرتے ہوئے مردانہ لباس میں اپنی بہن کو (میندھرو کی یاد اور محبت کا تصور جھاتے ہوئے) ساتھ ملا لیا، جسے دیکھ کر رانو میندھرو بھیڑ کے لئے اس سے روکھ گیا۔ اس سُر میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو رانو میندھرو، اس کے طالب کو مول اور اس دنیا کو کاک کے کنارے بنے ہوئے طسمانی محل کے ساتھ تمثیل دی گئی ہے۔

کاموڈ: یہ مہاصل 'کاموڈ' کا بگڑا ہوا روپ ہے، جس کا مطلب ہے پریم کے اختیار میں یا پریم کے ہاتھوں مجبور۔ یہ دیکھ کی پانچ استریوں میں سے ایک ہے اور سپردن (کابل) راگنی ہے، بالکوس ہی کی ایک قسم ہے۔ اسے دیکھ کے وقت گایا جاتا ہے۔ سندھی شاعری میں اس راگنی میں نوردی مجھیرن کی نیاز مندی اور بادشاہ وقت جام تہائی کے آہر فدا ہونے کو گایا جاتا ہے۔

سارنگ: شکرکٹ کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں شکہ (بادل) اور لار، یعنی موسم بارش، متواتر بارش، قوس و قزح (دھنک)۔ ایک راگنی یا سُر کی قسم اور نام، جسے دوپہر کے وقت گایا جاتا ہے۔

روپ: شکرکٹ کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں دھن، آفت، بڑی مصیبت وغیرہ اس سُر میں محبوب کے جبر و فراق اور وہ ماندگی کو گایا جاتا ہے۔  
ڈھر: (ڈھر) کے لفظی معنی ہیں دور پٹیلے ٹیلوں کے درمیان ہموار میدان، جہاں کی زمین کی اور برسات ہونے پر کھلی کاشت ہو۔ اس سُر میں دنیا کی بے ثباتی اور مردانہ خدا کی کمالی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور دنیا کے اقبال و دوال کا ذکر کے اصلی مطلب (اللہ تعالیٰ) کی جہاں کا بیان کرتے ہوئے اسے ہی (لائی سناسن) یاد کرایا جاتا ہے۔ اس میں دنیا کو اس ہموار زمین کے ساتھ تمثیل دی گئی ہوتی ہے جس پر ادب و عجب اور خوشحالی آتی جاتی رہتی ہے۔

پر بھائی: پر بھات شکرکٹ کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں میج سورے، نخر کا وقت۔ ایک راگنی کا نام ہے جو صبح صادق کے وقت گائی جاتی ہے۔ اس سُر میں انسان کو شکھ کے ساتھ تمثیل دے کر داتا (اللہ تعالیٰ) کے دوازے پر صدائیں لگاتے ہوئے دکھایا جاتا ہے، اور خود داتا شکسوں پر اس قدر مہربان کہ وہ ان سے گلہ شکھ کرتا ہے کہ تم میرا دواڑہ چھوڑ کر دوسروں کے دواڑوں پر کیوں صدائیں لگاتے ہو؟ مجھ سے کیوں نہیں ملتے؟ اس سُر میں انسان کو خدا کی بندگی کی تاکید کی جاتی ہے اور اس کی عبادت و توحید کو سراہا جاتا ہے کہ وہ ایسا ہی ہے کہ کزور اور میلے کھیلے شکسوں پر بھی انعامات کی برکات برساتا ہے۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)



## ۱۱- بھائی چننراء شکار پوری:

وہ گروہڑی صاحب کے بعد ہوئے، ان کے اشعار (سلوک) کثرتِ تعداد کے اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔ چننراء کی زندگی کا احوال تفصیل یا تصدیق کے ساتھ معلوم نہیں، لیکن غالباً وہ اٹھارویں صدی کے نصفِ آخر میں پیدا ہوئے (۱) اور سنہ ۱۸۵۰ء میں فوت ہوئے۔ ان کا جنم شکار پور کے دولت مند گھرانے میں ہوا۔ گرکھی زبان کی حرف شناسی حاصل کی اور دھرم پستک (پوتھی) پڑھنے کے بعد آبائی پینہ سے منسلک ہو گیا۔ بھائی چننراء لنڈ کو اگرچہ 'سامی' کے نام سے مشہور کیا گیا ہے مگر وہ سامی سنت (۲) تھے اور نہ ہی عام سامیوں کے رنگ و لباس ہی میں تھے۔ وہ ایک دولت مند (سیٹھ) شخص تھے، تجارت میں مشغول رہے اور عمر بھر امرتسر میں آبائی کوشی چلاتے رہے۔ ان کے گرو (مرشد) پنڈت مینگھراج تھے جو ایک مہاپرش سوامی (بہت بڑا اللہ لوک انسان) تھا، جس کی نصیحت و تربیت کا اس پر اس قدر اثر ہوا کہ اس نے مایا کی مستی سے منہ موڑ کر پرماتما (بھگوان خدا) کی ہستی میں دھیان لگایا۔ مگر چونکہ اس نے تمام جوانی تجارت میں سود اور لالچ اور مایا کے فسون میں بسر کی تھی اس لئے مذہبی عقیدے کی رو سے اُس پر

(گزشتہ سے پیوستہ)

کارا میں: سنسکرت کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں مودی یا نرس پرندہ۔ اس نرس میں خدا کے بچے عاشقوں اور اس کی راہ کے طالبوں کو نرس اور مور پرندہ کے ساتھ قتل دی گئی ہوتی ہے جو حقیقت کے موتی چھتے رہتے ہیں، جبکہ عام انسان بگا، آلو اور کوئے کے مشابہ ہے جو میلے کپیلے پانی اور کچڑ سے کپڑے کوڑوں اور چھوٹی پھلیوں پر گزرا کر دیتے ہیں، دوسری طرف اس نرس کو شکار کرنے کے لئے شکاری ہر وقت اس کی گھات میں رہتا ہے، گویا انسان کی روح نرس ہے اور اس کا نفس شکاری اور دنیا میاں کچا پانی اور کچڑ۔ اس نرس میں انسان کو اپنی نفسانی خواہشات ترک کرنے اور شکاری کی گھات سے خبردار رہنے کا بیان کیا جاتا ہے۔

دھنا سری: سنسکرت کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں اپنی سیدی بات، چالاکی، چال بازی، حُرقت، فریب، دغا۔ ایک سندھی راگنی، مالکوس راگ کی ایک قسم ہے، اس میں مرشد کی مدح گائی جاتی ہے۔ (مترجم)

(۲) تفصیل کے لئے دیکھیے مرحوم ڈاکٹر داؤد پوٹ کی تصنیف و تحقیق کے ساتھ سنہ ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء میں کراچی سے شائع شدہ "کلام گرہوڑی"

(۱) یہ گمان درست معلوم نہیں ہوتا کہ وہ سنہ ۱۷۴۳ء میں پیدا ہوئے۔

(۲) سوامی: سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں سالک، سنّت، فقیر، اللہ لوک، گمرو رنگ کے کپڑے پہن کر گھومنے والے فقراء، ہندوؤں میں ایک گھومے پھرتے رہنے والے فقیروں کی قسم، ہیراگی۔ ہندی اور اردو لغت کی رو سے 'سامی' کا لفظ 'سوامی' کا مخفف ہے، جس کے معنی ہیں: خاوند، شوہر، بچی۔ اور سنسکرت میں سوامی کہتے ہیں: آقا، مالک، خدا، گرو، پیر، حضور، قبلہ، حضرت کو۔

دیکھیے:

۱- جامع سندھی لغات، جلد ۴، ص: ۱۵۴۳

۲- فیروز اللغات اردو، ص: ۸۱۷، ۷۶۷

(مترجم)

”چوراسی جنم“ (۱) کا خوف مسلط ہوا جس سے نجات کے لئے دبستان مذاہب کا مصنف اپنی کتاب کے دوسرے باب بعنوان ”ہندوؤں کے عقائد کے بیان میں“ کی دوسری فصل میں ”بداع و آفرینش سے متعلق اس فرقہ (یعنی متشرع ہندوؤں، جن کو سمارتکان کہتے ہیں) کی بیان کردہ چند باتوں کے بارے میں جن کو پُران یعنی ان کی تاریخ نے ذکر کیا ہے“ کے زیر عنوان لکھتا ہے: ”علاوہ ازیں ان کا قول ہے کہ جو لوگ بدکار ہیں وہ اس دنیا میں شیر، چیتا، بھیڑیا، مٹا، سور، رینگھ، حشرات الارض، نباتات اور معدنیات کے اجسام سے مل جاتے ہیں اور اپنے اعمال کی سزا پاتے ہیں۔ اور جو لوگ حد درجہ گنہگار ہیں، ان کو دوزخ میں لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں ایک عرصہ تک رہتے ہیں اور اپنے گناہ کے مطابق عذاب برداشت کرنے کے بعد پھر اس دنیا میں آتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق بہشت کا ایک بادشاہ ہے، جس کو ’اندر‘ کہتے ہیں، جو شخص سو بار ’اسومید‘ کرتا ہے [اسومید کے معنی ہیں ایک مخصوص رنگ اور نشان کے گھوڑے کی مخصوص رسومات کے ساتھ قربانی کرنا، ص: ۱۵۶] وہ ’اندر‘ ہو جاتا ہے اور ایک معینہ مدت تک بہشت میں حکمرانی کے ساتھ وقت گزارتا ہے۔ جب وہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو پھر اس دنیا میں اتر کر اپنے اعمال کے مطابق سزا پاتا ہے۔“

دیکھیے: دبستان مذاہب، اردو ترجمہ، تصنیف گنجور و اسفندیار، تعلیقات رشید احمد جالندھری، ص ۱۵۵، ناشر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۲۰۰۲ء

اس نے بہت کوشش کی۔ زندگی کے آخری دور میں یہ عقیدہ اور غور و فکر (یعنی تناخ یا آواگون) ہی اس کے قلب و روح اور زبان پر چھایا رہا۔ بھائی چٹراء کی جنم بھومی سندھ اور آبائی شہر شکار پور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سندھ کے سالک درویشوں کے ابیات سے آگاہ تھا۔ اس لیے انہوں نے بھی شاعری ’سندھی ابیات‘ میں کی جنہیں مذہبی ’وائی‘ (بولی، زبان) کے لحاظ سے ’سلوک‘ کہا جاتا ہے۔

(۱) اس سے مراد تناخ ہے، جو کہ عربی لفظ ہے، جس کے معنی ہیں: روح کا قالب بدلنا، زمانہ بدلنا، روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونا۔ دیکھیے المنجد عربی اردو ص ۱۰۱۱ اور فرہنگ عامہ ص ۱۶۷۔ اس کے لیے ہندی زبان کا لفظ ہے ”آواگون“ جس کے معنی ہیں آنا جانا، مکرر پھر جنم لینا، بار بار جنم لینا۔ دیکھیے جواہر اللغات اردو ص ۲۸، فیروز اللغات اردو، ص ۳۶۔ اس کے لفظی معنی کے بعد لکھا ہے: ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق بار بار جنم لینے کا سلسلہ تناخ۔

ابو الیمان محمد بن احمد البیرونی اپنی عربی کتاب ”مالہند“ اردو ترجمہ کتاب البہند کے پانچویں باب میں ”روح کی حالت اور بطور تناخ دنیا میں ان کی آمد و رفت“ کے زیر عنوان لکھتے ہیں: ”جس طرح کلمہ اخلاص (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) مسلمانوں کے ایمان کا شعار، تثلیث عیسائیوں کی علامت اور سبت [ہفتہ کا دن] منانا یہودیوں کی خصوصیت ہے، اسی طرح تناخ (کا عقیدہ) ہندو مذہب کا امتیاز ہے۔ جو شخص تناخ کا قائل نہیں وہ ہندو نہیں ہے اور اس کا شمار ہندوؤں میں نہیں ہو سکتا۔“ دیکھیے کتاب البہند، جلد اول، ص ۴۴ ترجمہ سید اصغر علی، طبع لاہور، اکتوبر ۱۹۹۴ء (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بھائی چٹرا نے ان آیات یا سلوکوں میں اپنے نام کے بجائے اپنے گرو کا نام 'سامی' (برہمن، پنڈت) یا 'مینگو' استعمال کیا ہے۔ اصل میں یہ آیات اس کے اپنے دستخطی (خود نوشتہ) رقعات پر گرکھی میں لکھے ہوئے تھے، اور ان کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ چٹرا کے بعد

(گزشتہ سے پیوستہ)

ڈاکٹر تارا چند اپنی کتاب "تہذیب ہند پر اسلامی اثرات" میں "راہا نند اور کبیر" کے تذکرے میں لکھتا ہے: "یہ بتانا مشکل ہے کہ کبیر، نظریہ تناخ ارواح سے کہاں تک وابستہ تھا۔ بہت سی ایسی عبارات ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کبیر نے اس نظریے کو رد کر دیا تھا"۔ اس سلسلہ میں اس کی دو عبارتیں پیش کرنے کے بعد ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ: "ایسی عبارات بھی ہیں جن میں کبیر چوراسی لاکھ جنم اور مسلسل موت و زیست کے چکر کا بیان کرتا ہے۔ بہر صورت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبیر موت کے خوف اور اس کے بے درد چکر کو کم و بیش بطور تنبیہ کے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ اپنی ناپاک زندگی بسر کرنے سے باز آئیں"۔

دیکھیے: تہذیب ہند پر اسلامی اثرات، ص ۳۵۴، انٹرنیشنل تری آف ادب لاہور، طبع دوم، جون ۲۰۰۲ء

اس کے بعد ڈاکٹر تارا چند "سولہویں صدی عیسوی کے رشی" کے زیر عنوان دادو دیال کی تعلیمات اور عقائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: "دادو کا عقیدہ ہے کہ انسان ایک ہی زندگی میں موت و زیست کے تمام چکر سے گزر جاتا ہے۔ کہتا ہے: اے انسان! ۸۴ لاکھ جنموں کی حقیقت تو تجھی میں مخفی ہے۔ انسان ایک دن میں کئی مرتبہ پیدا ہوتا ہے مگر اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔" اور "روح انسانی جتنے تغیرات سے گزرتی ہے اتنی ہی اوتار ہیں، بس یہی تناخ ارواح ہے جس سے خالق قادر نجات عطا فرماتا ہے"۔

"روح کو اپنے بار بار جنم کا علم نہیں ہوتا، کیونکہ یہ عمل لمحہ بہ لمحہ جاری رہتا ہے۔ روح ۸۴ لاکھ بار پیدا ہوتی ہے مگر اس کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی"۔

آگے چل کر کہتا ہے: "سور، کئے، گیڈو، چیتے اور ناگ سب دل میں رہتے ہیں مگر پنڈت ان کو نہیں جانتا"۔ حوالہ سابق ص

۳۸۹-۳۹۰

کتاب الہند اور دبستان مذاہب کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ تناخ ہندوؤں کا بنیادی عقیدہ ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوا کہ کبیر (جس کے بارے میں دبستان مذاہب کے مصنف کا کہنا ہے کہ: "دو ہندوستان کے مشہور توحید پرستوں میں سے ہے" ص ۲۰۶) اور بقول ڈاکٹر رشید احمد جالندھری: "کبیر (وفات ۱۵۱۸ء) ان چند عارف شاعروں میں سے ہے جو ہندو مسلم وحدت کی علامت ہیں۔ برہمن نژاد کبیر کی تربیت ایک مسلم گھرانے میں ہوئی"۔ دبستان مذاہب ص ۲۰۶، تیش نمبر ۱) اور دادو دیال اپنی مخصوص فلسفیانہ فکر کی وجہ سے اکثر شریک عقائد سے بیزار تھے (جیسا کہ ڈاکٹر تارا چند نے لکھا ہے کہ: وہ (دادو دیال، کبیر کے بیٹے) کمال کا چہا تھا اور کمال غالباً اوروں کی نسبت اسلامی انداز فکر کی طرف زیادہ مائل تھا، یہ شاید اس لیے کہ مغربی ہند، احمد آباد اور اجیر کے مسلم صوفیاء نے ہندو مسلم طالبان حق کے اذہان پر مشرقی ہند کے صوفیاء سے زیادہ گہرا اثر ڈالا تھا۔ دیکھیے تہذیب ہند پر اسلامی اثرات ص ۳۸۵، اور بقول مصنف دبستان مذاہب: "اکبر بادشاہ کے عہد میں اس نے درویشی اختیار کی اور ایک جماعت اس کی گرویدہ ہو گئی۔ اس نے اپنے پیروؤں کو بت پرستی سے منع کیا اور جلالی حیوانات کا گوشت چھوڑنے کا حکم دیا اور جائیداد کو تکلیف دینے سے اجزا کیا لیکن عورت اور بیوی کو چھوڑ دینے اور دنیاوی کاموں سے کنارہ کش ہونے کا حکم نہیں دیا بلکہ لوگوں کو ترک اور تقویٰ کے بارے میں اختیار دے دیا"۔ دیکھیے دبستان مذاہب ص ۲۲۳، ان دونوں نے تناخ کا انکار کیا ہے، یا پھر اس کی مخصوص فلسفیانہ توجیہ کی ہے۔ میر یہی ثابت ہوا کہ چند مخصوص مسلمین کے علاوہ مجموعی طور پر ہندو تناخ کے قائل تھے اور تناخ ان کا بنیادی عقیدہ تھا، اور ان کے بقول یہ تناخ روح کا ۸۴ لاکھ مرتبہ ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتا ہے جس میں روح اپنے عمل کے مطابق اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ (حقیر) روپ اختیار کرتی ہے۔ متن میں محض "چوراسی جنم" کا ذکر ہے، مندرجہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں میرا گمان یہ ہے کہ یہاں متن میں "لاکھ" کا لفظ کتابت کی غلطی کی وجہ سے رہ گیا ہے۔ درست جملہ "چوراسی لاکھ جنم" ہے۔ (مترجم)

انہیں کس قدر توجہ و احتیاط کے ساتھ عربی-سندھی رسم الخط میں لکھا گیا۔ اس طرح کے کل دو ہزار سات سو پچاس 'سلوک' ہیں لیکن تمام کے تمام بھائی چٹنراء کے نہیں ہیں: ان میں ایسے ابیات بھی شامل ہیں جو رعل، لطیف، کرم علی، امین، بادل، گھیمو، ہتھو، تنو، لکھو اور دوسروں کی طرف منسوب ہیں (۱)۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی بغیر نام ابیات ہیں جن میں بھائی چٹنراء کی زبان اور بیان کا رنگ ڈھنگ (انداز بیان) نظر نہیں آتا۔

بھائی چٹنراء کی زبان بڑی حد تک سندھ کے دیگر سالکوں اور درویشوں کی سندھی زبان سے مختلف ہے اور اُس پر بطور خاص دھرمی پتکوں کی سنسکرتی زبان کا رنگ نمایاں اور غالب ہے۔ اس کے بیان میں زور اور تاثیر اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ سنسکرت کے الفاظ اور دھرمی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ اس کے برعکس فقیر عبدالرحیم گرہوڑی یا ان سے قبل مخدوم محمد ہاشم اور دیگر عربی کے بڑے علماء حضرات نے جب سندھی میں نظم کہی تو انہوں نے خالص سندھی الفاظ و اصطلاحات استعمال کیں۔ بھائی چٹنراء کے افکار پر زیادہ تر ہندومت کے "چوراسی جنم" کا اندیشہ چھایا ہوا ہے۔ بھٹائی صاحب نے اعلیٰ انسانی عظمت اور وحدت کی خوشخبری سناتے ہوئے کہا کہ: "کانہ بچی تو ذات، آیا سہی آگیا" یعنی: ذات پات نہیں پوچھتا جو بھی آئے وہ مقبول و منظور ہو گئے (۱)، لیکن بھائی چٹنراء کے نزدیک اب بھی چوہڑا اور چمار کا تذکرہ موجود ہے۔ وہ 'چوراسی جنم' سے نجات کے لئے پانچ بھوتوں - کام، کرودھ، لوبھ، موہ، اھنکار (۲) سے اپنے آپ کو باز رکھنے کی بار بار

(۱) دیوان کوڑو مل چندن مل کلناتی نے گزشتہ صدی میں "سامی جاسلوک" چار حصوں میں چھپوائے، جن کے تین حصے راتم کے پیش نظر ہیں، تیسرا حصہ سنہ ۱۸۹۲ء میں طبع ہوا جس میں ۱۳۰۲ سے لے کر ۲۱۰۰ سلوک شامل ہیں۔ ان تین حصوں میں کئی انہی ناموں سے منسوب ابیات یا سلوک شامل ہیں۔ اور ممکن ہے کہ چوتھے حصے میں بھی بعض دوسروں کے ناموں سے منسوب سلوک شامل ہوں۔

(۲) مول - رانوکام کی ساتویں فصل میں مکمل شعریوں ہے:

نون نیاہو آلیو، راٹھی ملا رات،  
لڈیسون لطیف چھی، کٹنان ذاتر ذات  
کچھڑی پچین ذات، آیا سہی آگیا۔

دیکھیے شاہ جو رسالو تحقیق و تصحیح ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، ناشر بھٹ شاہ لٹرائٹی مرکز، بھٹ شاہ، طبع اول مارچ ۱۹۷۴ء، ص ۳۹۵ ترجمہ: راجا کے ہاں سے رات ایک نیا پیغام آیا ہے، لطیف کہتا ہے کہ ہمیں داتا کے ہاں سے دین عطا ہوئی کہ "تو ذات پات کا کیا حساب پوچھتا ہے، اس دروازے پر تو جو کبھی (کمانی کر کے) آئے وہ مقبول بارگاہ ہو گئے"۔ (مترجم) (۲) ان میں سے 'کام' بمعنی شہوت اور نفسانی خواہش۔ اور 'کرودھ' بمعنی غصہ اور غضب۔ 'لوبھ' بمعنی حرص و لالچ، 'کچھڑی' 'موہ' بمعنی جادو، سحر (مقصد فریب دینا)۔ اور 'موہ' روپا فریب دینے والے کو کہتے ہیں۔ اور 'اھنکار' بمعنی اہمان، غرور، گھنڈہ، تکبر، اتناہیت ہے۔

دیکھیے:

فیروز اللغات اردو، ص: ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۱۶، ۱۳۱

جامع سندھی لغات ۳۱۶/۱ (مترجم)

تاکید کرتا ہے۔ اس موضوع پر مشتمل اس کا مؤثر کلام خاص طور پر ہندو جاتی (ہندو قوم) کی نصیحت کے لیے کہا گیا ہے۔

سندھ کے تمام بڑے شعراء کے برعکس بھائی چٹراء کے ابیات اور سلوک سندھ کے قصوں، داستانوں کی عام روایت سے وابستہ ہیں نہ ہی سندھ کی عوامی زندگی یا سندھ کے ماحول ہی سے منسلک ہیں۔ ان کا ایک اہم موضوع ’مذہبی عقیدہ کی تربیت‘ اور دوسرا اہم موضوع ”سادھ سنگت“ (۱) ہے جس میں نصیحت کے مضامین درج ہیں (۲)۔ اور یہ سلوک عمدہ خیالات اور معانی پر مشتمل ہیں۔ بھائی چٹراء کی اعلیٰ فکر اسی میں ہے کہ وہ ’اودیا‘ (لا علمی اور غلط تربیت) اور ’مورکھائی‘ ( حماقت اور بے وقوفی) کو لوگوں میں گمراہی اور الجھن کی جڑ (اصل وجہ) تصور کرتا ہے۔

### نتائج:

۱۔ اس دور میں پادری زبان سندھی کے ذریعے ابتدائی تعلیم دینے کی تحریک کی بنیادیں مضبوط ہوئیں۔

معیاری درسی کتاب ”ابوالحسن جی سندھی“ کی عام مقبولیت سے سندھی میں تعلیم دینے کی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور ’سندھی‘ کے خاص نام کے ساتھ کئی درسی کتابیں شائع ہوئیں اور آسان سندھی میں کتابیں لکھنے کے نظریہ کو فروغ حاصل ہوا۔

۲۔ سندھی درسی نصاب کی بنیاد مستحکم ہوئی: نصابی نظام میں دینی اور اخلاقی تعلیم و تربیت اور عام مطالعہ وسیع کرنے کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔

۳۔ مختلف موضوعات پر فارسی کے بجائے سندھی میں کتابیں تالیف ہوئیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، دین اسلام، ایمان و عقیدہ، ریتوں اور رسموں کے بارے میں وضاحت، سوانح اور تاریخ، تصوف اور اخلاق، سماجی اصلاح، طب وغیرہ کے موضوعات پر بڑی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں۔

۴۔ تصنیف و تالیف کے ساتھ کتابوں کے تراجم کا بھی سلسلہ شروع ہوا اور سندھ کے علماء نے نہ صرف عربی اور فارسی سے سندھی میں کتابوں کے تراجم کیے بلکہ انہوں نے سندھی کے

(۱) سادھوؤں، سنتوں اور اللہ لوک افراد کی محبت اور دوستی۔ (مترجم)

(۲) ہر پڑھنے والا ان کے سلوک کو اس طرح کے مختلف مضامین میں تقسیم کر سکتا ہے۔ مثلاً واڈھول مہلچند نے سب سے پہلے چھ سو سے زائد سلوک منتخب کر کے انہیں بیالیس مضامین میں تقسیم کیا (”سامی جاسلوک“، نتیجہ واڈھول مہلچند، کوڑول سندھی ساہتیہ منڈل، حیدرآباد، ۱۹۴۶ء)۔

اعلیٰ فکری مواد کو بھی عربی اور فارسی میں منتقل کیا۔

۵۔ موضوع کی علمی آگہی اور اس کے ساتھ عربی اور فارسی خواہ سندھی زبان میں مہارت کی وجہ سے، علماء سندھ کا اس دور میں تحقیقی معیار بلند رہا اور ان کے تجرباتی اور تحقیقی نتائج سندھی زبان میں شائع ہوئے۔

۶۔ سندھی نثر میں عبارات اور کتابیں لکھنے کا آغاز ہوا۔

۷۔ سندھی الفاظ اور صرف - نحو (گرامر) زیر مطالعہ آئے۔ زبان کی ابتدائی تربیت کے لئے 'دو - وایہ اور 'بہ وایہ مرتب ہوئے اور سندھی کے ذریعے فارسی، عربی اور سندھی گرامر کا مطالعہ کیا گیا۔

۸۔ سندھی 'الف - ب' کے زیادہ سے زیادہ حروف ایک ہی صورت میں لکھے جانے لگے اور سندھی رسم الخط زیادہ سالم صورت میں رائج ہونے لگی۔

۹۔ سندھی لغات کے بارے میں تحقیقی مواد شائع ہوا۔

۱۰۔ سندھ کے روایتی ادبی ذخیرہ میں 'تفصیلی' اور 'تحقیقی' نگاہ سے اضافہ ہوا۔

۱۱۔ سندھی اساسی (کلاسیکی) شاعری کی عمارت مکمل ہوئی۔ سندھی ابیات اور وائیوں کے ذخائر 'رسالہ' کے خاص نام سے وجود میں آئے۔ اس دور میں صاحبانِ اعلیٰ فکر عارف اور بڑے دیدہ ور دانا اور شاعر پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے سندھی ابیات کے ذریعے اعلیٰ انسانی اخلاق و کردار کا درس دیا۔

تمت بالخیر

۵/ جمادی الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۳ جون ۲۰۰۵ء بوقت ۳:۱۷ بجے ترجمہ اختتام پذیر

ہوا۔

فله الحمد و المنة على احسانه.



# فہارس

403

☆ فہرست اسمائے رجال

428

☆ ملک، شہر، قصبہ، تاریخی مقامات

438

☆ کتب





## فہرست اسمائے رجال

ابن حوقل ۶۵، ۶۴، ۶۱، ۶۰	(آ)
ابن درید ۸۲، ۵۵	آخوند عبدالرحیم ولد محمد وفا عباسی، آخوند ۳۷
ابن سوار (راج پال) ۹۰	آخوند عزیز اللہ متعلوی (بن قاضی محمد ذاکر بن
ابن نور الدین مکی ۵۷	حافظ محمد صدیق ۳۵۷، ۳۴۴
ابوالحسن دیکھو مخدوم ابوالحسن ٹھٹھوی (ابوالحسن	آخوند محمد حسن سادونی ۳۷۴
بیشا ملا عثمان ۳۲۲	آدم کناد (عالم) ۲۷۳
ابوالحسن مدائنی ۴۵	آرادین (عالم) ۲۷۳، ۲۷۸، ۲۷۹
ابوحنیفہ دینوری (کتاب النبات کا مصنف)	آریا ۶۰، ۹، ۱۲، ۱۳، ۱۴
۷۵، ۷۳، ۶۷	آریانی (جت) ۳۱
ابوالفرج السندی ۵۳	(۱)
ابوالفضل ۲۰۷	ابابکر لکیاری (مخدوم نوح کا معتقد) ۲۳۵،
ابوجعفر منصور ۵۴	۲۳۶
ابوالدرداء طبرانی ۳۴۶	ابراہیم (راوی) ۵۶
ابو ریحان البیرونی ۳۷۷، ۶۸، ۳۷۵	ابراہیم ساکن (شہر مرزا چند) ۳۲۸
ابوالفضل سندھی ۵۶	ایزو ۱۰۶، ۳۸۴
ابوعطاء سندھی ۱۹، ۲۲، ۳۸، ۳۵، ۴۷، ۴۸	ابن ابی القعقاع ۵۶
۵۶، ۵۳	ابن العربی ۳۸۷
ابومحمد الحسین ۵۳	ابن الندیم (اسحاق ابن الندیم) ۲۸، ۶۱،
ابومعاذ ۷۷	۶۵، ۶۴

۶۱، ۶۰ صطخری	ابو معشر سندھی ۵۳
۳۹۰ افغان	ابو ہندیل ۵۶
۲۰۸، ۱۹۱، ۱۸۹، ۱۸۷، ۹۱ اکبر بادشاہ	ابھیر (قوم) ۲۰
۲۷ انگھم	احمد بن محمد (منصورہ کا قاضی) ۵۳
اللہ بخش کھوارو ۱۲۵	احمد (شاعر) ۳۸۰
الجا حظ ۵۹	احمد (میاں شاہ کریم کا ہم عصر) ۲۲۷، ۲۲۷
الضمة بن عبد اللہ القشیری ۵۶	احمد (عالم، مصنف) ۳۲۹، ۳۳۵، ۳۳۷
آلہند و خان جسکانی ۱۲۶	۳۳۹
امام حافظ ابو حاتم محمد بن حبان البستی ۵۶	احمد شیخ، مرحوم ۲۰۰
امام زید بن الحسین ۳۸	ادر کی بیگلاری ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸
امام زین العابدین بن الحسین ۳۸	اڈھو ہو تھل ۳۷۷
امام شاہ (ولد پیر حسن کبیر الدین) ۱۴۸	ارغون ۱۱۶، ۱۶۹، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۹۵، ۲۰۸
امراؤ القیس ۴۳	۲۱۷، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۷۷
امید علی شاہ شاعر (ح) ۲۱۴	اسحاق آہنگر ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴
امیر خسرو ۲۰۵	اسرار احمد قاضی نصر پوری (قاضی ابوالحسن کا
امیر ساہو (سومرہ سردار) ۹۰	پڑ پوتہ) ۳۵۷
امیر سومار (سومرہ سردار) ۹۰	اسماعیل (مصنف سو مسائل) ۳۲۳، ۳۲۸
امین شاعر ۳۹۷	اسماعیل شاہ (علاقہ کچھ کے شہر پانڈھ کا رہنے
امین دھوبی ۳۷۹	والا) ۳۲۰
آنزو (قوم) ۱۱۶	اسماعیلی فرقہ ۹۰، ۱۴۷
آنزو ولد گامن (ہمیر ولد گامن آنزو) ۱۲۵	اشوک راجا ۱۵، ۱۶

بروہی بلوچ ۱۱، ۳۰، ۱۲۰	انگریز (دور حکومت) ۳۰۴، ۳۲۲، ۳۲۴
برہم بھانڈے ۲۱	۳۵۷، ۳۵۸، ۳۶۳، ۳۶۶، ۳۸۱
برہمپت (مصنف) ۵۳، ۵۹	اوٹھو (بیٹا جام رتہ رائیدھن) ۲۱۷
برہمن گھرانہ ۱۸، ۲۶، ۵۸، ۸۸، ۱۲۳، ۱۸۰	اوٹھو جکھرانی ۱۳۵
بشاری المقدسی ۶۰	اوناف (محقق) ۱۴۷، ۱۵۲
بشپ کالڈویل ۷	ایڈورڈ سخاؤ ۶۱، ۶۳
بشر بن عبدالوہاب الفزاری ۶۵، ۶۶، ۶۷	ایرانی آریا ۱۴
۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۶، ۷۷	ایرانی ملاح ۵۰
۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۱۰۷	(ب)
بکیر بن ماہان (ترجمان) ۶۰	بابا گرو نانک ۲۰۸، ۲۰۹
بگھیڈ (ذات) ۴۰	بادل (شاعر) ۳۹۷
بلاذری (ح) ۳۹	باگھی ۱۰۹
بلقادی (جت) ۳۱	بال جیہ (پوجارن) ۱۶
بلوچ ۳۰، ۹۹، ۱۱۹، ۱۲۰، ۲۱۷	بال نندی (پوجارن) ۱۶
بنو اسد ۴۵، ۴۰	بخاری سید ۱۲۳
بنو امیہ ۳۸	بختی یونانی (قبیلہ) ۱۶، ۱۷
بنو تمیم ۴۷	بدھ ۱۹
بنو قیس ۴۴	بدیع الجمال ۹۹، ۱۰۰
بنو ہوازن ۴۴	بڈامانی پترہ ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۷۷
بنی ابان ۴۷	براہمانی (جت) ۳۱
بوینا (بنت مارکھ ڈاہری) ۲۳۲	برکی (وزراء) ۵۶، ۵۸



تیجوانی (جت) ۳۱

(ٹ)

ٹالپور امراء ۶۱، ۹۸، ۱۹۶، ۲۰۳، ۳۰۴، ۳۵۹

ٹامسن ۷۵

ٹرمپ ۳۸۱

(ٹھ)

ٹھاکر (سوڈھا) ۲۹، ۲۷، ۲۳۵، ۲۲۶

(پ)

پاتھی (قوم) ۱۸

پتھو (شاعر) ۳۹۷

پراڈ (شاعر) ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۲۲

پران ناتھ ۲۳۳، ۲۵۴

پرثوی دھر ۲۲

پرہیاڈ (شاعر) ۲۸۱

پٹنک ۲۵۴، ۲۷۷، ۲۷۹

پشین ۲۱، ۲۳

پنڈت مینگھراج (بھائی چترء لنڈ کاگرو)

۳۹۴

پوری ۳۸۴

پیر پٹھو ۹۵

پیر حسن کبیر الدین (ولد پیر صدر الدین)

۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴

پیر ڈنگاڈر (دھوبی) ۳۸۰

پیر شمس الدین سبزواری ملتان (ح) ۱۵۳

پیر شمس الدین (ولد پیر حسن کبیر الدین)

۱۴۸، ۱۵۳

پیر محمد راشدر و صدھنی ۳۳۰، ۳۸۹

پیر صدر الدین سبزواری ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۱

۱۵۳، ۱۵۴

پیر مراد شیرازی ٹھوی ۱۸۴، ۲۳۶

پیر ل فقیر لاشاری، مجاور ۱۲۶، ۱۲۷

پینگھر جام ۱۳۴

پیرس (انگریز) ۱۲۱

(ج)

جاحظ ۴۴، ۶۵

جارج شرٹ ۶۰۵، ۷۰، ۱۱

جاڑ بیچہ سمہ ۱۱۷، ۲۱۷، ۲۱۹

جاسل ۱۰۰

جالینوس ۷۳

جام ایڈو سمہ ۱۳۱، ۱۳۲

جام اڈھو ۱۳۶، ۱۳۷

جام اڈھو۔ بھوٹل پری (قصہ) ۱۳۶، ۱۳۷

جام سکندر ثانی (سمہ گھرانے کا چودھواں بادشاہ) ۱۲۵	جام انز ۱۱۵، ۱۱۶
جام صدر الدین بھانجھنیہ ۱۲۳	جام انز عرف محمد سکندر شاہ ثانی ۱۲۸
جام صلاح الدین فرزند جام تماچی ۱۴۴، ۱۴۵	جام اوٹھو، جکھرانی (جام جکھرے کا بیٹا) ۱۳۵
جام فیروز ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱	جام بانجھنیہ بن انز، سمہ ۱۱۲، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱
جام کرن ۱۳۴	جام تغلق سمہ ۱۱۷، ۱۱۸
جام لاکھو ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶	جام تماچی ۱۳۱، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵
جام لاکھو بن بھل ۱۱۱	۱۴۷، ۱۴۶
جام لاکھو۔ اوڈ قصہ ۱۳۱	جام تماچی۔ نوری قصہ ۱۳۱، ۱۳۶
جام لاکھو۔ مہرانی قصہ ۱۳۱، ۱۳۶	جام توگاچی، خیر الدین (جام جونہ کا بیٹا) ۱۳۱، ۱۳۱
جام مندرہ ۱۵۴	جام پونترہ ۱۰۴، ۱۳۱، ۱۳۲
جام مندرہ تالپور ۳۷	جام جرائو۔ بونا (بوناجرائو) قصہ ۱۳۱، ۱۳۶
جام نظام الدین، عرف جام مندرہ ۱۶۹	جام جکھر و اوڈھانی (جام اوڈھے کا بیٹا) ۱۳۱، ۱۳۲
جام وٹھیر ۱۳۴	۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸
جام ہالہ ۱۰۲، ۱۰۹، ۱۸۸	جام جونہ (جام بانجھنیے کا چچا) ۱۲۳، ۱۳۰
جان مارشل، سر	۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶
جست (بلوچ) ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲	جام راول ۲۱۷
۱۲۶، ۱۲۰، ۳۶	جام رتہ رائیدھن ۲۱۷
جدگال ۱۲۱	جام سکندر پہلا (سمہ گھرانے کا نواں سلطان صدر الدین جام سکندر شاہ بن خیر الدین جام توگاچی) ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۷
جراڑ بیٹا نظام ۲۳۲	
جسودن آگرو ۱۳۴	

جعفر بن یحییٰ برکی ۵۸

جلال (جرا) ۲۳۲

جلال الدین خوارزم شاہی ۹۳

جلال دھوبی (سنگھڑ) ۳۸۲

جمال الدین ابوبکر الہ آبادی (مصنف، تذکرہ

قطیہ) ۱۵۵

جمہ سلطان (قصہ) ۳۸۰، ۳۷۸

جمعہ (عالم) ۲۷۹، ۲۷۳

جمعہ گرائی (عالم) ۳۱۵

جنید بن عبدالرحمن گورنر ۶۰

جوگی ۳۸۴

جونچہ ۲۱۷

جولہ ۳۸۶

جونگلانی (جت) (ح) ۳۰

جہانگیر بادشاہ ۱۹۱

جیرامداس دولترام ۲۲۴، ۲۱۹، ۲۲۱ ح

جین (فرقہ) ۲۰، ۱۹

جیندانی (جت) ۳۱

جیواخان شیخ (مالک صفدری پریس بمبئی)

۳۲۸

جی۔ سیٹ ۱۶ ح

(چ)

چانگ (قبیلہ) ۱۲

چنہ ۲۸، ۲۹، ۲۸، ۲۷

چندرگپت ۱۵

چنیرسر ۱۰۶، ۹۲

چنیر داسر ۱۰۱

چوہان ۲۸

(چھ)

چھتہ دھوبی (شاعر) ۳۸۰

چھو عمرانی (چھو بیٹا عمران دلورائے) ۹۲

(ح)

حاجی (عالم) ۲۷۹، ۲۷۶، ۲۷۳

حاجی محمود خلیہ ۳۲۹

حافظ رشید، خوش نویس ۱۷۱

حافظ سلام اللہ، کاتب ۳۲۸، ۳۲۶

حافظ عبدالرحمن قاری سندھی ۳۲۶

حافظ عبدالرحمن بن مخدوم عبداللہ (مصنف

منتخب القوائد) ۳۳۳

حافظ محمد شریف (شاہ بیگ ارغون کا پیش

امام) ۱۷۰

حافظ محمد حسن نیرون کوٹی ۳۲۵ ح



۳۳۹، ۳۳۷، ۳۲۵	حامد بن حسن (مترجم قوت العاشقین)
خلیفہ محمود نظامانی ح ۲۳۵، ۳۴۰	باعشقیہ (۳۳۶، ۳۱۹)
خلیفہ معتمد باللہ ۳۹	حسن سندھی قوال ۱۵۶، ۹۵
خلیفہ عبدالحق (مخدوم محمد ہاشم کا شاگرد اور	حسن صفانی ۵۵
خلیفہ) ۳۲۵	حسین سندھی قوال ۱۵۶، ۹۶
خلیفہ نبی بخش صاحب ۳۷۹، ۳۸۳، ۳۸۹	حضرت بلالؓ ۵۷
خواجہ سعدی شیرازی ۱۵۶	حکیم محمد جعفر ۳۳۳
خواجہ محمد زمان لواری ۳۴۴، ۳۹۱	حکیم مولوی احمد (آخوند عزیز اللہ کا بھائی
خواجہ منور علی ہروی ۳۳۸	قاضی لطف اللہ کا پڑپوتہ) ۳۵۷
خواجہ ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۵۳، ۲۱۷	حکیم معین الدین کھنڈاری ۳۲۸، ۳۳۰
(۵)	حلو یا بلو ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۸
دادو دیال ۱۷۸، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹	حماد الراویہ ۴۵، ۴۷
۲۳۰، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۷	حزہ ۷۵، ۷۶
دارا ۱۸	(خ)
داروی ۵	خداداد خان (محقق وقائع جیسلمیر) ۳۸۰
داؤد (گردناک کا معتقد) ۲۰۹	خدادوست - محمود غزنوی (قصہ) ۱۰۱
داؤد (ملتان کا دروزی فاطمی حکمران) ۹۰	خسر و نوشیر وال ۱۸
داؤد پوتہ، ڈاکٹر مرحوم ۲۷، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۷	خلاو السندی ۵۳
۱۷۳، ۲۳۷، ۲۴۲	خلیفہ سلیمان ۳۷
داؤد یار (دادو دیال) ۲۲۶، ۲۲۷	خلیفہ عبد اللہ نظامانی ۳۷۸
دراوڑ، دراوڑی (قوم) ۵، ۶، ۱۲	خلیفہ مخدوم محمد فرزند خلیفہ مخدوم عبدالحق

دھن۔ بانی (مہراج عرف پیران ناتھ کی ماں) ۲۲۰	درس، اللہ ڈنو (سید علی ثانی کا ہم عصر) ۲۳۷
دھنک (نحوی) ۲۰	در روزی (فاطمی) ۹۰
دھوبی ۳۸۱	دریا خان، سپہ سالار ۱۷۰، ۲۳۰، ۲۳۱
(ڈ)	دلورائے (حکمران) ۱۲۶، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۲
ڈاٹوانی (جت) ۳۱	دلو کھوہارہ ۱۲۷
ڈاہر، راجا ۲۷	دودو (دودو نہری) اسد الملت ۹۲، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶
ڈاہری ۱۱۶	دودو چھوٹا (دلورائے کا نواسہ) ۹۲
ڈاؤن، پروفیسر ۱۶، ۱۷	دودو سومرو بڑا (دودو نہری) ۹۲
ڈمن سارا ۱۰۱	دودو۔ چنیسیر (قصہ) ۹۲، ۱۰۵، ۱۳۱، ۳۷۷
ڈوگر بھانڈ ۲۱۷	۳۸۰، ۳۷۸
ڈوگر رائے ۱۰۳	دودو سومرو۔ سلطان علاؤ الدین (قصہ) ۱۸۷
ڈوہٹ ۲۲۶	دولہہ دریا خان۔ ہموں راٹھوڑ (قصہ) ۲۳۰، ۳۷۷، ۲۳۱
ڈھاڈھی (مراثی) ۲۱۹، ۲۱۷	دیدو (بیٹا جام رائیدھن) ۲۱۷
ڈھورارائے سومرہ ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲	دین محمد لغاری (شاعر) ۲۲
ڈھولا۔ مارو (قصہ) ۲۱۶	دیو چندر (سامی نجانند) ۲۲۰
(ر)	(دھ)
راٹھوڑ (قبیلہ) ۲۳۰	دھار پچہ (سردار) ۱۷۱
راج پال (بیٹا امیر سومار) عرف ابن سومار ۹۰	
راجو ستیودل، درویش ۲۳۳	
رادھا جت ۳۰	

ساقی عورت اور میخوار ۳۷۷، ۲۳۱	راوچی، راوچی (جت) ۳۰
ساکا (قوم) ۳۰، ۱۸	راہو ما ۲۲۶
سامی ۳۸۴، ۲۸	رائے چنگل ۲۶
سامی نجانند (دیو چندر) ۲۲۰	رائے ڈیاچ ۳۸۱، ۱۰۰
ساند ۱۱۶	رائے سھسین ۲۶
سانوٹ ۴۳	رائے سھرو رائے ساھڑ ۲۶
ساورا (قبیلہ) ۱۲	رائے گھرانہ ۸۸، ۵۸، ۲۶، ۱۸
ست۔ ورنور (داعی) ۱۵۳	رائے نوگھن (ح) ۱۰۱
ستھیا (قوم) ۱۸	ربانی (جت) ۳۱
پیڑ جام، پیڑ چوٹانی سمو، ۱۳۴، ۱۳۱	رجب پٹھان، درویش و دادو دیال کا مرید
پیڑ جام، رو، نجھا (نخی) ۱۱۸	۲۲۷
پچل ۳۸۷، ۳۸۶	رچرڈ برٹن ۳۳۵، ۳۳۴، ۳۲۸، ۳۲۳، ۳۲۲
سراج عقیف ۱۳۳، ۱۴۲	رڈرلھ (کاویا لکار) ۲۰
سربیلی ۱۷، ۱۶	رکن الدین شاہ جام تماچی بن فیروز الدین
سسی ۲۵۳	شاہ جام انز ۱۳۱
سسی۔ پنہوں ۹۹، ۱۸۷، ۲۱۰، ۳۷۷	روحل ۳۹۷
۳۸۹، ۳۸۳، ۳۸۱، ۳۷۹، ۳۷۸	روکر ۲۰
سفید ہن ۱۸	رو، نجھا ۱۱۸
سکندر (یونانی) ۱۸	(س)
سکندر بادشاہ (قصہ) ۳۷۸	ساریہ ۱۱۶
سکھ ۲۰۹، ۲۰۸	ساسانی ۱۸

سگر ڈنہ (عالم) ۲۷۹، ۲۷۷، ۲۷۳، ۲۷۱، ۲۶۹، ۲۶۷، ۲۶۵، ۲۶۳، ۲۶۱، ۲۵۹، ۲۵۷، ۲۵۵، ۲۵۳، ۲۵۱، ۲۴۹، ۲۴۷، ۲۴۵، ۲۴۳، ۲۴۱، ۲۳۹، ۲۳۷، ۲۳۵، ۲۳۳، ۲۳۱، ۲۲۹، ۲۲۷، ۲۲۵، ۲۲۳، ۲۲۱، ۲۱۹، ۲۱۷، ۲۱۵، ۲۱۳، ۲۱۱، ۲۰۹، ۲۰۷، ۲۰۵، ۲۰۳، ۲۰۱، ۱۹۹، ۱۹۷، ۱۹۵، ۱۹۳، ۱۹۱، ۱۸۹، ۱۸۷، ۱۸۵، ۱۸۳، ۱۸۱، ۱۷۹، ۱۷۷، ۱۷۵، ۱۷۳، ۱۷۱، ۱۶۹، ۱۶۷، ۱۶۵، ۱۶۳، ۱۶۱، ۱۵۹، ۱۵۷، ۱۵۵، ۱۵۳، ۱۵۱، ۱۴۹، ۱۴۷، ۱۴۵، ۱۴۳، ۱۴۱، ۱۳۹، ۱۳۷، ۱۳۵، ۱۳۳، ۱۳۱، ۱۲۹، ۱۲۷، ۱۲۵، ۱۲۳، ۱۲۱، ۱۱۹، ۱۱۷، ۱۱۵، ۱۱۳، ۱۱۱، ۱۰۹، ۱۰۷، ۱۰۵، ۱۰۳، ۱۰۱، ۹۹، ۹۷، ۹۵، ۹۳، ۹۱، ۸۹، ۸۷، ۸۵، ۸۳، ۸۱، ۷۹، ۷۷، ۷۵، ۷۳، ۷۱، ۶۹، ۶۷، ۶۵، ۶۳، ۶۱، ۵۹، ۵۷، ۵۵، ۵۳، ۵۱، ۴۹، ۴۷، ۴۵، ۴۳، ۴۱، ۳۹، ۳۷، ۳۵، ۳۳، ۳۱، ۲۹، ۲۷، ۲۵، ۲۳، ۲۱، ۱۹، ۱۷، ۱۵، ۱۳، ۱۱، ۹، ۷، ۵، ۳، ۱، ۰	سندھ۔ سمہ ۱۱۷
سلطان بہلول لودھی ۱۵۵	سندھی (قوم) ۱۱
سلطان فیروز شاہ ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹،	

سید ہارون عرف میوں ہارون (دانبیرے

والا) ۳۳۵

سیف الملوک ۹۹، ۱۸۷، ۳۲۳

سیف الملوک۔ بدیع الجمال (قصہ) ۳۷۸،

۳۸۰

سینارٹ ۲۱

(ش)

شاہ بہرام، بانکا بہرام (قصہ) ۳۷۸، ۳۸۰

شاہ بیگ ارغون ۱۱۵، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲

شاہ جلالی ۲۳۱

شاہ خیر الدین (سکھر والا) ۲۳۹، ۳۸۵

شاہ شریف عرف قمبر علی شاہ ۳۸۸، ۳۸۹

شاہ عالم (بہاؤ الدین زکریا کا مرید اور سید

جلال سرخ بخاری کی اولاد) ۱۱۸

شاہ عبداللطیف بھٹائی ۳۱، ۳۵، ۴۳، ۱۳۵،

۲۲۷، ۳۰۵، ۳۳۵، ۳۵۵، ۳۸۰، ۳۸۲،

۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸،

۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۷

شاہ قاسم خان (خان زمان بیگلار) ۱۱۶،

۱۸۷

شاہ لطف اللہ قادری، انجم کوٹی ۱۹۴، ۲۷۹،

سید بدر الدین رضوی ۱۱۳

سید جراز (سید حیدر سنائی کا بھائی) ۱۶۰

سید جلال الدین سرخ بخاری ۱۱۸، ۹۵

سید حسین عرف شاہ مراد شیرازی ۱۵۴

سید حیدر سنائی ۱۶۰

سید شاہ حسین درویش ۲۰۷

سید صدر الدین (سید محمد کی کا بیٹا) ۱۱۳

سید عبدالقادر (مصنف حدیقتہ الاولیاء) ۱۶۱،

۱۶۲، ۱۶۳

سید علی ثانی (ولد سید جلال) ۱۵۴

سید علی محمد شاہ وائرائی ۱۹۸، ۳۱۵، ۳۱۶،

۳۳۲، ۳۴۴، ۳۴۶

سید فاضل شاہ (کچھ کا شاعر) ۳۷۸، ۳۸۱

سید قمبر علی شاہ رضوی ۱۱۳

سید کبیر شاہ ۲۳۱

سید محمد جو پوری (میراں مہدی) ۱۷۲

سید محمد کی ۱۱۳

سید نور الدین ۱۵۳

سید ہارون (صلوۃ سندھی) ۳۳۰

سید ہارون (مصنف سی حرنی) ۳۱۶، ۳۱۷،

۳۳۶، ۳۳۹

۳۸۵، ۳۸۴، ۳۸۳، ۳۱۱، ۳۱۰، ۲۹۲، ۲۸۰	شیخ رکن الدین عالم ملتانی (غوث بہاء الدین
شاہ مراد شیرازی (سید حسین عرف شاہ مراد)	زکریا کاپوتا ۱۵۶، ۹۶، ۹۵
۱۵۳	شیخ سعدی ۹۶
شاہ مکائی (عرف جے شاہ) ۱۰۱	شیخ عبداللہ تقی ۱۶۹
شر بلوچ ۱۲۵	شیخ عبد الجلیل شاہ چوہڑ (شیخ چوہڑ) ۱۵۵،
شری راجہ رام شاستری ۱۷۸	۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۷۶، ۱۸۴، ۲۰۶
شولداس کتب فروش، شکارپور ۳۴۶	شیخ عبدالرسول حجازی ۳۴۲
شیخ ابراہیم (لس بیلہ کا شاعر) ۳۸۰	شیخ عبدالصمد (انیس المتقین) ۳۴۷
شیخ احمد سندھی، درویش ۱۵۶	شیخ عثمان (مرید رکن الدین عالم کا) ۹۶،
شیخ بہاء الدین زکریا، غوث ۹۵، ۱۱۸، ۱۲۳،	۱۵۶
۲۰۶، ۲۰۵، ۱۶۰، ۱۵۵، ۱۲۷	شیخ عثمان انصاری (مصنف قوۃ العاشقین
شیخ بدھن صوفی ۲۲۷	باعشقیہ) ۳۴۶، ۳۱۹
شیخ بھریہ ویرداس ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۰	شیخ عثمان قلندر شہباز ۹۵
شیخ پٹو (پیر پٹو) ۱۳۳	شیخ علی بری (شیخ چوہڑ کا بھتیجا) ۱۵۹، ۱۵۸،
شیخ جلال گجر ۱۵۶	شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر ۹۵، ۹۶، ۹۷،
شیخ جمال، اُچ کا درویش ۱۴۴	۲۵۵، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۵
شیخ حاجی ابوتراب ۱۳۱، ۱۳۰	شیخ فرید خوردد ۲۵۵، ۲۶۰، ۲۶۷
شیخ حسین عرف پیر پٹو ۹۵	شیخ فرید بکھری (ذخیرۃ الخوانین) ۲۰۶
شیخ حماد جمالی (بن رشید الدین جمالی) ۱۴۴،	شیخ لدھو سندھی ۲۰۶
۱۶۴، ۱۶۳، ۱۴۶، ۱۴۵	شیخ محمد سومار، بدین ۳۲۹، ۳۲۶
شیخ حمید الدین حاکم ۱۵۵	شیخ مصری (مصنف کریمافارسی) ۳۴۶

(ع)

عامر (جت) ۳۱

عباسی حکومت (دور) ۶۰، ۵۲

عباسی کلہوڑ ۳۰۴

عبداللہ ہباری ۵۳

عبدالخالق ٹھٹوی ۳۱۲

عبدالرحمن (تصنیف نورنامہ) ۳۳۲، ۳۳۷

عبدالرحمن شاعر ۳۸۰

عبدالرحمن، کاتب ۳۲۹

عبدالرحمن بن محمد ملوک کاٹھ بانہن ۳۳۶،

۳۵۷

عبدالرحیم (ٹھٹہ کا عالم) ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۲۸

عبدالرزاق (مصنف) ۳۳۳

عبدالرؤف سرائی (مصنف رسالہ رد و حابیہ)

۳۳۴

عبدالصمد ولد حاجی محمد مقیم نورنگ پوتہ ۵۳۶،

۳۵۷

عبدالعزیز (میاں ابوالحسن ٹھٹوی کا والد)

۳۰۸، ۳۰۵

عبدالغفور ہمایونی ۳۷۶، ۳۷۵

عبدالقدوس شاہ (ولد قنبر علی شاہ بھاڈائی)

شیخ نظام الدین اولیاء ۱۵۶، ۹۶

شیرازی سادات ۱۵۴

شیریں - فرہاد (قصہ) ۳۷۸

شینہ (جت) ۳۱

شینہ ۴۰۱

(صل)

صابو کھوہارو ۱۲۶

صاحبیہ (ابو یوسف اور محمد) ۳۳۸

صادق (عالم) ۲۷۹، ۲۷۳

صدر الدین ملتانی، شیخ الاسلام ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۱

صوبھل فقیر بگلانی ۲۳۵

صوفی فضل اللہ شاہ قلندر ۳۸۷

صوفی فقیر محمد صدیق ۳۸۳

(ضل)

ضیاء الدین مرحوم ۲۰۰

ضیاء برنی ۹۵

(ط)

طغی (گجرات کا ایک باغی) ۱۴۱

(ظ)

ظفر خان (سپہ سالار) ۱۰۵

علامہ عبدالرحمن نصرپوری ۲۰۵	۳۸۸
علاؤ الدین جام جونہ ۱۳۰، ۱۳۳	عبدالکریم (عالم) ۳۲۶
علی، عالم (تصنیف تسہیل الفرائض) ۳۳۱،	عبدالکریم خاں خلیلی، راوی ۱۲۷
۳۳۷	عبدالمدان (قبیلہ) ۴۷
علی بن حافظ بنجورو (مترجم فرائض الاسلام)	عبدالملک بن مہلب ۳۸
۳۳۵	عبدالوہاب بچید نو عرف پیکل ۳۸۳، ۳۸۶
علی اصغر بن زین العابدین علی بن الحسین ۳۸	عبدالوہاب فزاری ۳۷۵
علی اکبر (عالم) ۳۱۹، ۳۲۸	عثمان عالم ۲۷۳، ۲۷۶، ۲۷۹
علی میر شاہ، سید (گاؤں جونہ تحصیل	عثمان بن عیسیٰ سندھی (عالم اور حکیم) ۱۹۲
گولاڑچی) ۳۳۸	عرب (قوم، حاکم) ۳۷، ۳۸، ۴۰، ۴۱، ۴۳،
عمران (دلورائے کاباپ) ۹۲	۴۴، ۴۵، ۴۷، ۴۹، ۱۰۹، ۱۱۰
عمر بن محمد داؤد پوتہ، ڈاکٹر ۲۳۷، ۳۹۲	عرب سیاح ۵۴
عمر سومرو ۱۰۰، ۱۶۵، ۱۶۶	عرب گورنر ۵۶، ۵۸
عمر گنگا (قصہ) ۱۰۱، ۱۸۷	عرب اسلامی حکومت (دور) ۳۷، ۵۷،
عمر ماری (قصہ) ۱۰۰، ۱۳۱، ۱۸۷، ۳۷۷،	۶۵، ۸۸، ۸۹، ۹۴، ۹۹، ۱۰۷، ۱۰۹،
۳۸۳، ۳۷۸	۱۱۱، ۱۱۹، ۱۲۳، ۱۹۵، ۲۶۹، ۲۷۰
عیاض سندھی (شاعر) ۵۶	عربی حکومت (دور) ۲۶، ۳۷، ۳۹، ۵۲،
عیسیٰ بن موسیٰ (مترجم چہار درویش اردو)	۸۹، ۸۹، ۹۱
۳۳۷	عزت اللہ کاتب ۳۵۹
عین الحق فرید کوٹی ۲۱۵	عزت بن سلیمان کاتب ۲۷۲، ۲۸۰، ۳۰۲،
عین الملک ماہرو ۱۱۲، ۱۲۹، ۱۳۰	۳۰۳، ۳۶۴، ۳۶۶



( غ )

غلام حیدر فقیر تھیبو، تیرہیو (مرید قمبر علی شاہ

بھاڈائی کا) ۳۸۸

غلام دستگیر نامی، مرحوم (شیخ عبد الجلیل چوہڑی کی

درگاہ لاہور کا متولی) ۱۵۵

غلام علی الانا ۱۳۹، ۱۵۰، ۱۵۳، ۱۵۴

غلام علی مداح، شاعر ۹۸

غلام محمد خان زئی، ۳۸۳، ۳۹۰، ۳۹۱

غلام محمد بنگائی ۳۸۰

غلام مرتضیٰ شاہ (جی ایم سید) ۱۶۰

غوری سلطان ۹۱

( ف )

فتح محمد فقیر کلہوڑو ۳۸۸

فتح محمد برہانپوری ۳۰۶

فرح السندی ۵۳

فرید ۲۵۵، ۲۵۴

فرید ثانی ۹۷

فریڈ ای رابرٹسن، ایگزیکٹو انجینئر ۱۲۳

فضل بن تکی برکی ۵۷

فقیرانی (جت) ۳۱

فقیر حاجی محمد صوفی ۳۱

فقیر حاجی محمد صوفی ۲۳۵

فقیر سومار ابن اٹحق (ساکن شہر ونجان ملک

کچھ) ۳۴۷

فقیر محمد صدیق سومر عرف صوفی صادق شاہ

۳۸۷

فقیر محمد ہاشم خجرائی ۲۳۵

( پ )

مہمل (جام لاکھے کا باپ) ۱۳۳

( ق )

قاضی ابوالخیر (قاضی قادن کا پردادا) ۱۶۷

قاضی ابوسعید بن زین الدین (قاضی قادن کا

باپ) ۱۶۷

قاضی عبدالحکیم (ہالہ کنڈی کا عالم) ۳۴۷،

۳۵۹

قاضی عبد الرحیم (کوٹ عالمی والا) ۳۴۷

قاضی عزیز اللہ (آخوند عزیز اللہ) ۳۵۷

قاضی فتح الرسول نظامانی ۱۴۳، ۳۵۰

قاضی فتح محمد اور نور الدین (حیدری پریس

بمبئی کا مالک) ۳۳۱

قاضی قادن ۱۲۷، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۶۷،

۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۵،

کیر بھگت ۲۰۸	۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳،
کیر شاہ (شاعر) ۲۱	۱۸۴، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۰۶، ۲۲۶، ۲۲۸،
کرمتی (جت) ۳۱	۲۳۲، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶،
کرم علی (شاعر) ۳۹۷	۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۳، ۲۶۷، ۲۶۸،
گرن نچی ۳۸۴	۲۷۱، ۲۸۱، ۲۹۳، ۳۶۴، ۳۸۳، ۳۹۱،
کرل منجن ۱۱۱	قاضی محمود گجراتی (میاں شاہ کریم کا ہم عصر)
کھوڑہ ۱۹۶، ۳۷۷	۲۲۷، ۲۵۴
کمہارا ۳۸، ۳۸۶	قاضی مخدوم عثمان دریلائی ۲۳۸
کندرہ (عالم) ۲۷۵، ۲۷۹، ۲۸۷	قاضی موسیٰ (شاہ کے قلمی رسالے کا مالک)
کنڈانی (جت) ۳۱	۳۶۵
کنشک مہنارائے ۱۵، ۱۶	قاضی نصر اللہ (قاضی قادن کا بھائی) ۱۷۲
کنگیاہام ۱۰۲	قاضی نور محمد قریشی، ساوینی ہالائی ۳۳۳
کورکو (قبیلہ) ۱۲	قتال کونز شیخو ۲۱۴
کوروا (قبیلہ) ۱۲	قرمطی ۹۰
کوشان شاہ کنشک ۱۵، ۱۸	قمر الدین پٹانی ۱۲۶
کوشان گھرانہ ۱۵، ۱۷	قنبر علی شاہ بھاؤانی عرف شاہ شریف بخاری
کول (قبیلہ) ۱۲	۳۸۳، ۳۸۸
کوڑول چندن مل کھٹانی ۳۹۷	(ک)
کوڑو۔ چنیر قصہ ۳۷۹	کاراٹو و سہ ۱۳۱، ۱۳۳
کھیر (قبیلہ) ۱۴۵	کا کہ ۲۷
کھیو (شاعر) ۳۹۷	کالو (دادو دیال کا ہم عصر) ۲۲۷

کپٹن جارج اسٹیک ۶۱، ۳۵۹، ۳۶۵،

۳۸۰

کپٹن ولبر فورس ۱۰۰

کیدانی (کتاب نظامی کا مصنف) ۲۷۴،

۲۷۸

کیریہ ۱۱۶

کیٹوٹھا کر، دیوان ۲۲۰

(گ)

گجرج ۳۹، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۳۲،

گجن (بیٹا جام رتہ رائدھن) ۲۱۷

گروارجن دیو (سکھوں کا پانچواں گرو)

۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۲

گریئر سن ۲۲

گنڈکانی (جت) ۳۱

گولڈسمڈ ۳۸۱

(گھ)

گھروہن عمر ۲۷۹، ۲۷۴

گھنگمر (پہلوان) ۱۰۸

(ل)

لاڈ (لدھو سندھی)، درویش ۱۹۲، ۲۰۶

لاشاری قبیلہ ۲۳۱

لاکھا ۲۷، ۲۹، ۲۸

لاکھا ۲۷، ۲۹، ۲۸

لاکھانی ۳۱

لاکھو پھلانی ۱۰۷، ۱۳۳

لاکھو۔ اوڈ، قصہ ۲۷۷

لاکھو۔ ریباری، قصہ ۳۸۳

لطف علی (سرائیکی شاعر) ۳۸۰

لطیف (شاہ لطیف) ۳۹۷

لعل بخش عرف حفیظ تیوہ ۳۸۰

لکھو (شاعر) ۳۹۷

لواری والے بزرگ ۳۵۸

لوہارا ۳۸۱، ۳۸۶

لوہانہ، ہندو ۲۷، ۲۹، ۳۸، ۲۱۷

لوہانیوں (لوہانہ) ۴۳

لیلاں ۲۵۴

لیلاں۔ چنیسر، قصہ ۱۰۰، ۱۸۷، ۳۷۷،

۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۳

لیلاں۔ مجنوں، قصہ ۳۲۳، ۳۷۸، ۳۸۱

(م)

مارکنڈیہ ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴

مارکھ ڈاہری ۲۳۲	۳۶۴، ۳۵۷، ۳۴۴، ۲۴۳، ۲۴۱، ۱۹۴، ۱۶۷
مارئی ۲۵۴	محمد شریف رانی پوری (مصنف ملکی سندھی)
ماموں (عباسی خلیفہ) ۵۲	۳۴۲
مائی بھلی (والدہ مہلب) ۳۸	محمد صالح ولد ملاز کر یا ٹھٹوی ۱۵۴
مٹھانی (جت) ۳۱	محمد صدیق مین، مرحوم ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۲۵،
محمد (مصنف منہاج الزاہدین و سراج العابدین) ۳۴۲	۳۶۳، ۳۵۷، ۳۵۵
محمد (مصنف شہادت نامہ امام حسینؑ) ۳۳۸	محمد صدیق نصر پوری ۳۴۲
محمد عرف انز بن فتح خان بن توگاچی بن جام ۱۲۸	محمد عارف "صنعت" شکار پوری ۳۴۶
محمد ابن حضرت علیؑ ۳۸	محمد عارف کلہوڑو ۳۷۸
محمد اسماعیل (مصنف رسالہ عقیقہ) ۳۳۴، ۳۴۳	محمد غوثی گجراتی مانڈوی (گلزار ابرار کا مصنف) ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۷۲
محمد اسماعیل خان نون، مرحوم (ڈپٹی کلکٹر دادو) ۱۲۶	محمد غوثی گوالیاری (مصنف جواہر نمبر) ۹۶، ۲۷۱، ۲۴۲، ۲۰۶
محمد بن زکریا رازی ۷۷، ۶۶	محمد مقیم (مترجم تفسیر خواب) ۳۲۰، ۳۳۸
محمد بن قاسم ۲۸، ۳۷، ۵۴، ۱۱۶	۳۴۷
محمد بن محمد اشرف، کاتب ۳۳۰	محمد ملوک (قصہ یوسف زلیخا کا شاعر) ۳۳۹، ۳۸۰
محمد حسن سومرہ (مصنف معراج نامہ) ۳۳۵	محمد واصل درس ۳۷۹
محمد حسین سومرہ، کاتب ۳۲۶	محمد ہادی (ہندوستان کا عالم) ۳۴۷، ۳۵۹
محمد رضا ٹھٹوی (بیان العارفین کا مصنف)	محمد ہاشم، کاتب ۳۲۹
	محمود شاہ بیگڑہ ۱۱۸

- ۳۳۷ مخدوم ابوالحسن ٹھٹھوی ۲۷۱، ۳۰۵، ۳۰۶،  
 ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۳، ۳۱۷، ۳۲۷،  
 ۳۵۵  
 مخدوم احمد (مصنف رخ الفقراء) ۳۲۰  
 مخدوم احمد بھٹی ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۲۰۶  
 مخدوم اسحاق بھٹی ۱۶۰  
 محمد اسماعیل سومرہ ۲۴۰  
 مخدوم بلال ۱۶۰  
 مخدوم جعفر بوبکائی (بن مخدوم میران بن  
 یعقوب) ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۳۴،  
 ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۳۲۸، ۳۶۹  
 مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۴۱  
 مخدوم حامد آگہی ۱۹۷، ۲۰۰  
 مخدوم حامد بوبکائی ۲۰۵  
 مخدوم رحمت اللہ ٹھٹھوی ۱۹۸  
 مخدوم ضیاء الدین ٹھٹھوی ۳۱۱  
 مخدوم عبد اللہ یزئی والا ۳۱۲، ۴۲۳،  
 ۳۲۵، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۵،  
 ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۵  
 مخدوم عبد الخالق ٹھٹھوی ۳۳۱، ۳۳۶  
 مخدوم عبدالرحمن والد مخدوم محمد ہاشم ۳۳۱،
- ۳۳۷ مخدوم عبدالرحیم گرہوڑی ۳۱۲، ۳۲۶،  
 ۳۴۴، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۴  
 مخدوم عبدالرؤف (ہنگو رچوالے) ۲۰۵  
 مخدوم عبدالرؤف بھٹی ۳۱۳  
 مخدوم عبدالسلام (مصنف شامل نبوی سندھی)  
 ۳۳۳، ۳۴۵  
 مخدوم عبدالصمد بن حاجی محمد مقیم نورنگ پوتہ  
 ۳۲۸، ۳۳۱، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۵۷،  
 ۳۵۸  
 مخدوم عبدالعلیم بن مخدوم نعمت اللہ (مصنف  
 کشف الاسرار) ۱۶۲  
 مخدوم عبدالکریم سندھی نقشبندی ۳۲۶  
 مخدوم عبدالکریم متعلوی ۳۷۰  
 مخدوم عبداللطیف بن مخدوم محمد ہاشم ۳۲۹،  
 ۳۴۵، ۳۶۹  
 مخدوم عبدالواحد سیوستانی ۲۰۱، ۲۰۲  
 مخدوم عثمان (?) ۲۴۰  
 مخدوم عثمان متعلوی ۲۰۰، ۲۰۱  
 مخدوم عثمان آگہم کوٹی ۲۴۰، ۲۴۴  
 مخدوم غلام محمد اور مولوی عبدالرحیم ۱۹۹

مخدوم میاں ونہیو چانہیو ۲۳۸	مخدوم غلام محمد بگائی ۳۴۳
مخدوم میاں عبدالرسول بن یار محمد (مخدوم)	مخدوم فتح سندھی ۳۱۶، ۳۲۶، ۳۴۷
نورنگ زادہ کی اولاد میں سے ۳۲۹	مخدوم فضل اللہ پانائی ۳۲۷، ۳۳۰، ۳۳۲
مخدوم نوح ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۶، ۳۵۸	۳۳۱، ۳۳۲
مخدوم نورنگ زادہ مخدوم عبدالصمد کا بیٹا)	مخدوم محمد ابراہیم بن مخدوم عبداللطیف بھٹی
۳۵۷	۳۳۴، ۳۳۵، ۳۴۰
مخدوم یعقوب عرف مخدوم میراں (مخدوم)	مخدوم محمد اسماعیل ۱۹۷
جعفر بوبکائی کا والد) ۲۷۰	مخدوم محمد انور لاڑائی ۳۲۶
مرزا جان بابا ۱۱۶	مخدوم محمد عارف (سیوہن کا عالم) ۳۶۹
مرزا شاہ حسن ۱۷۰، ۱۷۱	مخدوم محمد عثمان (نزاری کے درس گاہ کا استاد)
مرزا شاہ عیسیٰ ترخان ۲۷۰	۳۵۷
مرزا قلیج بیگ ۱۴۹، ۳۵۷	مخدوم محمد قائم (میان ابوالحسن کا شاگرد)
مرزا محمد باقی ۱۱۶، ۱۹۰	۳۱۰، ۳۰۵
مرید خان بلوچ ۱۴۳	مخدوم محمد مقیم نورنگ پوتہ ۳۲۶
مسعودی ۵۹	مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۵،
مطیع بن ایاس ۵۶	۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۳،
معلیٰ بن ہمیرہ ۴۵، ۴۸	۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۱،
مغل ۱۱۶، ۱۷۱، ۱۸۵، ۱۸۶، ۳۰۴، ۳۷۷	۳۳۳، ۳۳۷، ۳۴۰، ۳۴۵، ۳۴۸، ۳۵۰،
مفضل بن مہلب ۳۸	۳۵۵، ۳۶۵، ۳۶۹، ۳۹۷
مقیم، شاعر ۱۸۷	مخدوم مولوی عبداللہ (متقدی مخدوم محمد ہاشم
منگد دیو، راجہ ۲۲	کا) ۳۴۰

مولانا جامی ۳۸۰	میراثی ۳۸۶، ۹۳
مولانا جلال الدین رومی ۲۳۳، ۸۹	ملا نمبوڑے ۳۲۸
مولانا حفیظ الرحمن بہاولپوری مرحوم ۱۲۵	ملا حسین کاشفی (مصنف روضۃ الشہداء)
مولانا علاؤ الدین (سنگور کا عالم) ۱۲۸	۳۳۵، ۳۳۹
مولوی احمد (مترجم روضۃ الشہداء) ۳۳۵	ملا عثمان (عثمان عالم) ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۹
مولوی حامد کچھی ۳۲۹	ملک جام سومرو ۹۱
مولوی محمد خلیل الرحمان برہانپوری ۱۵۲	ملک رتن (سیوہن کا گورنر) ۱۱۵
مولوی محمد حسن (مصنف قصص الانبیاء) ۳۱۹،	مل محمود اور مہر نگار، قصہ ۱۰۱
۳۳۵، ۳۴۰	ملا (عالم) ۲۷۳
مولوی محمد حسن (پیش امام جامع مسجد ٹھٹھہ)	مندانی (جت) ۳۱
۱۵۴	مندوستانی (جت) ۳۱
مولوی محمد صدیق (مطبع حسنی بمبئی کا مالک)	منڈا (قوم) ۱۲
۳۲۷	منشی عبدالرؤف (مصنف انشاء باری لکھا ہوا
مولوی محمد صلاح (مصنف برغل کے کلمات)	کتا بچہ ۳۷۳
۳۳۵	منکتہ ۹۴
مولوی مہر ولد مرہیو ولد موٹیو (ہران کا رہنے	مورڈ ۹۲
والا) ۳۲۶	مورڈ اور مگر مچھ، قصہ ۱۰۰، ۳۷۷، ۳۷۹،
مولوی ولی محمد (مترجم حکایۃ الصالحین) ۳۴۲	۳۸۳
موئل ۲۵۴	موریہ فقیر (میر شیر محمد خان کا ہندو منشی) ۳۷۹
موئل - رانو، قصہ ۱۰۰، ۱۳۱، ۳۷۷، ۳۷۸،	موسیٰ بن عمران ۳۹
۳۸۳، ۳۷۹	موسیٰ (عالم) ۲۷۴، ۲۷۸، ۲۷۹

۲۸۱، ۲۹۳، ۳۰۳، ۳۲۲، ۳۴۶، ۳۵۷،

۳۶۴، ۳۸۳، ۳۸۵

میاں عبداللہ واعظ عرف میاں موریو ۳۰۵

میاں عبدالواحد معلوی ۲۰۱

میاں عبدالحکیم (چوٹیار یوں کا استاد) ۳۹۰

میاں علی شیرازی ثانی ۲۰۶، ۲۸۱، ۳۸۳

میاں مبین ابومین (چوٹیاروں کے بڑے

استاد) ۳۹۲

میاں عثمان نورنگ پوتہ ۳۳۰

میاں غلام شاہ کھوڑو ۳۷۳

میاں محمد مراد یاب (کھوڑو) ۳۷۳

میجر سٹیس ۱۶

میر ابوالقاسم سلطان (بیٹا شاہ قاسم خان شاہ

زمان) ۱۸۷

میر امام بخش تالپوری ۳۶۵

میر امن دہلوی ۳۴۷

میر باگو خان ۳۸۹

میر ثار و خان ۳۸۹

میر جت (قبیلہ) ۳۰

میر حسن سجری (مصنف فوائد الفوائد) ۹۵

میر خوزد کرمانی (مصنف سیر الاولیاء) ۹۶

مول - میندھرہ، ۱۸۷

موصوب الجوالیقی (مصنف) ۵۰

مچھیرے ۲۸

مہا تبادہ ۲۰، ۱۵

مہراج عرف فقیر پُران ناتھ ۲۲۰، ۲۱۹

مہر وک بن رایت، رائے ۵۳

مہرہ بن حیدان (قبیلہ) ۴۱

مہزاور مناجین (لاکھو کے بیٹے) ۱۰۸، ۱۰۷

مہلب ۳۸

مہلشی گورنر ۵۵

میاں ابوالحسن (مصنف ابوالحسن جی سندھی)

۳۶۳

میاں الیاس محمد کھوڑو ۱۲۶

میاں سید علی ثانی شیرازی (بن سید جلال سید

علی شیرازی اول) ۲۳۶، ۲۳۷

میاں شاہ عنایت رضوی نصر پوری ۳۸۳،

۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶

میاں شاہ کریم ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸،

۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷،

۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴،

۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲،



میر شیر محمد خان ۳۷۹

میر طاهر محمد نیانی ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶

میر فتح علی خان ۹۸

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی ۹۹، ۱۳۵، ۱۴۶، ۱۶۱

۱۶۳، ۱۶۹، ۲۳۳، ۲۳۸

میر محمد معصوم بکھری ۹۱، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹

۱۸۶، ۲۰۶، ۲۳۶

میمن ۲۱۷

مینگو (بائین مینگو راج) ۳۹۶

(ن)

نادر شاہ ۳۷۳

ناگدت بھگشو گیانی ۱۶

نامسدھ ۲۰

نرمحمد (بیٹا امام شاہ) ۱۵۲، ۱۴۸

نصیر بھکیہ (خشت ساز) ۱۲۵

نظام الدین بن عبدالرزاق (در بیلہ کا) ۳۷۰

نگامرہ (قوم) ۶۳

نواب حفظ اللہ خان (ٹھٹھہ کا عالم) ۳۰۸

نوح ہوتھیانی درویش ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۶

۱۴۷

نور نشتر (?) قصائی ۲۰۹

نور و (عالم) ۲۷۵، ۲۷۹

نوری۔ جام تماچی، نصہ ۲۳۰، ۳۷۷، ۳۸۳

نہال شر، گھڑ ۱۲۵

نہڑ یا ۲۲۶

(و)

واڈھول مولچند (مرتب: سامی کا سلوک)

۳۹۸

واسد یو ۱۶

واسینگ (ذات) ۴۰

واگھم چاؤڑہ ۱۰۷، ۱۰۸

وجیہ الدین گجراتی ۱۹۱

واگ بھٹ ۲۰

وزیرانی (جت) ۳۱

وَر رشی ۲۰

وکیو داتارا ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵

ویر گجر ۱۰۴

(ھ)

ہارنئے ڈاکٹر ۱۷

ہارون الرشید عباسی خلیفہ ۵۸

ہر نام سنگھ 'شان' ۲۱۰

ہوڑی والا، پروفیسر ۱۳۳	ہلو (میاں شاہ کریم کا ہم عصر) ۲۲۷
ہیا طلہ ۱۸	ہمون راٹھور ۲۳۰، ۲۳۱
ہیراٹھا کر ۶۷، ۲۲۱، ۲۲۹	ہمون اور دولہہ دریا خان: دولہہ دریا خان۔
ہیم چندر ۲۰، ۲۱	ہمون راٹھور ۲۳۰، ۲۳۱
(ق)	ہمیر جی، راؤ (بھج کا حاکم) ۲۱۷
یارو کاریگر (ذات) پکارو ۱۲۶	ہمیر سومرو ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۱۲
تکی بن خالد برکی ۵۶، ۵۷، ۸۸	ہمیر بن دودو (سومروں کا آخری حاکم) ۱۰۸،
یزید بن عمر بن ہمیرۃ الفزاری ۳۸	۱۱۲، ۱۲۹، ۱۳۹
یعقوب دھوبی ۳۷۹	ہندو ۱۹، ۲۰
یوسف میرک ۱۸۷	ہندو جاتی ۳۹۸
یوسف۔ زلیخا، قصہ ۳۷۸، ۳۸۰	ہندو تھادیانی ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۶
یہودی ۳۵۸	ہو (قبیلہ) ۱۲
	ہوٹھل ۱۳۷
	ہوٹھی (بن جام ہالہ) ۱۰۹

## ملک، شہر، قصبہ، تاریخی مکان

(آ)

(ب)

آرمینیا ۸۲، ۷۱

بابل ۴

آگرہ ۲۰۶، ۱۸۵

باکھاسر (تحصیل ننگر پارکر) ۲۲۶

(۱)

بان نہر ۱۲

آبادو تحصیل ۱۲۴

باہڑ میر ۱۰۲

اُچ ۱۴۴، ۱۴۱، ۱۲۳، ۱۱۸، ۹۵

باہو (بلوچستان کا علاقہ) ۱۲۰

احمد آباد ۲۲۷، ۲۱۸

بدھ نگر ۱۵

اڈیر و لعل گاؤں ۲۰۱

بدھو بارو (اراضی) ۲۲۶

ارل ۲۷

بدین ۳۲۹، ۳۳۶، ۹۲

اروڑ ۳۹، ۹۲، ۹۹، ۱۰۰، ۱۲۳، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰

برانج نہر ۳۸

اگھم کوٹ ۳۸۴، ۲۳۰، ۱۹۷، ۱۹۳

برٹو پیہاڑ ۱۰۴

امر تسر ۳۹۴

برصا (ترکی کا شہر) ۶۶، ۷۱، ۷۲، ۷۵، ۷۶

انجار ۲۱

۸۰، ۸۱، ۸۳، ۸۴، ۷۹

اوڑیہ ۲۲

برہان پور ۷۲، ۷۱، ۷۴، ۱۸۵، ۱۹۲، ۲۰۶، ۲۰۷

اُونھر ۲۹

۲۲۷

اُہر گاؤں (تحصیل عمر کوٹ) ۳۸۷

بصرہ ۵۵، ۸۲، ۲۲۰

بغداد ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۶

اہواز ۹۹

۲۳۹، ۹۱

ایران ۴، ۲۶، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۷، ۱۲۸، ۲۶۹

بکھر (شہر، علاقہ) ۱۰۰، ۱۳۹، ۱۶۷، ۱۶۸

ایرانی بلوچستان ۱۲۱

12A, 12Y, 12Z, 13, 14, 19

۸۲۱۸

بلروی ۳۶۹

بہار (ولہار) ۲۷

بلوچستان ۵، ۳۰، ۶۰، ۹۹، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰،

1A3.121

جیمینی ۱۲۴، ۳۲۲، ۳۲۵، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰،

,ᑦᑭᐱ,ᑥᑭᑲ,ᑥᑭᑳ,ᑥᑭᑴ,ᑥᑭᑵ,ᑥᑭᑶ

[illegible]

بنگال ۲۲۷

یوبک (ضلع دادو) ۱۹۵، ۲۰۵

بھائیہ (جیسل میر) ۶۴

بہاول پور، ۱۷، ۱۸، ۲۳، ۳۸، ۴۳

بہاول پور ڈویژن ۹۱

بہاول پور ریاست ۱۱۲، ۹۱

بہمنوا یعنی منصور ۶۴۵

بنو کچھ ۳۰

( 4 )

بھاڑ مکان (تحصیل جاتی) ۳۸۸

بھٹ بھائی (تحصیل کھپرو) ۱۲۷

۲۱۷

بھیلماں (مارواڑ کا شہر) ۲۳۵

(ت)

تو تکہ کے قبرستان (بمقام بنو تحصیل

کھا، ہوڑی، کچھ) ۳۳۵

۲۶۹

تھر (أراضی) ۱۳، ۲۸، ۹۳

تقریر کر کے ۳۰۱،۶۴

( ۱ )

ثلاثی ۱۷۱

شُد و آدم ۲۳۸

٢٣٨، ١١٦

سند و محمد خان ۱۴۹

(۱۰)

١٠٨، ١١٢، ١١٥، ١١٦، ١١٧، ١١٨، ١٢٣،

[illegible]

187, 120, 169, 162, 152, 136, 125

١٢٠، ٢٠٧، ٢٠٨، ١٩٨ ، ١٨٩، ١٨٨، ١٨٤

٢٣١، ٢٣٦، ٢٤٠، ٢٤١، ٢٤٢، ٢٤٣، ٢٤٤

३५३,३५१,३५०,३४८,३४७

پھیلی نمبر ۱۸۹

پیر ٹر ہو کا قبرستان (تحصیل دادو) ۳۸۲

(ج)

جاتی ۳۰

جاتی تحصیل ۳۸۸،۹۳

جام نگر (نواں نگر) کا ٹھیاواڑ ۲۱۷

جر جان (ملک) ۸۲،۶۸

جلور ابراہیم (افغانوں کا گاؤں) ۱۵۶

جلوالی (جراری) ۲۷

جودھپور ۲۲۶

جونگا گاؤں (تحصیل گولاڑچی) ۳۳۸

جے پور (بھارت) ۲۵۵،۱۷۷

جیسلمیر ۲۳۵،۲۲۶،۲۳،۲۸

جیسین در (راجستھان) ۲۲۶

جیک آباد ضلع ۱۱۹،۳۰

(جھ)

جھوک ۳۸۷

جھونا گڑھ ۲۱۸

جھل ضلع ۳۰

جھم ۲۷

ٹھٹھہ علاقہ ۲۴۳

ٹھٹھہ ضلع ۹۳،۶۴،۳۰

ٹھری (موجودہ تحصیل ماتلی میں ٹھری نظامانی)

۹۲،۹۱

(پ)

پاٹ (ضلع دادو) ۳۰۶

پانٹھ گڑھ (شہر) ۱۰۷

پارنو، تپہ (تحصیل چھاچھرو) ۲۲۶

پاک پتن ۹۶،۹۵

پاکستان ۹۳

پالھن پور ۲۱۷

پانڈھ، شہر کچھ ۳۴۰

پتن ۱۱۱،۱۱۰،۹۱

پتن مینار ۱۱۲،۱۱۱،۱۱۰،۹۱

پٹھیل ۳۵

پران دریا ۳۲۶،۱۴۰،۱۳۹،۱۳۵

پشاور ۶۱

پنجاب ۲۰۶،۲۰۵،۱۸۵،۱۵۶،۲۴،۲۲،۱۳

۲۶۸،۲۶۰،۲۱۶،۲۱۲،۲۰۸،۲۰۷

پنجگور (مکران) ۶۰

مُھل وڈا (رحیم یار خان) ۱۱۱

(چ)

چندی گڑھ یونیورسٹی (بھارت) ۲۱۰

چوٹیاریوں ۳۱۶، ۳۹۰، ۳۹۲

چھاچھر و تحصیل ۲۲۶، ۲۹

چھچھر گاؤں (سن کے قریب) ۳۳۵

چھوٹن، پہاڑ (ہندوستان) ۲۲۶

چیمو پڈ عیدن ۳۲۶

(ح)

حیدر آباد ۳۰۹

حیدر آباد ضلع ۳۰

حیدر آباد - ہالا ۱۳۵

(خ)

خواجه خضر کی خانقاہ ۱۰۰

خیر پور ضلع ۳۰، ۳۰۱

(د)

دجلہ ۴

دریبلہ (ڈبرو) ۱۶۸، ۲۰۰

دشتیاری (بلوچستان) ۱۲۱

دہتایت ۲۷

دلور ۹۲

دمشق ۵۷

دمن و ہارمندری ۱۶

دہلی ۲۳، ۹۶، ۱۰۵، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۲۳، ۱۲۹،

۱۳۰، ۱۳۲، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۵۶،

۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۵، ۱۸۷، ۲۰۶، ۲۱۹،

۲۵۵، ۲۴۲

دیبل ۵۱، ۵۳، ۶۰، ۷۷، ۹۳، ۲۶۹

دینورتیہ (تحصیل عمرکوٹ) ۲۲۶

(ڈ)

ڈاہلی، تپہ (تحصیل چھاچھر) ۲۲۶

ڈیپر گاؤں ۳۵۹

ڈیپر گھانگھر و کامنارہ ۱۵

(ڈھ)

ڈھٹ ۲۲۶

ڈھوروپران ۹۲

(ر)

راجستھان ۲۳، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۵،

۲۵۴

راجستانی علاقہ ۲۶۵، ۲۶۶

راوہن پور ۲۱۷

رامسر (راجستھان) ۲۲۶

رانیلہ، گاؤں (صوبہ ہریانہ، بھارت) ۱۷۶،

۱۷۷، ۲۲۸، ۲۵۶، ۲۶۳، ۲۶۷

سبی ضلع ۱۹۹	رحیم یار خان ضلع ۱۱۱، ۱۲۴، ۱۵۵
سبی۔ ناڑی ۳۰	رن کچھ ۹۲
سر وادی (کھنڈر، نزدیک بنجر پور) ۱۲۳	روپاہ ۱۳۹، ۹۲
سکرا امید (میدیا چھیرون کا بند) ۳۹	روپاہ ماڑی ۹۲
سکرند تحصیل ۱۱۶	روہڑی ۱۳۹، ۱۰۰، ۹۹، ۳۹
سکھر شہر ۳۹	روہڑی اسٹیشن ۱۲۶
سکھر بیراج ۱۰۰، ۳۹	روہڑی۔ سکھر ۷
سکھر ضلع ۶۴	روہڑی شہر ۱۲۶
سمیر ۴	رہموکی بازار ۹۲
سن ۱۶۰	ریٹنی ندی ۱۲۴
سن ساوڑی (تحصیل ضلع نوابشاہ) ۱۱۶	(ز)
بنجر پور (ضلع رحیم یار خان) ۱۲۳	زنج (افریقہ) ۸۲
سندان ۷۷	(س)
سندھ ۳، ۴، ۵، ۶، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵،	سا کرہ ۲۷
۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷،	سامبھر ۲۲
۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۱،	ساموئی ۱۶۹، ۱۴۴
۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴۸، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳،	ساوندی (ساوڑی) ۵۳، ۲۷
۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱،	ساوندی۔ سمہ ۱۱۶
۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۸، ۷۱، ۷۵، ۷۷،	ساگھر ضلع ۶۲، ۶۴، ۳۰۱
۷۸، ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۸۹،	سبزدار (ایران) ۱۳۸
۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱،	سبی ۱۱۹، ۳۰

سندھوادی ۲۵، ۲۴، ۲۳	۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۴
سوئی کا ڈھورہ (لوہانودریا) ۱۰۱	۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۵
سودرو (راجستان) ۲۲۶	۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۸، ۱۴۰
سون میانی ۱۰۰	۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸
سوراشٹر (سورٹھ) ۱۰۳	۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۹، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۵
سئی وہار ۱۶	۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۲
سیف الملوک کا تالاب ۹۹	۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۶
تیج (ہاکڑہ) ۱۱۱، ۱۱۰	۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸
سیراف ۸۲	۲۲۰، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱
سیرامپور (ہندوستان) ۳۵۸	۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۵۱، ۲۵۲
سیوہن ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱	۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹
۳۶۹، ۱۷۰	۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۰، ۳۰۱، ۳۰۲
سیوہن تحصیل ۱۱۶	۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۳۹
سیوہن قلعہ ۱۷۱	۳۵۷، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۳
سیوہن حکومت ۱۱۶	۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲
سیستان ۸۲، ۷۵، ۳۰، ۴	۳۸۷، ۳۹۰، ۳۹۵، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹
(ش)	سندھ - کچھ ۹۳
شادی پٹی اسٹیشن ۱۲	سندھو یا سندھو ویر ۲۲
شام ۹۰	سندھو دریاء ۱۳، ۱۴، ۱۵
شاہ کپور ۹۳	سندھو لیش ۲۴، ۲۲، ۲۱
شکار پور ۳۹۵، ۳۹۴، ۲۰۹	سندھو ندی ۱۳، ۱۵، ۱۶



(ڪ)

ڪاٺياواڙ ۹۳، ۱۰۲، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۸۵، ۲۱۶،

۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۶۸

ڪاٺياواڙ - گجرات ۳۰

ڪاڇيرو (ڪڇهه) ۳۰

ڪاڇيرو (ڪڇهه) ۱۳۳

ڪاڇيرو (ڪڇهه) ۲۸، ۲۳۳

ڪامارو ۲۳۵

ڪانگڙهه (ڪوھستان) ۱۵۶

ڪاھو ڪاٺيل ۱۵

ڪپلور، ٽپهه (تحصيل عمرڪوٽ) ۲۲۶

ڪڇهه ۳۰، ۳۱، ۹۲، ۹۳، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹

۱۱۴، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۸۳، ۱۸۹، ۲۱۶،

۲۱۷، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۵۴، ۳۳۵، ۳۷۸

ڪڇهه - سنڌ ۱۰۸

ڪڇهه - گجرات ۹۲

ڪڇي، ضلع ۱۱۹

ڪڏھن، گاڙو (تحصيل بدين) ۹۲، ۹۹

ڪراچي ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۳، ۸۴، ۸۵،

۸۶، ۲۲۲

ڪلاچي (ڪراچي) ۱۰۰

شهباز گڙهي - مائسره ۱۵، ۱۶

شهدادپور ۱۰۱

شهدادپور تحصيل ۱۱۶

شورن ۳۰

(ط)

طبرستان ۵۲

(ع)

عراق ۴، ۵، ۲۵، ۳۹، ۵۳، ۹۹، ۱۰۰

عرب (ملڪ) ۴۲، ۴۳، ۶۵، ۷۵، ۷۷، ۷۸

عمان ۸۲

عمرڪوٽ ۹۲، ۹۳، ۱۰۸، ۱۳۹، ۲۲۰

عمرڪوٽ تحصيل ۲۲۶

(غ)

غزني ۶۸، ۹۰، ۹۱

غور ۹۰

(ف)

فارس ۵۳

فراٽ ۴

(ق)

قنوج ۱۰۲

قيقان (قلاٽ) ۷۳

(گ)	کرمان ۹۹
گجرات ۲۴، ۹۳، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۸،	کر بل ۲۷
۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۶۹، ۱۸۳، ۱۸۵،	کشمیر ۵۳، ۱۴۵
۱۹۱، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۶۸،	کمرالہ ۱۸۸
گڈھڑو، چپہ اور سرکل (تحصیل چھاچھرو)	کلکتہ ۱۶
۲۲۶	کنٹھ قلعہ ۱۰۸
گرڑیو، بڑا سیو ۱۳۳	کنٹھو (تحصیل چھاچھرو) ۲۹
گنجا نکر (ضلع حیدر آباد) ۱۶۲	کنٹھو اور کنڈ ۱۰۸
گدابی (تحصیل گھوڑا باری) ۳۸۸	کوٹوی (تحصیل دادو) ۱۲۸
گلو پتانی، گاؤں (تحصیل میرپور ماٹھیلو) ۱۲۵	کوٹوی تحصیل ۱۱۶
گرہاب ۲۲۶	کوٹیسر اور کنڈ علاقہ ۱۰۷
گنگا، جمنا دو آبہ ۱۳	کوری کی خلیج کھاڑی ۲۱۶
کنتری (چاوڑوں کا سردار) ۱۰۸	کوفہ ۵۵
گوادر ۱۲۱	کوہستان ۱۸۳، ۲۸
(گھ)	کچھ کرمان ۹۹
گھوٹے (شہر) ۱۰۳	(کھ)
(ل)	کھارو ۲۸
لاڑکانہ ۲۴	کھاڑو ۲۳۵
لاڑکانہ ضلع ۱۲۶	کپرو تحصیل ۲۲۶
لاکھاٹ ۱۱۶	کھرڑی کی جنگ ۳۹۰
لاہور ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۹۳، ۲۰۵، ۲۰۶،	کھمیر گاؤں ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶،



[illegible][illegible]





















۳۱۹ تشبیه  
۷۲۱ سیرت بنویسگر  
۵۳۵ مصحف اخبراف  
۱۳۱۳ سندی سیرت بنویسگر  
(۳)

۳۵۰ سیرت بنویسگر  
۳۳۰ سیرت بنویسگر  
۱۹۲ سیرت بنویسگر  
۳۳۲ سیرت بنویسگر  
(۴)

۷۲۱ سیرت بنویسگر  
۱۲۸۱ سیرت بنویسگر  
۱۳۵۵ سیرت بنویسگر  
۱۲۱ سیرت بنویسگر  
۳۵۵ (سیرت بنویسگر)  
۱۱۳ سیرت بنویسگر  
۳۷۸ سیرت بنویسگر  
۳۸۵ سیرت بنویسگر  
۳۱۰ سیرت بنویسگر  
۳۳۲ سیرت بنویسگر

۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳  
۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹  
۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹  
۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹  
۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳  
۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳  
(۵)

۳۸۰ سیرت بنویسگر  
۹۲۹ سیرت بنویسگر  
۳۳۵ سیرت بنویسگر  
۷۲۱ سیرت بنویسگر  
۱۲۸۱ سیرت بنویسگر  
۱۳۵۵ سیرت بنویسگر  
۱۲۱ سیرت بنویسگر  
۳۵۵ (سیرت بنویسگر)  
۱۱۳ سیرت بنویسگر  
۳۷۸ سیرت بنویسگر  
۳۸۵ سیرت بنویسگر  
۳۱۰ سیرت بنویسگر  
۳۳۲ سیرت بنویسگر



لله استغفر

۲۰. لومۃ المصابین فی التوفیق والنصر الخیر

لله المستقيم، والحمد لله

۵۵۔ اے نبی! کہہ دیجئے کہ میں نے اپنے رب سے اس کی خبر پائی ہے

۵۹ باب کہلا، تنہیم اخیر

لله الم و اليه المرجع

سلسلہ تہذیبیہ و ادبیہ

$\alpha^{\vee}, \beta^{\vee}, \gamma^{\vee}, \delta^{\vee}, \epsilon^{\vee}$

•7'17ג7'ט7'ח7'ז7'ו7'ה7'ד7'ב7'א

۵۵۲ تنہا خیر

۵۶۲۹ کجا، ب، کجا خیر

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ



۱۲۔ یہ ہے کلیم الخیر

۵۰. در مقام، در مقام

۷۴ بحار انوار

[illegible]

١٥٦، ٧٥، ٢٤، ١٢، ١٠، ٩، ٨، ٧، ٦، ٥، ٤، ٣، ٢، ١

h b m

۱۴۴۱

۱۷۷۷ء - ۱۷۷۸ء (۱۷۷۷ء - ۱۷۷۸ء)

۱۵۲، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲

[illegible]

762, 662, 562, 462, 362, 262, 162, 62

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

72

۷۵، نیکمچہ، قلعہ فتنہ کجی کجی

۲۴۳ قیوم

[illegible]

٤٧٦١

[illegible]

• لہذا، اللہ

۵۷۱ اچھا، ان سنی مسیحی

۷۷۰. سید و بی بی کے نام کے لئے لکھا ہے

[illegible][illegible]

۱۳۲۶ قمری سن ۱۳۲۶ قمری

لله الحمد لله'7 لاله اكبره في جميع الاماكن

۷۸۵۷۲۱۰۳۹۴۵۶۷۸

(5)

१५६७८९०।

اسلامی کتب خانہ



لے لے انجیر سیبہ و سکنج

[illegible]

۷۷۹ قمری

۷۴۴ ھجریہ ۱۳۴۲

۷۵، ۷۶ و ۷۷ ایمان

۱۰۰۰

لله الحمد والبركة

[illegible]

۷۶۸ نمبر - دیوبند

المعاني والكتابات

۱۵۶۷

၁၆၇၆ ခု၊ ၁၂ မိုးရာသီ

(1)

۱۷۱۷ء ۷۷۷ھ - کتبہ

۱۳۶۷ء • • • ستمبر

۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱

لے لے گا کہم اچا ام

അയ്യപ്പൻ

۷۷۰۰ کم و بیش

لے لے گا کی پیروی نہ کرے

۱۰۹۰۲۳۴۵۶۷۸۹۰۰

(۲)

\*\*\*

'الله' الله' الله' لا' لا' لا' تتمم في

لہذا وقت، انیسویں

70. 461, 461

יבא ידו וידו וידו וידו

[illegible]

۱۵۴۲ یی بوی پیل ۱۶۱۶ تا ۱۶۱۷

(5)

[illegible]

۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷

[illegible]

لله أكبر

۱۶۱۸

۷۱۴ کی کہنہ جہان

۱۲۸۱ کمره پیر

٧٧٧، ٧٧٨ • في هذا التور

لله الشكر

۵. خنجریم، کربنیر

ہاں، ہاں! یہ سچ ہے؟

۷۷۔ ہیستہ کپڑا

۵۰. در میان مردم

بسم الله الرحمن الرحيم



